بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

(احوال و آثار)

تحقیق و تحریر

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد

اُردو ترجمہ

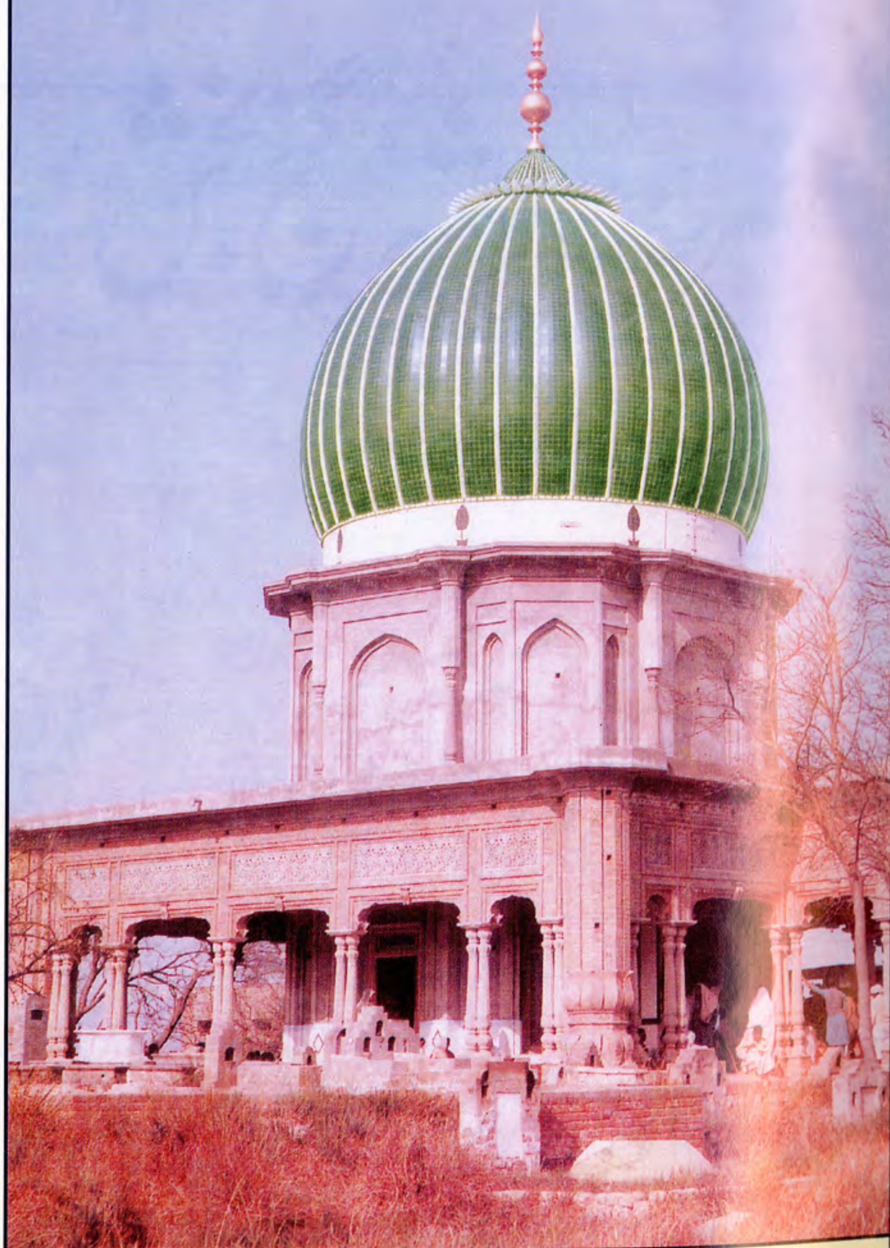
صاحبزادہ تنویر حسین نوشاہی

مکتبہ نوشاہیہ دربار حضرت غیبی والی سرکار سنگھوئی ضلع جہلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت نوشہ گنج بخشؒ

احوال و آثار



مزار اقدس امام سلسلہ نوشاہیہ مجدد اعظم

رنمل شریف ضلع منڈی بہاؤالدین

حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

(احوال و آثار)

تحقیق و تحریر

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد

اُردو ترجمہ

صاحبزادہ تنویر حسین نوشاہی

مکتبہ نوشاہیہ دربار حضرت چنبی والی سرکار سنگھوئی ضلع جہلم

انتساب

والدِ محترم کے نام

نام کتاب .... حضرت نوشہ گنج بخشؒ (احوال و آثار)

تحقیق و تحریر .... پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد

اُردو ترجمہ .... صاحبزادہ تنویر حسین نوشاہی

طبع 2009ء

پریس .... پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور

ناشر .... صاحبزادہ ناصر وحید نوشاہی
سجادہ نشین
دربار حضرت چنھی والی سرکار سنگھوئی (جہلم)

ہدیہ .... -/600روپے

کتاب ملنے کے پتے:

☆ مقصود پبلشرز جیلانی سنٹر اردو بازار لاہور

☆ اے۔ون پبلشرز الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ Sofi M. Younes Noshahi
102-Trea Ford Lane
Ward End Birmingham- B8-2UE, UK

پنجاب یونیورسٹی کی چھٹی نمبر D/879-Ph.D/94 مورخہ 16-4-1994
کے تحت اس مقالہ کو شائع کرنے کی منظوری دی گئی

حُسنِ ترتیب

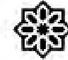
☆ دیباچہ (پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد) ......صفحہ 13 تا 20

☆ عرضِ مترجم (صاحبزادہ تنویر حسین نوشاہی) ......صفحہ 21 تا 25

☆ تحقیق وتنقید کا بہترین مرقع (پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا) ......صفحہ 26

باب 1: حیاتِ حضرت نوشہ گنج بخشؒ (حالات و واقعات) ......صفحہ 27 تا 158

نام۔ خاندان۔ جائے ولادت گھگانوالی۔ آبائی وطن چن وال۔ حسب نسب سے متعلق مختلف آراء۔ (سادات گیلانی۔ سادات علوی۔ عباسی۔ کھوکھر۔ جالپ۔ کھکھر ول۔ قریش۔ گلگو۔ قطب شاہی سید۔ ان بیانات کا تحقیقی تجزیہ) قطب شاہ کی تاریخی حیثیت (قطب شاہ کی ہندوستان میں آمد) قطب شاہ کے ساتھ کھوکھروں کا تعلق (کھوکھروں کا ہندی نسل ہونا۔ کھوکھر راجپوت اور اعوانوں کا تعلق۔ کھوکھر اور جالپ کھوکھروں کا تعلق) نوشہ صاحبؒ کی قومیت جالپ راجپوت۔ شجرہ نسب۔ ولادت (سن ولادت 959ھ/ 1552ء کے بارے مختلف بیانات) سلسلہ نوشاہی کی ماخذ کتب کی اندرونی شہادتیں (تاریخ ولادت کا تحقیقی جائزہ۔ صحیح تاریخ ولادت 1014ھ/ 1605ء عیسوی) ولادت کے متعلق پیش گوئیاں۔ پیدائشی ولایت اور بچپن کی کرامات۔ ابتدائی تعلیم اور تربیت۔ عبادت و ریاضت۔ پاکیزہ شباب۔ حلیہ۔ لباس۔ شادی۔ سیر و سیاحت۔ حق کی جستجو۔ ریاضت اور مجاہدہ۔ بیعتِ طریقت۔ بیعت کا واقعہ۔ شجرہ طریقت۔ خلافت۔ نوشہرہ تارڑاں میں رہائش۔ نوشہرہ تارڑاں اور قطب نوشہرہ کا تحقیقی تجزیہ۔ موضع ساہنپال میں رہائش (ساہنپال کی تاریخی حیثیت۔ موضع رنمل اور اُس کی تاریخی حیثیت) لقب نوشہ ملنا۔ مرشد کے ساتھ آخری ملاقات۔ اخلاق و عادات۔ مہمان نوازی۔ سخاوت۔



توکل پسندی۔ نماز کی پابندی۔ گنج بخش خطاب کی وجہ۔ اسلام کی تبلیغ (دو لاکھ ہندوؤں کا مسلمان ہونا۔ مستشرقین کے بیانات کا جائزہ۔ نوشہ گنج بخش کا سلسلہ تبلیغ) کرامات۔ حکام سے مراسم (شاہجہان کا نذرانہ جاگیر۔ شاہی فرمان کی نقل) وفات (1064ھ/ 1656ء یا 1103ھ/ 1691ء۔ سلسلہ نوشاہی کی ماخذ کتب کے حوالے سے تحقیقی جائزہ) صحیح تاریخ وفات (3ربیع الاول 1103ھ/ 1691ء) مدفن (مزار موضع ساہنپال یا موضع رنمل تحقیقی جائزہ) مزار کی تعمیر و مرمت۔ عُرس۔ تبرکات۔ اولاد (اولاد کا مختصر شجرہ) نیابت۔ نوشہ صاحبؒ کے متعلق مشائخ کے اقوال۔ نوشہ گنج بخشؒ مورخین کی نظر میں

باب 2: تصانیف نوشہ گنج بخشؒ .... صفحہ 159 تا 296

مطبوعہ کتب

1- چہار بہار (فارسی ملفوظات)
2- گنج الاسرار (اردو مثنوی)
3- گنج شریف (پنجابی کلام)
4- انتخاب گنج شریف (اردو کلام)
5- مواعظہ نوشہ پیرؒ (وعظ۔ پنجابی نثر)

غیر مطبوعہ کتب

1- ذخائر الجواہر یا ارشادات نوشاہیہ (فارسی ملفوظات)
2- کلمات طیبات یا ملفوظات نوشاہیہ (//)
3- جواہر مکنون یا اسرار و معارف (//)
4- لطائف الاشارات (//)
5- معارف تصوف (فارسی نظم)

مطبوعہ کتب کا تفصیلی تعارف

1- چہار بہار (ص161-204)

(ملفوظات) مرتبہ ہاشم شاہ تھرپالوی۔ چہار بہار کے خطی نسخے۔ مطبوعہ نسخے۔ چہار بہار مرتب شرافت نوشاہی (متن کا تقابل۔ چہار بہار کی ترتیب۔ چہار بہار کے مضامین۔ پہلی بہار۔ دوسری بہار۔ تیسری بہار۔ چوتھی بہار) چہار بہار کی اہمیت۔ چہار بہار کا فکری پہلو

2- گنج الاسرار: (اردو مثنوی) (ص204-228)

(سال تصنیف۔ گنج شریف کے مختلف نام۔ مثنوی گنج الاسرار نوشہ گنج بخش کی ہے یا غلام محی الدین میرپوری کی۔ تحقیقی تجزیہ۔ غلام محی الدین میرپوری کی مثنوی گلزار فقر اور نوشہ گنج بخش کی مثنوی گنج الاسرار کے متن کا موازنہ۔ گنج الاسرار نوشہ گنج بخش کی ثابت ہونا۔ گنج الاسرار کا نوشہ گنج بخش کی دوسری کتب سے فکری ربط) گنج الاسرار کی ادبی اور لسانی اہمیت

3- گنج شریف: (پنجابی کلام) (ص228-282)

تعارف۔ تحقیقی تجزیہ۔ گنج شریف کا ماخذ (گنج شریف پر اعتراض)۔ ماخذ کی اصل حقیقت۔ ماخذ کے شواہد۔ گنج شریف کی تدوین۔ گنج شریف نوشہ گنج بخش کا کلام ہے یا نہیں، تحقیقی تجزیہ۔ گنج شریف کا موضوع۔ (شریعت۔ کلمہ۔ مرشد۔ درویشی اور فقیری۔ اخلاقیات۔ دنیا اور دنیادار۔ ہندومت کا رد۔ وحدۃ الوجود)

4- انتخاب گنج شریف: (اردو کلام) (ص282-285)

(تعارف۔ انتخاب گنج شریف کا ماخذ۔ انتخاب گنج شریف کا موضوع۔ اردو کی صوفیانہ شاعری اور گنج شریف۔ انتخاب گنج شریف کی لسانی اہمیت)

5- مواعظ نوشہ پیر: (ص285-293)

ماخذ۔ مواعظ کی اہمیت اور موضوع۔ فکری پہلو۔ پہلا وعظ۔ دوسرا وعظ۔ تیسرا وعظ۔

چوتھا وعظ۔ پانچواں وعظ۔ چھٹا وعظ۔ لسانی پہلو۔ ادبی پہلو۔ تاریخی پہلو۔

غیر مطبوعہ کُتب کا تعارف (ص293-296)

باب 3: حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پنجابی شاعری (فکری مطالعہ) صفحہ 297 تا 432

نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں صوفیانہ مسائل۔ تصوف کیا ہے۔ صوفی کسے کہتے ہیں۔ تصوف کے سرچشمے۔ اخلاقی پہلو۔ تصوف پر اثرات۔ دیسی تصوف۔ (پنجابی شاعری میں تصوف کی روایت۔ نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری میں تصوف کے اہم پہلو۔ توحید و رسالت۔ قرآن حدیث میں توحید (کلمہ طیبہ) کا ذکر۔ پنجابی شاعری میں توحید کا ذکر۔ نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری میں توحید و رسالت کا ذکر) کلمہ توحید کی برکات و فضائل۔ نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں مرشد کا تصور۔ قرآن پاک کا ارشاد۔ حدیث شریف میں سے مرشد کا جواز۔ صحابہؓ کا دور۔ بزرگان دین کا بیان۔ پنجابی شاعری میں مرشد کا تصور۔ کلام نوشہ گنج بخشؒ میں مرشد کا تصور۔ مرشد کی پہچان۔ مرشد کا فرض (بعد کے شاعروں پر نوشہ گنج بخش کے تصورِ مرشد کا اثر) وحدۃ الوجود (وحدۃ الوجود کی حقیقت۔ بزرگان دین کے اقوال۔ وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود۔ پنجابی شاعری میں وحدۃ الوجود۔ نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری میں وحدۃ الوجود۔ پنجابی شاعری میں وحدۃ الوجود کے سب سے بڑے شاعر نوشہ گنج بخشؒ۔ بعد کے صوفی شعراء پر ان کا اثر) توبہ۔ دنیا کی بے ثباتی۔ اخلاقی شاعری۔ صبر و رضا۔ فقر اور درویشی۔ ذکر فکر۔ مسئلہ تناسخ اور ہندو مت کا رد۔

باب 4: حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پنجابی شاعری (فنی مطالعہ)... صفحہ 433 تا 506

اسلوب کسے کہتے ہیں۔ اسلوب اور شخصیت۔ نوشہ گنج بخش کا اسلوب۔ زبان کی اہمیت۔ نوشہ صاحب کی شاعری کی زبان۔ عربی فارسی الفاظ کا استعمال۔ محاورے اور آکھان۔ نوشہ صاحبؒ کا اندازِ بیان۔ صنائع بدائع۔ مراعاۃ النظیر۔ صنعت تلمیح۔

تشبیہات کا استعمال۔ ہندی الفاظ کا استعمال۔ قرآنی آیات کے تراجم۔ احادیث کے تراجم۔ خوبصورت قوافی۔ ماحول کی عکاسی۔ چند نئے فنی کمالات۔ اٹ۔ مانجھ۔ پنجابی غزل کے پہلے شاعر۔ کافی (نوشہ گنج بخش کی کافیوں میں راگوں کا استعمال) بحور کا استعمال۔ موسیقی کا عنصر۔ راگ سارنگ۔ سوہی۔ تلنگ۔ گوجری۔ اساوری۔ کیدارا۔ گوری۔ رام کلی۔ بلاول۔ برج۔

باب 5: حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پنجابی نثر .... صفحہ 507 تا 531

پنجابی نثر اور مواعظ نوشہ۔ مواعظ کا فکری تجزیہ (اکبری دور کے لادینی نظریات کا اثر شاہجہانی عہد تک۔ عوامی سطح پر ان کے وعظوں کا اثر اور کامیابی) مواعظِ نوشہ کی لسانی، ادبی اور تاریخی اہمیت۔ (قدیم ترین پنجابی نثر)

باب 6: حضرت نوشہ گنج بخش کی اُردو شاعری (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ) صفحہ 533 تا 592

(اردو کلام انتخاب گنج شریف کا لسانی مطالعہ۔ اردو کی صوفیانہ شاعری اور نوشہ گنج بخشؒ کا اردو کلام) نوشہ صاحبؒ کے کلام کا تقابلی جائزہ۔ نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کا امتیازی پہلو (تصوف کا رنگ۔ موسیقی کا انگ۔ مختلف بحور کا استعمال۔ صوفیانہ اصطلاحات اور ان کی باریکیاں۔ اردو زبان کی پیدائش۔ ارتقاء اور جائے پیدائش کے حوالے سے گنج شریف کی اہمیت۔ قرآنی آیات اور احادیث کے تراجم۔ ترکیب سازی۔ ہندی، فارسی، عربی اور پنجابی الفاظ کی تراکیب۔ کچھ فنی خوبیاں۔ شاہجہاں سے عالمگیری عہد کا بہترین لسانی نمونہ۔ نوشہ گنج بخشؒ کا دوسرے شعراء پر اثر۔ (فنی تجزیہ)۔ علم بیان کی خوبیاں۔ تشبیہ استعارہ) صنائع لفظی۔ تجنیس۔ تجنیس تام متماثل۔ تجنیس تام مستوفی۔ تجنیس مضارع۔ تجنیس زائد و ناقص۔ تجنیس لاحق۔ تجنیس مرفو۔ تجنیس مذیل۔ تجنیس محرف۔ تجنیس تنسیق الصفات۔ صنعت ترافق۔ صنعت تلمیح۔ صنعت اشتقاق۔ صنعت شبہ اشتقاق۔ صنعت تحت

النقاط۔ بے نقط و نقطہ وفوق النقاط۔ صنعت سیاق الاعداد۔ صنعت سجع یا مسمط۔ صنعت ردّ العجز علی الابتداء۔ صنعت رد العروض علی الابتداء۔ صنعت رد العروض علی الصدر۔ صنعت لزم و مالایلزم۔ صنائع معنوی۔ صنعت ایہام۔ صنعت ایراد المثل۔ صنعت مذہب کلامی۔ صنعت سوال و جواب۔ صنعت تصلیف۔ صنعت تضاد یا طباق۔ طباق ایجابی۔ طباق سلبی وغیرہ۔

☆ ضمیمہ جات صفحہ 593 تا 608

☆ اشاریہ صفحہ 609 تا 628

☆ کتابیات صفحہ 629 تا 640

دیباچہ

برصغیر پاک و ہند میں دینِ متین کی ترویج واشاعت کے ذریعے رشد وہدایت اورعلم وفن کے چراغ روشن کرنے میں پنجاب کے جن اولیائے عظام نے اہم کردار ادا کیا ان میں قطب الاقطاب، امام العارفین بانئ سلسلہ نوشاہیہ حضرت حاجی محمد قادری معروف بہ نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا نامِ نامی اسمِ گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی تبلیغی کوششوں اور کارناموں کا اعتراف نہ صرف ہمارے ہاں کے صاحبان علم وفضل کرتے آئے ہیں بلکہ مستشرقین کو بھی واضح الفاظ میں اس کا اعتراف رہا ہے۔ آپ جہانِ تصوف کے روشن آفتاب تسلیم کیے جاتے ہیں، صدیوں سے جاری آپ کے فیضان وکرم سے مستفیض ہونے والے نظر ومستی کے حامل نوشاہی درویش پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جو آج بھی دلوں اور ذہنوں کی کایا پلٹنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ ہر عہد میں قابل ذکر علما، شعرا، محققین اور صاحب طرز ادباء آپ کے سلسلہ فیض سے وابستہ رہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ علم وعمل سے عبارت تھی۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی زیادہ تر شہرت ایک باعمل صوفی، درویش اور ولی اللہ کے طور پر تو دلوں پر حکومت کرتی رہی مگر آپ کے علمی ادبی کارناموں کا ذکر بہت کم کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ آپ کا مزار اقدس اور اس سے ملحق آبادی بار بار سیلاب کی لپیٹ میں آتے رہے اور مخطوطات کی صورت محفوظ ہونے والا علمی ادبی خزانہ سیلابی ریلے کی نظر ہو کر وقت کے ساتھ ساتھ ضائع ہوتا گیا۔ لیکن علمی و روحانی سرمائے کی گواہی ان عارفانہ اشعار، مقولوں اور ضرب الامثال سے ملتی رہی جو سلسلہ نوشاہیہ سے وابستہ درویشوں کو سینہ بہ سینہ یاد چلے آ رہے تھے۔ ان میں مثنوی گنج الاسرار کا ذکر

خصوصی طور پر کیا جاتا رہا۔ میرے بڑے بزرگ صدیوں سے سلسلہ نوشاہیہ سے وابستہ تھے۔صوفیانہ ماحول میں آنکھ کھولنے اور پرورش پانے کے باعث حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ساتھ بچپن ہی سے محبت راسخ اور عقیدت انیسِ جاں ہوتی چلی گئی۔ اپنے بزرگوں کی صاف گوئی ، سچائی اور پارسائی کو دیکھتا تو تصور ہی تصور میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا سراپا تلاش کرنے کی کوشش کرتا، جن کی روشن تعلیمات کے باعث ہمہ وقت گھر میں صوفیانہ خیالات اور پاکبازی کی خوشبو بکھری بکھری محسوس ہوتی تھی۔ یوں سلسلہ نوشاہیہ سے میری نسبت بچپن سے ہی قائم ہوگئی۔ سکول کے زمانہ میں اکثر ایسے لمحات آتے تھے جب اپنے بزرگوں کی زبان سے نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار کے علاوہ مولوی غلام رسول عالمپوری اور بلھے شاہؒ کے عارفانہ اشعار سنتا۔ اگرچہ کم سنی کی وجہ سے ان اشعار کا مفہوم پوری طرح سمجھ نہ پاتا مگر روحانی سی لذت ضرور محسوس ہوتی۔ انہی پُرکیف لمحات کی بدولت پنجابی صوفیانہ شاعری سے میری دلچسپی بڑھتی گئی، جسے جلا بخشنے میں میرے والد اور روحانی پیشوا شمس المشائخ حضرت سائیں محمد شریف صاحبؒ (سجادہ نشین دربار عالیہ حضرت سائیں شیر شاہ صاحبؒ جلال آباد) کی نظر التفات نے اہم کردار ادا کیا۔ یوں سکول کے زمانے میں پنجابی کلاسیکی شاعری اور معروف داستانوں کا مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا جس نے صوفیاء کے کلام اور ان کے احوال کی تلاش وتحقیق کا ذوق عطا کر دیا۔

1976ء میں ایم اے اردو میں داخلہ لینے کی غرض سے یونیورسٹی اوری اینٹل کالج گیا تو پتا چلا کہ ایم اے پنجابی کی کلاسز بھی جاری ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے نثری مواعظ کو نصاب کا حصہ دیکھا تو خوشگوار حیرت ہوئی، کیونکہ اس سے چند سال پیشتر عجائب گھر لاہور کے ایک مخطوطے میں بھی اسی نوعیت کا ایک وعظ دیکھ کر اس کی فوٹو کاپی حاصل کر چکا تھا۔ بس یہی سرشاری تھی جو ایم-اے پنجابی میں داخلہ کا باعث ٹھہری۔
یونیورسٹی کے زمانہ طالب علمی کے دوران جہاں آپ کی اُردو اور پنجابی

شاعری کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا وہاں کچھ محققین و ناقدین کی آراء بھی سامنے آئیں کہ یہ شعری اور نثری تحریریں آپ کی نہیں بلکہ آپ سے منسوب کی گئی ہیں۔ جبکہ ان آراء کا کوئی مثبت جواب بھی نہیں دیا جا رہا تھا۔ چنانچہ ایم اے کے بعد ''نوشہ گنج بخشؒ حیاتی فکر تے فن'' کو موضوعِ تحقیق بنا کر پی ایچ-ڈی کی سطح پر کام کرنے کی منظوری حاصل کی گئی تاکہ اصل حقائق سامنے آسکیں۔ اس سے دو فائدے مقصود تھے ایک حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے سوانح اور دوسرا آپ کے علمی ادبی کارناموں کے حوالے سے شکوک وشبہات کو دور کرنا اور پنجابی زبان وادب میں آپ کی نگارشات کا مقام متعین کرنا تاکہ پنجابی ادب کی تاریخ مرتب کرنے والوں کے لیے آسانی پیدا ہو۔ اس سلسلے میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مآخذات کی تلاش کے ساتھ ساتھ نوشاہی سلسلہ سے وابستہ اہل قلم حضرات سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ مخطوطات کا مطالعہ بذات خود ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ جبکہ کچھ ایسے مخطوطات بھی نظر سے گزرے جن میں ذاتی اغراض کے پیش نظر تحریف کی گئی تھی۔ روشنائی کاغذ اور اندازِ کتابت اس تحریف کی گواہی دے رہے تھے۔ چنانچہ ایسے مخطوطات سے استفادہ کرنے سے گریز کیا گیا ،صرف مکمل اور معتبر مخطوطات سے ہی مطلوبہ مواد اکٹھا کرنے کی سعی کی گئی۔ اس سلسلے میں فارسی مخطوطہ ''تذکرہ نوشاہی'' خاص طور پر قابل ذکر ہے جو 1146ھ/ 1733ء میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے پرپوتے حافظ محمد حیاتؒ نے مرتب کیا۔ اس کی اساس مرزا احمد بیگ لاہوری کا رسالہ الاعجاز ہے۔ تذکرہ نوشاہی سے پہلے اسی رسالے کی بنیاد پر معروف فارسی شاعر مولانا غنیمت کنجاہی کے بھتیجے محمد ماہ صداقت کنجاہی 1126ھ/ 1714ء میں ثواقب المناقب لکھ چکے تھے۔ جسے بعد ازاں محترم ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے مرتب کیا اور اس کا کچھ حصہ اوری اینٹل کالج میگزین شمارہ جنوری 1960ء میں شائع ہوا۔ ثواقب المناقب اور تذکرہ نوشاہی کے واقعات کی ترتیب ایک جیسی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا احمد بیگ کے رسالہ میں بھی واقعات کی ترتیب یہی تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حافظ محمد حیاتؒ نے اپنے والد اور

بھائیوں کے حالات کا اضافہ کیا جبکہ مرزا احمد بیگ نے نوشہ صاحبؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہاشم دریا دلؒ کی اولاد کا تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ سلسلہ نوشاہیہ کے دیگر ماخذات کنزالرحمت، تحائف قدسیہ اور مراۃ الغفوریہ وغیرہ کی بنیاد بھی یہی کتب ہیں۔ چنانچہ تذکرہ اور ثواقب المناقب کے تقابلی مطالعہ سے نوشہ صاحبؒ کی زندگی کے حالات و واقعات اکٹھے کیے گئے اور ان واقعات کی تصدیق کے لیے اُس عہد کی معاصر تواریخ شاہ جہاں نامہ وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔

حضرت نوشہ گنج بخش کی ولادت 959ھ/ 1552ء اور وفات 1064ھ/ 1654ء بتائی جاتی ہے جبکہ خاندانی مخطوطات کا گہرا مطالعہ اور تاریخی شواہد اس کی گواہی نہیں دیتے۔ اسی طرح نوشہ صاحبؒ کے خاندانی پس منظر اور سلسلہ نسب سے متعلق مختلف روایات کا اندراج ملتا ہے کوئی اُنہیں سید، کوئی علوی، کوئی کھوکھر، کوئی گلگو (گھمہار)، کوئی قطب شاہی اور کوئی جالپ راجپوت ظاہر کرتا ہے۔

سچ کیا ہے یہ معلوم کرنے کے لیے خاندانی شجرے، موضع رَمل، ساہنپال، گھگانوالی، نوشہرہ تارڑاں، سنگھوئی (جہلم) پُنن وال تحصیل پنڈ دادن خان اور بھلوال جا کر معلومات اکٹھی کرنے کے علاوہ محکمہ مال گجرات، جہلم کا ریکارڈ ملاحظہ کیا گیا۔ دربار حضرت نوشہؒ کے محل وقوع کے لیے فرد جمعبندی حاصل کی گئی۔ ان کاوشوں کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے ان کو مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

(الف) حضرت نوشہ گنج بخشؒ جالپ راجپوت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

(ب) آپ کے آباؤ اجداد موضع گھگانوالی ضلع گجرات نہیں بلکہ موضع پنن وال کے رہنے والے تھے۔ یہ علاقہ جالپاں کہلاتا ہے۔ محکمہ مال کے ریکارڈ کی نقول ضمیمے کے طور پر آخر میں لگائی گئی ہیں۔

(ج) آپ شیر شاہ سوری کے بیٹے اسلام شاہ کے عہد میں نہیں بلکہ جہانگیر کے عہد میں پیدا ہوئے، شاہ جہاں کے عہد میں فکر وفن کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں وصال فرمایا۔ یوں آپ کا سال ولادت 959ھ/ 1552ء کی بجائے 1014ھ/ 1605ء اور سال وفات 1064ھ کی جگہ 1103ھ/ 1691ء ہے۔ تقابلی اور تاریخی مطالعے کے نتائج کو شکوک وشبہات سے پاک رکھنے کے لیے ہر صفحے کے فٹ نوٹ میں متعلقہ ماخذات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

(د) جہاں تک اس رائے کا تعلق ہے کہ اُردو پنجابی کلام آپ کا نہیں بلکہ آپ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں آپ کی حیات مبارکہ کے حالات و واقعات اور پنن وال سے گجرات تک بولی جانے والی زبان (پنجابی) کے مخصوص لہجوں کو مدنظر رکھتے ہوئے لسانی تجزیے کے ذریعے اس حقیقت کو آشکار کیا گیا کہ یہ رائے کسی بھی طرح دُرست نہیں۔ گنج الاسرار سمیت اردو پنجابی شاعری اور نثر آپ ہی کی نگارشات ہیں۔

(ہ) اپنی صوفیانہ شاعری کے حوالے سے آپ صوفی شعراء میں ایک بلند اور منفرد مقام کے حامل نظر آتے ہیں۔ خصوصاً توحید و رسالت، تصور شیخ، فلسفہ وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود اور ذکر وفکر کی اہمیت کے ساتھ ساتھ مسئلہ تناسخ کے رد میں آپ نے جو کچھ کہا اس نے ہماری صوفیانہ شاعری کی روایت کو مضبوط اور توانا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بلکہ اس سے صوفیانہ شاعری کی معاشرتی حیثیت اور ضرورت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

(و) گو کہ نوشہ صاحبؒ نے اپنی شاعری سے دین وتصوف کی تبلیغ و اشاعت کا ہی کام لیا مگر اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ آپ نے پنجابی شاعری میں کچھ نئے تجربات بھی کیے جن میں ماجھ، اٹ اور غزل کی اصناف کا ذکر بطور خاص کیا جا سکتا ہے۔ اٹ ایک ایسی صنف سخن ہے جس کا قافیہ مصرعے کے درمیان آتا ہے۔ یقیناً یہ ایک مشکل صنف ہے شاید اس

لیے نوشہ صاحبؒ کے بعد کسی اور قابل ذکر شاعر کے ہاں اس کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی پہلی بار منکشف ہوتی ہے کہ شاہ جہاں کے عہد میں پنجابی غزل کی ابتداء بھی نوشہ صاحبؒ ہاتھوں ہوئی۔ گو کہ اس پر فارسی غزل کی طرح تصوف کا رنگ غالب ہے۔

(ز) آپ کے چھ مواعظ اب تک سامنے آ چکے ہیں ان مواعظ کے تاریخی، ادبی اور لسانی تجزیے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ مواعظ پنجابی نثر کا قدیم ترین نمونہ ہیں یوں آپ پنجابی نثر کے بانی ٹھہرتے ہیں۔

(ح) نوشہ صاحبؒ کی اردو شاعری کے حوالے سے ایک بات طے ہے کہ آپ کی پنجابی اور اردو شاعری میں موضوعات میں یکسانیت ہے چنانچہ تکرار سے گریز کرتے ہوئے اردو شاعری کا صرف تحقیقی وتنقیدی حوالے سے تجزیہ کیا گیا ہے۔

یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تحقیق حرف آخر ہے۔ تحقیق کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ ادبیات کا طالب علم ہونے کے ناطے اپنے تئیں حقائق تک پہنچنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے اور اس اُمید کے ساتھ یہ سب کچھ کتابی شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شخصیت اور فکر وفن کے بارے میں جہاں غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا وہاں کچھ نئی معلومات بھی سامنے آئیں گی جس سے مستقبل میں تحقیق کے نئے دروازے کھل سکیں گے۔

اس سلسلے میں مجھے اپنے چند مہربانوں کی نوازشات اور تعاون کا شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے اس تحقیقی وعلمی سفر کو آسان بنانے میں قدم قدم پر میری راہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ سب سے پہلے صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہیؒ (سجادہ نشین دربار عالیہ چنی والی سرکار سنگھوئی ضلع جہلم) کا ممنون ہوں کہ انھوں نے کم وبیش چار ماہ تک میری مہمان نوازی کی۔ پنڈ دادن خاں، جہلم، گجرات اور بھلوال کے ان تمام مقامات پر

میرے ساتھ جاتے رہے جن سے نوشہ گنج بخشؒ کا کسی نہ کسی حوالے سے تعلق رہا۔ سلسلہ نوشاہیہ سے وابستہ اہل علم حضرات سے ملاقاتوں کا موقع فراہم کیا۔ اپنے کتب خانے سے استفادہ کرنے کا موقع دیا۔ تحریف سے بچے ہوئے مخطوطات کی فوٹو کاپیاں عطا کیں اور محکمہ مال سے متعلقہ ریکارڈ مہیا کیا۔ اگر وہ پُرخلوص طریقے سے مدد نہ کرتے تو پوری صحت کے ساتھ حقائق سامنے نہ آتے۔

جناب شرافت نوشاہی مرحوم نے ساہنپال/ لاہور اور جناب برق نوشاہی مرحوم نے دوران تحقیق ڈوگہ ضلع گجرات میں اپنے اپنے کتب خانوں سے استفادہ کرنے کا موقع دیا۔ صاحبزادہ خضر نوشاہی اور طارق مجاہد جہلمی کے وسیلہ سے محبوب حسین نوشاہی صاحبؒ سے متعارف ہوا۔ جناب عارف نوشاہی صاحب سے بعض معاملات پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ صاحبزادہ نصرت نوشاہی سجادہ نشین آستانہ شاہ مراد صاحبؒ شرقپور شریف نے ثواقب المناقب اور ماہنامہ القادر نوشاہی کی جلدیں مہیا کیں۔ ڈاکٹر اسلم رانا مرحوم، پروفیسر حفیظ تائب مرحوم اور ڈاکٹر سید اختر جعفری مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ صاحبزادہ اظہر کمال نوشاہی صاحب برطانیہ میں قیام کے دوران انڈیا آفس لندن لائبریری سے ٹیلیفون پر معلومات بہم پہنچاتے رہے۔ دیوانِ شاہ ہمدان سید وقار علی حیدر نوشاہی قادری سچیاری ایران سے طرائق الحقائق کا نسخہ لائے۔ ان تمام احباب کی محبت کا قرض اتارنے کے لیے شکریے کا لفظ ناکافی ہے۔

میں شکر گزار ہوں تعلیم وتحقیق کے وسیع تجربے کی حامل، علم پرور شخصیت اور اپنے بہت ہی مہربان اُستاد پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب کا جنھوں نے بطور نگران مقالے کی فنی باریکیاں سمجھانے کے ساتھ ساتھ بہترین مشوروں سے نوازا۔ ان کی بہترین راہنمائی کے سبب یہ مقالہ بروقت پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام مہربانوں کو جو اس وقت دنیا میں نہیں کروٹ کروٹ رحمت عطا فرمائے اور جو بقید حیات ہیں ان کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے۔

یہ مقالہ بنیادی طور پر پنجابی زبان میں لکھا گیا تھا۔ بیرونی ممتحنین نے اس مقالہ پر پی ایچ-ڈی کی ڈگری کی سفارش کرتے ہوئے اسے معیاری تحقیق کی بنا پر قابل اشاعت بھی قرار دیا۔ چنانچہ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی صاحبؒ کی زبردست خواہش تھی کہ اس کا اردو زبان میں ترجمہ کروا کر شائع کیا جائے تاکہ وابستگان سلسلہ نوشاہیہ کے علاوہ دیگر افراد بھی اس سے پوری طرح استفادہ کر سکیں۔ اگرچہ وہ اپنی بیماری کے سبب اس خواہش کی تکمیل ہوتے نہ دیکھ سکے مگر لائق تحسین ہے ان کے فرزندِ ارجمند صاحبزادہ تنویر حسین نوشاہی صاحب کی کاوش، جنہوں نے اپنے والد گرامی کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے اس مقالے کو اردو زبان میں منتقل کیا۔ ان کا انداز بیان معیاری بھی ہے اور موثر بھی۔ مگر یہ تمام کاوش ادھوری رہتی اگر عزت مآب صاحبزادہ ناصر وحید نوشاہی (سجادہ نشین دربار عالیہ حضرت چنبی والی سرکار سنگھوئی) کی خصوصی دلچسپی اسے اشاعت کی منزل تک نہ لے جاتی۔ صاحبزادہ موصوف اپنے والد گرامی کی طرح خلیق، ملنسار، مہمان نواز، صاحبِ نظر اور سلسلہ نوشاہیہ کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں دردِ دل رکھنے والے فیاض طبیعت سجادہ نشین ہیں۔ ان گنت افراد آج بھی ان کے خم خانۂ تصوف سے اسی طرح فیضیاب ہو رہے ہیں جس طرح ان کے والد گرامی صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہیؒ سے ہوتے تھے قبل ازیں وہ محبوب صاحبؒ کی کچھ کتب شائع کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر مقالے کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد
چیئرمین شعبہ پنجابی
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

عرضِ مترجم

اولیاء کرام کے تذکرے اور حالات و واقعات مخلوقِ خدا کی نجات کے لیے رہبر و راہنما ہیں۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے سب سے پہلے اپنی زندگیوں کو اُسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالا اور پھر مخلوقِ خدا کے سامنے خود کو بطورِ نمونہ پیش کیا۔ خدا کے ان مخلص بندوں کی ساری زندگی اسلامی تعلیمات کی سچی اور حقیقی تصویر تھی۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کی اشاعت اولیاء کرام کی کاوشوں سے ممکن ہوئی، اور اس بات کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ ان برگزیدہ ہستیوں کی فہرست میں شامل ایک نام بانیٔ سلسلہ نوشاہیہ، حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادریؒ کا بھی ہے۔ آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اشاعتِ اسلام میں بانی سلسلہ نوشاہیہ اور آپ کے خلفاء کی خدمات بے پناہ اور ناقابلِ فراموش ہیں۔ مشہور مستشرق پروفیسر آرنلڈ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''Preaching Of Islam'' میں لکھا ہے پنجاب میں حاجی محمد نامی بزرگ گزرے ہیں۔ کہا جاتا ہے ان کے ہاتھ پر دو لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے روحانی اور خاندانی نسبت ہونے کی وجہ اس بات کی شدت سے کمی محسوس ہوتی تھی کہ آپ کی حیات و تعلیمات سے متعلق کوئی مُستند کتاب عصرِ حاضر میں موجود نہیں ہے۔ آپ کی حیات و تعلیمات سے متعلق جو کتب دستیاب تھیں وہ فارسی زبان میں اور قلمی نسخوں پر مشتمل تھیں۔ جن کا آج کے دور میں حصول اور سمجھنا عام لوگوں کے لیے تقریباً ناممکن ہے، اور ماضی قریب میں لکھی جانے والی کتب میں پائے جانے والے ابہام قاری کو کسی نتیجے پر نہیں پہنچاتے۔

اس ضمن میں اُمید کی ایک کرن پیدا ہوئی جب ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد کا تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ-ڈی جو حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی حیات و تعلیمات ، آپ کی شاعری اور نثر نگاری کے حوالے سے تھا، میری نظر سے گزرا۔ یہ مقالہ پنجابی زبان میں تھا اور یونیورسٹی کی لائبریری تک محدود تھا۔ اس لیے عام آدمی کا اس سے استفادہ کرنا مشکل تھا۔

اس مقالے کے مندرجات پڑھنے کے بعد میرے والد گرامی قدر اور روحانی مرشد صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہیؒ (سجادہ نشین دربار عالیہ حضرت چنھی والی سرکارؒ سنگھوئی ،ضلع جہلم) اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی حیات و تعلیمات ، شاعری اور نثر گاری کے حوالے سے یہ ایک جامع اور تحقیقی کتاب ہے۔ جتنا جلد ہو سکے اس کا اردو میں ترجمہ کرنا چاہیے اور چھپوا کر منظرِ عام پر لانا چاہیے۔ تا کہ عوام بالعموم اور متوسلین سلسلہ عالیہ قادریہ نوشاہیہ بالخصوص حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی حیات و تعلیمات سے متعلق صحیح جانکاری حاصل کر سکیں اور آپ کی تعلیمات سے استفادہ کر کے اپنی دُنیا اور آخرت کو سنوار سکیں۔ چنانچہ میں نے والد محترم کی خواہش پر اس تحقیقی مقالے کو اردو میں ترجمہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس پر کام شروع کر دیا۔ اللہ رب العزت کا بے پایاں احسان ہے کہ اُس نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کے صدقے مجھ ناچیز کو اس کام کے سرانجام دینے کی توفیق بخشی۔

اس مقالے کو جو بات عصر حاضر میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے حالات پر لکھی جانے والی موجود دیگر کتابوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی تحقیق کا اعلیٰ معیار ہے۔ فاضل مصنف نے کوئی بات اپنی طرف سے قاری پر مسلط نہیں کی۔ تمام حالات و واقعات کو بنیادی ماخذ کتابوں ، سرکاری ریکارڈ اور مستند تاریخی کتب کی روشنی میں بیان کیا ہے اور فیصلہ اپنے قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

کتابی صورت میں یہ تحقیقی مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے حالات زندگی کا مفصل احاطہ کیا گیا ہے اور اس بات کا کماحقہٗ اہتمام کیا گیا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی ذات سے متعلق جو غلط فہمیاں، مثلاً آپ کی قومیت ، آبائی وطن، تاریخ پیدائش اور مدفن کے حوالے سے ، خانوادے کے اندر پائی جاتی ہیں اُن کا ازالہ ممکن ہو سکے۔ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد کی یہ کاوش قابل ستائش ہے کہ انہوں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ تمام تر تعصّبات سے بالاتر ہو کر اصل حقائق کو سامنے لایا جائے اور اس ضمن میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جائے۔ کتاب کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تحقیق کے تمام تقاضے پورے کیے گئے ہیں اور تمام ممکن ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اس امر کو یقینی بنانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

حضرت نوشہ گنج بخش قادریؒ نہ صرف ایک بلند پایہ صوفی تھے بلکہ اپنے دور کے ایک عظیم شاعر اور پنجابی زبان کے پہلے نثر نگار بھی تھے۔ فاضل مصنف نے مقالے کے دوسرے باب میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شخصیت کے ادبی پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ اس باب میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی تصانیف کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور آپ کی شاعری سے متعلق پائے جانے والے شکوک کا تحقیقی پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہوئے ازالہ کیا ہے۔

کتاب کے تیسرے باب میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پنجابی شاعری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور اس کے فکری محاسن کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے کلام میں دین کے بنیادی عقائد سے لیکر تصوف کی باریکیوں تک کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی تعلیمات میں آدابِ شیخ طریقت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آپ کی شاعری میں اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ آپ کے کلام میں موجود تصور شیخ ، وحدۃ الوجود اور دیگر اہم صوفیانہ مسائل پر فاضل مصنف نے قرآن و حدیث کے حوالے سے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، جو عام قاری کے لیے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔

کتاب کا چوتھا باب حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری کے فنی اور تکنیکی پہلوؤں سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد چوں کہ پنجابی زبان و ادب سے وابستہ ہیں، اس لیے پنجابی زبان و ادب کے طالبعلم کی حیثیت سے انہوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری کے اندر پائی جانے والی خصوصیات اور فنی محاسن کو سامنے لایا جائے تا کہ پنجابی زبان و ادب سے شغف رکھنے والے حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے اسلوبِ بیان سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ یوں ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد نے بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کی ہے جس پر کام کر کے پنجابی زبان و ادب کے طالبعلم نئی راہیں تلاش کر سکتے ہیں۔

حضرت نوشہ گنج بخش نے نہ صرف اپنی شاعری کو مخلوق خدا کی راہنمائی کا ذریعہ بنایا بلکہ اس کے ذریعے زبان و ادب کی گرانقدر خدمت بھی سرانجام دی۔ اس کے ثبوت آپ کی نثر نگاری میں بھی ملتے ہیں۔ کتاب کے پانچویں باب میں آپ کی نثر نگاری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے اور تحقیق سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی نثر پنجابی زبان کی قدیم ترین نثر ہے اور آپ پنجابی زبان کے پہلے نثر نگار ہیں۔ ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد نے حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی نثر کی تاریخی، فکری، ادبی اور لسانی اہمیت پر بہت عمدہ بحث کی ہے۔ آپ کی نثر مواعظ کی شکل میں ہے جس میں آپ نے توحید، رسالت، ایمان، اولیاء اللہ کی صحبت، استقامت، سچ کی اہمیت، سادہ زندگی گزارنے اور قرض سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ بظاہر یہ چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں مگر مقالہ نگار نے جس انداز میں انہیں موضوع بحث بنایا ہے اس سے حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی تعلیمات کا موثر اور بہترین نقشہ سامنے آتا ہے، جس کی آج کے معاشرے میں اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

کتاب کے آخری باب میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی اردو شاعری کو موضوع بحث بناتے ہوئے آپ کی اردو شاعری کے فکری اور فنی محاسن اجاگر کیے گئے ہیں۔ جس

سے اردو شعری ادب میں کچھ نئے حقائق اور معلومات کا اضافہ ہوا ہے۔

مجموعی طور پر مقالہ نگار نے حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی حیات و تعلیمات اور فکر و فن کو محققانہ انداز کے ساتھ جس آسان اور خوبصورت پیرائے میں قلمبند کیا ہے یقیناً اس سے سلسلہ نوشاہیہ کی خصوصیات اور پہچان واضح ہوتی ہے۔ بلاشبہ قبل ازیں اس نوعیت کا معیاری کام سامنے نہیں آ سکا۔

مجھے اعتراف ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت بعض اوقات نفسِ مضمون کا متاثر ہو جانا قدرتی امر ہے تاہم کوشش کی گئی ہے کہ پنجابی سے اُردو زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اصل مفہوم سے قریب تر رہا جائے تا کہ پڑھنے والے کو یہ محسوس نہ ہو کہ وہ ترجمہ پڑھ رہا ہے بلکہ اصل تحریر کا لطف اٹھائے۔

والد محترم اپنی زندگی میں اس مقالے کو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کرنے کا ارمان رکھتے تھے لیکن ناسازیٔ طبع کے باعث انہیں موقع نہ مل سکا۔ مجھے اس تحقیقی مقالے کا اردو زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اس لیے بھی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس کوشش سے جہاں آج میرے والد گرامیؒ کی خواہش پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے وہاں قارئین کو بانیٔ سلسلہ نوشاہیہ سے متعلق بہت سی نئی معلومات پہلی بار میسر آ رہی ہیں۔ مجھے اُمید ہے اس خدمت اور کاوش کو علمی ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مترجم
صاحبزادہ تنویر حسین نوشاہی
سنگھوئی ضلع جہلم

تحقیق وتنقید کا بہترین مرقع

پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد صدر شعبہ پنجابی ، یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور پنجابی زبان کے نامور محقق اور نقاد ہیں۔ ان کی بہت سی تصنیفات اور مقالات شائع ہو کر ادبی حلقوں میں ستائش وتوصیف کے مستحق قرار پائے ہیں۔ انہوں نے ''حضرت نوشہ گنج بخشؒ - احوال و آثار'' کے موضوع پر ایک معیاری مقالہ لکھ کر پی ایچ - ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہ مقالہ پنجابی میں لکھا گیا تھا لیکن نسبتاً وسیع استفادے کی غرض سے اس کو اردو میں ترجمہ کروا کر شائع کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر زاہد نے حضرت نوشہؒ کے احوال و آثار کا مرقع بڑی کاوش اور بڑی عرق ریزی سے تیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مخطوطات و مطبوعات سے ریزہ ریزہ جمع کیا ہے اور سرکاری ریکارڈ تک رسائی کر کے حضرت نوشہؒ اور ان کے بزرگوں کے بارے میں مستند معلومات یکجا کر دی ہیں۔

علاوہ ازیں انہوں نے حضرت نوشہؒ کے تمام صوفیانہ اور ادبی آثار کو نہ صرف دریافت کیا ہے بلکہ دقیق تنقیدی نظر سے پرکھ کر بہت سی غلط فہمیوں کو دور کر دیا ہے۔ ڈاکٹر زاہد کا یہ مقالہ پنجابی ادب کی تحقیق وتنقید کا ایک کارنامہ ہے۔ پنجابی کے نوجوان محققین کو چاہیے کہ اسے ایک مثالی نمونے کے طور پر سامنے رکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کریں۔

پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
ڈائریکٹر شعبہ تاریخ ادبیات
جامعہ پنجاب

باب 1

حیاتِ حضرت نوشہ گنج بخشؒ

حالات وواقعات

نام

مخلوق خدا کی رہنمائی کے لیے برصغیر پاک وہند کے جن جلیل القدر اولیاء سے علم وعرفان کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا ان میں قطب الاقطاب امام العارفین بانیٔ سلسلہ نوشاہیہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا نام نامی بہت نمایاں ہے۔ آپ کا اصل نام حاجی محمد [1] ، لقب نوشہ [2] اور خطاب گنج بخش [3] ہے۔ والد ماجد کا نام حضرت علاء الدین [4] اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی جیونی [5] تھا۔ جو قصبہ ہیلاں [6] ضلع گجرات کے مفتی شیخ عبداللہ کی صاحبزادی تھیں۔ [7] لطائف گل شاہی کے مصنف نے آپ کی دادی صاحبہ کا نام اسالت [8]

-1 محمد حیات (وفات 1173ھ/ 1759ء): تذکرہ نوشاہی: تصنیف 1146ھ/ 1733ء (قلمی) مملوکہ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی سنگھوئی ضلع جہلم ص 128
-2 تذکرہ نوشاہی مذکور ص 128 و برق نوشاہی: نوشہ گنج بخش: مطبوعہ ڈوگہ گجرات 1975ء ص 27
-3 تذکرہ نوشاہی ص 128
-4 ایضاً ص 64 و نوشہ گنج بخش ص 28
-5 محمد اشرف منچری: کنز الرحمت (منظوم فارسی) تصنیف 1220ھ/ 1805ء گوجرانوالہ 1911ء ص 30
-6 گجرات سے 25 میل جانب مغرب واقع ہے۔ سنسز رپورٹ کے مطابق رقبہ 2266 ایکڑ اور آبادی 3120 افراد، ڈاکخانہ اور پرائمری سکول موجود ہے۔ شہنشاہ اکبر کے ایک امیر شیخ علی بیگ کا مقبرہ موجود ہے جو گکھڑوں کیساتھ لڑائی میں مارا گیا تھا۔ ساتھ ہی ایک گاؤں شیخ علی پور آباد ہے۔
(Distt. Census Rport Gujrat -1961, Chapter III P.48)
-7 شرافت نوشاہی: (مرتب) گنج شریف پنجابی: ادارہ معارف نوشاہیہ ساہنپال ضلع گجرات 1980ء ص 19
-8 شیخ گل محمد (وفات 1170ھ): لطائف گل شاہی: (قلمی) مملوکہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات ص 51

خاتون لکھا ہے۔

ہفتاد اولیاء کے مصنف مولانا شریف الدین احمد مراد سہروردی بدایونی نے آپ کا نام حاجی بنو شاہ گنج بخش، اسرار طریقت کے مصنف سید محمد غوث بن سید حسن بادشاہ گیلانی قادری لاہوری (م 1152ھ) نے حاجی گلگو اور نسب نامہ سادات (قلمی) کے مرتب جلال حسین شیرازی نے آپ کا نام نعمت اللہ نوشہ گنج بخش لکھا ہے۔[1] لیکن سلسلہ نوشاہیہ کے مآخذات تذکرہ نوشاہی، ثواقب المناقب [2]، کنزالرحمت اور تحائف قدسیہ [3] سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کا اصل نام حاجی محمد، لقب نوشہ اور خطاب گنج بخش ہے۔

خاندان

سلسلہ نوشاہیہ کے تذکروں میں آپ کے خاندان سے متعلق زیادہ تفصیل دستیاب نہیں ہے۔ صرف محمد ماہ صداقت کنجاہی نے ثواقت المناقب میں اس قدر ذکر کیا ہے:

"دودمان مجموعہ کرامت ایشان، در قلمرو پنجاب بمشق صلاح و تقویٰ روشنائی دارد۔ وفہرست کمالات معانی پنہانی، آں صفاکیش، چوں نوشتہ کراماً کاتبین محو و منسی نتواند شد۔ خصوصاً شیخ رحیم الدین عم بزرگوار آں چراغ دودۂ کبارعم انوارہ، کہ چوں معنی، صاحب لفظ بودہ۔ ریاضت ذوالنون خمیدہ پشت و بجنب مجاہدۂ آں شمشیر قطع تعلقات چوں نون تنوین، وجود نداشت، وقربانی مقام ابراہیم فنافی اللہ یعنی شیخ علاء الدین، قبلہ گاہ حاجی کعبہ وجہ اللہ کہ جادہ پیمائی ابراہیم ادھم، چوں نقش مسطر، برائے بیت می شمرد، یک نفس بے سفر، کعبۂ قبلہ نما، آرام دلش ممکن نبود۔ قامت خم کشتۂ

1- جلال الدین حسین شیرازی: نسب نامہ سادات (قلمی) مخطوطات شیرانی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور نمبر 2209 ورق 71 , 70
2- محمد ماہ صداقت کنجاہی (وفات 1148ھ/1735ء): ثواقب المناقب؛ تصنیف 1126ھ/1714ء مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی شامل اورینٹل کالج میگزین، جنوری 1960ء
3- پیر کمال لاہوری: تحائف قدسیہ؛ تصنیف 1186ھ/1772ء (قلمی) مملوکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی شرقپور

او، برنگ حطیم، زیارت گاہ داستان و دل پرشور زمزم دار، صفا بخش پاکبازاں۔ از رشک داغ عشق، آں مشکیں کاکل مسکین نواز حجرالاسود در سواد کعبہ چوں خال چہرہ حبشی، مستور۔ واز شرم حق گزاری آں ابن السبیل سعادت، دمساز، ام القریٰ، عروس وار بحیا مشہور۔ کعبۂ پشمینہ پوش، باستقبال آں لبریز، زمزمہ شور عشق، چوں صوفی وجہ پرداز، از خویش می رفت۔ وکوہ صفا بتعظیم آں گوہر کان صدق، مانند صدا، از سر خویش بری خاست۔ شہرت بہفت حج آں دیباچہ ہشت بہشت برنگ سبعہ سیارہ حکم تواتر دارد...... مجموعہ تقویٰ وطہارت "بی بی جیونی" والدۂ ماجدۂ آں ابوالوقت، آں قدر جد و جہد عصمت و پاکی داشت کہ توحید رابعۂ بصری پیش تفرید آں یگانہ عصر صفر وار در ہیچ شمار نبود۔"[1]

آپ کے والدین اور چچا صاحبان کی بزرگی اور پرہیز گاری کے متعلق تمام تذکرہ نگاران صداقت کنجاہی سے متفق ہیں اور اس امر میں بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ آپ کے والد محترم نے پیادہ پا سات حج کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے والد شیخ علاء الدین المشہور حاجی غازی، شیخ رحیم الدین (چچا) اور والدہ مرحومہ کی قبور موضع گھگانوالی [2] تحصیل پھالیہ گجرات میں ہیں۔

1- ثواقب المناقب ص 77-76
2- گھگانوالی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں ایک چھوٹا سا گاؤں گجرات سے براستہ سڑک 44 میل جنوب مغرب واقع ہے۔ کل رقبہ 1594 ایکڑ، آبادی ایک ہزار نفوس سے بھی کم ہے۔ دو مرتبہ برباد ہو کر آباد ہوا۔ گاؤں کے مغرب میں قدیم ٹبہ ہے۔ جو آجکل قبرستان ہے۔ بحوالہ (Distt. Sensus Roport Gujrat)
اس مقالے کے تسوید کے سلسلہ میں گھگانوالی جانے کا اتفاق ہوا تو گاؤں کے امام مسجد کے ہاں بڑے سائز کی ایک پرانی اینٹ موجود تھی جو ان کے بقول گاؤں کے قدیمی قبرستان سے برآمد ہوئی۔ اینٹ پر یہ شعر کندہ تھا:
اتاں تھپن ہارا لالہ ناں گھمیار کھو دا پالن بالیا سکندر دا وار
اصرار کے باوجود امام مسجد نے اینٹ کی تصویر نہ بنانے دی۔ سکندر سے مراد سکندر لودھی ہو سکتا ہے۔

جائے ولادت گھگانوالی

بقول مولوی نور احمد چشتی ''نوشہ صاحبؒ کا وطن قدیمہ گھگیاں والی''[1] پیر نواب علی کے قول کے مطابق نوشہ صاحبؒ گکھیانوالی[2] میں پیدا ہوئے جبکہ کنزالرحمت کے مصنف مولوی محمد اشرف مچھری نے گھگانوالی کو نوشہ صاحبؒ کا قدیمی وطن قرار دیا ہے:

گھگانوالی وطن قدیم آں ولی ست
ز بھلوال دور است کوہفت و بیست [3]

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے جس گاؤں میں جنم لیا اُس کا صحیح نام گھگانوالی ہے، جو ہیڈ قادر آباد روڈ گجرات سے 44 میل بجانب جنوب مغرب تحصیل پھالیہ میں واقع ہے۔ محکمہ مال ضلع گجرات کے ریکارڈ کے مطابق:

''پہلے اس رقبہ میں دیہہ کہنہ معروف گھگانوالی پڑا تھا۔ مالکان آباد کنندہ اس دیہہ کے عہد سلطنت متعلقہ میں نیست و نابود ہوگئے۔ پھر ''قوم تارڑ'' کا مورث آباد ہوا۔ وہ بھی کسی غدر میں کسی صدمے سے اجڑ گئے اور دیہہ ویران ہوگیا۔ عرصہ چار پشت کا ہوا بعہد سردار مہاں سنگھ مسمی وارث شاہ قوم سید گوت بخاری نے موضع لورلوراہا[4] پرگنہ ضلع ہذا سے اٹھ کر دیہہ کہنہ پر باعانت حاکم وقت آباد کیا۔ تب سے برابر ایک جگہ آباد ہے ویران نہیں ہوا۔ ایک تہہ کہنہ معروف ''ساندر'' رقبہ دیہہ ہذا میں واقع ہے۔ رقبہ اس تہہ کا شامل ہر دو گاؤں

1- نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی؛ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1964ء ص 245
2- ماہنامہ القادر نوشاہی، گمٹالہ گورداسپور جنوری 1925ء ص 22
3- کنزالرحمت ص 30
4- اس نام کا کوئی گاؤں اب اس علاقے میں نہیں ہے۔

کے محفوظ ہے۔ مالکان اس تہہ کا معلوم نہیں کہ کون تھے اور کب اُجڑ گئے۔ باقی اقوام متفرق مندرجہ شجرہ نسب وقت تصدیق چٹھہ بندوبست میں بموجب حکم یکم اپریل 1856ء میں مالک بن گئے۔ نام تہہ کہنہ گھگانوالی مشہور ہے۔''[1]

عہد حاضر کے تقریباً جملہ مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ نوشہ گنج بخشؒ نے موضع گھگانوالی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں جنم لیا۔ مگر یہ گاؤں ان کا آبائی اور قدیمی وطن نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے آباؤ اجداد کا قدیمی تعلق اس گاؤں سے نہ تھا۔

قدیم آبائی وطن پنن وال

حضرت نوشہ صاحبؒ کے والدین کا آبائی وطن موضع پنن وال[2] تھا جو آجکل تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم کا ایک اہم گاؤں ہے۔ یہ گاؤں پنڈ دادن خان سے تقریباً 13 میل بجانب مشرق اور جہلم سے 39 میل بجانب مغرب آباد ہے۔ زرعی علاقہ ہے مٹی بہت زرخیز ہے۔ کل رقبہ تقریباً 5189 ایکڑ اور آبادی 4692 نفوس پر مشتمل ہے۔[3]

1- مسل حقیت۔ موضع گھگانوالی، بندوبست سرسری 1857ء قانونی بندوبست مئی 1868ء محافظ خانہ محکمہ مال گجرات
2- کنزالرحمت کے اکثر قلمی نسخوں میں آبائی وطن پنن وال لکھا ہوا ہے۔ ''پنن وال وطن قدیم آں ولی ست، ز بھلوال دور است کوہفت و بیست'' لیکن مطبوعہ نسخہ میں پنن وال کی بجائے گھگانوالی درج ہے جو تحقیقی اعتبار سے غلط ہے۔ دیکھئے کنزالرحمت قلمی مملوکہ محبوب حسین نوشاہی موضع سنگھوئی۔ کنزالرحمت کے علاوہ اور بھی کئی شعراء کے کلام سے پنن وال کی تصدیق ہوتی ہے۔ دیکھئے سی حرفی مدح نوشہ پیر (قلمی) از صاحبزادہ شیر علی نوشاہی مملوکہ امجد اقبال نوشاہی موضع رمل تحصیل پھالیہ اور تحائف اصفیاء از سائیں محمد حسن مطبوعہ 1942ء

پنن وال پہلے تھا آرام گاہ　　وہاں راجپوتوں کا تھا عز وجاہ

3- Distt. Census Report Jhelum - 1961 - P - 44

پنڈدادن خان سے لے کر شیر پور تک ''علاقہ جالپ'' کہلاتا ہے۔ علاقہ جالپ کی لمبائی تقریباً 15 میل اور چوڑائی تقریباً 5 میل ہے۔ مغرب کی طرف دریائے جہلم، جنوب کی طرف سالٹ رینج پہاڑوں کا طویل سلسلہ ہے اور پہاڑ کے ایک جانب قلعہ نندناں ہے جسے راجہ انند پال نے تعمیر کرایا تھا۔ محمود غزنوی نے اسے شکست دی تھی۔ روایت ہے کہ البیرونی نے اپنی مشہور ''کتاب الہند'' کا بیشتر حصہ اسی علاقے میں ہی لکھا تھا۔ یہ تمام علاقہ ''جالپ'' قوم کی ملکیت ہے۔ یہاں کے باشندے اپنے نام کے ساتھ راجہ، رائے اور خان لکھتے ہیں۔ جالپ قوم اس علاقے میں صدیوں سے آباد ہیں۔ چوہدری ناصر علی خاں مرحوم کی تحقیق [1] کے مطابق اس علاقے کے جالپ سورج بنسی پنوار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور پنن وال کا علاقہ ان کے بزرگ پنن خان (پنجن خان) نے آباد کیا تھا۔ جالپ ہر دور میں حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک بڑے سردار راجہ احمد خاں جالپ کا تعلق موضع شادی سے تھا جو موضع پنن وال سے متصل ہے۔ بقول صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی سجادہ نشین دربار نوشاہی سنگھوئی ضلع جہلم، حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے دادا سنگین خاں کسی معرکہ میں شہید ہو گئے تھے۔ بعد ازاں نوشہ گنج بخشؒ کے والد، والدہ، چچا شیخ رحیم الدین نے پنن وال سے ملکوال کی جانب ہجرت کی اور گھگانوالی میں سکونت اختیار کی۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے بزرگ جو زمین اپنے آبائی گاؤں میں چھوڑ گئے تھے اُسے صاحب خان کی پتی کہتے تھے۔ اُس زمین کا کچھ حصہ پیر بخش جالپ اور راجہ احمد خاں جالپ کے خاندان کے پاس ہے اور باقی حصہ اب تک رائے سردار علی خان (وفات 1971ء) کے خاندان کے قبضہ میں ہے۔ ان حقائق کی تصدیق 17۔ اکتوبر 1984ء کو پنن والی میں ایک ملاقات میں رائے سردار علی خاں مرحوم کے بڑے بیٹے خضر حیات

1- تحقیق علاقہ وقوم جالپ از چوہدری ناصر علی خان مرحوم (قلمی) مملوکہ راجہ شفقت محمود پنن وال، اسکی نقل پنن وال کے ہر بڑے گھر میں موجود ہے۔

(سکنہ پنن وال) نے خود کی۔ رائے سردار علی خاں مرحوم کے چار بیٹے خضر حیات عمر تقریباً 58 برس، محمد اکبر، محمد افضل اور سلطان محمود بقید حیات (17۔ اکتوبر 1984ء تک) ہیں۔ ان کی حویلی بے حد وسیع وعریض ہے۔ سب سے پہلے پختہ مہمان خانہ ہے۔ پھر دالان ہے۔ صحن میں آٹھ چھتناور درخت ہیں۔ دو برنا کے درخت اور ایک قدیم پیپل ہے۔ اس حویلی کو ''شاماں والا دیرا'' کہا جاتا ہے۔ سردار علی خان کی زندگی میں جمعہ کی نماز کے بعد اس دیرے میں جالپ راجپوتوں کا ہفتہ وار اجلاس ہوتا تھا۔ بقول خضر حیات خان:

''اساں اپنے بزرگاں کولوں سنیا اے کہ نوشہ صاحبؒ دے والد درویش طبیعت سن تے اوہ اکثر ایس پیپل دے ہیٹھاں بیٹھدے سن۔ اک واری حضرت داؤد حقانیؒ (المشہو رودوا حقانی) اوہناں کول تشریف لیائے تے ایس پپل ہیٹھاں ڈیرا کیتا۔ اوہناں نے داؤد حقانی دی بڑی خدمت کیتی۔ جیہڑے تے اوہناں خوش ہو کے نوشہ صاحبؒ دے والدنوں دعا دتی کہ فقر تیرے خاندان وچ ہووے گا۔ ایہہ پپل اج وی اوہناں دی یادگار اے۔ پنن وال دے لوک عقیدت نال ہر روز ایس تھاں تے دیوا بالدے نیں۔ [1] راجہ شفقت محمود دے بقول پنن وال دے جالپاں دا ایہہ عقیدہ اے کہ داؤد حقانی تے نوشہ صاحبؒ دے بزرگاں دی ایس یادگار اُتے جیہڑی دعا کیتی جاوے قبول ہو جاندی اے۔''

صاحب خان کی پتی کی کچھ زمین پیر بخش جالپ مرحوم کی اولاد کے پاس موجود ہے۔ مرحوم کی اولاد میں سے راجہ شفقت محمود (ساکن پنن وال) راجہ لہرسپ خان ایڈووکیٹ جہلم اور راجہ ریاست علی خان (سابق کنٹرولر بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ

1- عقیدت کی بنا پر اس جگہ اردگرد چار دیواری بنائی گئی ہے۔ درختوں پر رنگ برنگ کے جھنڈے لہراتے ہیں۔

سیکنڈری ایجوکیشن راولپنڈی) (17۔اکتوبر 1984ء تک) بقید حیات ہیں۔

محکمہ مال موضع پنن وال علاقہ جالپ پرگنہ پنڈ دادن ضلع جہلم کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ مذکور جملہ بیانات درست اور صحیح ہیں کہ نوشہ صاحبؒ کے بزرگوں کی زمین صاحب خان کی پتی[(1)] کے نام سے موجود تھی اور نوشہ صاحبؒ کے والد کا شجرہ نسب تین چار پشتوں کے بعد صاحب خان سے مل جاتا ہے۔ جس سے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے والدین کا قدیمی اور آبائی وطن پنن وال ہی تھا جبکہ صاحب خان کے آباو اجداد موضع رام دیانہ تحصیل کالووال ضلع شاہپور[(2)] سے یہاں آئے تھے۔

بقول شرافت نوشاہی حضرت نوشہ صاحبؒ کے آباؤ اجداد میں سے جلال الدین گھگانوالی آ کر آباد ہوئے تھے۔ پھر تین چار نسلوں تک یہاں ہی رہے۔[(3)] تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی کیونکہ جلال الدین حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے پڑدادا تھے اگر نوشہ صاحبؒ کے پڑدادا نے ہجرت کی ہوتی تو پھر ان کی اور اُن کے بیٹے سنگین خان کی قبریں گھگانوالی میں ہوتیں۔ جبکہ گھگانوالی میں نوشہ صاحبؒ کے والد، والدہ صاحبہ اور چچا کی قبور[(4)] موجود ہیں۔ آپ کے دادا سنگین خان

1- آخر میں ضمیمہ نمبر 1 دیکھئے۔ فرد جمعبندی موضع پنن وال

2- آج کل یہ ضلع سرگودھا میں شامل ہے۔

3- شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد اول، ادارہ معارف نوشاہیہ ساہن پال، گجرات 1979ء ص 918

4- نوشہ صاحبؒ کی والدہ اور چچا رحیم الدین کی قبریں گھگانوالی گاؤں کے قبرستان میں موجود ہیں۔ والدہ کی قبر کے سرہانے وارث شاہ بخاری کی قبر ہے۔ والد صاحبؒ کی قبر ''حاجی غازی'' کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے جو گاؤں سے جانب جنوب نصف میل دور ہے۔ قبر پختہ ہے اور صاحبزادہ ولی محمد رنملوی نے قبر کے اردگرد چاردیواری بنوادی ہے۔ یہاں عرس بھی ہوتا ہے۔

کی قبر موضع پنن وال کے قدیم قبرستان کڑیالہ[(1)] میں ہے۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نوشہ صاحبؒ کے والد، والدہ اور چچا رحیم الدین ہی گھگانوالی تشریف لائے تھے۔ پنن وال کے کمہاروں کے کچھ رشتہ دار موضع گھگانوالی میں آباد تھے۔ اسی شناسائی کی بنا پر نوشہ صاحبؒ کے والدین گھگانوالی کے کمہاروں کے مہمان ٹھہرے اور برتن سازی کو کچھ عرصہ کے لئے ذریعہ معاش بنایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مصنفین نے آپ کو کِلگلو لکھا ہے۔ حالاں کہ حالات اور واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کمہار نہیں تھے۔ پنن وال میں جس مکان میں آپ کے والدین رہائش پذیر تھے وہ ہنوز موجود ہے۔ اُس میں آج کل (اکتوبر 1984ء) مہدی نامی کمہار رہائش پذیر ہے۔ اس مکان کے دائیں جانب ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

حسب نسب

اگرچہ اسلام میں حسب نسب کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بااین ہمہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ انسان کی شخصیت کی تشکیل کرنے اور پروان چڑھانے میں اُس کے خاندان اور خاندانی روایات بے حد اثر انداز ہوتی ہیں۔ خاص طور پر کسی ادبی شخصیت کے فکر وفن پر لکھنے کیلئے اُس کے خاندان اور حالات اور روایات سے اغماض کسی صورت بھی ممکن نہیں۔ کیوں کہ یہ تمام حالات وروایات شخصیت کے لاشعور پر اپنے اثرات ضرور مرتب کرتے ہیں۔ اسی نقطہ نظر کے تحت ہم نے حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے حسب نسب پر توجہ دی ہے۔

حضرت نوشہ صاحبؒ کے حسب نسب سے متعلق مصنفین میں بے حد اختلاف رائے ہے۔ ان کے بیانات اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ایک محقق کو حقیقت

1- ٹیلے پر کڑیالہ قبرستان موجود ہے۔ جہاں زمین سے بڑے سائز کی اینٹیں اور مٹی کے برتن نکلتے ہیں۔ ممکن ہے یہاں کسی زمانے میں کوئی بستی آباد ہو جواب زیر زمین دفن ہو چکی ہو۔

تک پہنچنے کے لیے بے حد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہذا ہم نے حقائق کی تلاش میں نوشہ صاحبؒ کے آبادئی گاؤں پنن وال سے لے کر رام دیانہ کے معروف خاندانوں تک نہ صرف رسائی حاصل کی بلکہ سرکاری ریکارڈ کی بھی چھان پھٹک کی۔ (1) اس تمام تر تلاش وجستجو سے ہم نے کیا نتائج اخذ کیے اُن کو آئندہ صفحات میں بیان کریں گے، پہلے نوشہ صاحبؒ کے حسب نسب سے متعلق مختلف ادیبوں کی مختلف آراء ملاحظہ فرمائیے۔

(الف) مرزا اختر کیرانوی نے آپ کا شجرہ نسب گیلانی سادات سے یوں ملایا ہے:

حضرت حاجی محمد نوشہ صوفی بن علی ہاشم گیلانی بن بدر الدین اسماعیل بن سید عبداللہ ربانی بن بندگی سید محمد غوث گیلانی اچی (2)

(ب) انیس احمد فاروقی نقشبندی نے بھی یہی شجرہ نسب بیان کیا ہے۔ (3)

(ج) بقول قریشی احمد حسین قلعداری آپ علوی نسب سید تھے۔ (4) عبدالغفور قریشی نے بھی نسب سادات علوی عباسی لکھا ہے۔ (5)

(د) بقول شرافت نوشاہی سید جلال الدین حسین شیرازی نے نوشہ صاحبؒ کو گیلانی سادات میں بتایا ہے۔ (6) دیکھئے شجرہ:

1- صدیوں پرانے ریکارڈ کو تلاش کرنا۔ محافظ خانہ محکمہ مال سے اجازت لینا۔ پرانے رسم الخط کو پڑھنا بے حد دقت طلب کام ہے۔

2- تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان جلد 3 دہلی 1928ء

3- انیس احمد فاروقی: انیس الواصلین اردو ترجمہ تذکرہ الفقراء س-ن ص 45

4- قریشی احمد حسین قلعداری: پنجابی ادب کی مختصر تاریخ، مکتبہ میری لائبریری لاہور 1972ء ص 358

5- عبدالغفور قریشی: پنجابی ادب دی کہانی، عزیز بکڈپو لاہور 1972ء ص 223

6- شرافت نوشاہی: (مرتب) گنج شریف (پنجابی) ساہنپال گجرات 1980ء ص 18

'' نسب نامہ سادات گیلانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ابنہ سید عبدالوہاب ابنہ سید صفی اللہ ابنہ سید ابو صالح صوفی ابنہ سید احمد ابنہ سید مسعود ابنہ شاہ علی ابنہ سید مبارک ابنہ سید شاہ معروف ابنہ سید شاہ سلیمان حضرت ازنوشہ حاجی، از نوشہ ایں شش بزرگوار ہستند۔ اول خواجہ، دوم شاہ محمد، سوئم نور محمد، چہارم حاجی عبدالرحمٰن، پنجم محمد صالح، ششم پیر محمد سچیار۔ کیفیت ایشاں حاجی الحرمین لقب ایشاں حاجی گدائی۔ نام اوشاں نعمت اللہ و نوشہ گنج بخش ہادی بھورے والا۔ چوں حضرت قدوۃ السالکین و زبدہ العارفین، سراج العاشقین، حضرت شیخ اللہ گرانمایہ از بغداد ارزانی فرمودند'' (1)

(ہ) پروفیسر اقبال مجددی فرماتے ہیں '' آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی مرتضیٰؓ پر منتہی ہوتا ہے۔ (2)

(و) برق نوشاہی لکھتے ہیں:

'' نوشہ گنج بخش صحیح النسب علوی سید تھے۔'' (3)

(ز) شرافت نوشاہی رقمطراز ہیں:

'' آپ کے آباؤاجداد سادات علویہ عباسیہ کے معزز ترین افراد سے تھے۔'' (4)

1- نسب نامہ سادات مذکورہ ورق 70/71 (ان حوالہ جات کا تجزیہ اگلے صفحات میں ہوگا)

2- اقبال مجددی پروفیسر: (مقدمہ) انتخاب گنج شریف، دار المورخین لاہور 1975ء ص 15

3- برق نوشاہی: شجرہ شریف نوشاہی؛ ڈوگہ گجرات 1964ء ص 8 و نوشہ پیر ڈوگہ گجرات 1976ء ص 14

4- شرافت نوشاہی: شریف التواریخ، ساہنپال گجرات 1979ء جلد اول ص 916 و جلد دوم حصہ اول گجرات 1982ء ص 162

"آپ خاندان سادات علویہ کے اکابر عمائدین میں سے تھے۔"[1]

"حضرت نوشہؒ کے والد بزرگوار کا نام حاجی الحرمین سید علاؤالدین غازی تھا، جو خاندان سادات سے تھے۔"[2]

"ساڈیاں اپنیاں خاندانی شجریاں وچ آپ نوں علوی سیداں وچوں لکھیا ہویا پایا گیا اے۔"[3]

"آپ صحیح النسب سادات علوی عباسی کے روشن چراغ تھے۔"[4]

(ح) گوہر نوشاہی لکھتے ہیں:

"آپ کی ذات جالپ کھوکھر تھی۔"[5]

(ط) مرزا محمد نے تذکرہ اولیائے ہند میں لکھا ہے کہ "آپ کی ذات کھکھر دل تھی"۔

(ی) شیخ محمد حیات قادری نوشاہی لکھتے ہیں:

"نوشہ صاحبؒ کھوکھر جالپ (قریشی) تھے۔"[6]

سلسلہ نوشاہیہ کے بنیادی ماخذات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

1- شریف التواریخ جلد دوم حصہ دوم ساہنپال گجرات 1982ء ص 1147

2- ایضاً جلد سوم حصہ اول گجرات 1983ء ص 8

3- گنج شریف (پنجابی) ساہنپال گجرات 1980ء ص 18۔ شرافت نوشاہی اسے نوشہ صاحبؒ کا مکمل پنجابی کلام قرار دیتے ہیں۔

4- انوار نوشاہیہ، ساہنپال گجرات 1374ھ ص 10، اذکار نوشاہیہ، ساہنپال گجرات 1964ء ص 23

5- گوہر نوشاہی (مضمون) نوشہ گنج بخشؒ مطبوعہ ماہنامہ گل خنداں (بزرگان دین نمبر) لاہور اکتوبر 1962ء ص 388

6- شیخ محمد حیات: گلزار نوشاہی، لاہور 1915ء ص 5

(ک) شیخ محمد حیات برخورداری مرتب تذکرہ نوشاہی کی تحریر کے مطابق:

"حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ قادری فی الحقیقت ذات شریف ایشاں از قوم کھوکھر جالپ است"[1]

(ل) نوشہ صاحبؒ کے مرید میاں نور محمد سیالکوٹی فرماتے ہیں۔ "حضرت شاہ حاجی محمد گلگو میگویند"[2]

(م) علامہ صداقت کنجاہی مصنف ثواقب المناقب کے قول کے مطابق:

"آں آفتاب برج خاکی زمین کہ گرمی شعلہ شوق او تنگ ظرفاں خام را پختگی آشنا کردہ و آں ابر رحمت رب العالمین کہ در قطار روزگار بہ نسبت جالپ کھوکھر مشہور گشتہ، اما فی الحقیقت ذات آں محوِ حقیقت ذات و عارف گذشتہ از عرفیات بقوم قریش علوی ارتباط دارد"[3]

(ن) سید صالح محمد کنجاہی فرماتے ہیں: "حضرت نوشہ حاجی گلگو بود"[4]

(ق) مولوی محمد اشرف مچری کا بیان ہے:

کسے از بزرگاں شاں پیش زیں — بگلگوئی گردید پیشہ گزیں[5]
از آنجا بگلگوئی شد اشتہار — چوں در عشق ایں کسب کرد اختیار
وگرنہ بعرف او بزرگیں ترست — یقیں داں کہ او جالپ کھوکھر است

o

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) مذکور مملوکہ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی سنگھوئی ضلع جہلم ص 64

2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) مملوکہ دانشگاہ پنجاب لاہور، ذخیرہ شیرانی نمبر 6188، ورق 75 الف

3- صداقت کنجاہی محمد ماہ: ثواقب المناقب مذکور ص 75

4- سید صالح محمد: سلسلۃ الاولیاء (قلمی) تصنیف 1295ھ مملوکہ قریشی احمد حسین قلعداری گجرات

5- کنز الرحمت ص 30

(ر) سائیں جیون صاحب کی رائے ہے:

’’اگر چہ بزرگان عالی جاہ مشہور قوم کمہار رکھتے تھے۔ لیکن اصل میں کمہار نہ تھے بلکہ کہکر (کھوکھر) تھے۔‘‘[1]

اب ان جملہ حوالہ جات کا تنقیدی تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ حوالے کہاں تک درست اور قابل قبول ہیں۔

بقول شرافت نوشاہی سید جلال الدین شیرازی کا مذکورہ شجرہ نوشہ صاحبؒ کو گیلانی سید ثابت کرتا ہے۔ جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شرافت صاحب نے شجرے کا بغور مطالعہ نہیں فرمایا۔ یہ شجرہ نسب نہیں اسے شجرہ طریقت کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ شاہ مبارکؒ اور شاہ معروفؒ آپس میں باپ بیٹا نہیں تھے۔ بلکہ پیر و مرید کا رشتہ تھا۔ اسی طرح شاہ سلیمانؒ اور شاہ مبارکؒ نہ تو سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور نہ ہی وہ باپ بیٹا تھے۔ بلکہ پیر و مرید تھے۔ اگر بالفرض انہیں باپ بیٹا تسلیم کر لیا جائے تو شاہ مبارکؒ اور شاہ سلیمانؒ کے ناموں کے درمیان لفظ ابنہ موجود ہے۔ جبکہ نوشہ گنج بخشؒ اور سخی شاہ سلیمانؒ کے ناموں کے درمیان ابنہ کا لفظ بھی موجود نہیں ہے اور نہ ہی نوشہ صاحبؒ کے گیلانی سید ہونے کا ذکر ہے۔ اسے ہم سادات گیلانی کا صحیح نسب نامہ نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے ہمارے نزدیک ایسا حوالہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

(ہ) پروفیسر اقبال مجددی نے صرف اتنا لکھا ہے کہ ’’آپ کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ پر منتہی ہوتا ہے‘‘ لیکن انہوں نے اسکی وضاحت نہیں کی کہ آپ حضرت علیؓ کی کس اولاد میں سے تھے۔ فاطمی یا غیر فاطمی۔ آپ کی فاطمی اولاد سید اور غیر فاطمی اولاد علوی کہلاتی ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے قطعاً پتا نہیں چلتا کہ نوشہ صاحبؒ حسنی حسینی سید تھے یا علوی؟

1- گلزار نوشاہی مذکور ص 54

(ی) شیخ محمد حیات نے کھوکھر جالپ اور قریش دو مختلف نسلوں کو ایک بنا دیا ہے۔ حالانکہ کھوکھر جالپ ہندی نسل اور قریشی عربی النسل ہیں۔

(م) صداقت کنجاہی کے بیان ’’بقوم قریش علوی ارتباط دارد‘‘ سے کوئی وضاحت نہیں ہوتی کہ نوشہ صاحبؒ کا شجرہ کس قریش سردار سے توسط سے قریش خاندان سے جا ملتا ہے۔ ان تمام بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مصنف نے بھی تحقیق سے کام نہیں لیا۔ بلکہ سنی سنائی باتوں اور روایتوں کو بغیر سوچے سمجھے لکھ دیا ہے۔ جیسے مرزا اختر نے آپ کی ذات کھکھر ول بنا دی ہے۔ برق نوشاہی[1] اور شرافت نوشاہی[2] نے لفظ کھوکھر کو سامنے رکھ کر نوشہ صاحبؒ کا شجرہ کھوکھر شاہ بن قطب شاہ کے ساتھ ملا دیا ہے اور آپ کو علوی نسب سید قرار دیا ہے:

’’حضرت نوشہ گنج بخشؒ بن سید علاؤ الدین حسین غازی الملقب بہ حاجی غازی بن سید شمس الدین سنگی بن سید جلال الدین محمد بن سید عبداللہ ذاکر ہو بن سید شاہ محمد المعروف شہنشاہ بن سید گل محمد بن سید معزالدین بن سید عبدالصمد بن سید عطاء اللہ بن سید عبدالاول بن سید محمود شاہ المعروف پیر جالب بن سید کمال الدین احمد شاہ بن سید جلال الدین سلطان شاہ بن سید محمد شاہ بخت مند بن سید سعید الدین سکندر شاہ بن سید برہان الدین ہمیر بن سید جلال الدین گوہر علی بن سید عزالدین عزت بن سید جمال الدین اسحاق بن سید عبدالحق تجن بن سید زمان علی محسن بن سید عون قطب شاہ بغدادی بن سید یعلیٰ قاسم بن سید حمزہ ثانی بن سید طیار

1- شجرہ شریف نوشاہی مذکور ص 14

2- اذکار نوشاہیہ مذکور ص 25/26

بن سید قاسم بن سید علی بن سید جعفر بن سید ابوالقاسم حمزۃ الاکبر بن سید ابو العباس حسن بن سید عبیداللہ مدنی بن امام ابوالفضل عباس علمدار شہید کربلا بن سید امام ابوالحسن علی المرتضیٰؓ ''

اب ذرا کنزالرحمت اور تذکرہ نوشاہی کے شجرے پر بھی نظر دوڑائیے:

کنزالرحمت

'' حضرت نوشاہ حاجی بن علاء الدین بن سنگین بن جلال بن ہویا بن ساہن بن گل محمد بن موج دین بن ہوندا بن اوتیل بن اویل بن جالب بن اچھر بن سلطان بن مندو بن ساندر بن بھرتہ بن کور بن ملک عزت بن شاہ کود بن بجن بن کھوکھر بن قطب شاہ بن شاہ امین بن شاہ بن شاہ دادن بن لطیف بن شاہ کور بن مناف بن علی ابن ابی طالب''[1]

تذکرہ نوشاہی

'' نسب نامہ حضرت نوشہ صاحبؒ قدس سرہٗ بموجب داانمود رانجھ و مانجہ مراثیانِ قدیم نوشتہ شدہ۔ و ماہیانا و ونجارا پسران رانجہ اند۔ میاں برخوردار و محمد ہاشم والدان حاجی محمد نوشہ اند۔ ولد میاں علاء الدین و بہاء الدین و شادی نیز ابنائے سنگین و کبیرا و اورنگ وسلیمان ابنائے جلو اند۔ بن ہوا بن ساہن بن گلا بن موج دین بن ہوندا بن اوتیل بن ادبر بن جالب و جندو ملہرا و ڈلرا و جھانبہ و تہراج نیز ابنائے جالپ اند۔ و جالپ بن اچھر بن سلطان و سنگین و ماجھرو سبکا بن ابناء سلطان اند و سلطان بن مندو بن ساندر بن بھرتہ بن کور بن ملک اجت بن کود

1- کنزالرحمت ص 30

بن شجبر بن کھوکھر و ڈکھرا نیز ولد کھوکھر بن قطب شاہ بن شاہ ابن بن شاہ دادن بن شاہ لطیف بن شاہ کود بن شاہ مناف بن حضرت علیؓ بن ابو طالب بن عبداللطیف بن ہاشم بن عبدالمناف الہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام''[1]

یہ شجرہ ہائے نسب چند ناموں کے علاوہ شرافت نوشاہی اور برق نوشاہی کے بیان کیے ہوئے شجرہ نسب سے بالکل مختلف ہیں۔ البتہ قطب شاہ کا نام ان میں موجود ہے۔ جس سے شرافت نوشاہی اور برق نوشاہی نے نوشہ صاحبؒ کو علوی سمجھ لیا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم نوشہ گنج بخش کے شجرہ نسب کے متعلق کوئی حتمی نتیجہ اخذ کریں قطب شاہ کے متعلق فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ یہ کون شخصیت تھی۔ کب ہوئی اور ان کی اولاد کیسے یہاں آباد ہوئی۔ اس کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بہت سی نسلیں قطب شاہ کے حوالے سے اپنے آپ کو علوی النسب کہلاتی ہیں۔ جیسے کھوکھر، اعوان اور چوہان وغیرہ، اور حضرت نوشہ صاحبؒ کو بھی علوی اور سید اسی شخصیت کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔

قطب شاہ کی شخصیت کے متعلق مؤرخین کے بیانات اس قدر مختلف ہیں کہ قطب شاہ کی شخصیت نہ صرف دھندلا کر رہ گئی ہے بلکہ مشکوک ہوگئی ہے۔ اس لئے قطب شاہ اب تک تاریخ کے طلباء کے لئے ایک معمہ، قابل غور اور حل طلب مسئلہ بنا ہوا ہے۔[2]

کسی نے ان کا نام عبدالعلی[3] کسی نے عون قطب شاہ[4]، کسی نے

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) مکتوبہ 1180ھ مملوکہ دانشگاہ پنجاب لاہور ذخیرہ شیرانی 6188 ورق 78 الف

2- ایم خواص خاں ہزاروی: تحقیق الاعوان، مانسہرہ ہزارہ، 1966ء ص 148

3- برق نوشاہی: شجرہ شریف نوشاہی مذکور ص 10

4- شرافت نوشاہی: شریف التواریخ مذکور، جلد اول ص 917

میر قطب حیدر [1] اور کسی نے قطب الدولہ [2] لکھا ہے۔ کسی نے ان کی آمد بغداد [3] سے بتائی ہے۔ کسی نے فارس [4] تو کسی نے محمود غزنوی [5] کے ہمراہ غزنی سے لکھی ہے۔ کسی نے اُنھیں امام باقر کا بھائی ظاہر کر کے اسماعلیہ فرقے کا بانی قرار دیا ہے [6] تو کسی نے اُن کے بیٹے زمان علی محسن کو ہندوستانی ماں [7] کے بطن سے ظاہر کیا ہے اور اُنکی ایک بیوی اور تین بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ جو اُن کے ہمراہ بغداد سے آئے تھے اور پھر واپس چلے گئے تھے۔ کسی نے اُنھیں حضرت عباس علمدار کی اولاد میں سے [8] قرار دیا ہے تو کسی کے خیال میں وہ امام حنیف کی [9] اولاد میں سے تھے۔ کوئی امام زین العابدین بن حضرت امام حسینؓ کی اولاد میں [10] سے لکھتا ہے اور کوئی اُنکے علوی ہونے سے [11] انکار کرتا ہے۔

o

-1 ملک شیر محمد خان: تاریخ الاعوان؛ اشاعت منزل لاہور س۔ن ص 24
-2 تحقیق الاعوان ص 151
-3 شریف التواریخ: جلد اول ص 917، شجرہ شریف نوشاہی ص 10
-4 تاریخ الاعوان ص 34 و ہنومان پرشاد: مخزن تاریخ نولکشور س۔ن ص 219
-5 ایضاً ص 25 ، 24
-6 مخزن تاریخ ص 219
-7 شریف التواریخ جلد اول ص 917
-8 ایضاً ص 197
-9 تحقیق الاعوان ص 165 و تاریخ الاعوان ص 25
-10 تفصیل کے لئے۔ سید غلام حسین شاہ: سیرۃ الاولیاء
-11 تفصیل کے لئے۔ علامہ نجم الحسن کراروی: ذکر العباس؛ شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور س۔ن

(2)

قطب شاہ کی تاریخی حیثیت

اب ہم تاریخی اعتبار سے جائزہ لیں گے کہ قطب شاہ کا تعلق کس زمانے سے تھا۔

مولانا نور الدین سلیمانی نے زادالاعوان اور باب الاعوان، میزان ہاشمی اور میزان قطبی کے حوالوں سے لکھا ہے کہ عون قطب شاہ کے آباؤ اجداد بغداد میں آباد ہوئے تھے اور قطب شاہ نے حضرت غوث الاعظمؒ (ولادت 470ھ/ 1078ء) (وفات 561ھ/ 1166ء) کے حکم سے بغداد سے ہندوستان ہجرت کی تھی۔ انہوں نے ہندو راجاؤں سے جنگیں لڑیں اور فتح حاصل کی اور بعض راجپوت قوموں کو مسلمان کیا۔ انہوں نے ہندوستان میں تین شادیاں کیں۔ کثر اولاد ہوئی پھر اولاد کو یہاں چھوڑ کر واپس بغداد چلے گئے اور وہاں 556ھ میں وفات پائی۔

شرافت نوشاہی اور برق نوشاہی کے مآخذات یہی دو کتب مذکورہ ہیں۔ یہاں لازم ہے کو ان ہر دو کتب کی اہمیت اور حیثیت کے بارے میں ذرا تامل کرلیں۔ کیا واقعی دونوں کتابیں تحقیق کے لئے مآخذ ثابت ہوسکتی ہیں یا نہیں۔ اگر تاریخی اعتبار سے باب الاعوان اور زادالاعوان کا جائزہ لیں تو قدم قدم پر مصنف کے بیانات ایک دوسرے کی تکذیب کرتے اور تضادات کا شکار نظر آتے ہیں۔ جن سے قطب شاہ سے متعلق الجھن سلجھنے کی بجائے مزید پیچیدہ ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے متعلق تحقیق الاعوان کے مصنف نے باقاعدہ ایک باب رقم کیا ہے۔ جس میں دیگر باتوں کے علاوہ ذیل کے اعتراضات وزنی نظر آتے ہیں۔

'' صاحب باب الاعوان ص 134 تا 137 میں اعوان کی آمد پانچویں کبھی چھٹی صدی میں منحصر کرتا ہے۔ جو بلحاظ واقعات تاریخی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں جو روایات آخر پر درج ہوئی ہیں۔ وہ

ضعیف بودی اور کمزور ہیں اور کسی حالت میں بھی عقل ونقل کی کسوٹی پر درست ثابت نہیں ہوتیں۔ (1)

پھر لکھتا ہے:

'' ہر دو تصنیفات باب الاعوان اور زادالاعوان میں عون قطب شاہ کو عباس علمدار کی اولاد ٹھہرایا۔ یوں تو انہوں نے ماخذ کتب کی فہرست میں پوری سو کتابوں کی فہرست دی ہے۔ مگر حقیقت ہے کہ ان کا اصلی ماخذ اس مبحث میں صرف تین کتابیں میزان ہاشمی از ہاشم شاہ علوی اور میزان قطبی از مولانا قطب شاہ علوی بغدادی اور خلاصۃ الانساب ہیں۔ جو عربی اور بغدادی مصنفوں کی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔ (2)

ان کتب کے متعلق تاریخ الاعوان کے مصنف کا یہ اعتراض نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ '' کہیں بھی ان کے متعلق کوئی تعارف نہیں کرایا گیا کہ ان کے مصنفین کون اور کس پائے کے کس صدی میں یہ بزرگ گزرے ہیں اور کب یہ کتب تصنیف ہوئیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک مفروضہ قائم کر لیا ہے اور وہ اس سے باہر نکلنا نہیں چاہتے۔''(3)

تحقیق الاعوان کے مصنف کے یہ سب اعتراضات اس لیے درست ہیں کہ میزان ہاشمی از مولانا محمد ہاشم علوی بغدادی شجرہ نسب کی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک سفر نامہ ہے۔ جس میں انہوں نے صرف یہ ذکر کیا ہے کہ ہندوستان کے اعوان اپنے آپ کو حضرت علیؓ کی اولاد سمجھتے ہیں۔ جبکہ میزان قطبی نام کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ بلکہ ملک محبت حسین اعوان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ '' میزان قطبی اور میزان ہاشمی جن کو ماخذ مان کر اعوانوں کو عباس ابن علی کی پشت سے بتایا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص مجھے یہ کتابیں دکھا

1- تحقیق الاعوان ص 144
2- ایضاً ص 163
3- ایضاً ص 171-172

دے تو میں تاریخ لکھنے سے توبہ کر لوں گا اور میں ان کتابوں کو مبلغ بیس ہزار روپے میں خریدنے کے لیے بھی تیار ہوں۔''(1) صرف باب الاعوان اور زادالاعوان میں ان کتب کے حوالے ملتے ہیں۔ صرفی نحوی اعتبار سے یہ عبارتیں کسی عرب مصنف کی نہیں ہوسکتیں۔ شاید یہ عبارتیں مولوی نور الدین نے خود ہی بنا لی ہوں۔ محققین اور نقادوں کے شکوک وشبہات کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ عربی یا بغدادی مصنفین کی کتب کا متن عربی میں ہونا چاہیئے جبکہ بعض بیانات رواں فارسی میں ہیں۔ مثلاً مولوی صاحب میزان قطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

'' پس عون چند سال در ہندوستان اقامت فرمودہ۔ مردم را بیعت می نمود۔ ملقب بہ قطب شاہ شد۔ بعدہٗ بحکم پیر جیلانی واپس بغداد شد و در 556ھ وفات یافت''(2)

یہاں چند سال کے الفاظ اور عبارت مولوی نور الدین کے اپنے باقی تمام بیانات کے مطابق غلط، خلاف حالات و واقعات نظر آتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ بہت سے بزرگان دین کو ایک ہی دور میں ظاہر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

'' قطب شاہ بغدادی وہی قطب شاہ ہے جو عباس علمدار حسینؓ شہید کی اولاد سے تھا، جس کو شیخ عبدالقادرؒ جیلانی نے ہند قدیم میں جہاد تبلیغ اسلام کے کے لئے قطب بنا کر بھیجا اور طریقہ قادریہ سب سے اول اسی نے سابق ہند میں رائج کیا اور کہا وہ پہلے اثنا عشریہ امامیہ مذہب رکھتے تھے اور کہ عبدالقادر جیلانیؒ کی خالہ قطب شاہ کے نکاح میں تھی۔ قطب شاہ وہاں آیا جایا کرتے تھے۔ عبدالقادر جیلانیؒ کی وجہ سے شیعیت سے دستبردار ہوئے۔ اہل سنت و الجماعت کا مذہب اختیار کیا بیعت کی۔ آپ کا پیدائشی نام عون تھا۔ لقب قطب ہوا اور

1- ماہنامہ اعوان۔ اسلام آباد۔ مدیر محمد منیر اعوان۔ شمارہ 4، اکتوبر 1997ء ص 25
1- مولوی نور الدین سلیمانی: باب الاعوان، س-ن ص 162، 144

شاہ اہلِ ہند نے کہہ دیا۔ تین لفظ عون، قطب، شاہ ملکر عون قطب شاہ ہوا۔ اولاد بھی اسی نام سے مشہور ہوئی۔ ابتدائے عہد غوری میں غالباً ہند قدیم میں آئے۔ سلطان شہاب الدین غوری کے جہاد انہی کے عہد میں ہوئے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، شیخ علی ہجویری معروف داتا گنج بخشؒ لاہوری وغیرہ بھی انہی کے عہد میں ہوئے اور ہم عصر تھے۔"(1)

تاریخ شاہد ہے کہ شہاب الدین غوری نے سب سے پہلے 565ھ/1175ء میں قرامطہ کے گڑھ ملتان پر حملہ کیا تھا۔(2) خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا سال وفات 633ھ (3) شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا 666ھ (4) اور حضرت داتا گنج بخشؒ کا 465ھ/ 1072ء ہے۔(5) ان حقائق سے مولوی نور الدین کی کتب کی اہمیت اور مقام واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتب حوالہ جات اور اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔

(3)

مخزن تاریخ کے حوالے کے مطابق جب حضرت علیؓ کی اولاد میں اختلاف واقع ہوا اور امام باقر (وفات 220ھ (6) یا 114ھ (7)) اُن سے علیحدہ ہوکر اسماعیل کیساتھ مل گئے۔ اور فرقہ اسماعیلیہ کی اساس قائم کی۔ حضرت قطب بھی ان کے

1- بحوالہ تحقیق الاعوان ص 163
2- اقبال صلاح الدین: تاریخ پنجاب؛ عزیز بکڈ پو لاہور 1974ء ص 124
3- اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 7 ص 646
4- ظہور الحسن شارب ڈاکٹر: تذکرہ اولیائے پاک و ہند؛ حامد اینڈ کمپنی لاہور 1965ء
5- نامی غلام دستگیر: تاریخ جلیلہ؛ گلزار عالم پریس لاہور 1937ء ص 163
6- ملک سراج دین احمد: تاریخ نسب نامہ کھوکھراں؛ لاہور 1932ء ص 32
7- مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء اردو ترجمہ المعارف 1392ھ ص 84

بھائیوں میں سے تھے جو بعد میں قطب شاہ مشہور ہوئے۔(1) وہ گھریلو لڑائی جھگڑے سے کنارہ کشی اختیار کرکے اپنے متعلقین کے ہمراہ عرب سے فارس چلے گئے۔ اور وہاں امامت اختیار کرلی۔ جبکہ پہلا اسماعیلی داعی مصر سے 270ھ/ 883ء) میں سندھ آیا۔(2) جس سے پتہ چلتا ہے کہ قطب شاہ 270ھ/ 883ء سے پہلے ہوئے تھے۔ مگر مراۃ سکندری ص 297 پر اس امر کی شہادت موجود ہے کہ:

"دیگر صلاح آثار تقویٰ شعار قطب شاہ قادری از بغداد آمدہ بودند"

بقول شرافت نوشاہی عون قطب شاہ بغداد سے حضرت غوث الاعظمؒ سے قطب ہند کا خطاب لے کر آئے اور "ہندوؤں کی قوموں کھوکھر، چوہان وغیرہ کو اسلام میں داخل کیا اور اُن کے رئیسوں کی بیٹیوں سے شادیاں کیں اور اولاد ہوئی۔ پھر واپس بغداد چلے گئے۔ 556ھ میں وفات پائی۔ اُن کے کئی بیٹے اس ملک میں آباد ہوئے۔ ان میں سے سید زمان علی محسن اپنے ننہال کی قوم پر بنام شاہ کھوکھر مشہور ہوئے۔"(3)

حضرت غوث الاعظمؒ 470ھ/ 1078ء میں پیدا ہوئے۔(4) 494ھ میں ظاہری علوم میں دستار فضیلت(5) حاصل کی۔ تین سال سیر کی(6) پھر شیخ ابوسعید کی بیعت(1) کی۔ چار سال تک تنہائی میں چلہ کشی کی۔(2) اس وضاحت سے یہ نتیجہ بخوبی

1- مخزن تاریخ ص 219
2- شیخ محمد اکرام: آب کوثر؛ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1952ء، بار سوم ص 32
3- شریف التواریخ جلد اول ص 918
4- خزینۃ الاصفیاء ص 158
5- شریف التواریخ جلد اول ص 649
6- ایضاً ص 650

اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ نے بیعت کا سلسلہ 33 سال کی عمر یعنی 503ھ میں شروع کیا۔ جبکہ قطب شاہ کی ولادت 419ھ[3] میں ہوئی۔ یہ رشتے میں غوث پاک کے خالو[4] تھے۔ تاریخی اعتبار سے قطب شاہ حضرت غوث پاک سے 51 (اکاون) برس بڑے تھے۔ اسلئے ان کا غوث پاک سے بیعت ہونا، مرید یا خلیفہ ہونا قرین قیاس نہیں۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ غوث پاک کے مرید ہوئے تھے تو غوث پاک نے چونکہ 33 برس حصول علم میں گزارے پھر جا کر پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا تو اس حساب سے بیعت کے وقت قطب شاہ کم از کم چوراسی برس کے ضرور ہوں گے۔ اس ضعیف العمری میں بغداد سے سفر کر کے ہندوستان آنا۔ یہاں جنگوں میں حصہ لینا۔[5] ہندو راجاؤں اور رئیسوں کی بیٹیوں سے شادی کرنا[6] اور اُن کے بطن سے اولاد پیدا ہونا۔[7] پھر اُس اولاد میں سے کئی بیٹوں کو ہندوستان میں چھوڑ کر واپس بغداد چلے جانا۔[8] سراسر مضحکہ خیز لگتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب یہ شہادت موجود ہے کہ وہ اپنی ایک بیوی اور دو بیٹوں کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے اور کچھ عرصہ بعد بچوں کے ساتھ واپس لوٹ گئے تھے۔[1]

1- شریف التواریخ جلد اول ص 651

2- ایضاً ص 654

3- تاریخ نسب نامہ کھوکھراں حصہ اول ص 4

4- ایضاً ص 11۔ شجرہ شریف نوشاہی از برق نوشاہی ص 10

5- شریف التواریخ جلد اول ص 917

6- ایضاً

7- ایضاً

8- ایضاً

اعوان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔[2] اور قطب شاہ دراصل محمود غزنوی کی فوج میں کمانڈر کی حیثیت میں 1001ء میں ہندوستان آئے۔ محمود غزنوی نے قطب شاہ کے تعاون کے پیش نظر انہیں اعوان کا خطاب دیا تھا اور فرمایا تھا:

'' قطب شاہ تم پر خدا کی سلامتی۔ جس طرح اہل مدینہ نے حضور سرکار کائنات ﷺ کا ساتھ دے کر انصار کا خطاب پایا تھا اسی طرح آپ لوگ میری اعانت کے لئے سربکف آئے ہیں۔ اسلئے میں آپ کو اعوان کا خطاب دیتا ہوں۔ سلطان محمود کے ان اعوان یعنی مددگار مجاہدوں کی اولاد اس واقعے کی نسبت سے آئندہ چل کر اعوان کہلانے لگی۔ یہ بے ساختہ زبان سے نکلا ہوا کلمہ مستقل حیثیت اختیار کر گیا۔[3]

اس شہادت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صرف قطب شاہ کی اولاد ہی نہیں بلکہ وہ سارے ساتھی اور اُن ساتھیوں کی ساری اولاد اعوان ہے، جنہوں نے محمود غزنوی کا ساتھ دیا۔ لہٰذا تمام اعوانوں کا اپنے آپ کو قطب شاہ کی اولاد سمجھنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ تحقیق الاعوان کے مصنف کا یہ قول بھی اس بات کی بھرپور دلیل بنتا ہے کہ ''میرے نزدیک اعوان کا خطاب میر قطب حیدر سے بھی پہلے کا عطا کردہ ہے۔''[4]

لفظ اعوان کے بارے میں مؤرخین نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ جو تحقیق الاعوان میں یوں درج ہیں:

1- تاریخ الاعوان ص 20

2- ایضاً ص 33

3- ایضاً ص 34

4- تحقیق الاعوان ص 142

1- بعض اعوان ابن الحنیفہ کی نسل سے اعوان کہلانے لگے۔

2- ہری کشن کول کے مطابق یہ اصل میں سنسکرت کا لفظ ''آوان'' ہے جس کے معنی محافظ کے ہیں۔ بیرونی ملکوں سے مدافعت کرنے کے باعث ہندوؤں کے عہد میں آوان کہنے لگے۔

3- پروفیسر گلشن رائے کے مطابق پنجاب کے اعوان قبائل کو آوان کہتے ہیں۔ آوان کا لفظ آون یا ایون سے مشتق ہے۔ اونتی کے راجہ سے ہے پس اعوان ان سے ہیں۔

4- ذاتیں اور قبائل کا مصنف اعوان یا آوان کو آمان کی بگڑی ہوئی صورت خیال کرتا ہے۔[1]

محمود غزنوی کا دور حضرت غوث الاعظمؓ کی ولادت باسعادت سے 77 برس پہلے کا ہے۔ اس لئے قطب شاہ کا حضرت غوث الاعظمؓ سے خلافت حاصل کر کے اُن کی اجازت سے ہندوستان آنا قرین قیاس نہیں۔ حضرت غوث الاعظمؓ صحیح النسب حسنی حسینی سید تھے۔ اگر قطب شاہ اُن کے خالو ہوتے تو قطب شاہ کا حسنی حسینی سید ہونا ضرور ثابت ہوتا۔ جبکہ بہت سے ادیب و مورخ انہیں صرف علوی مانتے ہیں۔

علاوہ ازیں اولیائے اللہ کے کسی مستند تذکرے میں قطب شاہ کا حضرت غوث الاعظمؓ کا خلیفہ بن کر ہندوستان آنا اور تبلیغی کارناموں کا ذکر نہیں ملتا۔ جبکہ اس دور کے دیگر بزرگوں کے حالات اور تبلیغی کاوشوں کا ذکر تفصیل سے دستیاب ہے۔ اس امر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قطب شاہ حضرت غوث الاعظمؓ کے رشتہ دار نہ تھے اور نہ اُن کا تعلق اُن کے دور سے تھا۔ نیز قطب شاہ کا محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آنا بھی مشکوک نظر آتا ہے۔ کیونکہ:

'' حضرت عون بن یعلیٰ بغداد میں 419ھ میں کتم عدم سے عالم

1- تحقیق الاعوان ص 143

ہست میں تشریف لاتے ہیں اور راس الملوک سلطان محمود بن امیر ناصر سبکتگین بادشاہ غزنی 421ھ میں بعمر 63 سال داد شجاعت دے کر خالی ہاتھ راہی ملک عدم ہوتے ہیں۔''[1]

اس حوالے سے بآسانی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عون بن یعلیٰ یعنی قطب شاہ، سلطان محمود غزنوی کی وفات سے ایک سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کا محمود غزنوی یا اُس کے والد کے ہمراہ ہندوستان آنا ثابت نہیں ہوتا۔ ایبٹ سن کی ٹرائبز اینڈ کاسٹس آف دی پنجاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ قطب شاہ 1035ء [430ھ] میں ہندوستان آئے تھے۔

اس قدر تاریخی تضاد کے پیش نظر کوئی مورخ حتمی فیصلہ نہیں کر سکا کہ قطب شاہ کا کونسا زمانہ تھا اور وہ کون تھے۔ مولوی نور الدین نے قطب شاہ کے 26 شجرے نقل کیے ہیں۔ جن کو تحقیق الاعوان کے مصنف نے بھی صفحہ 151 پر درج کیا ہے۔ لیکن یہ شجرے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ جس شخصیت کے شجرہ ہائے نسب میں اس قدر اختلاف اور گھپلے ہوں ان سے اندازہ لگانا دشوار بلکہ ناممکن ہے کہ کھوکھروں نے کب اور کس نسب سے اپنے آپ کو علوی کہلانا شروع کر دیا تھا۔

قطب شاہ کے ساتھ کھوکھروں کا تعلق

تاریخ الاعوان کے مصنف کا یہ بیان دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ قطب شاہ کی ہندوستانی بیوی زینب چونکہ کھوکھر خاندان سے تعلق رکھتی تھی اس لیے اُسکی اولاد کھوکھر مشہور ہوئی۔[2] دوسرا بیان یہ ہے کہ بی بی زینب کے بطن سے پیدا ہونے والے بیٹے زمان علی کی شادی کھوکھر خاندان میں ہوئی تھی۔ اس لئے ان کی اولاد کھوکھر علوی

1- تحقیق الاعوان ص 26

2- تاریخ الاعوان ص 76

کہلائی۔[1]

کسی نے زمان علی کو قطب شاہ کا تیسرا بیٹا بتایا ہے۔[2] تو کسی نے پانچواں[3] اس قدر تاریخی خلاء کو کیسے پُر کیا جا سکتا ہے۔ پھر اس حقیقت سے انکار کیسے ممکن ہے کہ کھوکھر اصل میں ہندی نسل ہیں۔ جیسے ایبٹ سن نے لکھا ہے:

" That the khokhars were originally Hindus appears hardly open to question. The khokharas in jhelum say that they use to keep up certain Hindu customs, and had prohits, who were Datts until recent times, but this is no longer the case. They do not know whether they are connected with other Khokhars of the Punjab."[4]

تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ قطب شاہ کے ہندوستان آنے سے کھوکھروں کی دو قسمیں ہوگئیں۔ ایک علوی کھوکھر جو زمان علی کھوکھر سے منسوب ہیں اور دوسرے ہندی النسل کے کھوکھر۔[5] جنرل ایبٹ سن کی تحقیق کے مطابق قطب شاہی کھوکھروں سے مراد قطب شاہ یا اُس کے بیٹوں کی اولاد نہیں بلکہ قطب شاہی کھوکھروں سے مراد وہ کھوکھر ہیں جنہوں نے قطب شاہ یا اُس کے کسی خلیفہ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

1- تاریخ الاعوان ص 39
2- ایضاً
3- تاریخ نسب نامہ کھوکھراں حصہ اول ص 13
4- A glossary of the Trilbes and Castes of the Punjab NWFP-vol-2 Lahore 1911, P-539 (Foot-note)
5- تاریخ نسب نامہ کھوکھراں حصہ اول ص 11

"The origins of the khokhars are as those of any Panjab Tribe. Tradition appears invariably to connect them with the Awans, making khokhars one of the Qutab Shah's son and the khokhar Qutab Shsh is his descendants, who would thus be akin to the Juhans also. But this pedgree probably merely records the fact that the Awans and khokhars owe their conversion to Islam to the saint Qutab Shah or his desciples, or that they both accepted his teachings"[1]

تاریخ انساب الاقوام کے مصنف کے قول کے مطابق کھوکھر، راجپوت اور اعوان خلط ملط ہوگئے ہیں۔ لیکن تاریخ الاعوان کے مصنف کا خیال ہے:

"یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے کیوں کہ یہ تو جب ہوتا ہے کہ راجپوت اپنے آپ کو کم مرتبہ کی قوم سمجھتے۔ وہ تو اپنے آپ کو ایک معزز قوم سمجھتے ہیں۔ وہ تو مسلمان ہو کر بھی اپنی قوم کو دوسری نومسلم اقوام کی طرح شیخ نہیں بتلاتے تو انہیں اعوانوں میں خلط ملط ہونے کی کیا ضرورت تھی۔"[2]

ملک شیر محمد اعوان صاحب کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ راجپوتوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو ایک علیحدہ اور زندہ قوم تصور کیا ہے۔ اس بات کا ثبوت ہمیں تذکرہ نوشاہی کے مصنف کے اُس بیان سے ملتا ہے جو اُس نے نوشہ صاحبؒ کے متعلق دیا ہے:

"ذات شریف ایشاں جالپ کھوکھر است"[1]

1- Tribes and Castes of the Punjab- vol - 2 , P-537
2- تاریخ الاعوان ص 39

شرافت نوشاہی اور برق نوشاہی نے لفظ جالپ کو جالب بنا کر نوشہ صاحبؒ کو پیر جالب کے شجرہ نسب سے ملا دیا ہے حالاں کہ تذکرہ نوشاہی میں واضح طور پر لفظ ''جالپ کھوکھر'' لکھا ہوا ہے۔

''جالپ پنوار'' راجپوتوں کی نسل ہے۔ ایبٹ سن کی تحقیق کے مطابق کھوکھر اور راجپوت قدیم زمانے میں ایک ہی قوم اور نسل تھے:

> "They say that they were originally khokhar Rajputs, who took the name of their emponym, Jalap, who became a famous pir and was burried at Ramdiana in the Shahpur District, where they then develt and where they still go to do reverence at his tomb. They moved to their present location in the time of Sidharan, who was several generations in descent from Jalap."(2)

لیفٹیننٹ کرنل وائکلی کی رائے ایبٹ سن کی تحقیق کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> "The Jalaps cliam to be khokhar-Ragputs. This small tribe is met with chiefly in the Pind Dadan khan Tehsil of Jhelum Distt, there are also a few small villeages in the Bhera Tehsil of Shahpur. The best known families reside at Chak Shadi and Pinanwal."(3)

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 64

2- Tribes abd Castes of the Punjab- Vol-2 , P 350-51

3- Lt- col. Wikely: The Punjabi Muslimans Lahore - 1968 P-95.

نوشہ صاحبؒ کی قومیت ''جالپ راجپوت''

تذکرہ نوشاہی کے مصنف نے اس خدشے سے بچنے کے لیے کہ لوگ کھوکھر سے مراد قطب شاہ کی اولاد نہ سمجھ لیں اُس نے قصداً جالپ کا لفظ لکھ دیا تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ حضرت نوشہ صاحبؒ کا نسبی تعلق قطب شاہی کھوکھروں کے ساتھ نہیں بلکہ جالپ کھوکھروں کے ساتھ تھا۔ کیونکہ کھوکھر بھی دراصل راجپوت ہیں، اس لیے نوشہ صاحبؒ کا نسبی تعلق جالپ راجپوت خاندان سے بنتا ہے۔

اگر نوشہ صاحبؒ کا تعلق زمان علی کھوکھر کی اولاد سے ہوتا تذکرہ نوشاہی کا مصنف آپ کو کھوکھر علوی یا قطب شاہی کھوکھر لکھتا نہ کہ کھوکھر جالپ۔ چنانچہ کھوکھر جالپ لکھنے کا مقصد ہی قوم راجپوت اور گوت جالپ ہے۔ لہٰذا نوشہ صاحبؒ کا نسبی تعلق جالپ راجپوتوں کے ایک باعزت اور باوقار خاندان سے تھا۔ جو پنن وال سے ہجرت کر کے موضع گھگانوالی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات [موجودہ منڈی بہاء الدین] میں آباد ہوا تھا۔ اسی تحقیق کی خاطر ہمیں موضع پنن وال اور رام دیانہ کے محکمہ مال کے ریکارڈ کی چھان پھٹک کرنا پڑی۔ جس میں نوشہ صاحبؒ کے بزرگوں کی قومیت جالپ راجپوت درج ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ مزار موضع رنمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کی مسل حقیت سے بھی اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ:

> ''مسمی نوشہ صاحبؒ فقیر قوم راجپوت گوت جالپ بطور سیاحی اس جگہ آیا۔ لب دریا مکانات و مسجد وغیرہ بنوائی۔ صدمہ دریا سے وہ مکان برد ہو گئے۔ پھر بعد مرنے نوشہ صاحبؒ فقیر کی اولاد اسکی خانقاہ و مسجد وغیرہ مکانات بعمارت پختہ بنائے تب سے یہ قوم فقیر نوشاہی بھی مالک ہے اور دیگر اقوام متفرق مندرجہ شجرہ نسب بندوبست گذشتہ

میں پیش گاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ سے مالک بن گئے۔ کیفیت مفصل محاذ نام ان کے درج ہے۔" بلفظہٖ (1)

یہ بات صحیح ہے کہ محکمہ مال کا نظام بندوبست انگریزی عہد میں عمل میں آیا اور یہ سب امور حضرت نوشہ صاحبؒ کی وفات کے ایک عرصے بعد انجام پائے۔ خاص طور پر تحصیل پھالیہ کا بندوبست سرسری 1857ء میں ہوا اور مکمل دس برس کی چھان پھٹک کے بعد مئی 1867ء میں اس نظام بندوبست کو قانونی قرار دیا گیا۔ اس میں مالکان زمین (گاؤں) کی تصدیق شجرہ مراثیاں کی تصدیق، قانونگو اور پٹواری کے بعد علاقے کے سپرنٹنڈنٹ صاحب کی تصدیق شامل ہے۔ اس لئے اس سرکاری ریکارڈ میں غلطی کا امکان نہیں۔ بقول برق نوشاہی:

> "حقیقت یہ ہے کہ حضرت نوشہ پیرؒ کی اولاد کی قوم کاغذات مال میں علماء اور فقیر درج ہوگئی تھی اور یہ دونوں قومیں پنجاب میں غیر زراعت پیشہ ہیں۔ اس لیے آپ کی اولاد نے صرف زراعت پیشہ بننے کے لیے افسران سے میل ملاپ کر کے اور زر کثیر خرچ کر کے اپنی قوم جالپ راجپوت لکھوائی تھی۔ آپ کی اولاد جو پنڈ عزیز ضلع گجرات میں رہتی ہے اُس نے مجھے بتایا کہ ہم بیس پچیس سال سے زراعت پیشہ بننے کے لیے دعویٰ صحت قوم کر کے جالب راجپوت بنے ہیں۔"(2)

مگر یہ بات منطقی اور تاریخی حوالوں سے سچ ثابت نہیں ہوتی۔

i- پہلی بات تو یہ ہے کہ برق نوشاہی اور شرافت نوشاہی صاحبان اپنے بڑے بزرگوں کو نہایت تقویٰ شعار، پاکیزہ کردار ہونے کے ناطے ولی اللہ لکھتے اور

1- مسل حقیت موضع رنمل ریکارڈ محکمہ مال تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

2- برق نوشاہی: لوامع البرکات فی تحقیق السادات؛ ڈوگر گجرات ص 46-47

مانتے آئے ہیں۔ پاکیزہ نفوس محض دنیاوی منفعت کی خاطر اپنی ذات تبدیل کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیں گے قرین قیاس نہیں۔

O

ii- ثواقب المناقب کے مصنف محمد ماہ صداقت کنجاہی نے 1126ھ/ 1714ء اور تذکرہ نوشاہی کے مصنف شیخ محمد حیات برخورداری نے 1146ھ/ 1733ء میں آپ کی ذات جالپ کھوکھر لکھی ہے اور یہ زمانہ انگریز حکومت کے سرکاری بندوبست سے 124 سال پہلے کا ہے۔

O

iii- اگر شرافت نوشاہی اور برق نوشاہی کا بیان درست ہے تو پھر بات صرف قومت تک محدود رہنی چاہیے تھی۔ شجرہ میں سے باپ دادا کے نام تبدیل نہیں ہوسکتے۔ جبکہ برق نوشاہی اور شرافت نوشاہی کے ترتیب دیئے ہوئے شجرے کے نام محکمہ مال کے صدیوں پرانے ریکارڈ سے بالکل مختلف ہیں۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم نے موضع رام دیانہ، پٹن وال، گھگانوالی، ساہنپال اور موضع رنمل کے محکمہ مال کے سرکاری ریکارڈ سے نوشہ گنج بخشؒ اور ان کی اولاد کا شجرہ مرتب کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم نے خاندانی مخطوطات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ جن سے پتا چلتا ہے کہ آپ کا تعلق قوم راجپوت، گوت جالپ سے تھا۔

O

شجرہ نسب اگلے صفحے پر ملاحظہ کیجئے۔

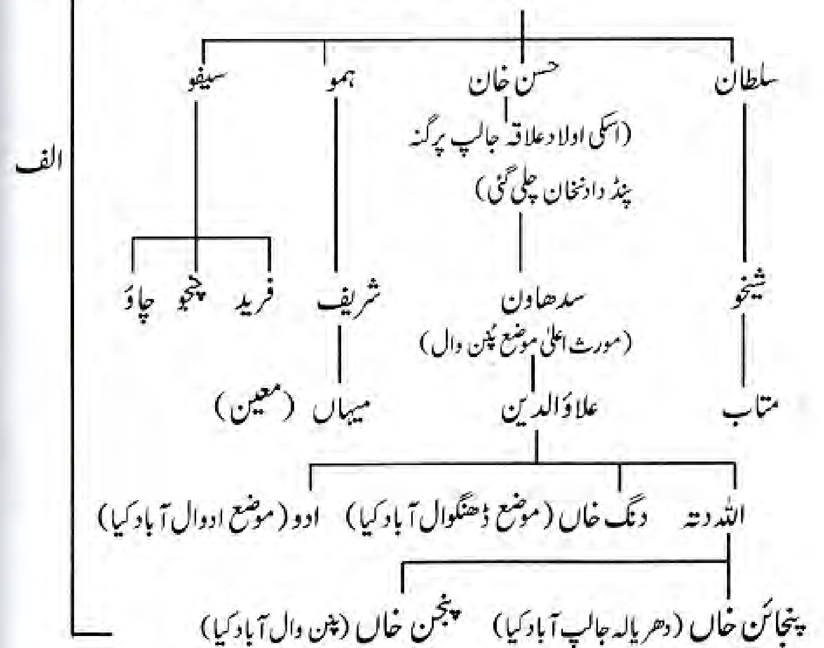
شجرہ نسب

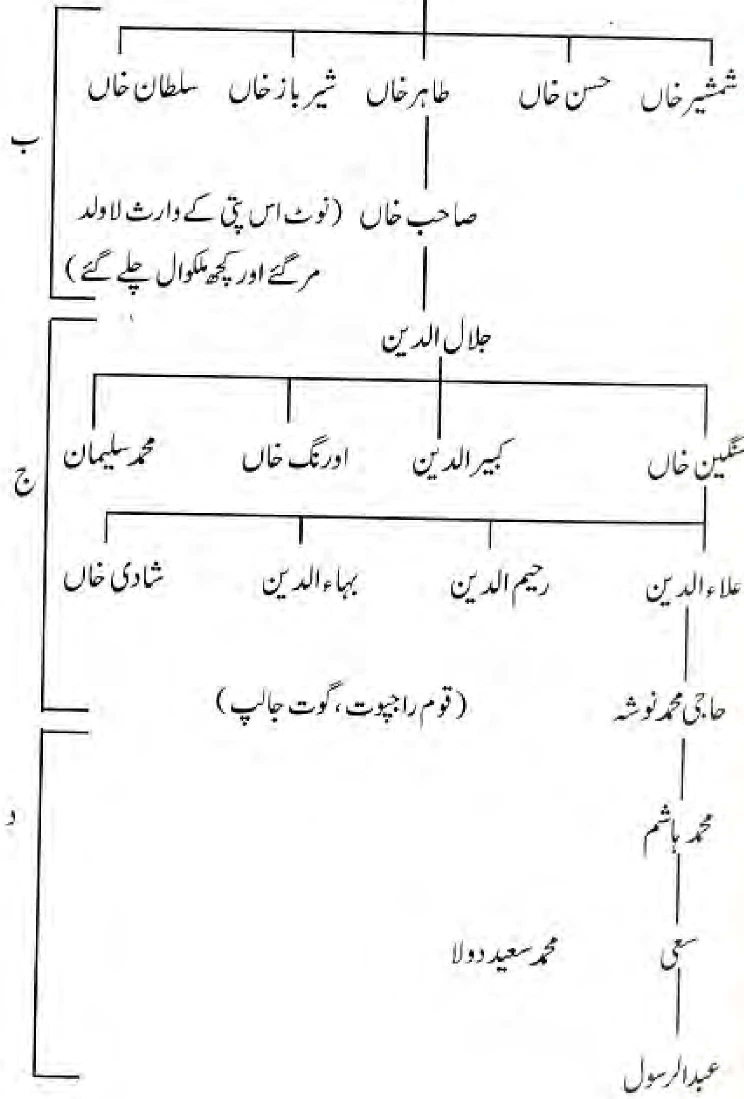
نقل برطابق اصل مسل حقیت وشجرہ نسب موضع رام دیانہ پرگنہ مہڈ تحصیل کالووال شاہپور (موجودہ ضلع سرگودھا)

ذکر آبادی وحصول ملکیت بندوبست قانونی 1865ء

عندالاستفسار مالکان دیہہ سے ہوا کہ عرصہ تخمیناً 750 برس کا ہوا ہوگا کہ مسمی رام دی مورث اعلیٰ ہم مالکان کے عہد بادشاہی کے جنگل ویرانہ میں آباد کر کے نام دیہہ اوپر نام اپنے کے رام دیانہ رکھا۔ عرصہ 250 برس تک آباد رہ کر ویران ہوگیا اور عرصہ 40 برس تک ویران رہا۔ بعد اس کے مسمیان عیسے ورحمان مالکان طرف ''دولووالی'' و''رسدانی'' آباد کیا۔ جب سے اصلاً آباد ہے اور مالکان طرف ہائے میں بعد آباد کر لینے عیسے ورحمان کے آکر آباد ہوتے رہے اور مدت سے چار طرف مندرجہ ذیل رسدانی، دولووالی، جہپالی، ہمووالی مشہور ہے۔

شجرہ نسب موضع رام دیانہ بندوبست قانونی 1865ء





اشارے:

(الف) برطابق مسل حقیت وشجرہ نسب موضع رام دیانہ پرگنہ مہڈ تحصیل کالووال ضلع

شاہپور (موجودہ ضلع سرگودھا)

(ب) بمطابق مسل حقیت وشجرہ نسب موضع پنن وال تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم

(ج) یہ شجرہ نسب حضرت نوشہؒ کے نواسے میاں ہدایت اللہ بن حافظ معموریؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے یہ شجرہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی فارسی تصنیف تحفۃ القادریہ کی نقل تیار کرتے ہوئے اُس کے ایک صفحہ پر تحریر کیا ہے۔ یہ تحریر 1137ھ/ 1725ء سے قبل کی ہے۔ کیونکہ اس پر حضرت نوشہؒ کے پوتے شیخ عصمت اللہؒ بن شیخ برخوردارؒ متوفی 1137ھ کی مہر ثبت ہے اور یہ مخطوط اس وقت صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی مقیم سنگھوئی ضلع جہلم کے کتب خانے میں موجود ہے۔ شجرہ کی تفصیل یوں ہے:

''نسب نامہ بموجب اظہار رانجھا و مانجھا مراثیان قدیم ساکنان خورد خانہ نوشتہ شد۔ ومہانہ و رانجھا پسران رانجھا اند۔ حضرت قدوۃ الواصلین حضرت حاجی محمد نوشہ قدس سرہٗ بن شیخ علاء الدین ورحیم الدین و بہاء الدین وشادی خاں ابنائے سنگین اند۔ نام مادرِ ایشاں اصالت خاتون است۔ وسنگین خاں وکبیر الدین و اورنگ خاں ومحمد سلیمان ابنائے جلال اند'' بلفظہٖ

(د) بمطابق مسل حقیت وشجرہ نسب موضع رَمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

O

ولادت

کسی شخصیت کا زمانہ متعین کرنے کے لیے تین طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔

(i) تحریر میں سنین درج ہوں اور ہندسوں میں تحریر ہوں۔

(ii) کسی مصرع میں سن مذکور ہو۔ جیسا کہ قدیم زمانے میں رواج تھا کہ شخصیت کی ولادت اور وفات کی تاریخ قطعات یا ایک دو اشعار میں بیان کی جاتی تھی۔

مذکورہ دونوں طریقوں میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔ کاتب سے کتابت کرتے وقت ہندسوں میں اُلٹ پھیر ہو سکتا ہے۔ اشعار میں تاریخ بیان کرتے ہوئے اعداد کی جمع تفریق میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اس لیے ان دونوں طریقوں پر پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ شخصیت بھی قدیم ہو اور کتب بھی قدیم اور قلمی صورت میں ہوں۔ پھر ایک کتاب سے دوسری کتاب نقل کرتے ہوئے بھی غلطی کا امکان بہر صورت رہتا ہے۔

(iii) کسی شخصیت کا زمانہ متعین کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تحریر میں بیان کیے گئے واقعات کی تاریخی کڑیاں آپس میں اس طرح جوڑی جائیں کہ شخصیت کے دور کی مکمل تصویر سامنے آ جائے۔ اس طریقے سے زمانہ تعین کرنا اگرچہ دشوار مگر قابل یقین ہوتا ہے۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی ولادت کے متعلق سلسلہ نوشاہیہ کی بنیادی کتب تذکرہ نوشاہی، ثواقب المناقب، کنز الرحمت اور تحائف قدسیہ میں ایسا کوئی ذکر نہیں جس سے پتہ چل سکے کہ آپ کا سن ولادت کیا ہے؟ البتہ بعد کے مصنفین نے آپ کی ولادت 959ھ/ 1552ء [1] قرار دی ہے۔ ہم یہاں ان مصنفین کی درج کی گئی

1- شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد اول ص 192
برق نوشاہی: نوشہ پیر، ڈوگہ گجرات 1976ء ص 25

تاریخوں کا جائزہ لینے کے بعد اور سلسلہ نوشاہیہ کی بنیادی کتب کے پیش نظر حتمی نتیجے پر پہنچیں گے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی صحیح تاریخ ولادت کیا ہے۔

(1)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تذکرہ نوشاہی، ثواقب المناقب، کنز الرحمت اور تحائف قدسیہ نوشاہی سلسلے کی بنیادی کتب ہیں۔ لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اُن جملہ معتبر کتب میں کسی ایک بھی مصنف نے نوشہ صاحبؒ کی تاریخ ولادت نہیں لکھی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بنیادی مآخذات میں تاریخ ولادت کا کہیں ذکر نہیں ہے تو بعد میں آنے والے تذکرہ نگاروں نے تاریخ ولادت کہاں سے حاصل کی؟ اس سلسلے میں بیاض نانک[1] ایک قلمی نسخے کا حوالہ سامنے آتا ہے۔ جس پر 1224ھ کی مہر ثبت ہے اور یہ نسخہ کسی نانک نامی شخص کی تحریر ہے۔ اسی نام کی مناسبت سے اس کا نام بیاض نانک ہے اس نسخہ پر ثبت مہر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بیاض 1224ھ سے قبل کی تصنیف ہے۔ اس بیاض کے ایک حاشیے پر نوشہ صاحبؒ کی ولادت کا سال 959ھ درج ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے بغیر تحقیق اور غور و فکر کیے اس سن ولادت کو اپنی کتب میں نقل کر لیا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بیاض نانک کے مصنف نے یہ تاریخ ولادت کہاں سے حاصل کی۔ اس کا مآخذ کیا ہے۔ اس ضمن میں سلسلہ نوشاہیہ کی تمام کتب خاموش ہیں۔ بیاض نانک نہ تو سلسلہ نوشاہیہ کی کتاب ہے اور نہ ہی اُس کے مصنف کے متعلق کوئی سراغ ملتا ہے کہ وہ کون تھا کہاں کا رہائشی تھا، کچھ معلوم نہیں پڑتا۔ اُس نے بیاض کے حاشیئے پر تاریخ ولادت 27 رمضان المبارک اور یکم رمضان 959ھ لکھ دی ہے۔ 27 رمضان المبارک لکھ کر پھر اُس پر لکیر سے کاٹ دیا ہے۔ اس تاریخ کے علاوہ ساری

1- مملوکہ کتب خانہ برق نوشاہی چک ڈوگہ، گجرات

بیاض میں نوشہ صاحبؒ کے متعلق کچھ نہیں لکھا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا کہ اس بیاض اور اُسکے مصنف کا سلسلہ نوشاہیہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لیے یہ حوالہ ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

(2)

اگر سلسلہ نوشاہیہ کے بنیادی مآخذات پر نظر تعمق ڈالیں تو نوشہ صاحبؒ کی ولادت کے بارے میں اگرچہ براہ راست کوئی خاص معلومات حاصل نہیں ہوتیں تاہم چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب میں کچھ ایسے حوالے موجود ہیں، جن سے تذکرہ نگاروں نے اندازاً تاریخ ولادت اخذ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جیسے:

i- عبدالرحیم ساکن سدا کنبوہ کے بیان کے مطابق ''نوشہ صاحبؒ کا وصال 1064ھ وچ ہویا۔''[1]

ii- شیخ عمر بخش رسول نگری۔ (وفات 1311ھ) کے قول کے مطابق ''نوشہ صاحبؒ کی عمر 105 برس تھی۔''[2]

اگر 1064ھ میں سے 105 منفی کر دیئے جائیں تو 959 ہجری سن بنتا ہے۔ شرافت نوشاہی[3]، قریشی احمد حسین قلعداری[4]، برق نوشاہی[5]، عبدالغفور قریشی[6]، حمید اللہ ہاشمی[7] نے اسی کلیے کے تحت نوشہ صاحبؒ کی تاریخ ولادت 959ھ/1552ء لکھی ہے۔ یہاں پھر وہی سوال اٹھتا ہے کہ عمر بخش رسول نگری کو کیسے معلوم ہوا

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 206
2- عمر بخش رسول نگری: مناقبات نوشاہی قلمی (تصنیف 1310ھ) مملوکہ شرافت نوشاہی۔ ساہنپال گجرات
3- شریف التواریخ جلد اول ص 912
4- پنجابی ادب کی مختصر تاریخ ص 350
5- نوشہ پیر ص 35
6- پنجابی ادب دی کہانی ص 223
7- پنجابی ادب دی مختصر تاریخ تاج بکڈپو لاہور س ن ص 225

کہ نوشہ صاحبؒ کی عمر 105 سال تھی۔ اس کا کوئی ثبوت اور دلیل نہیں ہے۔

(3)

مفتی غلام سرور لاہوری[1] اور مولوی دین محمد[2] نے نوشہ صاحبؒ کی وفات 1103ھ لکھی ہے۔ اگر ہم عمر بخش رسول نگری کی بات کو صحیح تسلیم کرلیں تو 1103ھ میں سے 105 نفی کرنے سے نوشہ صاحبؒ کی ولادت 998 ہجری بنتی ہے۔ بقول مفتی صاحب نوشہ صاحبؒ کے بڑے بیٹے برخوردار 1130ھ[3] میں فوت ہوئے۔ جبکہ شرافت نوشاہی[4] اور برق نوشاہی[5] کی تحقیق کے مطابق میاں برخوردار نوشہ صاحبؒ کے 29 سال بعد اللہ کو پیارے ہوئے۔ اگر 1130ھ میں سے 29 نکال دیں تو نوشہ صاحبؒ کی وفات کا سن 1101ھ ہونا چاہیے۔ اور اگر 1101ھ میں نوشہ صاحبؒ کی عمر 105 سال منفی کردیے جائیں تو پھر ولادت کا سن 996ھ بنتا ہے۔

اگر ہم مفتی صاحب کا یہ دعویٰ درست تسلیم کرلیں کہ نوشہ صاحبؒ کا وصال 1103ھ[6] میں ہوا اور اُس میں سے نوشہ صاحبؒ کی عمر 105 سال خارج کردیں تو نوشہ صاحبؒ کی ولدت 998 بنتی ہے۔ چنانچہ ان مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تمام سنین دُرست نہیں۔

1- خزینۃ الاصفیا ص 288

2- مولوی دین محمد: باغ اولیائے ہند، لاہور 1928ء ص 35

3- خزینۃ الاصفیا ص 228

4- تذکرہ نوشہ گنج بخش ص 159

5- نوشہ پیر ص 43

6- مفتی صاحب کی اس رائے کا تجزیہ نوشہ صاحبؒ کی وفات کے ضمن میں کیا جائے گا۔

(4)

رسالہ الاعجاز تصنیف مرزا احمد بیگ لاہوری کا ایک نامکمل نسخہ 1146ھ میں شیخ محمد حیات برخورداری (م 1173ھ) کے ہاتھ لگا۔ جس کے متعلق وہ خود رقمطراز ہیں:

"جزوے چند نا مرتب نہ خطبہ ابتدائش ونہ خاتمہ انتہائش از بسیاری کہنگی اکثر عبارتش ریختہ از تصنیف مرزا احمد بیگ لاہوری"[1]

انہوں نے نسخہ کی اصل عبارتیں ویسے ہی رہنے دی ہیں۔ لیکن بعض مقامات پر اپنی جانب سے اضافہ کرکے 1146 ہجری میں رسالہ تذکرہ نوشاہی مرتب کیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے نوشہ صاحبؒ کے حالات اسی تذکرہ نوشاہی سے لیے ہیں۔ شرافت نوشاہی کے خیال میں:

"مفتی صاحب کو تذکرہ نوشاہی کی عبارتوں میں اشتباہ والتباس واقع ہوگیا۔ وہ یہ تحقیق نہیں کرسکے کہ اس میں رسالہ احمد بیگ (م 1108ھ) کی کونسی عبارت ہے اور تذکرہ نوشاہی کی کونسی۔ چنانچہ مرزا احمد بیگ لکھتے ہیں:

"ہنگام نوشتن رسالہ کہ بعد از وصال حضرت شاہ چہل وسہ سال گذشتہ بود"[2]

مفتی صاحب نے اس عبارت کو حافظ محمد حیات کی عبارت سمجھا اور چونکہ تذکرہ نوشاہیہ کے دیباچہ میں اس کا سال تصنیف 1146ھ تحریر تھا۔ اس میں سے 43 سال تفریق کرکے 1103 ہجری

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) دانشگاہ پنجاب ذخیرہ شیرانی۔ نمبر 5171 / 2160، ورق 2 الف

2- اذکار نوشاہیہ ص 35

کو حضرت نوشہ عالیجاہ کا سن وفات قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ عبارت مرزا احمد بیگ کی تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ نوشہ صاحبؒ کی وفات یعنی 1064ھ کے 43 سال بعد یہ رسالہ تصنیف ہوا جس سے 1107ھ متعین ہوتا ہے۔

مرزا احمد بیگ صاحب رسالہ اور سید حافظ محمد حیات صاحب تذکرہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ حضرت نوشہ صاحبؒ کا نام نامی اکثر اپنی عبارتوں میں بوجہ ادب ''حضرت شاہ صاحب'' یا حضرت شاہ جیو لکھا کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کو یہ عبارت نظر پڑی کہ حضرت شاہ جیو کی وفات 1064ھ میں ہوئی تو انہوں نے شاہ جیو سے حضرت شاہ سلیمان نوری کو مراد لیا۔ جو حضرت نوشہ کے پیر طریقت تھے۔[1]

شرافت نوشاہی صاحب کی اس دلیل سے اتفاق ضروری نہیں کہ مفتی صاحب کو تذکرہ نوشاہی کی عبارت پڑھنے میں اشتباہ ہوا کیونکہ مفتی صاحب نے خزینۃ الاصفیاء میں تحی شاہ سلیمان نوریؒ کی وفات کا سن 1064ھ نہیں بلکہ 1065ھ لکھا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہماری تحقیق کے مطابق ''ہنگام نوشتن رسالہ کہ بعد از وصال حضرت شاہ چہل و سہ سال گذشتہ بود'' والی عبارت مرزا احمد بیگ کی نہیں۔ یہ عبارت تذکرہ نوشاہی کے مصنف محمد حیات کی ہے اور اصل عبارت یوں ہے:

''اتفاقاً در اثناء نوشتن رسالہ کہ از وصال حضرت شاہ چہل و سہ سال گزشتہ بود کہ از اخلاص مندان عزیزی از لشکر ظفر اثر عالمگیر بادشاہ کہ اسم آں عزیز محمد امین نقل کرد کہ من خورد سال بقصدِ خواندن بلاہور رفتہ بودم کہ ناگاہ دیدار مبارک برمن متجلی شد۔ من بے اختیار شدہ۔ برخاستم۔ چوں بآب دریائے راوی رسیدم می بارید و آب بآں طغیانی

1- اذکار نوشاہیہ ص 36 تا 38

بود کہ کشتی از ملاحظہ ملاحاں نمی انداختند...... بموضع ساہپال آمدیم و حضرت شاہ بدولت خانہ نشستہ بودند، فرمودند کہ شخصے از اخلاص مندان مای آید کہ دریں اثناء پایاں آمدہ رسیدیم۔ جمع مردم وفقیر حضرت را قدم بوس نمودیم۔ دیگراں را رخصت کردند و مرا فرمودند کہ درنیچو وقتے چرا آمدی۔ من حقیقت ظاہر کردم کہ دیدار مبارک متجلی شد۔ بے تاب شدہ آوردم۔ درآں اثناء شخصے لنگی آوردہ۔ گرزاند۔ دردل من گذشت کہ من پرچہ پوشیدن ندارم۔ اگر عنایت بکنند بپوشم، بمن عنایت کردند۔ فرمودند کہ تو ہر جا خواہی ماند مامدتو خواہم شد۔ برو، مرا رخصت فرمودند۔ مرا نوکری بادشاہ وقرب نصیب شد۔''[1]

جیسے تذکرہ نوشاہی کے مصنف شیخ محمد حیات نے مرزا احمد بیگ کے رسالہ ''الاعجاز'' معروف بہ مقامات حاجی بادشاہ سے 1146ھ میں تذکرہ نوشاہی مرتب کیا ہے اُسی طرح علامہ محمد ماہ صداقت کنجاہی نے 1124ھ میں رسالہ الاعجاز کو سامنے رکھ کر ثواقب المناقب لکھی ہے۔ تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب میں درج تمام واقعات کی ترتیب ایک جیسی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسالہ الاعجاز کے واقعات کی ترتیب بھی وہی تھی جو اس وقت تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب کی ہے۔ شیخ محمد حیات نے صرف برخوردار صاحب کے صاجزادوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ جبکہ ثواقب المناقب میں صداقت کنجاہی نے ان واقعات میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ انہوں نے اسے ادبی رنگ میں پیش کیا ہے۔ صداقت کنجاہی خود لکھتے ہیں:

''گویا درشان اوست بعبارت رنگین غازہ پردازیٔ شاہد حُسن اعتقاد باید دانست''[2]

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 176

2- ثواقب المناقب ص 13

ثواقب المناقب دراصل تذکرہ نوشاہی سے تقریباً بیس برس قبل لکھی گئی۔ صداقت کنجاہی کومرزا احمد بیگ کا رسالہ ''الاعجاز'' مکمل حالت میں دستیاب ہوا تھا۔ ورنہ وہ بھی اس کے کٹے پھٹے ہونے کی شکایت کرتے۔ ثواقب المناقب میں تذکرہ نوشاہی والا مذکورہ بالا واقعہ موجود ہے۔ مگر اس میں ''اتفاقاً داریں اثناء نوشتن رسالہ کہ بعد از وصال حضرت شاہ چہل و سہ سال گذشتہ بوذ'' والا جملہ نہیں ہے۔ اگر یہ جملہ مرزا احمد بیگ کا ہوتا تو صداقت کنجاہی اسے ثواقب المناقب میں ضرور درج کرتے۔ ثواقب المناقب میں ''چہل و سہ سال'' اور عالمگیر بادشاہ کا ذکر تک نہیں ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جملہ تذکرہ نوشاہی کے مصنف شیخ محمد حیات کا اپنا ہے نہ کہ مرزا احمد بیگ کا۔ مگر اس بیان سے بھی کوئی ایسا سراغ نہیں ملتا کہ آپ کی ولادت کے بارے میں علم ہو سکے کہ کس سن میں ہوئی؟ چنانچہ ان تمام باتوں کو صرف نظر کر کے ہم نوشاہی سلسلے کے خاندانی مآخذات کی کچھ اور اندرونی شہادتوں پر غور کرتے ہیں۔

(5)

سلسلہ نوشاہی کی مآخذ کتب کی اندرونی شہادتیں

تذکرہ نگاروں کے بیان کئے ہوئے سنین ہمیں کسی منزل پر نہیں پہنچا سکے۔ اس لیے ہم تحقیق کے تیسرے اصول کو بروئے کار لاتے ہوئے سلسلہ نوشاہیہ کی کتب سے اندرونی شہادتیں اکٹھی کر کے اور انکی تاریخی کڑیاں آپس میں ملا کر کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ یہی طریقہ قابل اعتماد اور قابل یقین ہے۔

تذکرہ نوشاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ جوانی کے زمانے میں حضرت نوشہ صاحبؒ کو لاہور کی سیر کا شوق ہوا تو آپ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ لاہور تشریف

لائے مسجد فقیر بخاری میں قیام کیا۔[1] اور شیخ عبدالوہاب متقی سے ملاقات ہوئی۔[2]

حضرت شاہ و اخلاص منداں را ذوق سیر لاہور شد۔ و درآں اثناء بادشاہ وقت شاہ جہان در لاہور بود۔ چوں بمقدم شریف لاہور را سرفراز ساختند۔ درآں زماں شیخ عبدالوہاب نام بزرگ در مسجد فرید بخاری می بودند۔ واین سخن از زبان مرید شیخ، شیخ فتح محمد کہ در سیالکوٹ بودند، استماع یافتہ کہ دریں خدمت پیر خود نشتہ بودم کہ حضرت شاہ تشریف فرمودند، یک کس ہمراہ ایشاں بود۔ ملاقات شیخ نمودہ۔ درمجلس ساعت نشتہ رُخصت شدند۔ شیخ ماگفت کہ یاراں نمی بیند ایں جوان کہ میرود پائے ایں بر زمین نمیرسد وعنقریب کار ایں بعلو خواہد کشید۔ بعد از زیارت بزرگان و مشائخ حیات وممات فرمودند کہ یاراں ہر کہ در کسب خود کامل باشد او را باید دید۔ یاراں گفتند کہ ما تابع امریم۔ فرمودند کہ پہلوان پائے تخت را ذوق دیدن است۔ و درآں پہلوان از ولایت آمدہ بودند کہ جنگی زور بود، وشاہجہان بادشاہ در خاص و عام باپائے تخت اُو را کشتی گیرندہ بود۔[3]

شرافت نوشاہی اور برق نوشاہی نے لکھا ہے کہ اسی دوران آپ کی ملاقات مسجد فرید بخاری میں شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی قطب مکہ سے ہوئی۔[4]

مندرجہ ذیل تاریخی شہادتوں کے سبب یہ دعویٰ سچ ثابت نہیں ہوتا۔

1- تذکرہ نوشاہی ص 94

2- ثواقب المناقب ص 105، تذکرہ نوشاہی میں متقی کا لفظ موجود نہیں۔

3- تذکرہ نوشاہی قلمی مملوکہ صاحبزادہ محبوب حسین سنگھوئی ص 93-94 و دانشگاہ پنجاب نمبر 6188 ورق 14 ب نمبر 515 / 216 ورق 35 ب

4- تذکرہ نوشہ گنج بخشؒ ص 4 و نوشہ پیر ص 26

(الف) عبدالوہاب متقی شاذلی قطب مکہ بیس برس کی عمر میں (963ھ) مکہ شریف تشریف لے گئے اور وہاں علی متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باراں سال دینی علوم حاصل کیے۔ پھر چھبیس سال مکہ مکرمہ میں ظاہر اور باطنی علوم کی اشاعت میں مصروف رہے۔[1] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م 1052ھ) ان کے مرید تھے۔ پھر ان کے اصرار پر 1000ھ[2] میں دہلی آئے مگر اُسی سال حج کے موقع پر واپس چلے گئے۔ اور 1001ھ میں وصال فرمایا۔[3] شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے آپ کے لاہور تشریف لانے کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا اور نہ کسی مستند تذکرے سے آپ کا لاہور تشریف لانا ثابت ہے۔

(ب) مسجد فرید بخاری شیخ عبدلوہاب متقی کی وفات کے 15 یا 20 برس بعد تعمیر ہوئی۔ فرید بخاری اکبری عہد میں بخشی کے عہدے پر فائز تھے۔[4] جہانگیر کے عہد میں انہیں گجرات کا والی مقرر کیا گیا تھا اور مرتضٰی خاں کا خطاب ملا

1- مولانا عبدالاول جونپوری: مفید المفتی، لکھنؤ۔ 1326ھ ص 128
2- خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین دہلی 1953ء ص 127 - 124
3- مفید المفتی مذکور ص 128
4- ایس ایم اکرام: ڈاکٹر وحید قریشی (مرتبین) دربار ملی اردو ترجمہ۔ عبدالحمید یزدانی لاہور 1966ء ص 512 و محمد لطیف: تاریخ پنجاب ص 44 اور معاصر الامرا: ص 633 اور 141 سے پتہ چلتا ہے کہ فرید بخاری کے نام سے دہلی کے قریب ایک شہر فرید آباد بھی قائم ہوا۔ شیخ فرید نے لاہور میں اپنے نام کا ایک محلّہ بھی آباد کیا تھا۔ اس کے علاوہ مارکیٹ میں ایک غسل خانہ بھی تعمیر کروایا تھا۔ وہ بے حد اثر و رسوخ والی شخصیت تھے۔ سلطان خسرو اور جہانگیر کے معاملات میں بادشاہ کے حق میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ مارکیٹ اور سرائے میں ایک خوبصورت مسجد بنوائی۔ غالباً اسی مسجد کو فرید بخاری مسجد کہا جاتا ہے۔ جو آجکل سوتر منڈی اندرون لاہوری دروازہ لاہور میں موجود ہے۔ اسے حمام والی مسجد بھی کہا جاتا ہے۔

تھا۔[1] کچھ عرصہ لاہور کے بھی گورنر رہے۔ یہاں ہی 1025ھ/ 1616ء میں فوت ہوئے اور دہلی میں دفن ہوئے۔[2] یہ مسجد انہوں نے چھٹے عالمگیری سن 1020ھ/ 1611ء میں بنوائی۔ ولیم فنچ (William Finich) نے عالمگیری عہد میں 1020ھ/ 1611ء میں جو سفر نامہ لکھا ہے۔ اُس میں اُس نے اس مسجد کی خوبصورتی کا ذکر کیا ہے۔[3] جس سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد 1015ھ/ 1020ھ کے دوران تعمیر ہوئی۔ جبکہ عبدالوہاب متقی اکی تعمیر سے کم از کم پندرہ برس قبل 1001ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اس لیے اس مسجد میں نوشہ صاحبؒ کی اُن سے ملاقات بعید از قیاس ہے۔

(ج) مسجد فرید بخاری شاہ جہان کے عہد میں موجود تھی۔ کیونکہ یہ مسجد اس دور سے کافی عرصہ پہلے تعمیر ہو چکی تھی۔ شیخ فرید کے متعلق ان کے ایک ہم عصر شیخ معروف بھکری لکھتے ہیں:

"...... وخلق و تواضع و ملائمت خاصہ صفات او بودہ۔ ہیچ کس را درشتی نہ کردہ و در لاہور و اکبرآباد و دہلی و فرید آباد و رباط، سراو کٹہرا و خانقاہ و تالاب بنا نمودہ و امام و مؤذن و جاروب کش در مساجد مقرر کردہ۔ حاصل بازار و کٹہرا را بصرف ماہیانہ آں مردم کردہ سراہا را وقف کردہ کہ مردم آیندہ و روندہ بے اجورہ بودہ باشند و خرچ بھٹیار ہا کہ نگہبان سرا و دروازہ انداز و کاکین کہ بنا کردہ اوست بودہ باشد۔ آنچہ در علم صفات حسنہ منحصر بر ذات حمیدہ صفات و محسن عادات او بودہ"[4]

1- تزک جہانگیری۔ اردو ترجمہ، جلد اول لاہور 1968ء ص 149
2- دربار ملی اردو ترجمہ۔ مجلس ترقی ادب لاہور 1966ء ص 515
3- جرنل پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی لاہور، 1914ء
4- شیخ معروف بھکری: ذخیرہ الخوانین۔ کراچی 1961ء جلد اول ص 145

کنہیا لال اور مفتی غلام سرور کے قول کے مطابق شاہ جہانی عہد میں عبدالوہاب قادری اس مسجد کے امام تھے۔ جن کا وصال 1085ھ میں ہوا۔ مسجد فرید بخاری عبدالوہاب متقی کے وفات کے کافی عرصہ بعد تعمیر ہوئی۔ اسلئے اغلب ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی ملاقات عبدالوہاب قادری (م 1085ھ) کے ساتھ ہوئی ہوگی۔ جسے ثواقب المناقب کے مصنف نے غلطی سے عبدالوہاب متقی لکھ دیا ہے۔ جبکہ تذکرہ نوشاہی کے مصنف نے لفظ متقی نہیں لکھا۔

"درآں زماں شیخ عبدالوہاب نام بزرگ در مسجد فرید بخاری می بودند"[1]

(د) ثواقب المناقب، تذکرہ نوشاہی اور مراۃ الغفوریہ سے پتہ چلتا ہے کہ لاہور سے واپسی پر آپ کو خیال آیا کہ کسی کامل مرشد کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیے آپ نے ملا کریم الدین جو کالوی کی شہرت سن رکھی تھی۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ آپ کو ہمراہ لے کر حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کی خدمت میں بھلوال لے گئے۔ سخی صاحبؒ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا: میں ایک عرصے سے اس نوجوان کا منتظر ہوں۔ پھر آپ کو اپنی بیعت میں لے لیا۔[2] اُس وقت حضرت نوشہ صاحبؒ کی عمر 29 برس تھی۔[3] شرافت نوشاہی[4] اور برق نوشاہی[5] نے بیعت کے وقت آپ کی عمر 29

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 93
2- تذکرہ نوشاہی، قلمی ص 97-98، ثواقب المناقب ص 108
3- عمر بخش رسول نگری: مناقبات نوشاہی (قلمی) مکتوبہ 1310ھ کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات ص 73
4- تذکرہ نوشہ گنج بخش ص 41
5- نوشہ پیر ص 27

برس ہی لکھی ہے۔ تذکرہ نوشاہیہ سے پتا چلتا ہے کہ جب آپ لاہور تشریف لے گئے تھے تو:

"دریں اثناء بادشاہ وقت شاہجہاں در لاہور بود"[1]

شاہ جہان نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت شاہ جہان کا ساتواں سال □س اور 1043ھ تھا۔[2] ان تمام اندرونی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب نوشہ صاحبؒ پہلی مرتبہ 1043ھ میں لاہور آئے تھے اُس وقت آپ کی عمر 29 سال تھی۔ اگر 1043ھ میں سے 29 تفریق کر دیے جائیں تو آپ کی ولادت 1014ھ/ 1605ء بنتی ہے۔ سلسلہ نوشاہیہ کے بنیادی مآخذات کے واقعات اور شہادتوں کی روشنی میں یہی سن ولادت درست معلوم ہوتا ہے۔

ولادت کے متعلق پیشین گوئیاں

نوشاہی سلسلے کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب میں اس امر کی بہت سی شہادتیں ملتی ہیں کہ حضرت نوشہؒ کی ولادت سے قبل بہت سے بزرگوں نے پیشین گوئیاں کی تھیں۔

1- تذکرہ نوشاہی کے مصنف کے مطابق نوشہ صاحبؒ کے والد نے جب چھٹی مرتبہ حج کا ارادہ کیا تو گھر سے رخصت ہوتے ہوئے اپنی اہلیہ کو نوشہ صاحبؒ کی ولادت اور شخصیت کے بارے میں بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے گھر میں جنم لینے والا بچہ دین کا پہلوان، وقت کا قطب اور بلند رتبے کا مالک ہوگا۔[3] اُس کا نام حاجی محمد رکھنا احتیاط اور خیال سے پرورش کرنا۔[4] مولوی اشرف منچری نے اس بیان کی تصدیق یوں کی ہے:

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) دانشگاہ پنجاب ذخیرہ شیرانی نمبر 6188 ورق 14ب
2- محمد صالح کنبوہ: شاہ جہاں نامہ مطبوعہ اردو مرکزی بورڈ لاہور 1976ء جلد دوم ص 8
3- تذکرہ نوشاہی۔ (قلمی) ص 72
4- ایضاً

که حق باتو فرزند نیکو دہد | که او قطب دورِ زمانه شود
ولی نام حاجی محمد نہی | دہد حق باو خلعتِ نوشہی [1]

2- آپ کے چچا رحیم الدینؒ نے آپ کے بلند مرتبے کی نوید سنائی۔ [2] آپ کے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ نے بھلوال سے آکر آپ کی والدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''بشارت دادند که یا بی بی فرزندی بخانه تو شود که از فیض او عالم بہره مند خواہد شد۔ ہرگاه او تولد شود مارا خبر خواہید کرد۔ [3]

3- حضرت معروف خوشابی (م 987ھ/ 1579ء) [4] نے سخی شاہ سلیمان نوریؒ کو خرقہ خلافت عطا کرتے ہوئے بشارت دی تھی کہ اس خلافت کا وارث حاجی نوشہ ہوگا۔ [5]

4- حضرت سید مبارک حقانیؒ نے شاہ معروف خوشابی کو خانوادہ جدید کی جو بشارت دی تھی اُس سے مراد نوشہ صاحبؒ کی ذات تھی۔ آپ سے ہی خانوادہ نوشاہی کا آغاز ہوا۔ [6]

5- شریف التواریخ کے مصنف کے مطابق حضرت داوٗد قیصری (شارح فصوص الحکم) اور حضرت غوث الاعظمؒ نے بھی آپ کی ولادت کی پیش گوئی کی تھی۔ [7]

1- کنزالرحمت ص32
2- تذکرہ نوشاہی ص64
3- ایضاً ص72
4- خزینۃ الاصفیاء ص207
5- تذکرہ نوشاہی ص38
6- ایضاً ص32
7- شریف التواریخ جلد اول ص937

مناقبات نوشاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ غوث الاعظمؒ نے اپنے بیٹے سید سیف الدین عبدالوہاب کو بشارت دی تھی کہ اُن کے سلسلے میں حاجی محمد نوشہ پیدا ہونگے اور انکے سلسلہ قادریہ کو عروج بخشیں گے۔ [1]

پیدائشی ولایت اور بچپن کی کرامتیں

سلسلہ نوشاہی کی کتب میں آپ کے بچپن کی کچھ ایسی کرامات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ ثواقب المناقب، تذکرہ نوشاہی، کنزالرحمت، تحائف قدسیہ اور مراۃ الغفوریہ میں آپ کی ان گنت کرامات درج ہیں لیکن طوالت کے خوف سے ہم یہاں صرف دو ایک کا ذکر کریں گے۔ ایک مرتبہ آپ کی والدہ آپ کو پالنے میں لٹا کر آٹا گوندھنے میں معروف ہوگئیں۔ پڑوسن نے پیار کی غرض سے آپ کو گود میں اٹھانا چاہا تو وہ پالنے میں سانپ دیکھ کر ڈر گئی۔ اُس نے شور مچایا۔ آپ کی والدہ نے آکر دیکھا تو آپ غصے کی کیفیت میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ نے اُس عورت سے پوچھا تو پتا چلا کہ وہ اُس وقت ناپاک تھی۔ [2] انہوں نے عورت سے کہا۔

بگفتش چو باشی تو ناپاک تن | نیائی بہ نزدیک فرزند من [3]

جب آپ نے گھٹنوں کے بل چلنا شروع کیا تو حویلی میں گھر والے مویشی باندھے تھے۔ اچانک مویشی مرنے لگے۔ ان دنوں اتفاق سے آپ کے مرشد حضرت

1- مناقبات نوشاہی (قلمی) ص 61 - 50
[قادری سلسلے کے کسی معتبر ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی معلوم نہیں یہ حوالے لیے گئے ہیں]
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص73
3- کنزالرحمت ص35

تخی شاہ سلیمان نوریؒ وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے آپ کی والدہ سے فرمایا کہ اب حاجی محمد نے گھٹنوں کے بل چلنا شروع کر دیا ہے اور انہیں کھیلانے کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ مویشیوں کا گوبر ان کے جسم مبارک کو لگ جاتا ہے تو اس بے ادبی کے سبب مویشی مرتے جاتے ہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مویشی اب حویلی سے باہر باندھا کرو۔ گھر کے افراد نے اس نصیحت پر عمل کیا تو مویشی بچ گئے۔ (1)

ابتدائی تعلیم اور تربیت

آپ کے والد شیخ علاء الدینؒ نے پیادہ پا سات حج کیے۔ اس لیے اُن کی زندگی کے بیشتر ایام حالت سفر میں گزرے۔ نوشہ صاحبؒ کی ولادت کے وقت بھی وہ حج کیلئے گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی تربیت آپ کی والدہ اور چچا شیخ رحیم الدین نے کی۔ جب آپ کے والد حج سے واپس تشریف لائے اُس وقت آپ پانچ برس کے تھے۔ لہٰذا ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ (2) پھر موضع جاگو تارڑ کے مدرسہ میں حافظ قائم الدین کے شاگرد ہوئے۔ (3) مولوی نور احمد چشتی نے آپ کے استاد کا نام حافظ بڈھا لکھا ہے۔ (4) شروع شروع میں آپکی زبان سے الفاظ کا صحیح مخرج ادا نہیں ہوتا تھا۔ ایک رات خواب میں دو فرشتے آئے اور کہنے لگے حاجی محمد! ہم اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کو قرآن پاک سکھانے کیلئے آئے ہیں۔ ایک فرشتے نے اپنی دو انگل آپ کے منہ میں رکھیں اُس کی برکت سے آپ کو قرأت اور الفاظ کے جملہ مخارج

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی)، ص 74-75
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 102
3- ایضاً
4- تحقیقات چشتی ص 249

آسان ہو گئے اور آپ نے صرف چند ماہ میں قرآن حفظ کر لیا۔ (1) آپ کی قرأت اور مخرج الفاظ سُن کر اساتذہ حیران رہ گئے۔ جب ایک اُستاد نے دریافت کیا تو آپ نے خواب میں فرشتوں سے ملاقات کا واقعہ بے کم و کاست سنا دیا۔ استاد صاحب نے پرخلوص لہجے میں کہا:

''الحال شمارا احتیاج بخواندن پیش مانیست، لیکن الحمدللہ کہ چند سبق پیش ما گرفتند۔ شاید فردا بہ برکت ہمیں سبق ہا در آخرت نجات ماشود۔''(2)

بعد ازاں آپ نے فقہ، حدیث، نحو، منطق، فلسفہ، ادب کلام معانی تفسیر اور موسیقی کے علوم پر عبور حاصل کیا۔ برق نوشاہی کی تحقیق کے مطابق آپ نے شیخ حقو (شیخ عبدالحق) کے مدرسہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ (3) لیکن شرافت نوشاہی کی تحقیق کے مطابق شیخ حقو آپ کے زمانے کے بعد ہوئے۔ اس لئے نوشہ صاحبؒ کا شیخ حقو کے مدرسے میں تعلیم حاصل کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ (4) شرافت نوشاہی نے تذکرہ نوشاہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ کئی ایک فنون میں بھی مہارت حاصل کی تھی۔ جن میں سے کاغذ پر سونے کی پان چڑھانا، روشنائی بنانا، ادویات تیار کرنا، دریا میں تیراکی، نشانہ بازی، تلوار چلانے کا فن، گھوڑ سواری اور پہلوانی وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ (5) تذکرہ نوشاہی کے جس قدر نسخے ہماری نگاہوں سے گزرے ہیں اُن میں سے کسی ایک میں بھی ان فنون کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ تذکرہ نوشاہی میں آپ کا یہ فرمان ضرور درج ہے:

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 82-83
2- تذکرہ نوشاہی ص 84
3- نوشہ پیر ص 26
4- گنج شریف پنجابی ص 20
5- ایضاً

"بعد از فراغ تجوید قرآن از صحبت سراسر بہجت وحصولِ مسائل اصول و فرائض و سنن و مستحبات و فروغ آں کہ از مقال ہمہ حال من گشتند۔"(1)

عبادت و ریاضت

نوشہ صاحبؒ دینی اور دنیاوی علوم کی تکمیل کے بعد اپنا زیادہ وقت عبادت اور ریاضت میں گزارنے لگے۔ شیخ محمد حیات لکھتے ہیں:

"تمام شب برکنارۂ دریا بیادِ حق مشغول می بودند و روزانہ در مسجد کہ بموضع بود پنج وقت نماز با جماعت می خواندند۔"(2)

بقول مفتی غلام سرور لاہوری:

"چوں نوشہ بعمر ہفتدہ سالگی رسید۔ ترک دنیا وصحبت اقربا نمود۔ درنیستان ساندل بار بجائے کہ ویرانہ عظیم بود تشریف بُرد و بزہد و ریاضت مشغول گشت۔"(3)

مرزا اختر کیرانوی نے لکھا ہے کہ آپ نو سال کی عمر میں عبادت اور ریاضت

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 102,3

2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 82

3- خزینۃ الاصفیا (فارسی) ص 180 یہاں مفتی صاحب کا ساندل بار کا حوالہ غلط ہے کیونکہ ساندل بار فیصل آباد کا علاقہ ہے۔ نوشہ صاحبؒ کا یہاں تشریف لانا ثابت نہیں ہوتا۔ شرافت نوشاہی نے اسے گوندل بار کا علاقہ بتایا ہے۔ جو گجرات میں ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں اس علاقے کو ساندر بار کہا جاتا تھا۔ جو گھگانوالی کے نزدیک ویران بیابان تھا۔ اب یہ علاقہ آباد ہو چکا ہے۔ اس کی کچھ زمین گھگانوالی کے رقبہ میں شامل ہے۔ (بحوالہ مسل حقیت محکمہ مال تحصیل پھالیہ)۔ مفتی صاحب کی حدیقۃ الاولیاء کے ص 23 پر بھی یہی غلطی موجود ہے۔

میں مشغول رہنے لگے تھے اور چھ برس تک آپ کا یہ معمول رہا کہ ساری رات دریا کنارے عبادت میں مشغول رہتے اور دن کے وقت مسجد میں تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہتے تھے۔(1) تذکرہ صوفیائے پنجاب کے مصنف اعجاز الحق قدوسی نے بھی لکھا ہے کہ آپ ساندل بار کے جنگلوں میں مجاہدات کرتے رہے۔(2) تذکرہ نوشاہی کے مصنف کے قول کے مطابق عالم شباب ہی میں عشق الٰہی آپ کی طبع پر غالب رہا اور آپ سب کچھ ترک کر کے جنگل میں چلے گئے جہاں پانچ پانچ میل دور دور تک آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ آپ عبادت الٰہی میں ساری رات کھڑے رہتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ جنگلی پھل پھول سے افطاری کرتے تھے۔ ایک دن ایک زمیندار کو علم ہوا کہ آپ یہاں عبادت میں مشغول ہیں وہ آپ کا عقیدت مند بن گیا اور ہر روز دودھ کا ایک پیالہ خدمت میں پیش کرنے لگا آپ اُسی سے روزہ افطار فرماتے۔(3) دھیرے دھیرے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ آپ کا ڈیرہ جنگل میں ہے۔(4)

1- تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان جلد نمبر 3 ص 70

2- اعجاز الحق قدوسی نے بھی مفتی غلام سرور کی طرح ساندر بار کو ساندل بار لکھا ہے جو غلط ہے۔

3- تذکرہ نوشاہی ص 81

4- قدیم زمانے میں جنگلوں میں عبادت کرنے کا عام رواج تھا۔ حضرت میاں میر صاحب مریدوں کو فرماتے تھے کہ عبادت کے لئے جنگلوں اور ویرانوں میں جانا بہتر ہے۔ لیکن جب جاؤ کھا کر جاؤ یا ساتھ لے جاؤ۔ اس میں دو مصلحتیں ہیں کہ سالک کو بھوک سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ایسے حوالے احادیث میں بھی ملتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ غارِ حرا میں حق کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جب گھر والوں سے ملنے کی خواہش ہوتی تو گھر تشریف لاتے۔ جاتے ہوئے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے کر جاتے۔ (سکینۃ الاولیا ص 28)

پاکیزہ شباب

عالم شباب میں نوشہ صاحبؒ اپنے ہم عمر ساتھیوں میں طاقتور اور مضبوط جسم والے نظر آتے تھے۔ تیس برس کے جوان کو بھی آپ کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔[1] مرزا احمد بیگ نے آپ کی جوانی کے زمانے کی جرأت کا ایک واقعہ یوں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ڈاکوؤں کے بڑے گروہ نے آپ کے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ گاؤں والوں نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ مگر ڈاکوؤں کا پلہ بھاری رہا۔ گاؤں والے حوصلہ ہار گئے۔ مگر نوشہ صاحبؒ اکیلے ہی ڈاکوؤں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ جو بھی سامنے آتا وہ تیر کا ہدف بن جاتا۔ گاؤں کے سردار نے جب آپ کی اس قدر بہادری دیکھی تو گاؤں والوں کو غیرت دلائی۔

'' اے نامرداں یک طفلِ خورد سال تمام فوج غنیم را عاجز نمودہ شما کجا می روید''[2]

آپ کے ساتھ مل کر گاؤں والوں نے ایسا بھر پور حملہ کیا کہ ڈاکوؤں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ آپ اپنے دوستوں کے ہمراہ لاہور کی سیر کے لئے تشریف لائے تو اُن دنوں بیجاپور سے آئے ہوئے ایک شاہی پہلوان کا بہت چرچا تھا۔ آپ بھی اُسے دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ اُس وقت وہ اپنے پٹھوں (شاگردوں) کو داؤ پیچ سکھا رہا تھا۔ وہ آپ کے مضبوط اور کسرتی جسم کو دیکھ کر آپ کو پہلوان سمجھا اور کہنے لگا اگر آپ چاہیں تو میرے کسی شاگرد کے ساتھ کشتی لڑ سکتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ شاگرد کے ساتھ کیوں اُستاد کے ساتھ کشتی لڑوں گا اور اسے ہاتھ آگے بڑھانے کے لیے کہا:

1- کنز الرحمت ص 34

2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 87

'' بیا دست مارا بگیر یا دست بدست من بدہ، از ہمیں زور معلوم خواہد شد''[1]

آپ نے اُس کا ہاتھ اس قدر زور سے دبایا، قریب تھا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے خون بہنے لگتا اُس نے اُسی وقت آپ کی طاقت کا اعتراف کر لیا۔[2] آپ نے نصیحت فرمائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے اس قدر طاقت دی ہے تو تکبر نہ کر۔ طاقت سنبھال کر رکھ۔ طاقت اور زور والا شخص پہلوان نہیں ہوتا۔ پہلوان وہ ہوتا ہے جو غصے پر قابو پالے۔ اس بات سے پتا چلتا ہے کہ آپ کس قدر متحمل مزاج اور عاجزی پسند تھے۔ اس قدر طاقت کے مالک ہوتے ہوئے بھی آپ نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ کسی کو اذیت نہیں دی۔

تذکرہ نوشاہی کے مصنف نے مرزا احمد بیگ کے حوالے سے کچھ جنگوں میں آپ کا شریک ہونا بھی لکھا ہے۔[3]

حلیہ

جوانی میں آپ کا قد لمبا، جسم مضبوط، رنگ گندمی تھا۔ ماتھا چوڑا (جو خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا ہے) آنکھیں موٹی اور روشن، منہ درمیانہ، دانت چمکدار، رخسار بھرے ہوئے اور چمکیلے، بھرپور داڑھی، چوڑا سینہ، مضبوط بازو، سر کے بال کبھی چھٹے ہوتے تو کبھی دراز زلفیں۔ صفائی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چلنے پھرنے میں وقار جھلکتا تھا۔[4]

1- ثواقب المناقب ص 107

2- ایضاً

3- مرزا احمد بیگ اور شیخ حیات نے جنگوں کے نام نہیں لکھے۔ ممکن ہے اس زمانے میں کچھ قبائل کے درمیان معرکہ آرائیاں ہوئی ہوں، جنہیں جنگ کا نام دے دیا گیا ہو۔

4- شریف التواریخ جلد اول ص 945

لباس

آپ بے حد سادہ طبع تھے۔ لباس ہمیشہ درویشانہ ہوتا تھا۔ عام طور پر کھدر استعمال کرتے تھے۔ موسم سرما میں کمبل یا کھیس اوڑھتے تھے۔ دھوتی اور سر پر کپڑے کی ٹوپی اور کبھی کبھی پگڑی باندھتے تھے۔ اکثر کپڑے سفید پہنتے تھے۔ کبھی کبھار سبز، گیرو اور سرخ لباس زیب تن فرماتے۔ لیکن ہر وقت صفائی پیش نظر رہتی۔ [1]

شادی

آپ بچپن سے ہی عبادت اور ریاضت کے عادی ہوگئے تھے۔ جوانی میں ظاہری علوم سے فارغ ہوکر اکثر ویران اور سنسان مقامات پر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کی والدہ کو خیال آیا کہ اگر میں نوشہ کی شادی کر دوں تو شاید یہ گھر میں رہنے لگیں اور جنگلوں بیابانوں میں جانا چھوڑ دیں۔ چنانچہ انہوں نے گھگانوالی کے نزدیک ایک گاؤں نوشہرہ تارڑاں کے ایک بزرگ شیخ فتح محمد کی بیٹی کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔ تذکرہ نوشاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ:

> ''حضرت بی بی را بخاطر شریف آمد کہ اگر کتخدائی ایشاں رابکنم شاید کہ بایں سبب در ایں سر زمین اقامت نمائند۔ در موضع نوشہرہ کہ قوم تارڑاں اقامت دارند از قوم خود درآں موضع شخصے خوب مرد بود۔ حضرت شاہ را در آنجا منسوب ساختند۔ بعد چند روزی کہ کتخدائی حضرت شد۔''[2]

شادی کے وقت آپ کی عمر بیس (20) برس تھی۔ [3] مولوی نور احمد چشتی نے شیخ فتح محمد کی کنیت ابونصر لکھی ہے۔ [4]

1- شریف التواریخ جلد اول ص 945
2- تذکرہ نوشاہی قلمی ص 81۔ نوشہرہ تارڑاں گھگانوالی سے چار میل دور مشرق میں واقع ہے۔
3- ماہنامہ القادر نوشاہی، مدیر محمد حامد شاہ حامد گورداسپور گمعالہ نومبر 1924ء ص 29
4- تحقیقات چشتی ص 249

سیر و سیاحت

شادی کے بعد آپ کو "سیر فی الارض" کا شوق ہوا۔ چنانچہ مختلف بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کا ارادہ کیا۔ چند دوستوں کے ہمراہ لاہور تشریف لائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار اقدس پر چالیس روز چلہ کشی کی اور باطنی فیض حاصل کیا۔ [1] اُس زمانے کے مشہور بزرگ حضرت میاں میرؒ دیگر علماء اور بزرگان دین سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ شیخ محمد حیات نے تذکرہ نوشاہی میں شیخ عبدالوہاب سے ملاقات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ [2] جو اس وقت مسجد فرید بخاری میں امام تھے۔ [3] صداقت کنجاہی نے عبدالوہاب قادری کی بجائے غلطی سے متقی لکھ دیا ہے۔ [4] حالانکہ عبدالوہاب متقی (م 1001ھ) کی لاہور میں آمد کسی طور بھی ثابت نہیں ہوتی۔ جبکہ مسجد فرید بخاری ان کی وفات کے تقریباً پندرہ برس بعد تعمیر ہونا شروع ہوئی۔ اس لیے مسجد فرید بخاری میں انکی نوشہ صاحبؒ سے ملاقات بعید از قیاس ہے۔ اصل میں نوشہ صاحبؒ کی ملاقات شاہ جہانی عہد کے بزرگ عبدالوہاب قادری (م 1085ھ) سے ہوئی تھی۔ جو اُس مسجد کے امام تھے۔ [5]

نوشہ صاحبؒ نے پنجاب سے باہر کے علاقوں کا بھی سفر اختیار کیا۔ جن میں سے مصر کا سفر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس دوران میں آپ نے سات حج کیے۔ [6] نسب نامہ سادات کے مؤلف نے لکھا ہے کہ نوشہ صاحبؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

1- ماہنامہ القادر نوشاہی، شمارہ فروری 1925ء ص 20
2- ایضاً ص 21
3- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 93
4- ثواقب المناقب ص 105
5- عبداللہ چغتائی ڈاکٹر: تاریخی مساجد لاہور 1976ء ص 43
6- ہاشم شاہ تھرپالوی۔ چہار بہار، مرکز تحقیقات فارسی ایران، پاکستان اسلام آباد، ص 65،71

کے حکم کی تعمیل میں بغداد سے چل کر پنجاب آئے تھے:

'' کیفیتِ ایشاں حاجی الحرمین لقب ایشاں حاجی گدائی، نام اوشاں نعمت اللہ و نوشہ گنج بخش و نوشہ ہادی بھورے والا، چوں حضرت قدوۃ السالکین و زبدۃ العارفین، سراج العاشقین حضرت شیخ اللہ گرانمایہ از بغداد ارزانی فرمودند''[1]

شرافت نوشاہی نے اسی بیان کے پیش نظر لکھا ہے کہ نوشہ صاحبؒ بغداد بھی گئے تھے۔[2] حالانکہ تاریخی اعتبار سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کیونکہ حضرت نوشہ صاحبؒ اور حضرت غوث الاعظم (ولادت 470ھ) کے درمیان پانچ سو سالوں سے بھی زیادہ فرق ہے۔ دونوں شخصیات کے ادوار مختلف ہیں۔ اس لئے ملاقات اور حکم دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تذکرہ نوشاہی یا دیگر خاندانی تذکروں میں سے اس واقعہ کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ آپ کبھی بغداد تشریف لے گئے تھے۔ علاوہ ازیں یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نسب نامہ سادات میں آپ کا اسم گرامی اور لقب بھی درست نہیں دیا گیا۔ اس بنا پر یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ناقص اور غیر معتبر معلومات کی بنا پر یہ کتاب کسی بھی حوالے کے لیے قابل اعتبار نہیں۔

حق کی جستجو، ریاضت اور مجاہدہ

شادی کے بعد آپ نے عبادت اور ریاضت کی غرض سے ویرانوں میں جانا کم کر دیا۔ مگر معمول میں سر مو فرق نہ آیا۔ شادی کے بعد آپ نے گھگانوالی کو چھوڑ کر نوشہرہ تارڑاں میں رہائش اختیار کر لی۔[3] اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ نوشہرہ تارڑاں سے دریائے چناب بہت نزدیک تھا۔

1- نسب نامہ سادات (قلمی) دانشگاہ پنجاب ذخیرہ شیرانی نمبر 2209 / 5219 ورق 72

2- چہار بہار، مرتبہ شرافت نوشاہی ص 71 - 95

3- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 82

علاوہ ازیں اس گاؤں کے لوگ نیک خصلت، مخلص اور ملنسار تھے۔ یہاں تشریف لا کر آپ پہلے سے زیادہ عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ آپ ساری رات دریا کنارے عبادت اور ریاضت کرتے۔ دن کے وقت گاؤں کی مسجد میں تلاوت میں مصروف رہتے۔ سردی ہو یا گرمی ہر موسم میں آدھی رات کو تہجد ضرور پڑھتے۔ پھر کچھ وقت مراقبے میں گزارتے۔ اشراق تک ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔ پانچوں وقت کی نماز باقاعدگی سے باجماعت ادا کرتے۔ عصر کی نماز سے قبل چار سنتیں ضرور پڑھتے تھے اور لوگوں کو اسکی پابندی کی پوری پوری تلقین فرماتے تھے۔[1] مطلب یہ ہے کہ آپ عبادت، ریاضت اور مجاہدے کے ذریعے حق کی تلاش و جستجو میں مگن رہتے تھے۔ اسی جستجو نے آپ کو کامل مرشد کی راہ دکھائی۔

بیعت طریقت

بلاشبہ آپ ایام جوانی میں عبادت گزار، نیک اور پرہیزگار متقی تھے۔ لیکن جب آپ کی نظر قرآن پاک کے اس ارشاد کی طرف جاتی "یَـٰٓأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"[2] یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکی جانب وسیلہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ''

آپ کے دل میں کسی کامل وسیلے کی تلاش کی خواہش پیدا ہوتی۔ ایسا کامل وسیلہ جو حق کا نہ صرف شناسا ہو بلکہ طریقت کی تمام منزلوں سے سالک کو گزارنے کی اہلیت کا حامل بھی ہو۔ جب آپ لاہور بغرض سیر تشریف لائے تو یہ خواہش چنگاری

1- ماہنامہ القادر نوشاہی، نومبر 1924ء ص 29

2- القرآن۔ پارہ 6 سورۃ المائدہ آیت 35

سے جوالہ مکھی بن گئی۔ شرافت نوشاہی نے تذکرہ نوشاہی کے حوالے سے لکھا ہے:

''لاہور سے واپس آ کر آپ کا ارادہ ہوا کہ کسی بزرگ صاحب نسبت کی ملازمت اختیار کریں۔ تلاش فقراء میں ہوئے۔ اتفاقاً کسی آدمی سے ملا کریم الدین جو کالوی کی تعریف سنی جو کہ حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کے خلفاء بزرگ میں سے تھے۔ ان سے ملاقات کی اور سخی بادشاہ کے محامد و اوصاف وہاں سے سُن کر دل میں عشق موجزن ہوا۔''(1)

شرافت نوشاہی صاحب کی اس تحریر سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ ملا کریم الدین کے منہ سے سخی صاحبؒ کے اوصاف سن کر نوشہ صاحبؒ کو اُن سے عشق ہوا۔ کیونکہ تذکرہ نوشاہی سے پتا چلتا ہے کہ سخی شاہ سلیمانؒ، نوشہ صاحبؒ کی ولادت سے قبل اُن کے گھر تشریف لائے تھے اور پشینگوئی کی تھی اور احتیاط کے ساتھ پرورش کی تلقین فرمائی تھی۔[2] پھر آپ کی عہد طفولیت میں وہ کئی مرتبہ گھگانوالی تشریف لائے تھے۔ یہ تمام واقعات اس بات کی ٹھوس شہادت ہیں کہ نوشہ صاحبؒ کے والدین حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ سے بخوبی واقف تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو عالم شباب میں اُن کے متعلق علم ہوا ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس سے قبل آپ کبھی بھی بھلوال نہ گئے ہوں یا راستہ معلوم نہ ہو۔ کیونکہ اُس زمانے میں آمدورفت کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ اس لئے آپ ملا کریم الدین کی معیت میں سخی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

1- شریف التواریخ جلد اول ص 922
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 72

بیعت کا واقعہ

حضرت نوشہ صاحبؒ جب مُلا کریم الدین کے ہمراہ بھلوال پہنچے تو سخی صاحبؒ نے نہایت خندہ پیشانی سے دونوں کا استقبال کیا۔ ملا کریم الدینؒ نے نوشہ صاحبؒ کا تعارف کرانا چاہا تو سخی صاحبؒ نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ میں اس جوان کے حالات سے بخوبی واقف ہوں۔ اس نے مجھے ایک عرصے تک انتظار میں رکھا۔ سخی صاحبؒ کی ایک ہی نظر سے آپ کی حالت تبدیل ہوگئی۔[1] بعد ازاں فقیری انداز میں آپ سے بیعت لی گئی اور حضرت شاہ معروف خوشابیؒ کے امانت دینے والا واقعہ بیان کیا[2] اور فرمایا! اللہ کا شکر ہے کہ ''امانت با امانتدار رسید'' بقول قاضی رضی الدینؒ کہ سخی صاحبؒ کی ایک درویشانہ نظر سے آپ بے ہوش ہوگئے اور تین ماہ اسی جذب و مستی کی کیفیت میں رہے۔[3] اٹھنے بیٹھنے اور بولنے چالنے کی ہمت نہ رہی۔ مراۃ الغفوریہ کے مصنف کے قول کے مطابق اسی حالت جذب و سکر میں آپ نے سلوک کی تمامتر منزلیں طے کر لیں۔[4] مرشد نے فنا فی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ کی منزلیں پار کرا کر بقا باللہ کی منزل تک پہنچا دیا۔ یوں نوشہ صاحبؒ پر حی القیوم کے اسرار واضح ہوگئے۔[5] یہ سارا واقعہ آپ کے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کی کمال شفقت اور مہربانی سے پیش آیا۔ جو قادریہ سلسلہ کے نامور بزرگ اور ولی اللہ تھے۔

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 103
2- ایضاً ص 38
3- ایضاً ص 103
4- امام بخش نوشاہی برقندازی: مراۃ الغفوریہ (قلمی) مملوکہ کتب خانہ شیخ فضل حسینؒ دربار سخی شاہ سلیمان نوریؒ بھلوال۔ اب یہ کتاب چھپ چکی ہے جسے ڈاکٹر معین نظامی نے مرتب کیا ہے۔ ناشر مرکز تحقیقات فارسی ایران، پاکستان
5- ثواقب المناقب ص 37 ، 36

شجرہ طریقت

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر یہ سلسلہ آگے چل کر نوشہ صاحبؒ کے نام نامی کی بنا پر قادری نوشاہی مشہور ہوا۔ نوشہ صاحبؒ کا شجرہ طریقت 26 واسطوں سے سرکار دو عالم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ثواقب المناقب، تذکرہ نوشاہی، مراۃ الغفوریہ، تحائف قدسیہ اور کنز الرحمت میں شجرہ طریقت نوشاہیہ کی ترتیب اس طرح سے ہے:

1-	حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ	ولادت	1014ھ	1605ء[1]
2-	حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ بھلوالی	وفات	1065ھ	1654ء
3-	حضرت شاہ معروفؒ (خوشابی)	//	987ھ	1579ء
4-	حضرت مخدوم سید مبارک حقانیؒ (اوچ شریف)	//	956ھ	1549ء
5-	حضرت سید شاہ محمد غوث گیلانیؒ	//	923ھ	1517ء
6-	حضرت سید شمس الدین گیلانیؒ	//	834ء	1430ء
7-	حضرت سید شاہ میر گیلانیؒ	//	766ھ	1364ء
8-	حضرت سید علی گیلانیؒ	//	715ھ	1315ء
9-	حضرت سید مسعود گیلانیؒ	//	660ھ	1261ء
10-	حضرت سید احمد گیلانیؒ	//	630ھ	1232ء
11-	حضرت سید عبدالسلام صوفی گیلانیؒ	//	611ھ	1214ء
12-	حضرت سید عبدالوہاب گیلانیؒ	//	593ھ	1196ء

1- ہجری اور عیسوی سنین کے تقابل کے لیے The Muslim and Chrestian Calendars by G.S.P Freeman Grenville London 1963. سے استفادہ کیا گیا۔

13-	حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ	//	561ھ	1165ء
14-	حضرت قاضی ابوسعید مخزومیؒ	//	508ھ	1114ء
15-	حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاریؒ	//	484ھ	1091ء
16-	حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسیؒ	//	447ھ	1055ء
17-	حضرت شیخ عبدالواحد تمیمیؒ	//	425ء	1033ء
18-	حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ	//	334ھ	945ء
19-	حضرت شیخ جنید بغدادیؒ	//	297ھ	909ء
20-	حضرت شیخ سری سقطیؒ	//	250ھ	864ء
21-	حضرت شیخ معروف کرخیؒ	//	200ھ	815ء
22-	حضرت شیخ داؤد طائیؒ	//	165ھ	781ء
23-	حضرت شیخ حبیب عجمیؒ	//	156ھ	772ء
24-	حضرت شیخ حسن بصریؒ	//	111ھ	729ء
25-	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	//	40ھ	660ء
26-	حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ	//	11ھ	632ء

خلافت

حضرت نوشہ صاحبؒ کو اپنے مرشد سے بے حد عقیدت اور پیار تھا۔ اسی عقیدت کے باعث آپ اکیس بائیس برسوں میں متعدد بار مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرشد نے بھی کمال عنایات سے خوب نوازا اور باطنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ آپ مرشد کے احترام کی وجہ سے کبھی سواری استعمال نہ کرتے بلکہ گھگانوالی سے بھلوال تک 27 کوہ کا فاصلہ[1] پیدل ہی طے کرتے۔ آخری ایام میں مرشد کے

1- کنز الرحمت ص 30

حکم کی پاسداری میں گھوڑی خرید کر سواری کرنے لگے تھے۔[1] مرشد دیگر مریدوں کے مقابلہ میں آپ پر زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ کئی بار آپ کے استقبال کے لئے گاؤں سے باہر آجاتے تھے۔ پھر خود چار پائی بچھا کر اُس پر چادر سنوار کر بٹھاتے تھے۔[2] نوشہ صاحبؒ بھی اپنے مرشد کا دل و جان سے احترام کرتے تھے۔ اور اُن کے ہر حکم کی تعمیل بسر وچشم کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مرشد کی خاص نظر عنایت کے باعث آپ روز بروز روحانی مقامات طے کرتے چلے گئے۔

ملا کریم الدین اور دیگر مریدوں نے جب سخی صاحبؒ کو نوشہ صاحبؒ کے حال پر بہت زیادہ مہربان پایا تو دل میں خیال کیا کہ نوشہ صاحبؒ بہت بعد میں آئے اور ہم سے زیادہ منظور نظر بن گئے ہیں۔ جب سخی صاحبؒ کو اس بات کا پتا چلا تو چہرے پر جلالی کیفیت طاری ہوگئی۔ نماز کا وقت تھا۔ ملا کریم الدین کو جماعت کرانے کا حکم دیا۔ مگر حضرت کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر اُنہیں آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی اور معذرت کر لی۔ پھر نوشہ صاحبؒ کو امامت کرانے کا حکم دیا تو وہ حکم عدولی کے متعلق سوچ بھی نہ سکتے تھے فوراً آگے بڑھے اور امامت کرائی۔ نماز سے فارغ ہو کر سخی صاحبؒ نے ملا کریم الدین اور نوشہ صاحبؒ کے ہاتھ پکڑ کر وزن کیا اور فرمایا۔ ملا جی آپ کے ہاتھ سے حاجی محمد کا ہاتھ وزنی ہے۔ میں نے آپ سے تین مرتبہ جماعت کرانے کے لئے کہا۔ آپ نے تینوں بار معذرت کی۔ چنانچہ تین مرتبہ کہنے سے حجت پوری ہوگئی۔ اب امامت کا منصب حاجی محمد نوشہ کو مل گیا۔ آج سے تم سب کے یہ امام ہیں۔ جو بہتری کا طالب ہے۔ وہ حاجی نوشہ کی خدمت اور اطاعت اختیار کرے۔ مجھ میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں ہے۔[3] اشرف منچری نے سخی صاحبؒ کے فرمان کو یوں

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 113
2- ایضاً ص 108
3- ثواقب المناقب ص 116,117

منظوم کیا ہے:

کسے را کہ شوق الٰہی بود   بیاید کہ نزدیک حاجی رود
براہِ خدا گر بیاید کسے   بود رہبرش لطف حاجی بسے
بدانید حاجی سلمان شدہ   سلیماں زحاجی یکے جاں شدہ[1]

اس کے بعد سخی صاحبؒ نے اپنے دونوں بیٹوں شیخ رحیم داد اور شیخ تاج محمود سمیت تمام مریدوں کو نوشہ صاحبؒ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا۔ حاجی محمد! آپ ان سب کی تربیت کریں۔ یہ لوگ آپکے مقام کے شناسا نہیں ہیں۔ اگر ان سے کوئی غلطی یا بے ادبی ہو جائے تو درگزر کریں۔[2] اس واقعہ کے بعد جو بھی شخص کسی غرض سے سخی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُسے نوشہ صاحبؒ کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح سخی صاحبؒ نے اپنی زندگی میں ہی نوشہ صاحبؒ کو خلافت اور اجازت عطا کر دی۔ اسی اجازت کے سبب نوشہ صاحبؒ نے نوشہرہ تارڑاں میں رہ کر دین کی تبلیغ اور مخلوق خدا کی راہنمائی شروع کی۔

نوشہرہ تارڑاں میں رہائش

خلافت عطا کرنے سے قبل سخی شاہ سلیمانؒ نے آپ کو نوشہرہ تارڑاں میں تبلیغی مرکز قائم کرنے کا حکم دیا۔[3] نوشہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ نوشہرہ تارڑاں کے اردگرد بہت سے بزرگوں کے آستانے موجود ہیں۔ جیسے گجرات میں شاہ دولا دریائیؒ اور شاہ حسینؒ، مگھووال میں میاں حسو تارڑؒ اور میراں سید شریف خوارزمیؒ، تخت ہزارہ میں شاہ حسام الدینؒ، جاگو تارڑ میں میاں طاہرؒ اور میاں مانؒا، کھارا مانکاں

1- کنز الرحمت ص 43
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 115
3- ثواقب المناقب ص 134

میں سلیمانؒ چدھڑ، کیلانوالہ میں شاہ عبدالسلامؒ چک گھوگہ (کھوکھر) میں شاہ عبدالرحمٰن بخاری المشہور رجتی شاہؒ، وریال میں شاہ مسکین قلندرؒ اور دیوان ابراہیمؒ وغیرہ۔ ان بزرگانِ دین کی موجودگی میں میرے سلسلے کو کیونکر فروغ حاصل ہوگا۔[1] دوسرے دن سخی صاحبؒ نے فرمایا میں نے رات خواب میں دیکھا کہ ان تمام بزرگوں اور تمہارے درمیان ''گوئے وچوگان''[2] کے کھیل کا مقابلہ ہوا اور تمہاری ایک ہی ضرب سے گیند ہند کی سرحد سے پار نکل گئی۔ دوسری طرف سے گیند قندھار اور خراسان سے بھی آگے نکل گئی۔ یہ اس امر کی پیشین گوئی ہے کہ تمہارے سلسلے کو دُور دُور تک فروغ حاصل ہوگا اور اُن میں سے کوئی بھی بزرگ تمہارے سلسلے میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔ تمہارے مریدوں اور تمہاری اولاد کا حکم اس علاقے میں جاری ہوگا۔[3] یہ علاقہ بارگاہ رسالت ﷺ کی طرف سے تمہارے لئے منظور ہو چکا ہے۔[4]

مرشد کی پیشین گوئی حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہونے لگے۔ ہر وقت بے شمار مرید آپ کی خدمت میں حاضر رہنے اور وعظ ونصیحت سے دلوں میں روشنی بھرنے لگے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس علاقے میں جس قدر فروغ نوشاہی سلسلے کو حاصل ہوا شاید ہی کسی اور سلسلے کو ہوا ہوگا۔ آپ نے نوشہرہ تارڑاں میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جس میں دور دراز سے طالب علم آ کر علمی پیاس بجھانے لگے۔ بعض مصنفین نے نوشہرہ تارڑاں کو قطب نوشہرہ بھی لکھا ہے۔ مگر یہ درست نہیں ہے۔

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 115,116

2- پولو کو فارسی میں چوگان کہتے ہیں۔

3- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 117 , 116

4- ایضاً ص 117

نوشہرہ تارڑاں اور نوشہرہ قطب کا تحقیقی تجزیہ

مرشد کے حکم سے نوشہ صاحبؒ نے نوشہرہ تارڑاں میں رہائش اختیار کی تھی۔ یہ گاؤں تارڑ قوم کا تھا۔ اسی نسبت سے اسے نوشہرہ تارڑاں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ پروفیسر اقبال مجددی[1] شرافت نوشاہی[2] قریشی احمد حسین قلعداری[3]، برق نوشاہی[4] کے قول کے مطابق نوشہ صاحبؒ اپنے زمانے کے قطب تھے۔ اس لئے یہ گاؤں نوشہرہ تارڑاں کی بجائے نوشہرہ قطب مشہور ہوگیا۔ حالانکہ جغرافیائی اعتبار سے یہ غلط ہے۔

نوشہرہ تارڑاں اور نوشہرہ قطب دو علیحدہ گاؤں ہیں۔ نوشہرہ تارڑاں موضع گھگانوالی سے تقریباً چار میل بجانب مشرق دریائے چناب کے کنارے آباد ہے۔ جسے ساندر بار کا علاقہ لگتا ہے۔ آجکل بذریعہ سڑک گجرات سے 46 میل کے فاصلے پر ہے۔ جبکہ قطب نوشہرہ گجرات سے 22 میل دور تھا۔ مگر اب یہ دریا برد ہو چکا ہے۔ نوشہرہ تارڑاں اور قطب نوشہرہ کا درمیانی فاصلہ تقریباً 29 میل ہے۔

موضع ساہنپال میں رہائش

موضع ساہنپال کب آباد ہوا اور نوشہ صاحبؒ کی زندگی کے ساتھ اس گاؤں کا کتنا تعلق ہے؟ اس بارے میں مصنفین میں بہت اختلاف ہے۔ شرافت نوشاہی کا دعویٰ ہے کہ نوشہ صاحبؒ ساری عمر اسی گاؤں میں رہائش پذیر رہے۔ بلکہ یہ گاؤں اُن کی زندگی میں ہی اُن کی اجازت سے آباد ہوا تھا۔ مگر شرافت نوشاہی (مرحوم)

1- انتخاب گنج شریف۔ (اردو کلام) نوشہ گنج بخش، مرتب شرافت نوشاہی، دارالمؤرخین لاہور 1975ء دیباچہ ص 21

2- مواعظ نوشہ پیر، تاج بکڈپو لاہور 1968ء ص 22

3- ایضاً ص 9 , 8

4- نوشہ پیر ص 31,32 و شجرہ شریف نوشاہی ص 21

کی اپنی ہی تحریروں میں اس کے متعلق اختلاف موجود ہے۔ ایک طرف وہ لکھتے ہیں کہ نوشہ صاحبؒ نے نوشہرہ تارڑاں کو اپنا مستقر بنایا، جو بعد میں ساہن پال شریف مشہور ہوا۔[1] لیکن دوسری طرف اُن کا اپنا ہی بیان ہے کہ نوشہرہ تارڑاں کا نمبردار چوہدری مہما اور اُس کا بیٹا ساہنپال نوشہ صاحبؒ کے عقیدت مند تھے۔ انہوں نے علیحدہ ایک گاؤں آباد کرنے کا فیصلہ کیا اور نوشہ صاحبؒ سے عرض کی کہ اگر وہ پسند فرمائیں تو سب سے پہلے اُن کے لئے وہاں مکان تعمیر کر دیا جائے۔ آپ نے اجازت دے دی۔ اور اُس گاؤں کا نام ساہنپال رکھا گیا۔[2] بقول شرافت نوشاہی یہ واقعہ اکبر بادشاہ کے عہد حکومت میں 1001ھ/ 1593ء تا 1007ھ/ 1598ء عیسوی[3] کے درمیان پیش آیا۔ جبکہ شرافت نوشاہی خود ہی ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ نواب سعید خان بہادر ظفر جنگ ہزاری ہفت ہزار سوار، پنج ہزار دواسپہ سہ اسپہ [946ھ] 1539ء میں شاہی حکم سے نظامت کابل پا کر مع لشکر وفوج کے دہلی سے کابل کو روانہ ہوا۔ راستہ میں قریب (چک ساہنپال ڈیرہ سعید خاں واقع شدہ) یعنی ساہنپال کے قریب فوج نے ڈیرا لگایا۔ یہ بھی نوشہ صاحبؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔[4] اس آخری بیان سے واضح ہوتا ہے کہ گاؤں ساہنپال 1539ء یا اُس سے کچھ دیر پہلے آباد ہوا تھا اور یہ زمانہ نوشہ صاحبؒ کی ولادت سے قبل کا ہے۔ بقول شرافت نوشاہی نوشہ صاحبؒ کی ولادت 959ھ/ 1552ء میں ہوئی[5] جبکہ ہماری تحقیق کے مطابق ولادت کا صحیح سن 1014ھ/ 1605ء ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی ولادت سے قبل نواب سعید خان نے اُن

1- شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول گجرات 1982ء ص 19
2- گنج شریف ص 26
3- ایضاً ص 26
4- تذکرہ نوشہ گنج بخش ص 95، 94
5- تذکرہ نوشہ گنج بخش ص 19

سے ملاقات کی ہو؟ شاہجہان نامے سے پتا چلتا ہے کہ نواب سعید خان 1049ھ/ 1639ء[1] میں قندھار کی طرف گیا تھا اور 1060ھ/ 1650ء[2] میں فوت ہو گیا تھا۔ تاریخی اعتبار سے یہ شاہجہان کا دور حکومت تھا۔

تذکرہ نوشاہی میں درج بیان کے مطابق موضع ساہنپال نوشہ صاحبؒ کی زندگی میں آباد ہوا تھا یقیناً یہ زمانہ شاہجہان کا عہد حکومت تھا۔ اس کی تصدیق محکمہ مال کے ریکارڈ سے بھی ہوتی ہے۔ شرافت نوشاہی کے دعویٰ کے مطابق نوشہ صاحبؒ ساری زندگی ساہنپال میں ہی رہے اور یہیں وفات پائی اور دفن ہوئے۔[3] اسی لئے نوشاہی سلسلے کے عشاق نے اس گاؤں کی تعریف میں کئی ایک نظمیں لکھی ہیں۔[4] مگر محکمہ مال کے سرکاری ریکارڈ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ نوشہ صاحبؒ نے ساہنپال گاؤں میں مستقل رہائش رکھی تھی۔ جبکہ اس کے برعکس موضع رَنمل کی مسل حقیت سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ اپنی زندگی میں ہی رَنمل تشریف لائے اور تادم آخر وہاں ہی قیام فرمایا۔ محکمہ مال کے ریکارڈ میں درج ہے:

''مسمی نوشہ صاحبؒ فقیر قوم راجپوت گوت جالپ بطور سیاحی اس جگہ آیا۔ لب دریا مکانات و مسجد وغیرہ بنوائی صدمہ دریا سے وہ مکان برد ہوگئے۔ پھر بعد مرنے نوشہ صاحبؒ فقیر کی اولاد اُسکی خانقاہ و مسجد وغیرہ مکانات بعمارت پختہ بنائے۔ تب سے یہ قوم فقیر نوشاہی بھی مالک اور دیگر اقوام متفرق مندرجہ شجرہ نسب بندوبست گذشتہ میں پیش گاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ سے مالک بن گئے۔ کیفیت مفصل محاذ نام ان کے درج ہے۔'' بلفظہٖ[5]

1- شاہجہان نامہ جلد نمبر 2 اردو ترجمہ ص 252
2- شاہجہان نامہ جلد نمبر 3 اردو ترجمہ ص 870
4-3 گنج شریف پنجابی ص 26
5- مسل حقیت رَنمل۔ ریکارڈ محکمہ مال تحصیل پھالیہ، ضلع گجرات

عین ممکن ہے کہ نوشہ صاحبؒ ساہنپال کی درخواست پر چند دنوں کے لئے تشریف لے گئے ہوں۔ اسی سبب سے شعراء نے اس گاؤں کی تعریف میں منظومات لکھیں۔ تذکرہ نوشاہی کے مصنف نے بھی وضاحت سے کہیں نہیں لکھا کہ نوشہ صاحبؒ مستقل طور پر ساہنپال میں قیام پذیر رہے۔ سرکاری ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ جس وقت ساہنپال آباد ہوا اُس سے قبل رَنمل کی آبادی موجود تھی۔ موجودہ ساہنپال چوتھی جگہ آباد ہوا ہے۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق:

> ''پہلے رقبہ شامل موضع نوشہرہ ملکیت و آباد کردہ بزرگان ساہنپال کا تھا۔ جب آبادی نوشہرہ کی دریا برد ہوگئی تب مسمّی ساہنپال مورث اعلیٰ قوم جٹ گوت تارڑ نے رقبہ دہ ہذا میں گاؤں آباد کیا۔ بعد ازاں تین دفعہ آبادی ساہنپال آباد ہو کر دریا برد ہو جاتی رہی۔ عرصہ 45 سال کا ہوا ہے کہ ہم مالکان نے یہ گاؤں چوتھی جگہ آباد کیا۔ تب سے برابر آباد چلا آتا ہے۔ ویران نہیں ہوا۔ اور کوئی تہہ کہنہ اندر رقبہ دہ ہذا کے نہیں ہے۔'' بلفظہ [1]

ان تمام واقعات سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا ساہنپال سے تعلق صرف اتنا تھا کہ آپ اپنے مرید ساہنپال کی دلجوئی کی خاطر اُس کے گاؤں گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ پھر واپس رَنمل آ گئے۔ بعد ازاں ساہنپال دریا برد ہوگیا۔ موجودہ ساہنپال کا اُس زمانے کے ساہنپال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لقب ''نوشہ'' ملنا

تذکرہ نوشاہی اور کنز الرحمت کے حوالے کے مطابق آپ نے جنگل میں

1- مسل حقیت ساہنپال۔ ریکارڈ محکمہ مال تحصیل پھالیہ، ضلع گجرات

ایک پرانے کنوئیں میں چالیس روز تک چلہ کیا۔ اس دوران میں آپ نے کچھ کھایا نہ پیا۔ نتیجتاً بے حد کمزور ہوگئے۔ جب آپ نے چلہ مکمل کر لیا تو کنوئیں کے قریب ایک سوکھے درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ درخت سرسبز ہوگیا اور پتے پتے سے نوشہ نوشہ کی آوازیں آنے لگیں۔ [1]

بقول شیخ عمر بخش رسول نگری اُس وقت نوشہ صاحبؒ کی عمر بیس برس تھی اور ہاتف غیبی نے آپ کو نوشہ نوشہ کہہ کر پکارا تھا۔ [2] لیکن مولانا شاہ شریف احمد مراد سہروردی کا خیال ہے کہ آپ کے مرشد نے خلافت اور اجازت کے وقت آپ کو گنج بخش کے خطاب سے نوازا تھا۔ بعد ازاں آپ وعظ و نصیحت میں مصروف ہوگئے۔ [3]

مناقب نوشاہی کے مصنف عمر بخش رسول نگری کی اس بات کہ ''آپ کو ہاتف غیبی کی طرف سے بیس برس کی عمر میں نوشہ کا لقب ملا تھا'' درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس عمر میں آپ نے کسی مرشد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ صرف دلی امنگ کے تحت شب و روز عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ جبکہ مقام نوشاہیت پر پہنچنے کے لئے کسی مرشد کی نگرانی میں سلوک کی منزلوں کا طے کرنا ناگزیر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے مرشد نے آپ کو نوشہ کے نام سے کبھی نہیں پکارا تھا، بلکہ حاجی محمد یا میاں محمد کہہ کر بلاتے تھے۔ اگر یہ لقب آپ کو بارگاہ ایزدی سے پہلے ہی عطا ہوا ہوتا تو یقیناً مرشد آپ کو اسی نام سے پکارتے۔ ہفتاد اولیاء کے مصنف کی بات وزن رکھتی ہے کہ آپ کے مرشد نے آپ کو نوشہ اور گنج بخش کا خطاب عطا کیا تھا۔ یہ مرشد کا ہی فیضان نظر تھا کہ بعد ازاں ہر شخص نے آپ کو نوشہ کہنا شروع کر دیا۔ آپ نے بھی اپنی تحریروں میں اپنا نام حاجی نوشہ ہی لکھا ہے۔ مرشد کی زبان سے نکلا

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص134
2- مناقبات نوشاہی ص 74
3- ہفتاد اولیاء، جلد اول ص 423

ہوا لقب آپ کی شہرت دوام کا ضامن بن گیا اور آپ نوشہ، حاجی نوشہ، نوشہ قادری یا فقیر نوشہ کہلانے لگے۔

مرشد کے ساتھ آخری ملاقات

نوشہ صاحبؒ کی مرشد کے ساتھ آخری ملاقات انکی وفات سے تقریباً دو ماہ قبل ہوئی۔ سخی صاحبؒ کو نوشہ صاحبؒ کی آمد کی خبر ملی تو وہ نوشہ صاحبؒ کے استقبال کے لئے گاؤں سے باہر آکر ایک ٹیلے پر انتظار کرنے لگے۔ انہوں نے نوشہ صاحبؒ کو دیکھتے ہی بے اختیار فرمایا۔ ''آیا میرا ڈھولنا چارے بنے رکھ'' مطلب یہ ہے کہ میرا لاڈلا نوشہ تصوف کی چاروں منزلیں (فنافی المرشد، فنافی الرسول، فنافی اللہ، بقاباللہ) کامیابی اور کامرانی سے طے کر گیا ہے۔ یہ مصرع سخی صاحبؒ کے منہ سے فی البدیہہ بلا ارادہ نکلا جو ان کی خوشی کا غماز ہے۔ اس کے بعد سخی صاحبؒ نے آپ کو تصوف کی مزید باریکیاں اور مسائل سے آگاہ فرمایا اور چند پند و نصائح کے بعد رخصت کیا۔[2] اس واقعہ کے تقریباً دو ماہ بعد آپ کے مرشد اللہ کو پیارے ہوگئے۔[3]

جب آپ کو خبر ہوئی تو اپنے مریدوں کے جم غفیر کیساتھ فوراً بھلوال پہنچے۔ مرشد کی قبر پر دھاڑیں مار کر روئے۔ فاتحہ پڑھی اور قبر کی مٹی اپنے رخسار پر ملی۔ پھر سخی صاحبؒ کے عبادت والے حجرے میں مراقبہ کیا۔ بیٹھے بیٹھے حالت غیر ہونے لگی۔ چہرے کا رنگ سرخ اور کبھی زرد ہونے لگا۔ مریدوں نے چارپائی پر لٹا دیا۔ آپ نے دوستوں اور مریدوں کو حجرے سے باہر بھیج دیا۔ شیخ نور محمد سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ میں پاس ہی بیٹھا رہا آپ نے منہ کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ اگرچہ سردی کا موسم تھا لیکن

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 124
2- ایضاً ص 125
3- ایضاً

نوشہ صاحبؒ کا جسم پسینے سے شرابور تھا یہاں تک کہ پسینے کے قطرے زمین پر گرنے لگے۔ کچھ دیر بعد آپ اُٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے'' اللہ کا شکر ہے کہ مرشد کی بارگاہ میں ہماری نوکری قبول ہوگئی ہے''[1] بعد ازاں سخی صاحبؒ کے دونوں بیٹوں شیخ تاج محمودؒ اور شیخ رحیم دادؒ کو پاس بلایا۔ اُن کی حالت کو خاص نظر سے دیکھا پھر اُن کے لئے دعا فرمائی۔ سخی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے شیخ رحیم دادؒ (جو شریعت کے حد درجہ پابند اور ظاہری و باطنی علوم میں بلند درجے کے حامل تھے) کو سجادہ نشین مقرر کر کے دستار بندی کی۔[2] پھر چند دن مرشد کی درگاہ میں قیام کر کے واپس نوشہرہ تارڑاں آگئے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے میں مصروف ہوگئے۔

اخلاق و عادات

دنیا میں انسان کی اصل شناخت اُس کے اوصاف، اخلاق اور قول و فعل ہوتے ہیں۔ کسی شخص کو اُسکے مختلف پہلوؤں اور اوصاف کی بنا پر اُسے اعلیٰ شخصیت قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک عام انسان ہر پہلو سے اس قدر مکمل نہیں ہوتا کہ اُسے ہر طبقہ فکر کے لوگ پسند کریں اور افضل سمجھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زمانے میں کسی شخصیت کا اعلیٰ معیار زہد و تقویٰ تسلیم کیا گیا ہے تو دوسرے زمانے میں سخاوت کو اعلیٰ معیار قرار دیا گیا ہے۔ کبھی حقانیت، کبھی شاہانہ زندگی اعلیٰ شخصیت کے معیار ٹھہرے۔ ہم اگر کسی بھی نوع کا معیار مقرر کر لیں تو نوشہ گنج بخشؒ کی زندگی اُس پر پوری اترتی ہے۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے اپنی زندگی کو رسول اکرم ﷺ کی مبارک زندگی کے سانچے میں ڈھال رکھا تھا۔ انہوں نے خود

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 126
2- ایضاً ص 127

فرمایا" طریق من طریقِ سنتِ نبوی است"[1] سلسلہ نوشاہیہ کی مآخذ کتب تذکرہ نوشاہی، ثواقب المناقب، کنز الرحمت، تحائف قدسیہ، گلزار نوشاہی اور مناقبات نوشاہی میں آپ کے اوصاف حمیدہ نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ یہاں اُن سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ البتہ اُن کی روح اور لب لباب پیش کیا جا سکتا ہے تاکہ نوشہ صاحبؒ کی شخصیت کے چند ایک نمایاں پہلو ہمارے سامنے واضح ہوسکیں۔ ہر حال میں سچ بولنا، سچ کا ساتھ دینا اور جھوٹ سے نفرت کرنا آپ کی زندگی کا اصول تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

کیہ لے سیں سچیا کوڑتھوں　　　کجھ جانن ہوئے نہ دھوڑتھوں
کیہ لے سیں سچیا کوڑتھوں[2]

آپ بلند مرتبہ عالم تھے۔ مگر علم بے عمل کو درخور اعتنا نہ سمجھتے۔ مساکین اور یتیموں کے ساتھ پیار کرتے۔ دنیا دار اور مالدار سے دور رہتے۔ در پر آئے سوالی کو خالی نہ لوٹاتے۔ مسافروں کے لئے لنگر اور رہائش کا انتظام کرتے۔ حلال کی کمائی پر یقین رکھنا اور اُس سے اپنی اور اپنے خاندان کی پرورش کرنا آپ کا معمول تھا۔ تجارت آپ کا پسندیدہ ذریعہ معاش تھا۔[3] محنت اور مزدوری میں فخر محسوس کرتے۔ توکل، صبر، شکر، ایمان پر استقامت، سخاوت، خیرات کا حکم، فضول خرچی اور فصول باتوں سے پرہیز، میانہ روی کو پسند فرماتے۔ ہمسایوں سے بھائیوں جیسا سلوک کرتے۔ مسافروں اور سائلوں کی خدمت خلوص اور لالچ کے بغیر کرتے تھے۔ نوکروں اور خدمت گزاروں پر احسان کرنا، فخر اور غرور کی برائی، وعدے کی پابندی، ایثار، تحمل دشمنوں سے درگزر کرنا، نمود و نمائش سے دور رہنا آپ کی عادت تھی۔ اپنا کام خود کرتے۔ نذر نیاز قبول کرتے

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 201
2- مواعظ نوشہ (مرتب) شرافت نوشاہی، تاج بکڈپو لاہور 1968ء ص 50
3- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 277

اور غریب غربا میں تقسیم کر دیتے تھے۔ مہمان کی آمد سے خوش ہوتے۔ مہمان کی خاطر و مدارات آپ خود کرتے۔ بیماروں کی بیمار پرسی کرتے، پڑوسیوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے اور سائلوں کی ہر ممکن امداد کرتے تھے۔ مریدوں کو مرید کی بجائے دوست اور ساتھی سمجھتے تھے۔ انہیں اللہ والیو اور یار کے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ کسی کی غلطی پر غصے میں نہ آتے، بلکہ کھلے دل کے ساتھ معاف کر دیتے۔ رات کو تنہائی میں چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ علماء کی حد درجہ عزت کرتے۔ اگر کوئی حق کی تلاش میں اُن کے پاس آتا اسکی مکمل راہنمائی فرماتے۔ ہمیشہ سنجیدگی اور عقلمندی کی بات کرتے تھے۔ آپ کی گفتگو میں متانت اور اخلاص کی خوشبو ہوتی تھی۔ آہستہ کلام کرتے تھے۔ اس لئے ہر ایک آپ کی دیانتداری، سادہ مزاجی، نرم طبیعت، اچھے اخلاق اور بخشش کا قائل تھا۔

مہمان نوازی

آپ کی زندگی عملی طور پر اخلاق محمدی ﷺ کا بہترین نمونہ تھی۔ طبیعت میں نرمی اور حلیمی تھی۔ ہر کسی سے نیکی کرتے۔ مہمان کی خدمت خود کر کے دلی خوشی محسوس کرتے۔ سلسلہ نوشاہی کی ماخذ کتب میں اس قسم کے کئی ایک واقعات درج ہیں جن سے آپ کی فیاضی، مہمان نوازی، اور دریا دلی کا پتا چلتا ہے۔ آپ بچپن سے ہی بے حد فراخدل تھے۔ تذکرہ نوشاہی میں لکھا ہے:

"دراوائل زمانہ طریق حضرت صاحبؒ ایں بود کہ اگر فقیر یا مسافران در مسجد آمدند، چیزے از خانہ خود گرفتند، خدمت مسافراں می کردند۔"[1]

آپ مہمان کو اپنے ڈیرے پر رکھنے کی حتی المقدور کوشش کرتے اور اُسکی زیادہ سے زیادہ خدمت کرتے۔ اگر کوئی مسافر یا درویش مسجد میں رہنا پسند کرتا تو اُس

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 195

کے کھانے کا انتظام اپنے گھر سے کرتے تھے۔ جس طرح علامہ شیخ جمال اللہ [1] کے بارے میں ایک واقعہ تذکرہ نوشاہی میں درج ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ مسجد میں قیام پذیر ہوئے تو آپ نے اُن کے لئے کھانا گھر سے بھیجا۔

''خوب طعام برائے شما من خواہم فرستاد، وطعام در مسجد فرستادند''[2]

آپ کے دسترخوان پر اگر کوئی غیر مسلم بھی آجاتا تو اسکی خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔

سخاوت

آپ کی سخاوت کی یہ کیفیت تھی کہ جو نذر/نیاز آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی اُسے فوراً غربا میں تقسیم کر دیتے تھے بلکہ سوالی کے سوال کرنے سے پہلے ہی اُس کا سوال پورا کر دیتے تھے۔ تاکہ اُسے سوال کرنے کی زحمت اور شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ ہر شخص کی خواہش کے مطابق اُسکے دامن میں کچھ نہ کچھ ضرور ڈال دیتے تھے۔ اگر کوئی باطنی طلب لے کر آتا تو آپ اس کی طلب پوری کرتے اور ہمیشہ توکل اللہ کرتے تھے۔

توکل پسندی

درویشوں کی اولین صفت توکل پسندی ہے۔ سچا درویش ہمیشہ توکل پسند ہوتا ہے۔ اگر نہ ملے تو شکوہ نہیں کرتا، اگر مل جائے تو ضرورت پوری کرنے کے بعد زائد چیز ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ کبھی لالچ نہیں کرتا۔ یہی توکل ہے۔ آپکی توکل پسندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے بڑے صاحبزادے

1- چشتی سلسلے سے منسلک تھے۔ موضع کیلیانوالی گجرات میں مدرس تھے۔
2- تذکرہ نوشاہی ص 176

برخوردار صاحبؒ کی خوش خطی دیکھ کر نواب سعد اللہ خان [1] نے اُن کو حکومت میں کوئی اچھا عہدہ دلانے کی پیش کش کی۔ مگر نوشہ صاحبؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی:

''اے فرزند۔ منصب داران معبود را لائق نیست کہ منصب عبد اختیار کنند بخانہ برخواستہ بیائند''[2]

بدست آہک تفتہ کردن خمیر — بہ از دست بستن بہ پیشِ امیر

نماز کی پابندی

نوشاہیہ سلسلے کی کتب سے پتا چلتا ہے کہ آپ پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ کبھی آپ خود امامت کراتے تھے اور کبھی مقتدی بن کر نماز پڑھتے تھے۔ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو ہمیشہ نماز پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی شہرت چند دنوں میں دُور دُور تک پھیل گئی۔ آپ ہمیشہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ جو دین اور شریعت کی پابندی کرے گا اُسے دین اور دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اس کے بغیر قرب الٰہی ناممکن ہے۔ ان باتوں کا ذکر آپ کی پنجابی شاعری میں جگہ جگہ ملتا ہے:

سچی شرع رسول دی غیر شرع سب جھوٹھے — نوشہ کہے غیر شرع نوں نہیں خیر وچ ٹھوٹھے [3]
کم نہ ہووے شرع بن دینی دنیائی — باجھ شریعت منیاں کیہی فقرائی
پنج نمازاں پنج وقت پنجے رُکن اسلام — سچا سدھا ہوئیکے جھک جھک کر سلام

1- نواب سعد اللہ خان 1050ھ/ 1640ء، 13 سال جلوس شاہجہانی ملازمت میں آئے۔ منصب ہفت ہزار سات ہزار ذات پانچ ہزار دو اسپہ سہ اسپہ۔ وفات 30 سال جلوس 1067ھ/ 1656ء بحوالہ شاہجہان نامہ جلد 3 ص 870
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 247
3- گنج شریف پنجابی ص 266، 265

گنج بخش خطاب کی وجہ

آپ بے حد سخی اور فیاض تھے۔ ہر کسی کی اعانت فرماتے اور غرض پوری کرتے تھے۔ آپ کی عالی ظرفی کے پیش نظر آپ کے مرشد نے آپ کو گنج بخش کا خطاب عطا فرمایا۔[1] آپ کی اس خوبی کے باعث لوگوں نے آپ کو گنج بخش کہنا شروع کر دیا۔ اسی لئے آپ گنج بخش کے نام سے مشہور ہوئے۔ تین سو برس کے بعد لوگ آج بھی آپ کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔

اسلام کی تبلیغ

اسلامی تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ہندوستان میں تبلیغ اسلام اور اشاعت اسلام میں جس قدر خدمات صوفیاء اور درویشوں نے انجام دیں کسی بادشاہ سے بھی نہ بن پڑیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو تلوار سے نہیں بلکہ عمدہ اخلاق، پیار، ہمدردی، سخاوت اور بھائی چارے سے مشرف بہ اسلام کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مقامی آباد میں سے سب سے پہلے وہی لوگ اسلام کی طرف راغب ہوئے جو حکمرانوں کے ظلم وستم، مذہبی راہنماؤں کی تنگ نظری، تنگ دلی، طبقاتی تقسیم اور غیر فطری رویوں، ذات پات کے خودساختہ نظام سے تنگ تھے اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے ترس کر رہ گئے تھے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان مشائخ اور صوفیائے کرام نے دو اہم کارنامے انجام دیئے ایک دین اسلام کی اشاعت اور دوسرے معاشرے کو دینی بنیادوں پر مستحکم اور مضبوط بنانا۔ ان دونوں کارناموں کی بدولت اسلام کی روشنی دنیا کے اُن دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی جہاں عام حالات میں انسان کا پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ صوفیائے کرام نے لوگوں کو ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن کی تعلیم دی اور ساتھ ساتھ اُن کی تہذیب وتمدن کو اسلامی

3- ہفتاد اولیا جلد اول ص 423

بنیادوں پر استوار کیا تاکہ وہ انسانیت کی معراج پر پہنچ کر ''حضرتِ انسان'' کی تخلیق کی غایت سمجھ کر زندگی اُس کے مطابق گزار سکیں۔ مگر سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہر دور کے عموماً اور حضرت نوشہؒ کے دور کے خصوصاً مؤرخین نے سارا زور سیاسی تاریخ لکھنے پر صرف کر دیا اور صوفیائے اسلام کے کارناموں کو قصداً نظر انداز کر دیا۔ اگر کسی مؤرخ نے اس طرف دھیان دیا بھی ہے تو صرف چند سطور میں احوال ومقام سے بات آگے نہ بڑھی چنانچہ دینی خدمات سے چشم پوشی کی۔ اس کوتاہی کے نتیجے میں جہاں بے معنی تعصب کی کونپلیں اور شگوفے پھوٹے وہاں مغربی مستشرقین کے خیالات کی اندھا دھند تقلید کی بیماری نے ہماری سوچ کو مفلوج کر دیا اور غلط فہمیوں کے جال میں الجھا دیا اس آلودہ اور دھندلائی ہوئی فضا میں صوفیائے اسلام کے کارنامے اور انکی شخصیات دھندلا کر رہ گئیں۔

ہمارے خیال میں صوفیاء کی دینی کوششوں اور کارناموں سے اغماض کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود صوفیاء دنیاوی نمودونمائش کے قائل نہ تھے۔ ظاہر داری اُن کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی تھی اور اس بات پر اُن کا پختہ ایمان اور یقین کامل تھا کہ ''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ'' اور ''کُلُّ شَیٍٔ یَرْجِعُ عَلٰی اصلہ'' اس لئے انہوں نے اپنے کارناموں کو اپنی زندگی میں تحریری یا زبانی محفوظ کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داری بھی نہ تھی۔ یہ کام اُس دور کے ادیبوں اور مؤرخین کا تھا جسکی طرف انہوں نے کوئی دھیان نہ دیا۔ البتہ چند عقیدت مندوں نے اپنی محبت کے سبب چند سُنی سنائی کرامتوں کو ضرور محفوظ کر لیا۔ لیکن وہ عقیدت کے نشے میں من گھڑت قصے اور فرضی کرامتوں کا اصل کارناموں سے تقابل نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سے منسوب من گھڑت قصے اور فرضی کرامات کی بنیاد پر جدید دور میں ان کے اصلی کارناموں اور حقائق کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ بعد میں آنے والے زمانے میں مؤرخین کو بے حد دشواری کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اُن کے لئے فرضی

کارناموں اور اصلی کارناموں میں امتیاز کرنا مشکل مسئلہ بن گیا۔ جن تاریخ دانوں نے اس شیشہ گری کے کارخانے میں پاؤں دھرا، اُن کو قدم قدم پر احتیاط سے کام لینا پڑا۔ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ صوفیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کے سچے دین اور مخلوق خدا کی خدمت کسی دنیاوی لالچ کے بغیر کی۔ وہ ہمیشہ دنیاوی شان و شوکت سے دور رہے۔ بادشاہان وقت اُن کی خدمت میں پیدل چل کر حاضر ہوتے مگر اُن درویشوں نے نہ تو شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اپنائے اور نہ ہی مخلوق خدا سے تعلق توڑا۔ وہ اپنا زیادہ وقت یادِ الٰہی اور تبلیغ اسلام میں صرف کرتے۔ اُن کی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد یہی تھا کہ دین کی تبلیغ کے ذریعے رضائے الٰہی حاصل کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے بہت سے صوفیاء نے اپنے پیرومرشد کے حکم سے گھربار چھوڑ کر جنگلوں، ویرانوں اور صحراؤں میں ڈیرے لگائے اور جنگل میں منگل کر کے دکھایا۔ جیسے حضرت داتا گنج بخشؒ افغانستان سے لاہور تشریف لائے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ مدینہ شریف سے ہوتے ہوئے ہندوستان آئے اور اجمیر شریف میں ڈیرے لگائے۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے انکی تعلیمات کو دُور دُور تک پھیلایا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل میں پہلے ہانسی پھر اجودھن (پاکپتن) کے ویرانے میں ڈیرے لگائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت میراں حسین زنجانیؒ، حضرت عبدالعزیز المشہور پیر مکیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت صابر کلیریؒ جیسے کئی اور بزرگان دین کے ہاتھوں ان گنت ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ ان بزرگوں نے تبلیغ اسلام کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اُس میں روز بروز ترقی ہوتی رہی اور فروغ حاصل ہوتا رہا۔ چنانچہ دسویں گیارھویں صدی ہجری میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ پہلے سے زیادہ زوروں پر دکھائی دیتا ہے۔

گیارھویں صدی ہجری کے صوفیاء میں سے حضرت میاں میرؒ (م 1045ھ)[1]

1- سکینۃ الاولیا اردو ترجمہ ص 123

دہلی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م 1051ھ)[1] سرہند میں حاجی نعمت اللہ سرہندی (م 1017ھ)[2] میاں نتھا مرید میاں میرؒ (م 1027ھ)[3] ملا شاہ بدخشی[4]، حاجی مصطفےٰ سرہندی[5] (م 1059ھ) لاہور میں ملا گجر حامدؒ (م 1044ھ)[6] ملا ابراہیم روحی (م 1025ھ)[7]، کشمیر میں حاجی صالح کشمیری (م 1045ھ)[8]، کلانور میں حضرت ملا عبدالغفور[9]، آگرے میں قاضی عیسیٰ[10]، دہلی میں شیخ احمد دہلوی[11]، لاہور میں شاہ ابوالمعالی[12]، شیخ عبدالغنی (م 1057ھ)[13]، سیالکوٹ میں ملا عیسیٰ[14]، گجرات میں ملا ابوبکر (م 1049ھ)[15]، شاہ دولا دریائی اور شاہ حسین[16] کے علاوہ گجرات کے آس پاس اور بہت سے بزرگان دین اشاعت اسلام کے فرائض انجام دینے میں مصروف تھے۔ جیسے گجرات کے قصبہ مگھووال میں میاں حسو تارڑ اور میراں

1- خزینۃ الاصفیا ص 247
2- ایضاً۔ ص 157
3- سکینۃ الاولیاء ص 166
4- حضرت میاں میر کے خلیفہ اور داراشکوہ کے مرشد
5- سکینۃ الاولیاء ص 167
6- ایضاً ص 168
7- ایضاً ص 169
8- ایضاً ص 174
9- ایضاً ص 175
10- ایضاً ص 178
11- ایضاً ص 257
12- ایضاً ص 259
13- ایضاً ص 277
14- ایضاً ص 283
15- ایضاً ص 283
16- تذکرہ نوشاہی ص 115

سید شریف خوارزمی، تخت ہزارے میں شاہ حسام الدین، جاگو تارڑ میں میاں طاہر اور میاں مانا، کھارا مانگٹاں میں سلیمان چدھڑ، کیلیانوالہ میں شاہ عبدالسلام، چک گوگہ کھوکھر میں شاہ عبدالرحمٰن بخاری المشہور رجتی شاہ، وریال میں مسکین قلندر اور دیوان ابراہیم [1] وغیرہ اور جھنگ شورکوٹ کے علاقے میں حضرت سلطان باہوؒ (م 1102ھ)[2] بڑے زور شور کیساتھ اپنے اپنے علاقے میں تبلیغ کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ ہزاروں لوگوں نے ان پاکیزہ ہستیوں سے ایمان کا نور حاصل کیا اور اپنے دل کے ظلمت کدہ میں محبت الٰہی کا ہمیشہ روشن رہنے والا چراغ جلایا۔ لیکن گجرات شہر سے جانب مغرب دور افتادہ گاؤں موضع نوشہرہ تارڑاں میں بیٹھے حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے اپنے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کے حکم سے اسلام کی تبلیغ کا کام ایسے خوبصورت اور عمدہ انداز سے شروع کیا کہ اسلام کے اس آفتاب کی کرنیں نہ صرف گجرات کے علاقہ میں بلکہ پورے پنجاب اور کابل قندھار تک کے لوگوں کے دلوں میں روشنی پھیلانے لگیں۔ مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے تذکرہ نگاروں نے جہاں دیگر صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ کے صرف ذکر اور کرامتوں کا حال بیان کیا ہے وہاں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے دینی کارناموں سے اغماض کیا ہے۔ کئی مورخین اور تذکرہ نگاروں نے آپ کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں جانا اور جنہوں نے آپ کے متعلق لکھا ہے،[3] انہوں نے بھی آپ کا صرف نام اور کرامتوں کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ نوشہ گنج بخشؒ کی ذات نے اپنے بہت سے ہم عصر صوفیاء اور مبلغین اسلام سے کئی گنا زیادہ اسلام کی خدمت انجام دی ہے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنی زندگی کو حضور رسالت مآب ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے مطابق ڈھالا اور اسلام کے اصولوں کی پابندی کا اعلیٰ نمونہ دوسروں کے سامنے پیش کیا۔

-1 تذکرہ نوشاہی ص 115،116

-2 مولا بخش کشتہ: پنجابی شاعراں دا تذکرہ لاہور 1960ء ص 80

-3 ملاحظہ کیجئے تذکرہ اولیائے ہند۔ تحقیقات چشتی۔ خزینۃ الاصفیاء وغیرہ

اخلاق محمدی ﷺ کا وہ بہترین نمونہ دکھایا کہ لوگ متاثر ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر مجبور ہو گئے اور بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کیوں کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ اخلاق کریمہ کے ہتھیار سے جتنی سرعت کے ساتھ دل فتح کئے جا سکتے ہیں تلوار یا کسی اور ہتھیار سے نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ آپ نے سچے اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعے ان گنت لوگوں کو متاثر کیا۔ بقول پروفیسر آرنلڈ تقریباً دو لاکھ لوگوں نے آپ کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

> It is difficult to obtain accurate information on account of the pecularly individualistic character of Muslim Missionary work and the absence of any central organisation or of any thing in the way of missionary reports, and the success that attends the labour of Muslim preachers is sometime much exaggerated, e.g. in the Punjab certain Haji Mohammad is said to have converted as many as 200,000 Hindus.[1]

فرانسیسی محقق گارساں دتاسی نے بھی اپنے خطبات میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔[2]

آپ نے صرف مقامی طور پر ہی تبلیغ نہیں کی۔ یعنی تبلیغ کے دائرے کو گجرات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے بہت سے مبلغین پیدا کئے جو ظاہری اور باطنی علوم سے مالا مال تھے۔ وہ لوگوں کی ظاہری اور باطنی بیماریوں کا علاج کرنے کی مکمل قدرت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے خلفاء میں سے خواجہ محمد فضیل وجی کابلی کو افغانستان، سید شاہ محمد کو قندھار، حافظ طاہر کو کشمیر، شاہ فتاح دیوان اور شاہ محمد شہید کو پوٹھوہار کے علاقوں میں تبلیغ دین کے لیے بھیجا۔ ان مبلغین کی مساعی جمیلہ سے اُن

-1 Thomas Arnald: Preaching of Islam. P - 286

-2 خطبات گارساں دتاسی۔ خطبہ 16

علاقوں میں توحید اور اسلام کی شمع اس انداز سے روشن ہوئی کہ لوگ بڑی تعداد میں حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

پروفیسر آرنلڈ کی اس بات سے کہ ''ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کے متعلق مسلمان صوفیاء کی کاوشوں کو غلو کیساتھ پیش کیا گیا ہے، نیز تبلیغ اسلام کا باقاعدہ کوئی مرکز نہ تھا'' ہمیں قطعاً اتفاق نہیں۔ کیونکہ گذشتہ اوراق میں ہم نے جن بزرگان دین اور مبلغین اسلام کا ذکر کیا ہے اُن کے علاوہ سلسلہ نوشاہیہ کے بزرگ شب و روز تبلیغ اسلام میں مصروف تھے۔ چنانچہ اس حقیقت سے انکار کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ:

''حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی تعلیم و تربیت نے اُن کے خلفاء میں اتباع شریعت کی ایسی روح پھونکی تھی کہ ان کی روشنی نے پوری دنیا کو منور کر دیا۔ اگر وہ ایک طرف جید عالم دین، محدث اور فقیہ تھے تو دوسری طرف قطب وقت اور عارف کامل بھی تھے۔ اُن کی توجہ میں یہ تاثیر تھی کہ ایک ہی نظر میں کایا پلٹ دیتے تھے۔''(1)

ان بزرگوں میں سے شیخ محمد ہاشم دریا دل (2) بن حضرت نوشہ گنج بخشؒ،

1- نوشہ پیر ص 75

2- نوشہ صاحبؒ کے چھوٹے بیٹے عالم فاضل، پرہیزگار تھے۔ ملا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی سے علم حاصل کیا۔ مولوی عبداللہ لاہوریؒ سے بھی کسب فیض کی روایت ملتی ہے۔ اُن کی پرہیزگاری سے متاثر ہو کر ملا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی نے نوشہ صاحبؒ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو نوشہ صاحبؒ خود بغرض ملاقات سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ (تذکرہ نوشاہی قلمی ص 325)
نوشہ صاحبؒ کی وفات کے بعد کئی مریدوں کی تربیت کی۔ سورج پرستوں کی بڑی جماعت نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ (نوشہ گنج بخش ص 104)
اپنے زمانے کے محدث تھے۔ سخاوت کی وجہ سے دریا دل مشہور تھے۔ سماع کا شوق تھا۔ اکثر وجد طاری رہتا تھا۔ (تحقیقات چشتی ص 249 پر نام ہاشم دریائی لکھا ہوا ہے جو غلط ہے۔
وفات 1092ھ/ 1683ء بحوالہ شریف التواریخ جلد دوم حصہ دوم جو غلط ہے۔ حالات و واقعات سے تاریخ وفات 1111ھ/ 1699ء ثابت ہوتی ہے۔

شیخ برخوردار (1) بن حضرت نوشہ گنج بخشؒ، شاہ عبدالرحمان پاک (2) المعروف پاک رحمان بھڑی والے، پیر محمد سچیار نوشہروی (3)، شیخ رحیم داد (4) بن سخی شاہ سلیمان نوریؒ، شیخ تاج محمود (5) بن سخی شاہ سلیمان نوری بھلوالی، خواجہ فضیل وحی کابلی (6)، سید صالح محمد (7)، شیخ صدر الدین (8)

1- نوشہ صاحبؒ کے بڑے بیٹے تھے عبداللہ لاہوریؒ اور کنجاہ کے قاضیوں سے تعلیم حاصل کی نواب سعد اللہ خان نے شاہی ملازمت پیش کی۔ قبول نہ کی، شریعت کے پابند تھے۔
بحوالہ شریف التواریخ جلد دوم حصہ دوم ص 206 وفات 1093ھ/ 1682ء۔ خزینۃ الاصفیا میں سال وفات 1130ھ/ 1717ء درج ہے ہمارے خیال میں سال وفات 1110ھ/ 1697ء ہونا چاہیے۔

2- ولادت ضلع گوجرانوالہ کے گاؤں بھڑی ہراواں میں ہوئی۔ ولدیت میاں سہالی۔ بچپن سے جوانی تک نوشہ صاحبؒ کی صحبت میں رہے۔ قاضی القضاۃ قاضی عبدالرحمٰن مفتی اعظم لاہور آپ کے مرید تھے۔ بحوالہ تحائف قدسیہ ص 218۔ وفات 1115ھ/ 1703ء مزار بھڑی شاہ رحمان نزد حافظ آباد

3- نام پیر محمد لقب سچیار، آبائی وطن موضع نڑالی تحصیل گوجر خان، یہ گاؤں کالو قوم ہندو کے بانی نارو نے 482ھ میں آباد کیا تھا۔ (بحوالہ وجہ تسمیہ دیہات پرگنہ وان گلی فارسی (قلمی) 1176ھ مصنف برج ناتھ قانونگو پرگنہ وان گلی مملوکہ راجہ محمد اسلم خان آف بکوالہ ضلع جہلم) قوم گکھڑ حضرت میاں میر کے حکم سے نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے۔ (ماہنامہ القادر نوشاہی) گورداسپور مئی 1925ء ص 16) سچیار کا لقب مرشد نے عطا کیا۔ آٹھ ہزار احادیث کے حافظ، صاحب کرامت۔ نوشہ صاحبؒ نے اپنے ملفوظات، چہار بہار اور اردو پنجابی شاعری میں اکثر مقامات پر انہی کو مخاطب کیا ہے۔ پیرے شاہ غازی قلندر کھڑی شریف اور سید شاہ محمد غوث نے ملاقات کی۔ بحوالہ کنز الرحمت چھتی ہزار افراد نے کسب فیض کیا۔ وفات 1120ھ/ 1707ء (تحائف قدسیہ ص 246)۔ مزار نوشہرہ میانہ گجرات سالانہ عرس 3 تا 5 ربیع الاول

4- وفات 1115ھ/ 1703ء بحوالہ خزینۃ الاصفیا ص 279 مزار بھلوال

5- وفات 1123ھ/ 1711ء بحوالہ خزینۃ الاصفیا ص 191۔ مزار بھلوال

6- سادات کے چشم چراغ۔ پہلے نعمت اللہ شاہ نقشبندی اور پھر نوشہ صاحبؒ سے سلسلہ ارادت قائم کیا۔ جشن نوروز کے موقع پر داراشکوہ نے ان کے ہاں حاضری دی (تذکرہ نوشاہی ص 345) وفات 1111ھ/ 1699ء۔ مزار بینی حصار کابل

7- گیلانی سید۔ مشہور فارسی شاعر غنیمت کنجاہی کے مرشد۔ وفات 1118ھ/ 1706ء مزار چک سادہ گجرات

8- وفات 1120ھ/ 1707ء بحوالہ خزینۃ الاصفیا ص 283۔ مزار موضع رکھ چھٹھ ضلع گوجرانوالہ

المعروف شاہ صدر دیوان، سید شاہ محمد شہید [1]، حافظ محمد معموری [2] ساکن موضع ہیلان گجرات، قاضی خوشی محمد کنجاہی [3]، قاضی رضی الدین کنجاہی [4]، شیخ نور محمد سیالکوٹی [5] شیخ محمد تقی [6]،

1- سادات بھاکری۔ 30 برس نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں رہے۔ رہتاس کو مرکز تبلیغ بنایا۔ صاحب کرامت تھے۔ وفات 1103ھ/ 1691ء۔ مزار رہتاس

2- منہاج راجپوت۔ قصبہ ہیلاں گجرات کے قاضی رہے۔ تقویٰ پرہیز گاری اور علمیت کے باعث نوشہ صاحبؒ نے داماد ہونے کا شرف بخشا اور اکلوتی بیٹی سائرہ خاتون کا نکاح ان سے کیا۔ صاحب کرامت تھے۔ وفات 1108ھ/ 1697ء۔ مزار ہیلاں گجرات

3- کنجاہ کے قاضی تھے۔ فتویٰ جاری تھا۔ سرکار کی طرف سے معقول تنخواہ اور جاگیر ملی تھی۔ بعد میں سیالکوٹ کے قاضی مقرر ہوئے۔ (تذکرہ شعرائے پنجاب ص195)
ہندی، فارسی اور پنجابی کے شاعر تھے۔ وفات 1127ھ (بقول غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا۔ جلد اول ص 193)

4- قاضی خوشی محمد کے چھوٹے بھائی، تخلص رضی، گجرات کے قاضی رہے۔ (تذکرہ نوشاہی ص 362) مزار کنجاہ میں ہے۔ تذکرہ نوشاہی میں آپ کا نمونہ تحریر بھی شامل ہے۔ اعلیٰ علمی ادبی ذوق کے مالک، قصیدہ بردہ کی شرح لکھی، نوشہ صاحبؒ کی مدح میں کئی نظمیں لکھیں۔ وفات 1113ھ/ 1701ء۔ مفتی غلام سرور نے نام رُکن الدین وفات 1152ھ لکھی۔ (خزینۃ الاصفیاء ص 202) جو غلط ہے۔ مزار کنجاہ سے بجانب مشرق گجرات روڈ پر قاضی خوشی محمد کے پہلو میں

5- آبائی وطن نوشہرہ تارڑاں۔ بچپن سے جوانی تک نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں رہے۔ سیالکوٹ میں تبلیغ کی۔ رسالہ الاعجاز کا مصنف مرزا احمد بیگ انہی کا مرید تھا وفات 1104 تا 1107ھ مزار محلہ رنگ پور سیالکوٹ

6- اصل نام مرزا الف بیگ قوم ترک، نوشہ صاحبؒ کی صحبت میں 13 سال حالت مجذوبی میں رہے۔ بعد ازاں نوشہرہ مغلاں ضلع گجرات میں تبلیغ کی۔ وفات 1133ھ/ 1720ء

شاہ فتاح دیوان [1]، شیخ مٹھا مجذوب [2]، شیخ نانک مجذوب [3]، شیخ اسماعیل [4]، سید عبداللہ مجذوب بخاری [5]، حافظ طاہر کشمیری [6] اور شیخ اللہ داد [7] زیادہ مشہور ہیں، جنہوں نے نوشہ گنج بخشؒ سے ظاہری اور روحانی تربیت حاصل کر کے نوشہ صاحبؒ کے تبلیغی مشن کو فروغ دیا۔ نوشہ صاحبؒ نے اپنے خلفا کو مندرجہ ذیل خاص ہدایت فرما رکھی تھی کہ:

"اے میرے دوستو! بلاد و احصار بعیدہ میں جا کر گمراہوں کو ہدایت کیا کرو"[8]

1- اصل نام فتح محمد، جموں کے رہنے والے تھے۔ ریاست جموں، میر پور، ساگری میں تبلیغ کی۔ نوشہ صاحبؒ نے خود بلا کر روحانی فیض عطا کیا۔ نوشہ صاحبؒ کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے ہاشم دریا دلؒ سے تربیت حاصل کی۔ کئی باغ بنوائے، کنویں لگوائے۔ فتح خاں گکھڑ (حاکم دان گلی) اصالت خان گکھڑ (فوجدار معظم نگر) آپ کے مرید تھے۔ وفات 1119ھ/ 1707ء میں مزار موضع ساگری ضلع جہلم میں ہے۔

2- قاضی خوشی محمد اور قاضی رضی الدین کے برادری میں بھائی تھے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ وفات 1115ھ/ 1703ء مزار کنجاہ ضلع گجرات میں ہے۔

3- صاحب حال بزرگ تھے۔ (وفات 1133ھ خزینۃ الاصفیا۔ ص 442) مزار موضع کلاسکے چیمہ ضلع گوجرانوالہ

4- سیالکوٹ کو تبلیغ کا مرکز بنایا۔ مزار کوٹلی جلال (سیالکوٹ) تاریخ وفات نامعلوم

5- سادات بخاری۔ شیخ فرید بخاری (مرتضیٰ خاں) کے نبیرہ تھے۔ (شاہجہان نامہ جلد نمبر 3، ص895) ہفت صدی منصب دار تھے۔ الاعجاز کا مصنف لکھتا ہے کہ (خدا کسے طالعمندے را ایں حالت نصیب کردہ باشد کہ ایشاں راشد) وفات 1131ء (خزینۃ الاصفیا۔ ص 441)

6- حافظ قرآن تھے۔ پہلے ملا شاہ بدخشی کے عقیدت مند تھے پھر نوشہ صاحبؒ کے ہوئے۔ ہندوؤں کے ایک گروہ کو مسلمان کیا۔ مرشد کے حکم سے کشمیر کو تبلیغ اسلام کا مرکز بنایا۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ وفات 1097ھ/ 1686ء (شریف التواریخ جلد نمبر 3 حصہ اول ص 265)

7- حضرت پاک رحمٰن کے بڑے بھائی تھے۔ سخی مہمان نواز اور پاکباز۔ وفات 1114ھ/ مزار بھڑی پاک رحمٰن۔

8- پروفیسر علم الدین سالک (سابق وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور) مضمون نوشہ گنج بخشؒ مطبوعہ روزنامہ حالات 22 مارچ 1963ء

پنجاب سے باہر کشمیر میں حافظ طاہر، مجذوب بخاری اور کابل میں سید محمد فضیل وجی کو بھیجا گیا۔ مذکورہ بالا تمام صوفیاء اور مبلغینِ اسلام کی ظاہری اور باطنی تربیت حضرت نوشہ صاحبؒ نے خود کی تھی۔ پنجاب کی سرزمین میں باہر سے بے شمار مبلغین تشریف لاتے رہے ہیں۔ لیکن پنجاب کے کسی تبلیغی مرکز سے بیرونی علاقوں میں مبلغین کا بغرض تبلیغ تشریف لے جانا شاید حضرت نوشہ صاحبؒ کے عہد سے شروع ہوا۔ نوشہ صاحبؒ کی ان دینی خدمات اور اشاعت اسلام کے لئے کاوشوں کے پیش نظر آفتاب پنجاب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (وفات 1067ھ/ 1656ء) نے نوشہ صاحبؒ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور بوقت ملاقات حد درجہ احترام وعزت سے پیش آئے۔ بقول صاحب تذکرہ نوشاہی:

"چوں صاحبزادہ از تحصیل فارغ شدند۔ مولوی عبدالحکیم را اشتیاق دیدن حضرت شاہ بسیار شد و پیش صاحبزادہ مذکور کرد کہ ما را ذوقِ دیدنِ حضرت شاہ بسیار است۔"(1)

اس حوالے سے واضح ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی ذات ایک مرکزی سوسائٹی کی حیثیت رکھتی تھی۔ جنہوں نے ساری زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی تھی۔ اُن کی ان خدمات کا اعتراف ہر دور کے ادباء اور محققوں نے کیا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

"آپ نے اسلام کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بے شمار غیر مسلم آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو کر داخلِ اسلام ہوئے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ اور آپ کے خلفاء کے حالات میں محمد ماہ صداقت نے ثواقب المناقب ترتیب دی ہے۔ اسکی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوشہ صاحبؒ اور آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر اسلام لانے

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 324

والوں کی تعداد کافی تھی۔ اسی طرح شاہ محمد غوث کی کتاب میں بھی حضرت نوشہ گنج بخش اور آپ کے خلفاء کی سرگرمیوں کا حال ملتا ہے۔ وہ کام جو مسلمانوں کے تین سو برس کے اقتدار سے بھی نہ ہو سکا۔ ان صوفیاء کی کوششوں سے اکبری دور میں تکمیل کو پہنچا۔ جہانگیر کے عہد میں بھی تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ پاک و ہند پر سلسلہ نوشاہیہ کے صوفیاء کے احسانات اظہر من الشمس ہیں۔"(1)

پروفیسر علم الدین سالک نوشہ صاحبؒ کی تبلیغ دین کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

"دو شخصیتوں نے روحانیت کی دنیا کو بے حد متاثر کیا۔ ان میں سے ایک تو خواجہ باقی باللہ جن کے خلیفہ اعظم شیخ احمد المعروف مجدد الف ثانیؒ تھے۔ اور دوسرے سلسلہ نوشاہیہ کے بانی حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش تھے۔ نوشہ صاحبؒ نے جگہ جگہ گھوم پھر کر لوگوں کو توحید کا درس دیا۔ ان کے اندر خدمت خلق کا جذبہ پیدا کیا۔ اور اپنے عمل سے عوام کو متاثر کیا۔ یہاں تک کہ آپ کے ہر مرید نے اپنے مرشد کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔"(2)

آپ کے خلفاء نے آپ کے تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے گوشے گوشے میں نوشاہیہ سلسلے کے افراد موجود ہیں۔ بلکہ جدید مادی دور میں بھی سلسلہ نوشاہیہ کا ایک بہت بڑا تبلیغی مشن ورلڈ اسلامک مشن کے نام سے بریڈ فورڈ انگلستان میں تبلیغ اسلام کے فرائض بخوبی انجام دے رہا ہے۔

1- روزنامہ حالات 24 مارچ 1963ء مضمون حضرت نوشہ گنج بخشؒ۔ ڈاکٹر صاحب نے شرافت نوشاہی صاحب کی روایت کی روشنی میں اکبری دور لکھا ہے جو غلط ہے۔ حالانکہ نوشہ صاحبؒ کا دور شاہجہان کا عہد ہے۔

1- روزنامہ حالات، لاہور 24 مارچ 1963ء

کرامات

ولی کے لئے صاحب کرامات ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کا اصل مقصد تو اللہ کے دین کی اشاعت اور اللہ کے بندوں کو نیک راہ دکھانا ہوتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشی گئی قوت کے باعث بعض ایسے واقعات پیش آ جاتے ہیں جن کو خوارق عادت یا کرامات کا نام دیا جا سکتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ اپنے دور کے نیک بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ اس لئے ان سے خوارق عادت کا اظہار کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے فرمان کے مطابق اولیاء کے مدارج تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ بندہ ولی ہو، اس کے متعلق اُسے خود بھی علم نہ ہو اور نہ ہی لوگوں کو پتا ہو۔ دوسری قسم یہ ہے کہ لوگ اسکی ولایت سے آگاہ ہوں، مگر وہ خود اُس سے لاعلم ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ لوگ بھی جانتے ہوں اور وہ خود بھی اس خوبی سے واقف ہو۔[1] نوشہ صاحبؒ کی زندگی کے واقعات سے پتا چلتا ہے کہ آپ کی

1- بقول حضرت نظام الدین اولیا تین چیزیں ہیں جو کرامت کے طور پر حاصل ہوتی ہیں۔ ایک علم بغیر تعلم کے، جیسا کہ خواجہ ابوحفص نیشاپوری جب سفر حج کے دوران بغداد پہنچے تو انہوں نے خواجہ جنیدؒ سے نہایت فصیح و بلیغ عربی میں گفتگو کی۔ دوسرے جو کچھ عوام خواب میں دیکھتے ہیں اولیاء اللہ بیداری میں دیکھتے ہیں۔ تیسرے عوام کے تصوراتِ اثر جو ان کی ذات پر پڑتا ہے وہ اولیاء اللہ دوسرے پر ٹال سکتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ حوض کا تصور کرتے ہیں تو اُسی وقت اُن کا منہ پانی سے بھر جاتا ہے اور یہ تاثیر تصور کی ہے۔ اسی طرح اگر صاحب کرامت دوسرے کی ذات کے متعلق تصور کرتا ہے تو اس کے تصور کا اثر دوسرے کی ذات پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی کے مرنے کا تصور کریں تو وہ شخص مر جاتا ہے۔ خرق عادات کی چار قسمیں ہیں۔ معجزہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے کہ ان کا علم و عمل کامل ہوتا ہے۔ کرامت اولیاء کو نصیب ہوتی ہے۔ معونت وہ ہے جو کہ بعض مجنونوں کو ہوتی ہے۔ جو نہ علم رکھتے ہیں اور نہ عمل لیکن ان سے بعض خرق عادات دیکھنے میں آتے ہیں۔ استدراج اس گروہ سے صادر ہوتا ہے جو صاحب ایمان نہیں ہوتا جیسے جادوگر وغیرہ (بحوالہ سیر الاولیاء از امیر خورد مبارک علی تصنیف 790ھ/ 1388ء اردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی لاہور، 1980ء ص 546,49)

ولایت کا تعلق تیسری قسم سے تھا۔ اس لئے اُن سے دیگر صوفیائے کرام یا بزرگان دین کی مانند کرامت کا ظاہر ہونا کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ تذکرہ نوشاہی، ثواقب المناقب، کنزالرحمت، تحائف قدسیہ وغیرہ میں آپ کی ان گنت کرامات کا ذکر ہے۔ مگر ہم یہاں صرف حوالے کے طور پر چند ایک کا ذکر کریں گے۔

i- شاہجہان کے عہد میں قندھار کی فتح ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ دارالشکوہ بھی اس مہم میں ناکامی کا سامنا کر چکا تھا۔ اورنگ زیب کو بھی کامیابی نظر نہیں آتی تھی۔ شاہجہان کا وزیر نواب سعد اللہ خان نوشہ صاحبؒ کے مرید قاضی خوشی محمد کے توسط سے نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو قندھار کی فتح کے لئے دعا کرائی۔ آپ نے عصر کی نماز کے لیے وضو کرتے ہوئے تین مرتبہ پانی قندھار کی جانب پھینکا اور فرمایا! جاؤ بادشاہ کو فتح کی خوشخبری دے دو۔ قاصد نے بیان کیا کہ فتح کی کوئی صورت نہیں تھی۔ عصر کی نماز کے وقت اللہ کی رحمت سے قلعہ کی دیوار تین مقامات پر گر گئی۔ فوج نے اندر داخل ہو کر قبضہ کر لیا۔ شاہجہان نامے سے پتا چلتا ہے کہ قندھار 1063ھ میں فتح ہوا۔ شاہجہان نے عقیدت کے طور پر دو گاؤں ٹھٹھہ عثمان اور بادشاہ پور آپ کی درگاہ کے لئے بطور نذرانہ پیش کئے۔ جن کا سالانہ محصول ایک لاکھ تیرہ ہزار ایک سو ساٹھ دام یعنی دو ہزار اکہتر روپے تھا۔[1]

1- تحائف قدسیہ صفحہ 130 کے حوالے سے شاہ جہان خود چل کر نوشہ صاحبؒ کے پاس آیا تھا۔ شاہ جہان نامے میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ اس واقعہ کی تصدیق ٹھٹھہ عثمان اور موضع بادشاہ پور کی جاگیر کے اُن شاہی فرامین سے ہوتی ہے۔ جو نوشہ صاحبؒ کے ورثاء کے پاس موجود ہیں۔ یہ جاگیر بعد میں نوشہ صاحبؒ کے پوتے شیخ محمد سعید دولاؒ بن ہاشم دریا دلؒ کے قبضہ میں رہی۔ پھر نوشہ صاحبؒ کے دوسرے پوتے شیخ عصمت اللہؒ بن برخوردارؒ کے شہزادہ فرخ شیر کی عدالت میں دعویٰ کرنے سے یہ جاگیر دونوں پوتوں میں تقسیم کر دی گئی۔ برق نوشاہی کے پاس یہ فرامین چک ڈوگر اور ایک نقل شرافت نوشاہی کے کتب خانہ ساہنپال میں ہم نے خود دیکھے ہیں۔ آخر پر دیکھئے ضمیمہ

ii- قاضی خوشی محمد ایک سفر میں نوشہ صاحبؒ کے ہمراہ تھے۔ نوشہ صاحبؒ گھوڑے پر سوار تھے۔ قاضی صاحب بلحاظ ادب ننگے پاؤں پیدل چل رہے تھے۔ گرم ریت کے باعث پاؤں جل رہے تھے۔ انہوں نے نوشہ صاحبؒ کے حکم سے گھوڑے کی کاٹھی پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُسکی تاثیر سے اُن کے پاؤں جلنے سے محفوظ رہے۔[1] تذکرہ نوشاہی میں درج ہے کہ آپ نے ایک نابینا عورت کی طرف توجہ فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اُسکی بینائی بحال کر دی۔[2] سید صالح محمد (چک سادہ) کی خواہش پر نوشہ صاحبؒ نے نماز کی حالت میں اپنے مریدوں کو خانہ کعبہ کی زیارت کرائی۔[3] ایک مرتبہ سیر کرتے ہوئے چناب کے کنارے آپ سے ایک جوگی ملا اور کہنے لگا میں نے چھتیس برس کی محنت کے بعد جوگ حاصل کیا ہے۔ آپ بھی ایک نظارہ کریں۔ وہ ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا جب نکلا تو تیس برس کا جوان تھا۔ پھر خوبصورت بچہ بن گیا پھر اپنی اصل شکل میں آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے بیکار اتنے برس ضائع کئے۔ آپ نے اللہ ہو کا ایک نعرہ بلند کیا تو ہر طرف سے اللہ ہُو کی آوازیں آنے لگیں۔ جوگی اُسی وقت مسلمان ہو گیا اُس کا قبیلہ بھی ایمان لے آیا۔

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص154
2- ایضاً ص155
3- نوشہ صاحبؒ سے قبل اس قسم کی کرامات بزرگان دین سے ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ حضرت بختیار کاکیؒ کا فرمان ہے کہ بندگان خاص کے واسطے خدا کعبے کو بھیج دیتا ہے کہ وہ اس کا طواف کر لیا کریں۔ چنانچہ اس وقت سب نے کعبہ کو حاضر دیکھا۔ اس مجلس میں قاضی حمید الدین، سید نورالدین مبارک، مولانا علاء الدین کرمانی حاضر تھے۔ (تذکرہ اولیائے ہند جلد اول ص 31) بابا فریدؒ نے حاضرین کو کعبہ کی زیارت کرائی۔ (تذکرہ اولیائے ہند ص 61) بقول شیخ جلال الدین تبریزیؒ "فقیروں کی نماز یہ ہے کہ جب تک کعبہ چشم ظاہری سے نہیں دیکھ لیتے تکبیر اولیٰ نہیں کہتے۔ یہ نماز ان کی درجہ اولیٰ کی نماز ہے۔ (تذکرہ اولیائے ہند جلد اول ص 56)

حکام سے مراسم

نوشہ صاحبؒ کی درویشانہ زندگی سے پتا چلتا ہے کہ آپ دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ آپ دنیا کے بادشاہوں کی نسبت پوری کائنات کے بادشاہ کے در پر سر جھکانے میں زیادہ فخر محسوس کرتے تھے۔ آپ نے ساری زندگی اس اصول پر عمل کیا۔ اور اپنے مریدوں کو بھی یہی تعلیم دی۔ اس امر کا ثبوت اُن کے اُس مراسلے سے ملتا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے شیخ برخوردار کو لاہور لکھا تھا۔ ان کو نواب سعد اللہ خان نے ملازمت کی پیش کش کی تو نوشہ صاحبؒ نے اجازت نہ دی اور لکھا:

"منصب داران معبود را لائق نیست کہ منصبِ عبد اختیار کنند۔ بخانہ برخواستہ بیائند۔

بدست آہک تفتہ کردن خمیر
بہ از دست بستن بہ پیش امیر[1]

چنانچہ نوشہ صاحبؒ نے کبھی کسی دربار سے تعلق نہ رکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مغل بادشاہوں کے تذکروں میں آپ کا ذکر نہیں ملتا۔ مگر خاندانی تذکروں میں اس قسم کی بیشتر شہادتیں ملتی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ بے شک شاہی دربار سے بے نیاز تھے مگر حاکمان وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ضرور فیض حاصل کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ شاہجہان کا وزیر نواب سعد اللہ خان قلعہ قندھار کی فتح کی دعا کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بقول پیر کمال لاہوری شاہ جہان بادشاہ خود چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا:

بیامد در جہاں شاہ جہاں روز — کہ برمن گن مدد ماہِ دل افروز
بفرمودہ چہ خواہی اے شاہ جہاں — کدامیں پیش شد دشمن زبد خواہ

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 247

بگفتار سہل کن بر من تو ایں کار　　کہ بر من صعب شد آں فتح قندھار[1]

چنانچہ نوشہ صاحبؒ کی دعا سے قندھار فتح ہوگیا۔ شاجہان نے فتح کی خوشی میں درگاہ کے اخراجات کے لئے دو گاؤں موضع بادشاہ پور اور موضع ٹھٹھہ عثمان بطور نذرانہ پیش کئے۔ یہ جاگیر بعد میں نوشہ صاحبؒ کے دونوں بیٹوں کی اولاد میں برابر تقسیم کردی گئی۔ اس تقسیم کے شاہی فرمان شہزادہ فرخ سیر کی عدالت سے 1131ء میں جاری ہوئے۔ کاغذ پرانا ہے کہیں کہیں سے کرم خوردہ ہے اس لئے بعض الفاظ مٹ چکے ہیں۔ ہم یہاں اُس شاہی فرمان کی نقل پیش کرتے ہیں۔ جس پر 1131 ہجری کی مہر ثبت ہے جہاں سے الفاظ مٹ چکے ہیں۔ وہاں ہم نے نقاط لگا دیئے ہیں۔



...... پروانہ عمدہ امرائے عظیم الشان زبدہ وزرائے بلند مکان جملتہ الملک مدارالمہام قطب الملک یمین الدولہ سید عبداللہ خاں بہادر ظفر جنگ سپہ سالار یار باوفا آنکہ رفعت پناہ وزارت وشجاعت دستگاہ نور محمد خاں محفوظ باشند۔ چوں موضع ٹھٹھہ عثمان و بادشاہ پور فتا در بست عملہ پرگنہ ہرات من اعمال دوآبہ چونہب مضاف صوبہ پنجاب بجمع مبلغ یک لک و یزدہ ہزار و یکصد وشست دام درو جہ انعام المتغا معہ فرزندان جہت خرچ درگاہ حاجی محمد نوشہ وفضلا شیخ محمد سعید و عصمت اللہ بدستور سابق بحال و برقرار است۔ لہٰذا نوشتہ میشود کہ مواضع مرقومہ را در بست بجمعدام مزبور در وجہ انعام التمغامہ فرزندان جہت خرچ درگاہ حاجی مذبور وفضلا بمومی الیہما حسب الضمن بحال دانستہ بزمینداران آنجا قدغن نمایند کہ مالواجب را بہ کُلی آنہا جواب میگفتہ باشند۔ تحریر ۱۴ جمادی الاول سنہ احد جلوس قلمی شد۔

1- تحائف قدسیہ (قلمی) ص 130

(۱۴ جمادی الاول سنہ احد جلوس رفیع الدرجات بن رفیع القدر بن شاہ عالم بہادر شاہ بن اورنگ زیب عالمگیر مطابق ۱۱۳۱ھ)

اس شاہی فرمان کے پیچھے یہ تحریر ہے۔

...... درو جہ انعام التمغا شیخ محمد سعید و عصمت اللہ موضع ٹھٹھہ عثمان وغیرہ عملہ پرگنہ ہرات من اعمال دوآبہ چونہب صوبہ پنجاب کہ بموجب فرمان عالی شان مسطور ۲۲ رجب شد۔ عہد حضرت ...... مرحمت شدہ بود ...... دو موضع ...... سابق پروانہ ...... بنام دیوان ...... حاصل نمودہ

(۱۱۳۱۶۰)

شیخ عصمت اللہ　　شیخ محمد سعید

(۵۶۵۸۰)　　(۵۶۵۸۰)

ٹھٹھہ عثمان

۲۸۷۵۰

شیخ عصمت اللہ　　شیخ محمد سعید

۲۴۳۷۵　　۲۴۳۷۵

بادشاہ پور فتا

شیخ عصمت اللہ　　شیخ محمد سعید

۳۲۲۰۵　　۳۲۲۰۵

علاوہ ازیں نواب سعید [1] خان ظفر جنگ ہفت ہزاری ہفت ہزار اسوار، پنج ہزار دواسپہ سہ اسپہ منصب [2]، بدیع الزمان [3] حاکم گجرات، پانچ صدی ذات، منصب پانچ صد اسوار [4]، مولراج قانگوئے گجرات [5] وغیرہ کا نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونا ثابت ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ اُس دور کے حکام نوشہ صاحبؒ کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

وفات

نوشہ صاحبؒ کی تاریخ وفات کے بارے میں اس لیے اختلاف ہے کہ تذکرہ نوشاہی سے پہلے کسی نے بھی اس ضمن میں کچھ نہیں لکھا۔ صرف تذکرہ نوشاہی میں شیخ عبدالرحیم سدا کنبوئی کا ایک قطعہ درج ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے 1064ھ میں وصال فرمایا۔ بعد میں آنے والے قلمکاروں نے اسے ہی نقل کیا ہے۔ چنانچہ پیر کمال لاہوری نے تحائف قدسیہ، مولوی اشرف مچری نے کنزالرحمت، شیخ محمد حیات شرقپوری نے گلزار نوشاہی، عمر بخش رسول نگری نے مناقبات نوشاہی، برق نوشاہی نے نوشہ پیر، نوشہ گنج بخش، شرافت نوشاہی نے شریف التواریخ جلد اول، دوم حصہ اول، حصہ دوم اور تیسری جلد کے علاوہ انوار نوشاہیہ، اذکار نوشاہیہ، گنج الاسرار، انتخاب گنج شریف اردو، گنج شریف پنجابی اور صاحبزادہ امتیاز الحق نوشاہی نے ذکر نوشہ میں سن وفات 1064ھ درج کیا ہے۔

ان کے مقابلے میں مفتی غلام سرور لاہوری نے خزینۃ الاصفیاء جلد اول،

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 339

2- شاہجہان نامہ جلد سوم ص 870

3- ثواقب المناقب ص 232، تذکرہ نوشاہی قلمی ص 182,87

4- شاہجہان نامہ جلد سوم ص 898

5- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 183

حدیقۃ الاسرار، گنجینہ سروری، گنج تاریخ، مولوی دین محمد نے باغ اولیائے ہند، مولوی نور احمد چشتی نے تحقیقات چشتی، مرزا آفتاب بیگ عرف مرزا نواب بیگ چشتی نظامی نے تحفۃ الابرار، قاضی امام بخش جامپوری نے حدیقۃ الاسرار، مرزا اختر کیرانوی نے تذکرہ اولیائے ہند، تذکرۃ الفقراء، مولوی انیس احمد نے انیس الواصلین، مولوی نیاز علی خان امرتسری نے گلشن مشاہیر، شاہ شریف احمد مراد سہروردی نے ہفتاد اولیاء، میاں محمد ابراہیم اعوان نے نور نہال قادری، مولوی مقبول احمد جلالوی نے سبیل سلسبیل، سائیں جیون شاہ نے گلزار نوشاہی، پیر غلام دستگیر نامی لاہوری نے سوانح شاہ محمد غوث، اعجاز الحق قدوسی نے تذکرہ صوفیائے پنجاب، صاحبزادہ غلام مصطفٰے رحمانی نے سوانح عمری شاہ عبدالرحمٰن اور امان اللہ خان ارمان سرحدی نے عرس اور میلے میں نوشہ صاحبؒ کی تاریخ وفات 1103 ہجری لکھی ہے۔

ان ہر دو فریق کے بیانات و دلائل کے پیش نظر ہم تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب میں درج شہادتوں کی روشنی میں حتمی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

(1)

تذکرہ نوشاہی سے قبل ثواقب المناقب کو مرتب کیا گیا اور اسکی بنیاد مرزا احمد بیگ کا رسالہ الاعجاز ہے۔ اسی رسالہ سے تذکرہ مرتب ہوا۔ ثواقب المناقب کے مصنف نے رسالہ الاعجاز میں مندرج واقعات کو من وعن بیان کیا ہے۔ ان میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی اور نہ ہی ترتیب کو تبدیل کیا ہے صرف عبارت میں ادبی حُسن و چاشنی پیدا کی ہے۔ جبکہ تذکرہ نوشاہی کے مرتب نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس نے واقعات میں کہیں کہیں اضافہ کیا ہے۔ ثواقب المناقب میں حضرت نوشہ صاحبؒ کی وفات کے متعلق کوئی ذکر موجود نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا احمد بیگ لاہوری نے اپنے رسالہ میں وفات کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہوگا۔ اس لئے ثواقب المناقب میں کوئی اندرونی شہادت نہیں ملتی۔

(2)

تذکرہ نوشاہی میں نوشہ صاحبؒ کے پوتے شیخ عصمت اللہؒ کے ایک مرید شیخ عبدالرحیم سدا کنبوئی کا ایک قطعہ درج ہے۔ جس سے وفات کا سن 1064ھ نکلتا ہے۔

ز تاریخ وصال اُو دلم درجستجو چوں شد
بگوش دل ندا آمد کہ "خاتم پاک" برخوانش [1]
1064ھ

لیکن تذکرہ نوشاہی میں ہی درج بعض واقعات کی روشنی اور تاریخی تناظر میں یہ سن درست ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً

(الف) شیخ عبدالرحیم سدا کنبوئی نے یہ تاریخ کہاں سے لی ہے یا کس سے سنی ہے۔ اس کے متعلق تذکرہ نوشاہی کے مرتب نے کوئی تفصیل پیش نہیں کی اور تحقیق کے بغیر اس قطعے کو نقل کر دیا ہے۔ اس قطعہ کے خالق نے اس سن کے بارے میں خود کوئی رائے نہیں دی۔ جس سے ظاہر ہوتا کہ تذکرہ نگار نے اس تاریخ کی تمام تر ذمہ داری صرف سدا کنبوئی کے کے کندھوں پر ڈال دی ہے اور خود اس بارے میں خاموشی اختیار کی ہے۔ یہ تاریخ کسی تحقیق کی بنیاد پر نہیں لکھی گئی اسلئے قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ جبکہ قطعہ نگار کا اپنا بیان ہے کہ اس تاریخ کی بنیاد صرف "بگوش دل ندا آمد"[2] ہے۔

(ب) تذکرہ نوشاہی کے مرتب کے اپنے بیان کے مطابق گجرات کا حاکم بدیع الزمان نوشہ صاحبؒ کی بددعا سے مرا تھا اور اُسے شیخ عبداللہ نومسلم نے قتل کیا تھا۔

"کہ بدیع الزمان بوزیرآباد رفت، شب شیخ عبداللہ نام نومسلم اورا کشت وخلق ازظلمِ او خلاص شد"[3]

1- تذکرہ نوشاہی ص 206
2- ایضاً ص 206
3- ایضاً ص 187

بدیع الزمان کا منصب پانچصدی ذات، پانچ سواسوار[1] تھا۔ کیپٹن ایلیٹ[2] کے مطابق بدیع الزمان کی گجرات تقرری نومبر 1648ء میں ہوئی تھی اور وہ چھ برس تک گجرات کا حاکم رہا۔ اس سے چلتا ہے کہ بدیع الزمان کی وفات (قتل) نومبر 1654ء[3] کے قریب ہوئی جبکہ بقول شرافت نوشاہی نوشہ صاحبؒ کی وفات 8 ربیع الاول 1064ھ/ 26 جنوری 1654ء کو ہوئی۔ ان کے مقابلے میں برق نوشاہی تاریخ وصال 8۔ربیع الاول 1064ھ/ 18 مئی 1654ء تحریر کرتے ہیں۔[4] ان تاریخوں کے تجزیے سے صاف عیاں ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا وصال جنوری یا مئی 1064ھ/ 1654ء میں نہیں ہوا۔ ورنہ وہ اپنی وفات کے بعد بدیع الزمان کو کیسے بددعا دے سکتے تھے۔ جبکہ تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب سے پتا چلتا ہے کہ بدیع الزمان ،نوشہ صاحبؒ کی زندگی میں ہی قتل ہوا۔ چنانچہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے وصال کا سن 1064ھ/ 1654ء نہیں ہوسکتا۔

(ج) آپ نے اپنی وفات کے چند لمحے پہلے سید عبداللہ بخاری کو اپنا کھیس عطا فرمایا۔ جس کی تاثیر سے وہ مجذوب ہوگئے۔ شرافت نوشاہی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"پیر خانہ سے رخصت ہوتے ہی آپ کے حالات تبدیل ہوگئے۔ ایک دن شاہجہان بادشاہ نے تمام اُمراء کو دربار میں بلایا۔ آپ کو بھی جانا پڑا۔ جب نقارہ پر چوٹ پڑی تو آپ بیہوش ہوکر گر پڑے۔

1- شاہ جہان نامہ جلد سوم ص 898
2- کرونکل آف گجرات ص 76
3- شریف التواریخ جلد اول ص 1042
4- شجرہ شریف نوشاہی ص 41

بادشاہ نے پوچھا سید عبداللہ کو کیا ہوگیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت حاجی نوشہ صاحبؒ کے مرید ہوئے ہیں۔ یہ جذب اور وجدان کی تاثیر سے ہے۔ بادشاہ نے کہا دین اور دنیا اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ پس اُسی وقت آپ کو رخصت کر دیا اور آپ کے واسطے روزینہ مقرر کر دیا اور آپ کے چھوٹے بھائی کو سیصدی منصب دے دیا۔"[1]

شرافت صاحب کا خیال ہے کہ سید عبداللہ شیخ فرید بخاری المعروف مرتضیٰ خان کے بیٹے تھے۔[2] لیکن شیخ فرید بخاری کے معاصر فرید بھکری کے بقول شیخ فرید بخاری کی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی وہ بھی مرگئی۔[3] جبکہ شاہجہان نامے میں سید عبداللہ کو فرید بخاری کا نبیرہ (نواسہ) لکھا گیا ہے اور اُن کا منصب پنجصدی تھا۔[4]

شرافت نوشاہی کے بیان کئے ہوئے واقعہ کا شاہ جہان نامے میں کہیں ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں سید عبداللہ کے استعفیٰ کا سراغ۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ شاہ جہانی عہد کا نہیں ورنہ سید عبداللہ کے نام کیساتھ کچھ ذکر ضرور ہوتا۔ ساتھ اُن کے بھائی کا بھی ذکر ہوتا اور اُس کے سیصدی منصب کا بھی پتا چلتا۔ شاہ جہان نامے میں پنجصدی منصب سے کم کوئی منصب نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ منصب عالمگیری عہد کا ہو۔ جس طرح شیخ محمد حیات شرقپوری نے اپنی تصنیف گلزار نوشاہی میں ''آپ کے جامہ اطہر کی تاثیر'' کے عنوان کے تحت اسے نوشہ صاحبؒ کی وفات سے ایک دن پہلے کا واقعہ لکھا ہے:

''حضور پُرنور کی وفات کے ایک دن پہلے سید عبداللہ شاہ بن نواب

1- شریف التواریخ جلد نمبر 3، حصہ اول ص 345
2- ایضاً ص 342
3- ذخیرۃ الخوانین جلد اول کراچی 1961ء ص 146
4- شاہ جہان نامہ جلد سوم ص 895

میر مرتضیٰ صاحب عالمگیر کے دربار کا منصب دار ہزاری تھا، جب اُس کے دل میں اس منعم حقیقی کے نورانی نے شعلہ مارا تو اُس کے دل میں بہ زیارت فیض بشارت عاشق ذاتِ رسول ﷺ، حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ کی ہوئی۔ حضور کی زیارت سے مشرف ہوکر عرض کی کہ یا قبلہ میرا ارادہ ترک دنیا کا ہے۔ سو وہ مجھے محال ہے اس لئے آپ مجھے مجذوب بنادو۔"[1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالمگیری عہد کا ہے۔

(3)

انگریزی عہد کے آغاز میں زمینوں کے بندوبست کے سلسلے میں ساہنپال کے باشندوں نے 14۔ اپریل 1857ء کو ساہنپال کی آبادی کے متعلق متفقہ طور پر محکمہ مال کے افسران کو یہ بیان ریکارڈ کرایا۔

''مسمی امین شاہ کی اولاد سے مسمی ساہنپال مورث اعلیٰ دیہہ ہذا نے دو سو برس گزرے کہ دیہہ ہذا آباد کیا۔''[2]

اس تصدیق شدہ ریکارڈ کے مطابق 1857ء میں سے اگر 200 سال نفی کردیئے جائیں تو ظاہر ہے کہ ساہنپال 1067ھ/1657ء میں آباد ہوا۔ اس حوالے سے ساہنپال پہلی مرتبہ نوشہ صاحبؒ کی وفات سے تین سال بعد آباد ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ جبکہ تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقت میں مسلمہ شہادت موجود ہے کہ موضع ساہنپال آپ کی زندگی میں ہی آپکی اجازت سے آباد کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی وفات 1064ھ/1654ء غلط ہے۔[3]

1- گلزار نوشاہی۔ لاہور 1915ء ص 16
2- ریکارڈ محکمہ مال گجرات
3- خزینۃ الاصفیا ص 257

سرکاری ریکارڈ کے مطابق ساہنپال 1657ء میں آباد ہونے کی ایک اور بڑی معتبر شہادت ثواقب المناقب اور تذکرہ نوشاہی میں موجود ہے کہ نوشہ صاحبؒ کے مرشد سخی شاہ سلیمان نوریؒ نے اپنی وفات سے تقریباً دو مہینے قبل نوشہ صاحبؒ کو نوشہرہ تارڑاں میں اپنی رہائش رکھنے کا حکم دیا تھا۔ سخی صاحبؒ کی وفات مفتی غلام سرور کی تحقیق کے مطابق 1065ھ/ 1655ء میں ہوئی۔ سخی صاحبؒ کی زندگی میں ساہنپال کی آبادی کا ذکر نہیں ملتا بلکہ یہ گاؤں بعد میں آباد ہوا اور نوشہ صاحبؒ نوشہرہ تارڑاں سے ساہنپال تشریف لائے۔ اس تاریخی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا سن وصال 1064ھ/ 1654ء غلط ہے۔

(4)

صحیح تاریخ وفات

(i) اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نوشہ صاحبؒ کا وصال شاہجہانی عہد میں نہیں ہوا۔

(ii) ہم نے اس باب کے آغاز میں نوشہ صاحبؒ کی ولادت کے ضمن میں تحقیقی تجزیہ کیا ہے کہ یہ عبارت:

"اتفاقاً در اثناء نوشتن رسالہ کہ از وصال حضرت شاہ چہل و سہ سال گزشتہ بود کہ از اخلاصمندان عزیزی از لشکر ظفر اثر عالمگیر بادشاہ کہ اسم آں عزیز محمد امین نقل کرد۔"[1]

مرزا احمد بیگ کی نہیں بلکہ صاحب رسالہ تذکرہ نوشاہی شیخ محمد حیاتؒ برخورداری کی ہے۔ یہ تذکرہ مصنف کے اپنے قول کے مطابق 1146ھ/ 1733ء میں لکھا گیا:

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) دانشگاہ پنجاب لاہور مخطوطات شیرانی نمبر 5171/ 2160 ورق 63 الف

"در مقام مناسب سنہ یکہزار یکصد چہل وشش از ہجرت النبی الامی"[1]

یعنی 1146ھ میں جب رسالہ تذکرہ نوشاہی لکھا گیا۔ اس وقت نوشہ صاحبؒ کی وفات کو 43 سال بیت چکے تھے۔ اگر 1146 میں سے 43 نکال دیئے جائیں تو 1103ھ/ 1691ء نوشہ صاحبؒ کا سال وفات نکل آتا ہے۔

تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب میں مندرجہ واقعات سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی وفات عالمگیر کے عہد میں ہوئی۔ اس لئے ہمارے نزدیک مفتی غلام سرور کی رائے صاعد ہے۔ کتاب خانہ سنائی ایران سے شائع ہونے والی کتاب طرائق الحقائق کے مصنف محمد معصوم شیرازی نے بھی جلد 3 کے صفحہ 116 پر 1103ھ کو ہی ان الفاظ میں درج کیا ہے:

"وفات نوشاہ سال یکہزار و یکصد و سہ بودہ در عہد سلطنت اورنگ زیب عالمگیر ہندی"

دن

مزار کی لوح پر نوشہ صاحبؒ کی وفات کا دن 8۔ ربیع الاول لکھا ہوا ہے۔ پیر کمال لاہوری[2] 9۔ ربیع الاول، شرافت نوشاہی[3] 8۔ ربیع الاول برق نوشاہی[4] اور مولوی نور احمد چشتی[5] 5۔ ربیع الاول کو نوشہ صاحبؒ کی وفات کا دن قرار دیا ہے۔ بقول نور احمد چشتی:

"وفات نوشہ صاحبؒ کی پنجم ربیع الاول کو واقع ہوئی ہے۔ مگر مقام تعجب ہے کہ عرس اُن کا اُن کے مزار پر اُس روز نہیں ہوتا اور بالعوض اس کے اسی تاریخ بحساب ماہ قمری بمقام خانقاہ حضرت سچیار صاحبؒ

1- تذکرہ نوشاہی مذکور ورق 2۔الف   2- تحائف قدسیہ (قلمی) ص 136
3- شریف التواریخ جلد اول ص 1042
4- نوشہ پیر ص 40 ، نوشہ گنج بخش ص 89 ، چہار بہار ص 26
5- تحقیقات چشتی ص 251

جو بمقام نوشہرہ بآں روئے دریائے چناب ضلع گجرات واقع ہے بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے اور چونکہ روز وفات بحساب شمسی نویں ماہ جیٹھ کی تھی۔ اس تاریخ بمزار پاک رحمٰن صاحبؒ موضع بھڑی شاہ رحمٰن میں جو متصل شیخوپورہ ہے عرس ہوتا ہے۔"[1]

پیر محمد سچیار صاحبؒ کا وصال 25۔ ربیع الاول کو ہوا۔ مگر انکی درگاہ پر اس تاریخ کو عرس نہیں ہوتا۔ بلکہ 5 ربیع الاول کو بھرپور عرس ہوتا ہے اور یہ عرس نوشہ صاحبؒ کا منایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا وصال 3۔ ربیع الاول کو ہوا اور پیر محمد سچیار نے اسی تاریخ کو اپنے مرشد کا ختم دلانا شروع کر دیا۔ لہٰذا 3۔ ربیع الاول کو ختم شریف کی ایک خصوصی محفل ہوتی ہے، جس میں گنتی کی چند روٹیاں اور دال پکائی جاتی ہے۔ 4۔ ربیع الاول کو عام درویشوں کا اجتماع ہوتا ہے اور 5۔ ربیع الاول کو سچیار صاحبؒ اپنے درویشوں اور مریدوں کے ہمراہ جلالپور جٹاں کے نزدیک پیر بھولا ولی کی درگاہ پر حاضری دیتے تھے۔ رات وہیں گزارتے اور سات ربیع الاول کو واپس نوشہرہ آ جاتے تھے۔ پیر بھولا کی درگاہ پر حاضری کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے سچیار صاحبؒ کو نوشہ صاحبؒ کے گھر کی راہ بتائی تھی۔ پیر محمد سچیار اسی احترام کی وجہ سے ساری زندگی اُن کی درگاہ پر حاضری دیتے رہے۔ یہ رسم تین سو سال سے جاری ہے اور پیر محمد سچیار صاحبؒ کی اولاد بھی اسی رسم پر عمل کرتی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی وفات 3۔ ربیع الاول 1103ھ/ 1691ء کو ہوئی۔

مدفن

تذکرہ نوشاہی یا ثواقب المناقب میں اس بات کا کوئی حوالہ نہیں ملتا کہ نوشہ صاحبؒ کی وفات کے بعد اُن کا مزار کہاں تعمیر کیا گیا۔ شرافت نوشاہی نے شریف التواریخ جلد اول، دوم، سوم، دیباچہ گنج الاسرار، انوار نوشاہیہ، اذکار نوشاہیہ، تذکرہ نوشہ گنج بخش، فیض القادریہ، خواجہ عبدالرشید نے تذکرہ شعرائے پنجاب، اقبال مجددی

1- تحقیقات چشتی ص 251

نے رسالہ احوال و آثار شرافت نوشاہی، مفتی علی الدین نے عبرت نامہ، منشی گنیش داس بڈھیرا نے چہار باغ پنجاب اور مولوی دین محمد نے باغ اولیائے ہند میں نوشہ صاحبؒ کا مدفن اور مزار موضع ساہنپال ضلع گجرات لکھا ہے۔ جبکہ برق نوشاہی نے اپنی کتاب نوشہ پیر، نوشہ گنج بخش اور ماہنامہ محبوب ستمبر 1972ء فیصل آباد میں نوشہ صاحبؒ کا مزار موضع رنمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات تحریر کیا ہے۔ اُن کے دعویٰ کے مطابق:

"ساہنپال میں آپ کا مزار نہ پہلے کسی دور میں تھا اور نہ ہی اب موجود ہے۔ بلکہ آپ کا روضہ مبارک موضع رنمل شریف میں ہے۔"[1]

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب سے ظاہر ہوتا ہے کہ موضع ساہنپال آپ کی اجازت سے آپکی زندگی میں ہی آباد ہوا تھا۔ اور آپ کے لئے وہاں مکانات بھی تعمیر کیے گئے۔ اس مقالے کی تسوید سے پہلے ہمارا اپنا خیال یہ تھا کہ ممکن ہے آپ کا وصال ساہنپال ہی میں ہوا ہو اور آپ کا مزار بھی اسی گاؤں میں بنا ہو لیکن شرافت نوشاہی کی مزار کے متعلق تحریروں میں تضاد کے باعث حقیقت کی تلاش میں ہمیں خود وہاں جا کر مزار اقدس کا محل وقوع دیکھنے کا موقع ملا۔ یہاں پہلے شرافت نوشاہی کی تحریروں سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جو تضادات کے باعث دلچسپ ہیں۔

1- آپ کا روضہ اطہر بمقام ساہنپال شریف ضلع گجرات پنجاب میں گاؤں سے نصف میل شمال کی طرف مرجع خلائق ہے۔[2]

2- وفات کے بعد نوشہ صاحبؒ کا مزار اور مدفن چک ساہنپال سے مغرب کی طرف تیار کیا گیا۔[3]

1- ماہنامہ محبوب (مدیر صائم چشتی) فیصل آباد۔ شمارہ ستمبر 1972ء ص 60

2- اذکار نوشاہیہ ص 33

3- ہفت روزہ پیام گجرات، 24 نومبر 1967ء (مضمون شجرہ شریف نوشاہی کی اصلاح)

3- آپ کا روضہ اطہر رنمل شریف ضلع گجرات پنجاب گاؤں سے نصف میل شمال کی طرف مرجع خلائق ہے۔ (1)

ان تینوں حوالوں سے قاری اشتباہ کا شکار ہو جاتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا مزار ساہنپال میں ہے یا رنمل میں ہے۔ اگر ساہنپال میں ہے تو کبھی شمال کی جانب اور کبھی مغرب کی جانب ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ رنمل میں جانب شمال ہے۔ اگر آپ کا مزار رنمل یا ساہنپال میں نہیں تو پھر کس جگہ ہے؟

البتہ ان کے چوتھے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مزار ساہنپال میں ہے:

''حضور کا روضہ اطہر موضع ساہنپال شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں دریائے چناب کے شمالی کنارے پر واقع ہے''۔ (2)

حضرت نوشہ صاحبؒ کا مزار ساہنپال میں واقع ہونے کے ثبوت کے لئے شرافت نوشاہی نے تذکرہ نوشاہی کی اس عبارت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ''بعد از وصال حضرت شاہ مدفن ومزار ایشاں از موضع ساہنپال جانب قبلہ نمودہ شد''۔(3)

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ وفات کے بعد مزار موضع ساہنپال کے مغرب میں بنایا گیا مگر یہ عبارت ہمیں تذکرہ نوشاہی کے کسی اور نسخے میں دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے متعلق برق نوشاہی صاحب کا دعویٰ ہے:

''جناب شریف احمد صاحب شرافت ساہنپالوی نے روضہ اقدس کے محل وقوع سے متعلق '' رسالہ الاعجاز اور تذکرہ نوشاہی کے جو حوالے تحریر فرمائے ہیں۔ وہ اُن کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں۔ رسالہ الاعجاز کا جو نسخہ انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھ کر دیا ہے وہ اُن کا خود

1- روزنامہ کوہستان لاہور، 26 جون 1969ء

2- انوار نوشاہیہ ص 29

3- ہفت روزہ پیام گجرات 24 نومبر 1967ء

ساختہ ہے اور یہ رسالہ انہوں نے خود لکھ کر مرزا احمد بیگ کے نام منسوب کر دیا ہے''۔(1)

نوشہ صاحبؒ کے مدفن اور مزار کے متعلق تضادات اور پھر تصادات پر اعتراضات سے اگر قطع نظر کیا جائے تو پھر اپنی ہی تحقیق پر اعتبار کی گنجائش ہے۔ چنانچہ راقم نے خود روضہ اقدس کی زیارت کی تو پتا چلا کہ موجودہ مزار موضع رنمل میں ہی ہے۔ جسکی تصدیق کے لئے موضع رنمل کے پٹواری سے رابطہ کیا گیا۔ فرد جمعبندی میں یہ الفاظ درج ہیں۔ ''موضع رنمل، غیر ممکن درگاہ نوشہ صاحبؒ'' پہلے مزار کا رقبہ 27 کنال 5 مرلے تھا۔ بعد میں قبرستان کے لئے دس مرلے مزید اضافہ کیا گیا۔ اب مزار کا کل رقبہ 27 کنال 15 مرلے ہے۔ اس کا خسرہ نمبر 1/84 ہے۔ فرد جمعبندی کی نقل آخر میں ضمیمہ کے طور پر دیکھئے۔ مزار کے ساتھ موضع رنمل کی آبادی ہے۔ جس میں قوم تارڑ اور نوشاہی صاحبزادوں کی مشترکہ قبور ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے مزار سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بجانب جنوب موضع ساہنپال آباد ہے۔ جس کی آبادی رنمل سے کم ہے۔ ساہنپال کے لوگ عام طور پر جنازے رنمل کے قبرستان میں ہی دفن کرتے ہیں۔ ساہنپال میں صرف شرافت نوشاہی اور اُن کے والد بزرگوار صاحبزادہ غلام مصطفٰے نوشاہی کی قبروں کے علاوہ شاید کسی اور معروف نوشاہی بزرگ کی قبر نہیں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ساہنپال کا نوشہ صاحبؒ کے مزار سے کبھی کوئی تعلق رہا ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق بھی مصنفین میں اختلاف موجود ہے۔ لہٰذا ہم کمزور روایات اور حوالے چھوڑ کر محکمہ مال کے تصدیق شدہ ریکارڈ پر اعتماد کرتے ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ اپنی زندگی میں رنمل تشریف لائے تھے۔ یہاں ہی اُن کا وصال ہوا اور دفن ہوئے۔ دیکھئے ذکر آبادی وحصول ملکیت موضع رنمل تحصیل پھالیہ ضلع گجرات مسل بندوبست سرسری 1857 بندوبست قانونی مئی 1867ء:

3- ماہنامہ محبوب (فیصل آباد) شمارہ ستمبر 1972ء ص 63

"جس جگہ پہلے ہمارا گاؤں آباد تھا اس جگہ بیلا دریائے چناب پڑا تھا۔ عرصہ گیارہ پشت کا گزرا کہ مسمی رَمل قوم جٹ گوت تارڑ ہندو موضع اسکھنب ضلع گوجرانوالہ سے مال مویشی اپنا لے کر مع عیال و اطفال اس جگہ آیا۔ کچھ مدت اسی طرح گذران کری۔ پھر گاؤں آباد کیا۔ اس طرف غلبہ اسلام کا تھا۔ بعد مرنے مورث کے مسمی ریحان پسر مورث کو مسلمانوں نے مسلمان کیا۔ پہلے گاؤں چھوڑ گیا۔ چند مدت گاؤں ویران رہا۔ پھر مسمیان عثمان و عالی پسران ریحان نے دیہات قرب و جوار سے آ کر گاؤں آباد کیا۔ سو سال تک گاؤں آباد رہا۔ پھر صدمہ دریا سے گاؤں برد ہوگیا۔ بزرگان ہمارے نے بفاصلہ ایک کوس جانب شمال آباد کیا۔ 35 برس رہ کر پھر برد ہوگیا۔ اب عرصہ 27 سال کا ہوا ہوگا کہ ہم مالکان نے تیسری آبادی جانب شمال بفاصلہ ایک میل چوتھی جگہ آباد کیا۔ تب سے برابر آباد چلا آتا ہے اور کوئی تہہ کہنہ رقبہ دیہہ ہذا میں نہیں ہے۔ تہہ ہائے آبادی سابقہ کی دریا برد ہوگئی اور مسمی نوشہ صاحبؒ فقیر قوم راجپوت گوت جالپ بطور سیاحی اس جگہ آیا۔ لب دریا مکانات و مسجد وغیرہ بنوائی۔ صدمہ دریا سے وہ مکان برد ہوگئے۔ پھر بعد مرنے نوشہ صاحبؒ فقیر کی اولاد اُسکی خانقاہ و مسجد وغیرہ مکانات بعمارت پختہ بنائے تب سے یہ قوم فقیر نوشاہی بھی مالک ہے۔ اور دیگر اقوام متفرق مندرجہ شجرہ نسب بندوبست گزشتہ پیش گاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ سے مالک بن گئے۔ کیفیت محاذ نام انکے درج ہے۔

وجہ تسمیہ: مورث نے گاؤں اوپر نام اپنے کے رَمل نامزد کیا۔ قبل از عملداری سرکار عہد سنگھاں میں یہ گاؤں دروبست بنام امیر خان ولد

شیر خان قوم ٹوانہ سکنائے رسول نگر داروغہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جاگیر تھا اور جاگیردار مذکور نصف حصہ لیتا تھا۔" بلفظہ

موضع ساہنپال کی مسل حقیت میں نوشہ صاحبؒ کے مزار کا یا نوشہ صاحبؒ کا ذکر تک نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا مزار شروع سے ہی رَمل میں ہے۔

مزار کی تعمیر و مرمت (1)

دریائے چناب کے سیلاب کے باعث نوشہ صاحبؒ کا مزار تین مرتبہ دریا برد ہوا۔ 1170ھ/ 1757ء میں تابوت پہلے مدفن سے نکال کر موضع نوشہرہ میں چاہ حیاتیاں والا میں دفن کیا گیا۔ لوگ تین دن تک آپ کی زیارت کرتے رہے۔ آپ کا جسم اور کفن بالکل صحیح و سلامت تھا۔ پیر کمال لاہوری نے تحائف قدسیہ میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

بصورت بس مبارک آنچہ بودہ
لباسِ کفن شاہ ہرگز نسودہ

1237ھ/1822ء میں دریا کی طغیانی کے سبب چوتھی جگہ [موجودہ رَمل] منتقل کیا گیا۔ 1258ھ/ 1842ء میں شیخ امام الدین صوبہ دار کشمیر خلف شیخ غلام محی الدین ناظم الملک ہوشیار پوری نے پالکی کی طرز پر روضہ تعمیر کروایا۔ 1311ھ/ 1894ء میں میاں عبداللہ درویش نوشاہی لاہوری نے اسکی مرمت اور سفیدی کروائی۔ 1369ھ/ 1950 میں 81 گھنٹے کی مسلسل بارش کی وجہ سے مزار کی دیواروں میں دراڑ پڑ گئے جس کی وجہ سے مزار کی عمارت کی تعمیرِ نو کی ضرورت پیش آئی۔ 1373ھ/ 1954ء یکم محرم جمعرات کے روز مزار کو شہید کر کے نئے سرے سے آٹھ پہلو عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔ دو سال بعد یعنی 1375ھ/ 1956ء میں مزار کا نچلا حصہ (تعویذ) اور چار پہلو برآمدہ بنایا گیا اور

1- مزار کی تعمیر و مرمت سے متعلق یہ حوالے شریف التواریخ جلد نمبر2 حصہ اول ص178 سے ماخوذ ہیں۔

باقی عمارت کی تعمیر شروع کی گئی۔ گنبد 1380ھ/ 1961ء میں مکمل ہوا۔ 1390ھ/ 1970ء اس پر سبز رنگ کی چینی کی ٹکڑی لگائی گئی۔ گنبد کے کلس پر 50 تولے سونا چڑھایا گیا۔ 1393ھ/ 1974ء حاجی غلام احمد نوشاہی سچیاری ساکن چوہڑ ماجرہ (فیصل آباد) کی کوششوں سے مزار تک بجلی لائی گئی اور 1394ھ/ 1975ء میں صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی سجادہ نشین سنگھوئی (جہلم) کی کاوشوں سے دربار کے اندر بجلی کا میٹر نصب ہوا۔ مزار کے اندر قبر مبارک سنگ مرمر کے جنگلے کے اندر بنی ہوئی ہے۔ سرہانے سنگ مرمر کی لوح نصب ہے۔ مزار فن تعمیر کا عمدہ ترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ مشرق کی جانب بابا محمد شاہؒ کا مزار ہے۔ جو ابھی نامکمل ہے لیکن فن تعمیر قابل تعریف ہے۔

عرس:

مزار اقدس پر ہر سال ہاڑھ کی دوسری جمعرات کو عرس ہوتا ہے جو جمعرات جمعہ اور ہفتہ تک یعنی تین دن رہتا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں عقیدت مند حاضری دیتے ہیں۔ بارونق بھرپور میلہ لگتا ہے۔ مزار کے ارد گرد رات دن قوالی اور مزار سے ملحقہ مسجد میں نعت خوانی ہوتی ہے اور علماء تقاریر کرتے ہیں۔ زائرین کے لیے لنگر عام ہوتا ہے۔ دسمبر 1976ء سے مزار کی دیکھ بھال اور عرس کا انتظام و انصرام محکمہ اوقاف کے سپرد ہے۔ علاوہ ازیں نوشہ صاحبؒ کے تین خلفاء کی درگاہوں پر بھی نوشہ صاحبؒ کا عرس بھرپور انداز میں منایا جاتا ہے۔

1- بھڑی پاک رحمٰن ضلع گوجرانوالہ میں 9 جیٹھ

2- پیر محمد سچیار نوشہروی کے مزار پر 3 سے 5 ربیع الاول

3- سید شاہ محمد شہید رہتاسی کی درسگاہ پر 9 جیٹھ

چند سالوں سے بریڈفورڈ انگلینڈ میں ورلڈ اسلامک مشن کے زیر انتظام بھی عرس منایا جاتا ہے۔ جس سے پاکستانیوں کے علاوہ دیگر ممالک میں مقیم نوشاہی شریک ہوتے ہیں۔

تبرکات

1- قرآن پاک (قلمی) سائز تقریباً 16/"30×"20 کل صفحے 995۔ سال کتابت 8 ماہ رجب 814ہجری۔ ہر صفحہ پر گیارہ سطور۔ سنہری حاشیہ ہے۔ آیات کے آخر میں گول دائرے۔ ہر سطر کے درمیان سنہری لکیر۔ شروع کے تین اوراق خالی ہیں۔ فہرست کیلئے ان پر لکیریں کھینچی گئی ہیں۔ مگر فہرست درج نہیں ہے۔ متن پورا ہے۔ کتابت دیدہ زیب اور قرۃ العین ہے۔ دل کو سکون بخشتی ہے۔ ہر ورق کے ساتھ ایک باریک پنا منسلک تھا جو ایک ورق کو دوسرے سے جڑنے نہیں دیتا۔ لیکن جب اسکی دوبارہ جلد بندی کی گئی تو باریک پنے نکال دیئے گئے۔ پہلے ورق پر سورۃ فاتحہ درج ہے، دوسرے ورق سے سورۃ بقرہ کا آغاز ہوتا ہے۔ ان اوراق پر سات سطریں ہیں۔ سونے کے پانی سے سنہری حاشیہ اور محراب نما بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ گہرے نیلے، سرخ اور گلابی رنگ کی گلکاری کی گئی ہے۔ کتابت باریک کالی روشنائی سے کی گئی ہے۔ ص2-3 کی سطور کے درمیان پھول دار بیل ہے باقی اوراق کا حاشیہ سنہری ہے۔ آخری صفحہ 995 پر سنہرے کا زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ ورق کے ارد گرد سرخ اور جامنی رنگ کی بیل ہے۔ اسکے گرد پھر سنہری بیل ہے۔ اس صفحہ کے آخر میں یہ دعا درج ہے۔

اَللّٰھُمَّ مَاکَانَ مِنَّا فِی تِلَاوَتِہِ القُرْآن من خطاءِ اونسیانِ او
زیادۃٍ او نقصارٍ او تحریفِ کلمۃ واغفرلنا یا ربّاہُ
وتجاوز عنایا سبّداہُ ولا تؤ اخذنا یا مَوْلاہ بِرَحْمَتِکَ یَا
اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ ۸ ماہ رجب ۸۱۴ ہجری

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نسخہ نوشہ صاحبؒ کے والد شیخ علاء الدینؒ کو سفر حج کے دوران بغداد کے کسی شخص نے تحفتاً پیش کیا تھا۔ اغلب ہے کہ یہ نسخہ نوشہ صاحبؒ کے مطالعے میں رہا ہے۔ یہ نسخہ نسلاً بعد نسلاً صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہیؒ

(سنگھوئی) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

2- قرآن مجید۔ متفرق اجزاء۔ خط بہار میں لکھے ہوئے چند اوراق کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال میں موجود ہیں۔

3- کلاہ مبارک [1]

4- الفی مبارک [2]۔ فقیر خانہ اندرون بھاٹی گیٹ میں موجود ہیں۔

5- لنگی مبارک۔ صاحبزادہ امتیاز الحق نوشاہی ایڈووکیٹ 37۔بی شاد باغ کے پاس موجود ہے۔

6- کمبل۔ روایت ہے کہ نوشہ صاحبؒ اوڑھتے تھے۔ یہ کمبل اب تک درگاہ سخی روشندین بمقام نوشاہیاں ضلع بہاولنگر میں موجود ہے۔

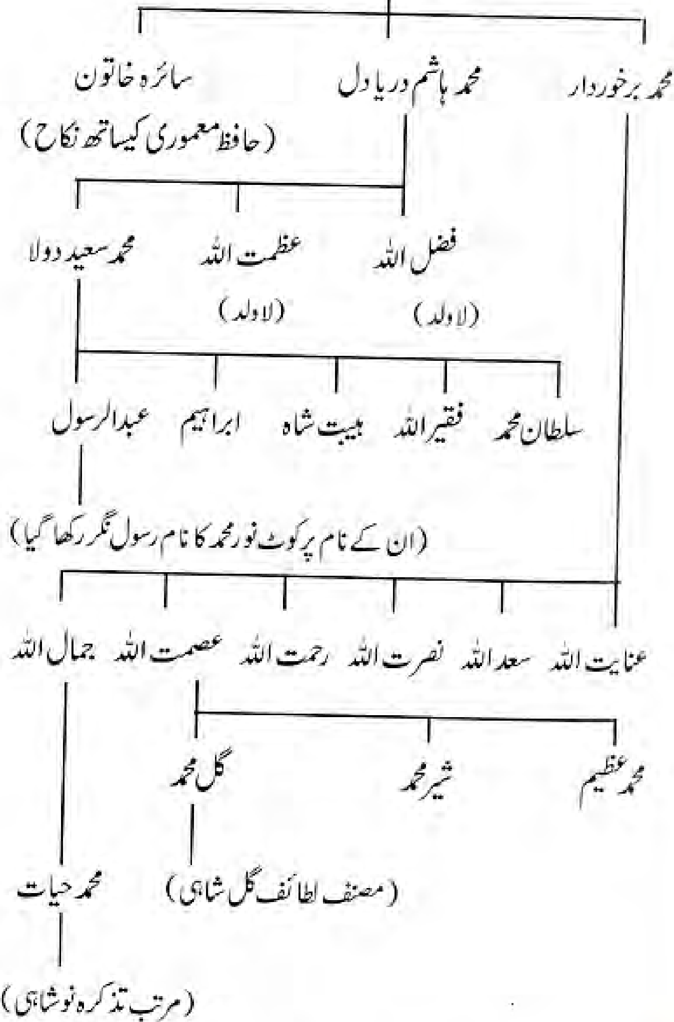
7- عصا۔ کوّ کی لکڑی کا یہ عصا صاحبزادہ نذر محمد کے گھر موضع نوشہ پور متصل دربار نوشہ صاحبؒ موجود ہے۔ عین ممکن ہے کہ ان کے علاوہ بھی دیگر تبرکات عقیدتمندانِ نوشہؒ کے پاس موجود ہوں۔

اولاد

خاندانی شجروں اور تحریروں کے مطابق نوشہ صاحبؒ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ بڑے بیٹے کا نام محمد برخوردارؒ اور چھوٹے بیٹے کا نام محمد ہاشم دریا دلؒ تھا۔ بیٹی کا نام سائرہ خاتون تھا۔ جن کا نکاح نوشہ صاحبؒ نے اپنے ایک مرید حافظ معموریؒ

1,2- ان کا ذکر مفتی علی الدین نے عبرت نامہ جلد دوم میں بھی کیا ہے۔ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی (سنگھوئی) کے مطابق یہ تبرکات غلام محمد چٹھہ کو اُس کے مرشد صاحبزادہ عبدالرسول بن دولو محمد سعید بن ہاشم دریا دل بن نوشہ گنج بخشؒ نے عطا کئے تھے۔ غلام محمد چٹھہ نے اپنے باپ کے تعمیر ہوئے قلعے کا نام کوٹ نور محمد سے تبدیل کر کے رسول نگر رکھ دیا تھا۔ سکھوں کے عہد میں اس کا نام رام نگر ہوگیا۔ (چھٹیاں دی وار) غلام محمد چٹھہ کی وفات کے بعد یہ تبرکات مہان سنگھ پھر رنجیت سنگھ کو ملے۔ اُس نے اپنے وزیر اعظم فقیر عزیز الدین کو دے دیئے کیونکہ فقیر خاندان نوشاہی سلسلے سے منسلک تھا۔ یہ تبرکات فقیر خاندان کے پاس محفوظ ہیں۔

کیساتھ کیا تھا۔ برخوردار صاحبؒ کے چھ بیٹے اور ہاشم دریا دل کے تین بیٹے تھے۔ جن کا مختصر شجرہ یوں ہے:



نوٹ: شجرہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے شریف التواریخ جلد دوم (حصہ اول و دوم) اور جلد سوم

نیابت

نوشہ صاحبؒ کے بعد اُن کے دونوں بیٹوں کی اولاد جاری ہے اور دونوں خاندان اپنے آپ کو نوشہ صاحبؒ کی نیابت کا حقدار قرار دیتے ہیں۔ شرافت نوشاہی کے دعوٰے کے مطابق نوشہ صاحبؒ کے بعد اُن کے بڑے بیٹے برخوردار صاحبؒ سجادہ نشین ہوئے۔ بلکہ نوشہ صاحبؒ نے اپنی زندگی میں ہی اُن کو اپنا ولی عہد[1] مقرر کر دیا تھا۔ جبکہ برق نوشاہی کا دعویٰ ہے کہ نوشہ صاحبؒ کے چھوٹے بیٹے ہاشم دریا دلؒ گدی نشین ہوئے تھے۔[2]

ہمارے نزدیک نوشہ صاحبؒ کے دونوں صاحبزادے اور انکی اولاد قابل احترام ہے۔ نیابت کے بارے میں یہاں بیان کرنے سے ہمارا مقصد نہ تو کسی کی دل آزاری ہے اور نہ ہی کسی فریق کی طرفداری۔ ہم صرف خاندانی مخطوطات کی روشنی میں حقائق تک پہنچنے کی کوشش کریں گے اور پھر فیصلہ قارئین کی بالغ نظری اور وسعت قلبی پر چھوڑ دیں گے۔

سب سے پہلے ہم سلسلہ نوشاہیہ کے بنیادی مآخذات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تذکرہ نوشاہی کا مرتب لکھتا ہے کہ میاں صدر الدین المعروف شاہ صدر دیوان اپنے مرشد نوشہ صاحبؒ کے بہت قریب تھے۔ دوسرے مریدوں نے جب نوشہ صاحبؒ کو اُن پر اس قدر مہربان دیکھا تو خیال کیا کہ نوشہ صاحبؒ کہیں میاں صدر الدین کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کر دیں اور نیابت اُن کے حوالے کر دیں۔ پیر بھائیوں کے باہمی مشورے کے بعد پیر محمد سچیارؒ نے نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر آپ نے

1- شریف التواریخ جلد اول ص 1034، جلد دوم حصہ اول ص 173۔ حصہ دوم ص 1155 انتخاب گنج شریف اردو ص 29، گنج شریف پنجابی ص 45، اذکار نوشاہیہ ص 92، انوار نوشاہیہ ص 27

2- نوشہ گنج بخش ص 101، نوشہ پیر ص 50، دیباچہ چہار بہار ص 29، شجرہ شریف نوشاہی ص 42

صدر الدین کو نیابت عطا کر دی تو شاید تمام کو اسے قبول کرنے میں تامل ہو، اور اگر اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر دیں گے تو سبھی خوشی محسوس کریں گے۔ نوشہ صاحبؒ نے فرمایا۔ میاں پیر محمد:

چرا میکنی! من مجذوب نہ ام، سلام و نیابت بخانۂ خود داشتہ ام[1]

تذکرہ نوشاہی کا مرتب اس سے آگے لکھتا ہے کہ ایک دن میاں صدر الدینؒ حضرت نوشہ صاحبؒ کی زیارت کو آئے۔ اُس وقت ہاشم دریا دلؒ دروازے میں کھڑے تھے۔ میاں صدر الدینؒ اُن کے قریب سے گزر کر سیدھے نوشہ صاحبؒ کے قدموں میں گر پڑے۔ سرکار نے غصے میں فرمایا۔ میاں صدر الدین قدم تو وہ تھے جن کو دروازے میں چھوڑ آئے ہو۔ اب تمہیں میرے قدموں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔[2] تذکرہ نوشاہی کے بعض نسخوں میں ہاشم دریا دلؒ کی بجائے برخوردار صاحبؒ کا نام لکھا ہوا ہے۔ ہاشم دریا دلؒ کی اولاد کا دعویٰ ہے کہ ایسے نسخے تحریف شدہ ہیں۔ اس لئے ہم تذکرہ نوشاہی کے حوالوں پر یقین نہ کرتے ہوئے کنز الرحمت کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔

کنز الرحمت کا اصل مآخذ بھی وہی تذکرہ نوشاہی ہے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ کنز الرحمت کے مصنف مولوی اشرف سچیاری نوشاہی منچری نے تذکرہ نوشاہی کا کوئی ایسا نسخہ دیکھا ہو جو فریقین کی تحریف سے محفوظ ہو۔ شاید اس کا ثبوت ہمیں کنز الرحمت سے مل جائے۔ مطبوعہ کنز الرحمت میں یہ شعر موجود ہے:

عطا شد نیابت بہ پسرِ بزرگ
نمودند تحسین بہ کار سترگ[3]

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 203

2- ایضاً ص 204

3- کنز الرحمت ص 71

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ (بھلوال) کی اولاد میں سے سجادہ نشین شیخ فضل حسینؒ کے دعویٰ کے مطابق مطبوعہ کنز الرحمت تحریف شدہ ہے۔ طباعت کے وقت اس شعر میں تصرف کیا گیا ہے۔ اصل شعر اس طرح ہے:

عطا شد نیابت گہ با پسرِ خورد
نمودند تحسین بہ کار سپرد

اُن کا خیال ہے کہ طباعت کے وقت مزید شعر اصل نسخے میں سے حذف کر دیئے گئے۔ جن سے ہاشم دریا دلؒ کی سجادہ نشینی واضح ہوتی تھی۔ وہ شعر یوں ہیں:

بہ ہاشم شاہ داد دستار را — تمامی فقیراں اموزش ادا[1]
نمودند از علمِ باطن عطا — ملاحظہ چو کردند راہِ خدا
بگفتند حضرت بہ یاران خویش — سپردم شما شاہِ ہاشم بہ پیش

ہم نے خود کنز الرحمت کے تین نسخوں میں یہ اشعار دیکھے ہیں۔ لیکن شرافت نوشاہی کے خیال میں یہ اشعار الحاقی[2] ہیں۔ اس لئے ہم نے ان متنازعہ اشعار سے قطع نظر کرتے ہوئے نوشاہی سلسلے کے قدیم ترین مآخذ ثواقب المناقب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ثواقب المناقب کا مصنف ہاشم دریا دلؒ کے متعلق لکھتا ہے:

''آخر الامر آن دستگیر درماندگان یاور کل یعنی شاہ ہاشم دریا دل مانند محیط اعظم در اقطار دور شہرت داشت و از گرمئ توجہات آں ذاتِ خورشید صفات روز بروز مشرق و مغرب روشن شد۔ جماعت سبز بخت نہال کردہ۔ نوشہ جنت بارگاہ طوبالہ و رضوان اللہ کہ درسایۂ آں ابر بہار ہنوز میوۂ مقصود ایشاں پختہ نبود۔ در پرتو ایں خورشید جہان افروز

-1 شیخ فضل حسین: رسالہ النیابت۔ گیلانی الیکٹرک پریس لاہور (1925ء کے قریب شائع ہوا) ص 17
-2 تذکرہ نوشہ گنج بخشؒ ص 127

چوں شجرہ پیوندی لذت ذوق دوبالا یافت۔ قطع نظر از پرورش کہنہ سالاں اکثر نونہالاں را یک قلم سر بلند نمودہ۔ چوں سرو از بار تعلقات آزاد ساخت۔ بیت

کرد آں دریا دل عالی تبار
عالمے را سبز چوں ابر بہار[1]

یعنی نوشہ صاحبؒ نے جو پودا لگایا تھا اُسے سرسبز کر کے ہاشم دریا دلؒ نے پھل دار بنا دیا ہے۔

ان تمام مذکورہ حوالوں سے زیادہ اس اہم مسئلے پر نوشاہی سلسلے کے تیسرے مآخذ تحائف قدسیہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُس میں پیر کمال لاہوری لکھتے ہیں کہ نوشہ صاحبؒ نے اپنے بڑے بیٹے میاں برخوردارؒ کو سجادہ نشین بنانے کا ارادہ کیا تو اُن سے پوچھا کہ تم آنے جانے والوں کے لنگر کا اہتمام کر لوگے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں والدہ ماجدہ سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔ والدہ نے فرمایا۔ ہمارے لئے بھٹیاری یا نانبائی کا کام ہی رہ گیا ہے۔ یہ کام ہمارے بارے کا نہیں:

جوابش داد مادر کہ ایں چنیں کار — طباخی نان پُزی عالم چہ درکار[2]
بیامد شاہ برخوردار بیزار — جوابے کانچناں باید بروزار

ظاہر ہے کہ نوشہ صاحبؒ جیسے سخی درویش کو یہ جواب کس طرح پسند آ سکتا تھا۔ چنانچہ پیر محمد سچیارؒ نے عرض کیا:

بگفت آں خیر خواہ جملہ مردم — کہ صاحب زادۂ خورد است خوش دم
مرا فرما کہ حاضر آورم او را — کہ پیدا کردہ است او نیک خُو را[3]

-1 ثواقب المناقب ص 270,271
-2 تحائف قدسیہ (قلمی) ص 128
-3 ایضاً ص 129

نوشہ صاحبؒ کی اجازت سے پیر محمد سچیارؒ ہاشم دریا دلؒ کو لائے اور راستہ میں سمجھاتے رہے:

بدو گفتہ کہ من شاہِ زماں را   بتو بس مہرباں کردم قراں را
خبردار ایں چنیں وقتے نیابے   نخواہی کرد در چیزے شتابے
ہر آں چیزے کہ گوید با تو فرزند   قبولش کن شوی زاں پس تو خورسند
بہراہ اش گرفتہ قصہ را   شنوکاں حکمتے کرد آں خدا خواہ
مسافت بہ کروہے چند رانجا   کہ بودہ شاہ دل مسند نشاں جا
بیک قریہ در آمد منزلے کرد   در آں جا بود سردار از سخی مرد
مریدے بود خدمت کرد بسیار   بدوگفت آں ہنرور ایں چنیں کار
کہ سہ کس را بیاید نان پختن   بگفتا او کجا بینم ز ہر تن
بفرمودند کہ امرم بجا آر   ترا باید نہ قصہ اندر ایں کار
بکرد او ہمچناں آنچہ بدوگفت   کہ غلہ وافرش بود و بسے مفت
ہمہ مردم کہ بہر زیارت آمد   ز ہاشم شاہ بس نان خوارت آمد
سہ روز اندر رہ آمد ہمچنیں کار   شدآں پیر زادہ پیر دین دار
بیامد نزد حضرت مہرباں شد   کہ خواہی کرد خدمت برزباں شد [1]

نوشہ صاحبؒ کے سوال کے جواب میں ہاشم دریا دل نے عرض کیا:

بگفتا از توجہ ذاتِ عالی   نخواہد رفت کس از فیض خالی
بگفتا ذات مردم خود بشوئی   طبق دادن بدیگر کس نگوئی [2]
درونِ خانہ بہر نان سازی   بتو رو میکنی ہم خلق راضی
کُنی خدمت عالم ہر کسے را   نزائی از در خود ہر کسے را

1- تحائف قدسیہ (قلمی) ص 129
2- ایضاً ص 130

بجا آور تعظیم و ہم آداب   کہ از من باز خواہد گشت صد باب

ہاشم دریا دلؒ نے جواب دیا کہ لوگوں کے لئے میرے سو دروازے کھلے رہیں گے۔ نوشہ صاحبؒ خوش ہوئے اور فرمایا:

بفرمودند رو تنور در ساز
گرم کن گرم کن برخلق در واز

پیر کمال فرماتے ہیں:

ازاں ساعت ہزاراں خلق نان خوار   شدہ تا حال ہم از قوت جاں خوار
بماند تا قیامت فیض جاری   مرا از کرم خود ہم یاد داری

بلکہ تحائف قدسیہ میں شجرہ طریقت یوں بیان ہوا ہے:

شدہ معروف حضرت شاہ معروفؒ   ہمہ اسرار شد برخلق مکشوف [1]
سلیماں شاہؒ ہمچوں سلیماں   بزیرِ خاتمش شد جن و انساں
چو نوشوہ گنج بخش آمد بعالم   مریداں را اماں شد در دو عالم
ز فرزنداں شدہ ہاشم خدا یار   معین و بس کریم و شاہ دستار
دوئم آں ذات برخوردار عالی   نشد خالی درش از ہر سوالی

ہاشم شاہ دریا دلؒ کی سجادہ نشینی کے حوالے کنزالرحمت کے منظوم پنجابی ترجمے میں بھی ملتے ہیں:

حضرت ہاشم صاحبزادہ   روشن کیتا جس خنوادہ [2]
چنگا سی صاحب سجادہ   کامل عظمت بھاری دا
حضرت برخوردار جو کامل   ہر دم لطف خدا دا شامل
ملک عشق دے آہے عامل   حکم چلاون ہاریدا

1- تحائف قدسیہ (قلمی) ص 107
2- کنزالرحمت (قلمی) پنجابی ترجمہ مملوکہ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی (سنگھوئی) جہلم ص 35

ان تمام حوالوں سے ہاشم دریا دلؒ کی سجادہ نشینی واضح ہوتی ہے۔ تذکرہ نوشاہی میں بھی اس قسم کے حوالے موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ہاشم شاہ دریا دلؒ کے بعد انکی اولاد سجادہ نشین بنی۔ تذکرہ نوشاہی کے مرتب کا یہ بیان دیکھئے:

''از میاں محمد ہاشم جیو سہ فرزند شدند۔ یکے حضرت میاں فضل اللہ کہ در حیات حضرت وصال یافت و دیگر حضرت میاں عظمت اللہ کہ بعد از وصال ایشاں بر سجادہ ہدایت متمکن شدو بسیار کس از ایشاں بہرہ مند شدند۔ لیکن خواست حق برایں منوال بود کہ بعد از دو سہ سال از وصال ایشاں شد و از زبان قاضی رضی الدین منقول است کہ چوں وصال میاں محمد ہاشم شد۔ خاطر من آزردہ شد۔ چون غمگین شدہ۔ شب خوابیدم در واقع حضرت شاہ را دیدم۔ فرمودند کہ فلانے غمگین مشواز ین کہ پسران محمد ہاشم خورد سال ماندہ اند و واقع محمد ہاشم شد الحال من خود خبردار خانہ آنہا ام۔ ہر گاہ کہ بکرم حق بر مسند محمد سعید خواہد نشست، روز بروز ترقی و بلندی خواہد شد و تصرف زیادہ تراز سابق و برکت افزوں خواہد شد و خلف سیوم میاں محمد سعید شاہ زماں حاتم وقت ہادیٔ طالبان سلمہ اللہ بقاوہٗ حق تعالی ایں برگزیدہ آفاق را بر مسند ہدایت متمکن داشتہ در عمر طبعی رساند''(1)

صاحب تذکرہ نے یہ واقعہ مرزا احمد بیگ کے الفاظ میں لکھا ہے۔ اس کے آخر میں مرزا احمد بیگ کی نظم بھی درج ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ محمد سعید دولاؒ کی سجادہ نشینی کے وقت رسالہ الاعجاز کے مصنف مرزا احمد بیگ لاہوری زندہ تھے۔ یہاں اس نظم کے چند اشعار حوالے کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں:

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 251

اے بخت سعید نیک اقبال	وے قرعہ طالعت نکو فال(1)
اے ہادیٔ بے ریا و بے ریب	اے مسند فقر را توئی زیب
حق داد جو با تو سرفرازی	شہباز حقیقت و مجازی
بر جادۂ اب و جد نشستی	حق دادہ ترا چو چیرہ دستی
احمد کہ غلام عذر خواہست	افتادہ بدر چو خاک راہ ہست

تذکرہ نوشاہی کے مصنف کے درج اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا احمد بیگ نے رسالہ الاعجاز میں برخوردار صاحبؒ کی اولاد کا تفصیلی ذکر نہیں کیا تھا:

''چوں ذکر اولاد ایشاں اندک بود لہذا مقدم بر ذکر اولاد حضرت میاں برخوردار جیو نمودہ شدہ۔''(2)

ثواقب المناقب (جو تذکرہ نوشاہی سے پہلے الاعجاز کی بنیاد پر تصنیف ہوا) میں برخوردار صاحبؒ کے چھ بیٹوں کے صرف نام گنوائے ہیں۔ عنایت اللہ، سعد اللہ، نصرت اللہ، رحمت اللہ، عصمت اللہ اور جمال اللہ۔ ان میں سے عنایت اللہ اور عصمت اللہ حضرت پاک رحمانؒ کے مرید ہوئے اور خلافت پائی۔(3)

ثواقب المناقب میں ہاشم دریا دلؒ اور دولو محمد سعیدؒ اور ان کی اولاد کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ بلکہ دولو محمد سعیدؒ کے بیٹے ہیبت شاہ کا قطعہ تاریخ بھی محمد ماہ صداقت کنجاہی نے لکھا ہے۔ ''زادہ کوہ وقار'' (1126ھ) ثواقب المناقب کے علاوہ کنز الرحمت اور تحائف قدسیہ کے مصنفین نے ہاشم دریا دلؒ کی اولاد کا محمد سعیدؒ اور عبدالرسولؒ تک ذکر کیا ہے جبکہ برخوردار صاحبؒ کے بعد انکی اولاد کا تفصیلی ذکر نہیں کیا گیا۔

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 252

2- ایضا ص 253

3- ایضا

تذکرہ نوشاہی کا مرتب لکھتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی وفات کے بعد نوشہ صاحبؒ کے مرید شاہ فتاح دیوان کی روحانی تربیت ہاشم دریا دلؒ نے کی تھی اور خلافت و اجازت سے مشرف فرما کر لوٹایا تھا۔ اس کا حوالہ شرافت نوشاہی نے شریف التواریخ میں بھی دیا ہے۔[1] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کے بعد سجادہ نشین ہاشم دریا دلؒ تھے۔ ورنہ شاہ فتاح دیوان کو تربیت برخوردار صاحبؒ دیتے اور خلافت و اجازت بھی وہی عطا کرتے۔ کیونکہ طریقت کی رُو سے خلافت اور اجازت دینے کے لئے خود صاحب خلافت اور صاحب اجازت ہونا ضروری ہے۔

شرافت نوشاہی صاحب نے تذکرہ نوشاہی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت برخوردار صاحبؒ کو نوشہ صاحبؒ کے پیرو مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوری حضوریؒ نے اپنا مرید کیا اور بیعت کے بعد انہیں نوشہ صاحبؒ کے ہم پلہ بنا دیا۔ یوں برخوردارؒ صاحب نوشہ صاحبؒ کے مرید نہیں بلکہ آپ کے پیر بھائی ٹھہرتے ہیں۔ طریقت کی رو سے نیابت و سجادگی مریدوں میں سے کسی کے سپرد کی جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مرزا احمد بیگ نے ان کا اور ان کی اولاد کا ذکر تفصیل سے نہیں کیا۔

ہاشم دریا دلؒ کے بعد اُن کے بیٹے دولو محمد سعیدؒ کی سجادہ نشینی کا ذکر تذکرہ نوشاہی میں ملتا ہے۔ دولو محمد سعیدؒ کے بیٹے عبدالرسول صاحبؒ کی سجادہ نشینی کا ذکر تحائف قدسیہ میں موجود ہے۔ اس تواتر اور تسلسل سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نوشہ صاحبؒ کے بعد سجادہ نشین کون تھا۔

1975ء میں ہاشم دریا دلؒ کی اولاد نے متفقہ طور پر صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہیؒ کو نوشہ گنج بخشؒ کی درگاہ رنمل شریف کا سجادہ نشین مقرر کیا اور دستار بندی کروائی۔ (دیکھئے صفحہ آخر ضمیمہ)

1- شریف التواریخ۔ جلد سوم حصہ اول ص 350

نوشہ صاحبؒ کے متعلق مشائخ کے اقوال

نوشاہی سلسلے کی مآخذ کتب سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا چرچا اور شہرت اُن کی زندگی میں ہی دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ لہٰذا جو شخص بھی سچے خلوص اور نیک نیت سے آپ کے پاس آتا تھا، آپ اُس پر ایسی نظر فرماتے کہ اُس کا قلب جاری ہو جاتا تھا اور وہ تھوڑے ہی عرصے میں سلوک کے اعلیٰ درجات پر پہنچ جاتا تھا۔ آپ کے اس فیض عام کو دیکھ کر آپ کے ہم عصر بزرگ آپ کو اولیاء گر کہتے تھے۔ تذکرہ نوشاہی میں لکھا ہے کہ آپ کے ایک ہم عصر بزرگ شیخ عبدالسلامؒ ساکن کیلیانوالہ نے اپنے ایک مرید کو نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ جو بھی آپ کے پاس آتا ہے آپ اُسے فوراً ولایت کے مرتبے پر پہنچا دیتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو فقراء کی عزت و وقار کم ہو جائے گا۔ آپ نے اُس مہمان کو نہایت عزت کے ساتھ مسجد میں ٹھہرایا اور گاؤں کے لوگوں کو حکم دیا کہ آج شام کے وقت ہر شخص مسجد کے چراغ سے اپنا اپنا چراغ روشن کرے۔ رات کے وقت آپ نے اُس مہمان سے پوچھا۔ بتاؤ! مسجد کے چراغ کی ضو کم ہوئی ہے۔ اُس نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اپنے شیخ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دو:

"ہر کہ می آید، برو نظر می کُنم و دل اُو را ذاکر می گردانیم۔ اگر مشغول خواہد ماند و اینجا آمد و رفت خواہد نمود در ترقی و زیادتی خواہد شد۔ اگر تغافل خواہد نمود پیش ما نخواہد، ملاقات نخواہد کرد۔ اُو داند و کار اُو داند۔ در ہموں حال خواہد ماند"[1]

ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا فیض ہر کسی کے لئے عام تھا۔ چنانچہ سب کے لئے آپ کی شخصیت پُرکشش اور مرکز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 201

تصوف کے تذکروں میں آپ کے ہم عصر اور بعد میں آنے والے مشائخ کے ایسے اقوال دکھائی دیتے ہیں جو ہماری نگاہوں میں نوشہ صاحبؒ کی شخصیت کو مزید پرکشش اور قابل احترام بنا دیتے ہیں۔ یہاں ان تمام اقوال کو رقم کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اُن کے دہرانے کی چنداں ضرورت ہے۔ اس لئے ہم چند مشائخ کے اقوال لکھنے پر ہی اکتفا کریں گے۔ تاکہ قارئین اس حقیقت سے آگاہ ہوسکیں کہ مشائخ کی نظر میں نوشہ صاحبؒ کا کیا مقام ہے۔

1- شیخ عبدالوہاب قادریؒ: یہ اپنے دور کے صوفی اور عالم تھے۔ مسجد فرید بخاری کے امام تھے۔ نوشہ صاحبؒ ان سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو شیخ صاحب نے اپنے ایک مرید شیخ فتح محمد سیالکوٹی کو نوشہ صاحبؒ کے متعلق بتایا۔

''ایں جوان کہ می رود پائے ایں بر زمین نمی رسد وعنقریب کار ایں بعلّو خواہد کشید۔''(1)

2- حضرت میاں میر قادریؒ: نے پیر محمد سچیار کو نوشہ صاحبؒ کا مرتبہ بتاتے ہوئے کہا:

''پیر محمد تمہارا حصہ ہمارے پاس نہیں۔ ہاں اگر اتنا ضرور بتا دیتا ہوں کہ تمہاری امانت ایک مادر زاد ولی حاجی محمد نوشہ کے پاس ہے۔ جو دریائے چناب کے کنارے خدا کی یاد میں مشغول ہیں اور تمہارے انتظار میں ہیں۔ تم اُن کے پاس چلے جاؤ۔''(2)

چنانچہ پیر محمد سچیار نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔

3- شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (وفات 1050ھ/ 1642ء)

''جو دطریق المحبت مولانائے حاجی محمد بدعائے سلامتِ احوال وسعودِ

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 94

2- ماہنامہ القادر نوشاہی مئی 1925ء ص 16

مدارج کمال مشغول اند''(1)

یعنی محبت کے راستے کے سخی حاجی محمد احوال کی سلامتی کے ساتھ کمال درجات پر پہنچنے کی دعاؤں میں مصروف ہیں۔

4- کمال الدین محمد احسان نقشبندیؒ: حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندی کی نسل میں سے حضرت کمال الدین محمد احسان نقشبندی لکھتے ہیں کہ حاجی محمد نوشہ نہایت عزیز الوجود، صاحب ذوق تھے۔ آپ کا جذبہ بڑا قوی(2) (طاقتور) تھا۔ جبکہ شیخ احمد سرہندی خود عزیز الوجود کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ'' وہ قطب الارشاد جو فردیت کے کمالات کا مجموعہ ہو بہت عزیز الوجود ہوتا ہے اور جو فیض کسی کو عطا ہوتا ہے وہ اُسی کے وسیلے سے ملتا ہے۔''(3)

5- شاہ نعمت اللہ خدانما نقشبندیؒ (مزار دہلی): فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر ہے کہ نوشہ صاحبؒ زبانی تلقین نہیں کرتے بلکہ اُنکی توجہ سے ہی سارے احوال ظاہر ہو جاتے ہیں اور سالک کے حال میں کشاکش پیدا ہو جاتی ہے۔ خواجہ فضیل کابلی پہلے اُنکے مرید تھے بعد میں نوشہ صاحبؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوکر فیض پایا۔(4)

6- خواجہ نواب خاں بہادر احراریؒ: یہ حضرت خواجہ عبید اللہ احراری کی اولاد میں سے تھے۔ مشہور نواب زکریا خان بہادر سیف الدولہ دلیر جنگ اعز الدولہ ہزبز جنگ

1- عبدالحق محدث دہلوی: ایراد العبارات (اخبار الاخیار) دہلی 1332ھ مکتوب 60 بنام شاہ ابوالمعالی ص 374

2- کمال الدین محمد رحمانی: روضہ القیومیہ تصنیف 1155ھ/ 1742ء سٹیم پریس لاہور رکن دوم ص 249

3- محمد ہاشم: زبدۃ المقامات نولکشور 1307ھ ص 174

4- تذکرہ نوشاہی ص 338

کے نام سے مشہور تھے۔ (وفات 1157ھ/ 1745ء) فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی نوشہ صاحبؒ کا روحانی تصرف حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی اولاد پر بھی ہوگیا ہے۔[1]

7- میاں شیر محمد شرقپوریؒ: حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا خاندان بغداد والی سرکار کا خاندان ہے۔ یہ طریق تمام قادری طریقوں سے بہتر ہے۔ مگر تعجب ہے کہ باوجود صوفی و متشرع ہونے کے سماع سے بھی ذوق رکھتے ہیں۔[2]

ان حوالوں سے پتا چلتا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی بزرگی کا اعتراف ہر دور کے بزرگوں نے کیا ہے۔

نوشہ گنج بخشؒ مؤرخین کی نظر میں

بلاشبہ بہت سے تذکرہ نگاروں نے دیگر صوفیاء کی مانند حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا تفصیلی ذکر نہیں کیا۔ بایں ہمہ کئی ایک تذکروں اور تواریخ میں آپ کا ذکر جس عزت اور احترام کیساتھ ملتا ہے اس کی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ گیارہویں صدی عیسوی کے صوفیائے کرام کی تاریخ آپ کے ذکر کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہے تو غلط نہ ہوگا۔ یہاں نمونے کے طور پر چند مصنفین کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ مستقبل میں محققین کیلئے نئے راستے تلاش کرنے میں یہ اقوال ممد ثابت ہوں۔

1- سید اصغر علی گیلانی قادریؒ: شجرۃ الانوار میں لکھتے ہیں کہ حاجی محمد نوشہ سے نوشاہی سلسلہ شروع ہوا اور آج تک نظر و مستی کا یہ سلسلہ اس خاندان میں جاری ہے۔[3]

2- مفتی علی الدینؒ: عبرت نامہ (تصنیف 1270ھ/ 1854ء) دفتر چہارم میں لکھتے

1- تحائف قدسیہ ص 204

2- کلمات قدسیہ مرتبہ شرافت نوشاہی لاہور 1972ء ص 14

3- شجرہ الانوار قلمی تصنیف 1193ھ/ 1779ء دانشگاہ پنجاب ذخیرہ شیرانی نمبر 2911 ورق 24

ہیں کہ حضرت غوث الاعظمؒ کے خلفاء میں سے اس ملک میں خدا کے برگزیدہ حضرت حاجی نوشہ ہیں۔[1]

3- جلال الدین حسین شیرازیؒ: نسب نامہ سادات میں رقمطراز ہیں۔ ''نوشہ ہادی بھورے والا پیشوائے سالکاں، سردار عاشقاں و چراغ عارفاں است''[2]

4- مفتی غلام سرور لاہوریؒ: (وفات 1307ھ/ 1889ء) آپ حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ مادرزاد ولی اللہ، صاحب جذب اور صحو و سکر اور محبت و عشق اور شوق و ذوق اور زہد و ریاضت تھے۔ ولایت کے بادشاہ اور صاحب خوارق و کرامت تھے۔ طریقہ نوشاہی کے امام اور پیشوا تھے۔ فقر میں بلند مقام اور شان ارجمند رکھتے تھے۔[3] آپ کے مریدین سماع و وجد و حالت اور سکر و جذب اور درد و محبت والے ہیں۔ آپ کے سینکڑوں خلیفے اولیائے کاملین سے ہوکر دور و دراز ملکوں میں چلے گئے۔[4] طریقہ نوشاہیہ جس کے فقیر پنجاب میں ہزاروں ہیں ان سے شروع ہوا۔[5]

5- مولوی نور احمد چشتی: (وفات 1284ھ/ 1849ء) حضرت نوشہ صاحبؒ یہ پنجاب میں بڑے نامور صاحب کمال ہوئے ہیں۔ بیعت اُن کی بخدمت حضرت سلیمان قادریؒ جن کا مزار بھلوال ضلع شاہپور (موجودہ سرگودھا) میں ہے، تھی۔''[6]

1- خلیفے سے مراد سلسلہ قادری کے بزرگ ہیں۔ نہ کہ حضرت غوث الاعظم کے براہ راست مرید یا خلیفہ تھے۔

2- نسب نامہ سادات (قلمی) مذکور ورق 71، 70

3- خزینۃ الاصفیا۔ اردو ترجمہ ص 267

4- گنجینہ سروری ص40

5- حدیقۃ الاولیاء ص58

6- تحقیقات چشتی؛ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1964ء ص 244

6- گارساں دتاسی: فرانسیسی مصنف گارساں دتاسی نے اپنے خطبات میں لکھا ہے کہ حاجی محمد کی کوششوں سے دو لاکھ ہندو مسلمان ہوئے۔'' اسی حوالے سے پروفیسر آرنلڈ نے بھی لکھا ہے:

''In the Punjab a certain Hagi Muhammad is said to have converted as many as 200,000 Hindus.''[1]

7- مولوی احمد علی چشتی: لکھتے ہیں کہ حاجی نوشہ نوشہروی قادری خاندان کے فیض یافتہ رحمانی پیر اور نورانی فقیر تھے۔ مریدوں کو تعلیم دینے میں مہارت و قدرت رکھتے تھے۔ ایک ہی نظر سے سلوک کی منزلیں پار کرا دیتے تھے۔ لیکن مدت تک مرید کو آزماتے تھے۔ لمبی عمر پائی۔[2]

8- مرزا محمد اعظم بیگ: انگریزی عہد میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ آپ تاریخ گجرات میں لکھتے ہیں کہ وقت شاہجہان بادشاہ کے حضرت نوشہ صاحبؒ کامل فقیر تھے۔[3]

9- مولوی محمد سلام اللہ شائق حنفی: حضرت نوشہ صاحبؒ کے مقامات و کرامات ملک پنجاب میں اظہر من الشمس ہیں۔ اور سلسلہ نوشاہی آپ سے منسوب ہے۔[4]

10- مرزا آفتاب بیگ المعروف نواب بیگ: آپ خلیفہ اکمل شاہ سلیمان قادریؒ اور پیشوا و مقتدائے طریقہ نوشاہیہ، جس کے فقیر پنجاب میں ہزاروں ہیں اُن سے شروع ہوا۔[5]

1- Preaching of Islam London, 1913 P.286

2- فقر عارفان۔ تصنیف 1291ھ/ 1874ء مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین لاہور ص 601

3- تاریخ ضلع گجرات 1284ھ/ 1872ء گجرات ص 429

4- سراج الاخبار۔ جہلم 25 نومبر 1901ء ص 7

5- تحفۃ الابرار (کلیات جدولیہ) لاہور 1323ھ/ 1905ء

11- قاضی امام بخش چشتی نظامی: زمانہ کے فیض دینے والے حاجی الحرمین الشریفین حضرت جناب حاجی محمد قادریؒ مشہور بہ نوشہ گنج بخشؒ ابن عالی قدر حاجی علاء الدین جنہوں نے سات بار حج کیے تھے۔ قدس سرہ العزیز۔ اللہ کریم آپ کے مزار کو نورانی کرے۔[1]

12- مرزا اختر گورگانی: حضرت حاجی محمد قادری نوشہ گنج بخشؒ قدس سرہ صاحب سکر و جذب و زہد و ریاضت اور نہایت متقی تھے۔ صاحب ولائت اور امام فرقہ نوشاہی تھے۔ آپ نے پاپیادہ سات حج کیے۔ آپ مستجاب الدعوات اور سیف زبان تھے۔[2]

13- شاہ شریف احمد مراد سہروردی بدایونی: حاجی محمد قادری نوشاہ گنج بخش فرقہ نوشاہیہ کے امام بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ولی مادرزاد تھے اور بچپن ہی میں آپ سے کرامات کا ظہور شروع ہوگیا تھا۔[3]

14- انور مختار صدیقی: حضرت نوشہ پیرؒ پنجاب کے مقبول زماں نیک مردوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ایک صوفی منش بزرگ اور صاحب قال و حال تھے۔[4]

15- اعجاز الحق قدوسی: حاجی محمد قادریؒ مشہور بہ نوشاہ گنج بخشؒ شاہ سلیمان قادریؒ کے عظیم المرتبت خلیفوں سے تھے۔ آپ قادریہ نوشاہیہ سلسلے کے امام اور مقتدا ہیں۔[5]

16- خواجہ عبدالرشید: حاجی محمد کہ گنج بخش کے نام سے مشہور اور نوشہ تخلص کرتے تھے۔ سلسلہ نوشاہیہ کو جاری کیا اور اُس کو مداومت بخشی۔ خرقہ خلافت حضرت شیخ

1- حدیقۃ الاسرار۔ لاہور 1909 چمن سوئم ص 54

2- تذکرہ اولیائے ہند؛ میسور پریس دہلی 1928ء جلد نمبر 3 ص 394

3- ہفتاد اولیاء ص 421

4- ماہنامہ ساقی دہلی شمارہ مئی 1941ء ص 50

5- تذکرہ صوفیائے پنجاب سلمان اکیڈمی کراچی 1962ء ص 589

سلیمان قادریؒ بھلوالی سے حاصل کیا۔ شعر کہنے کا بھی ملکہ رکھتے تھے۔ [1]

17- مسعود حسن شہاب دہلوی: سلسلہ نوشاہیہ حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ سے شروع ہوا۔ [2]

18- آقای محمد حسین تسبیحی ایرانی: حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ جو عارفانِ صاحبِ کرامت میں سے ہیں اور جنکی وجہ سے پاکستان کی سرزمین کا احترام لازم ہے۔ [3]

اس کے علاوہ منشی گنیش داس بڈھیرہ قانون گوئے گجرات کی چہار باغ پنجاب (1265ھ/ 1849ء قلمی ص 79) کنہیا لال لاہوری کی تاریخ لاہور، ص 315 اور اُردو انسائیکلو پیڈیا فیروز سنز لاہور 1968ء کے ص 884 پر حضرت نوشہ صاحبؒ کا ذکر اختصار کے ساتھ رقم ہے۔



1- تذکرہ شعرائے پنجاب ص 378

2- تذکرہ اولیائے بہاولپور اسد اکیڈمی بہاولپور 1980ء ص 375

3- پاکستان شناسی و روزنامہ فردا تہران، چہار شنبہ۔ 28 فروردین 1353ھ شمسی

باب 2

تصانیفِ حضرت نوشہ گنج بخشؒ

اگر ہم تاریخوں اور تذکروں کا بنظر غائر جائزہ لیں توان میں جہاں بہت سی شخصیات کے متعلق متضاد بیانات دکھائی دیتے ہیں وہاں چند اہم شخصیات کا ذکر بھی سرے سے ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پنجابی ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے بھی ادبی تاریخ رقم کرتے ہوئے یہی وتیرہ اختیار کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ کے اوراق ان اہم ہستیوں کے ذکر کو اپنے اندر سمیٹنے سے محروم ہیں۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کے بعد ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن نے پنجابی صوفی شعرا کے متعلق اپنا تحقیقی مقالہ لکھتے ہوئے حضرت میاں محمد بخشؒ اور خواجہ غلام فریدؒ جیسے عظیم شعراء کو نظر انداز کیا۔ اس پہ طرّہ یہ کہ پی ایچ - ڈی کا مقالہ جانچنے والوں کو بھی اس غلطی کا احساس تک نہ ہوا۔ یہ تو ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجابی ادب کی صحیح تاریخ لکھنے کی ہنوز سنجیدہ کوشش ہی نہیں کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک پنجابی کے بعض ایسے اہم اور عظیم شعرااور ادبا ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں، جنہوں نے نہایت خلوص اور محنت شاقہ سے ایسے ایسے شاہکار تخلیق کیے ہیں، جن کو موتیوں سے تولا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ان میں ابدیت کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان ہی مشہور ہستیوں میں سے حضرت نوشہ گنج بخشؒ بھی ایک ہیں۔ ان کا ذکر پنجابی ادب کی بیشتر تاریخوں اور تذکروں میں نہیں ملتا مگر جن میں ملتا ہے وہ بھی سرسری ناکافی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

چند برس پہلے تک حضرت نوشہ گنج بخشؒ کو ایک قادری بزرگ اور نوشاہی سلسلے

کے بانی مبانی کے طور پر جانا جاتا تھا اور آپ کی صرف ایک تصنیف مثنوی گنج الاسرار کا ذکر کیا جاتا تھا۔لیکن جدید تحقیق نے ثابت کر دیا کہ آپ اپنے دور کے نہ صرف عظیم صوفی اور مبلغ اسلام تھے بلکہ عظیم المرتبت شاعر ہونے کے علاوہ پنجابی کے اولین نثر نگار بھی تھے۔مگر افسوس اس امر کا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کا گاؤں تین مرتبہ دریائے چناب کے سیلاب کی لپیٹ میں آیا۔جس کی وجہ سے آپ کے ادب پاروں کا وسیع ذخیرہ دریا برد ہوگیا۔جن پر اب کسی محقق کی رسائی کا کوئی امکان باقی نہ رہا۔بااین ہمہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ چند ایک ایسی شہادتیں میسر آتی رہی ہیں جو حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی علمی وادبی کاوشوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔

چنانچہ حتی الامکان تحقیق کی بنا پر آپ کی جو تصانیف منصۂ شہود پر آئی ہیں ان میں اردو، فارسی اور پنجابی کتب شامل ہیں۔ہم یہاں ان کتب کے مضامین اور فکری ربط کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ان کے فکری موازنہ کے ساتھ ساتھ ان کی دستیابی کے متعلق تحقیقی تجزیہ بھی پیش کرتے ہیں تاکہ ان علمی وادبی شہ پاروں کے قارئین کرام کسی تشکیک کا شکار نہ ہوں۔چنانچہ اس باب میں آپ کی ہر تصنیف سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے تاکہ آئندہ ہمیں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے فکر اور فن پر تبصرہ کرنے میں آسانی رہے۔ امکان ہے کہ آپ کی کچھ اور تصانیف زمانے کی گرد کے نیچے پنہاں ہوں گی، جن تک ہماری رسائی نہ ہوسکی ہو۔تاہم اب تک آپ کی درج ذیل تصانیف سامنے آئی ہیں۔

مطبوعہ کتب

-1	چہار بہار	(فارسی ملفوظات)
-2	گنج الاسرار	(اردو مثنوی)
-3	گنج شریف	(پنجابی کلام)
-4	انتخاب گنج شریف	(اردو کلام)
-5	مواعظہ نوشہ پیرؒ	(وعظ۔پنجابی نثر)

غیر مطبوعہ کتب

-1	ذخائر الجواہر یا ارشادات نوشاہیہ	(فارسی ملفوظات)
-2	کلمات طیبات یا ملفوظات نوشاہیہ	(//)
-3	جواہر مکنون یا اسرار و معارف	(//)
-4	لطائف الاشارات	(//)
-5	معارف تصوف	(فارسی نظم)

مطبوعہ کتب کا تفصیلی تعارف

چہار بہار (فارسی)

چہار بہار حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔جس کو پنجابی زبان کے معروف شاعری ہاشم شاہ تھر پالوی نے 1209ھ بمطابق 1794ء میں ترتیب دیا۔ جس کا اظہار ہاشم شاہ نے خود یوں کیا ہے۔

ہزار و دوصد و نہ سال مے بود چو ہاشم ایں روش اظہار بنمود[1]

ہاشم شاہ تھر پالوی

اصل نام محمد ہاشم، تخلص ہاشم، ولدیت حاجی محمد شریف، گاؤں جگدیو کلاں کے رہنے والے تھے۔ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن نے آپ کے والد کا نام قاسم شاہ لکھا ہے۔[2] مگر تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام درست نہیں قاسم شاہ ان کے بھائی کا نام تھا۔ ہاشم شاہ نے خود اپنے والد کا نام حاجی الحرمین حاجی محمد شریف تحریر کیا ہے۔[3] ڈاکٹر لاجونتی

-1 ہاشم شاہ تھر پالوی؛ چہار بہار، مطبوعہ بہ اہتمام برق نوشاہی، بریڈفورڈ انگلستان، فروری 1979، ص 62

-2 لاجونتی رام کرشن ڈاکٹر؛ پنجابی دے صوفی شاعر، مجلس شاہ حسین لاہور 1966ء ص 144

-3 ہاشم شاہ تھر پالوی، چہار بہار مذکورہ ص 62

رام کرشن [1] اور شمیم چوہدری [2] کی تحقیق کے مطابق ہاشم شاہ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ مگر اس کے پہلو بہ پہلو حکمت سے بھی لوگوں کی خدمت کرتے تھے۔

بقول مولا بخش کشتہ [3]، ڈاکٹر لاجونتی [4] اور شمیم چوہدری [5] ہاشم شاہ کی ولادت 1166ہجری/ 1753ء کو موضع دیو کلاں ضلع امرتسر میں ہوئی جبکہ ماسٹر غلام نبی کے مطابق 1148ہجری/ 1735ء کو مدینہ شریف میں پیدا ہونے والے ہاشم شاہ چار برس تھی میں اپنے والد کے ہمراہ جگدیو کلاں ضلع امرتسر آئے [6] اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ابتداء میں تصوف کی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ شاعری کا ملکہ فطری تھا۔ عربی، فارسی، ہندی، اردو اور پنجابی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اسلیے انہوں نے ان زبانوں میں طبع آزمائی کی اور شہ پارے تخلیق کیے۔

بابا بدھ سنگھ [7] اور موہن سنگھ دیوانہ [8] نے ہاشم شاہ کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا درباری شاعر ظاہر کیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں بھی یہی بات درج ہے اور بتایا ہے کہ ہاشم شاہ کو درباری شاعر ہونے کی بنا پر مہاراجہ رنجیب سنگھ نے موضع تھرپال میں جاگیر عطا کی تھی۔ [9] مگر ڈاکٹر لاجونتی رام کرشن نے ہاشم شاہ کے درباری شاعر ہونے کی تکذیب کی ہے۔ [10] حقیقت بھی یہی ہے کہ ہاشم شاہ کے کسی بھی شعر اور

1- پنجابی دے صوفی شاعر ص144
2- شمیم چوہدری، پنجابی ادب وتاریخ، کشتہ اینڈ سنز لاہور 1962ء، ص 177
3- مولا بخش کشتہ، پنجابی شاعراں دا تذکرہ، لاہور 1960ء ص 141
4- پنجابی دے صوفی شاعر ص144
5- پنجابی ادب وتاریخ ص117
6- ماسٹر غلام نبی، تذکرہ ہاشمیہ، شاد باغ لاہور س ن، ص 15
7- بابا بدھ سنگھ پریم کہانی، پنجاب پریس، لاہور 1923ء
8- دیوانہ موہن سنگھ، پنجابی زبان دی مختصر تاریخ گیلانی پریس لاہور س ن
9- انسائیکلو پیڈیا فیروز سنز 1968ء
10- پنجابی دے صوفی شاعر۔ص 145

بیان سے اس مفروضع کی تصدیق نہیں ہوتی کہ ان کا کسی طور بھی رنجیت سنگھ کے دربار سے تعلق تھا۔

ہاشم شاہ بہت سی کتب کے مصنف ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق ان کی مندرجہ ذیل کتب سامنے آ چکی ہیں:

1- مثنوی ہاشم شاہ (فارسی مخطوطہ)، 2- دیوان ہاشم (فارسی مخطوطہ)، 3- بیاض ہاشم (فارسی مخطوطہ)، 4- کلیات ہاشم (فارسی مخطوطہ) ،5- قصائد (فارسی)، 6- غزلیات (فارسی مخطوطہ)، 7- مناجات، مدحیات (فارسی مخطوطہ) 8- زبدة الرمل (فارسی)، 9- مثنوی یوسف زلیخا (فارسی مخطوطہ)، 10- قصہ سسی پنوں (پنجابی)، 11- قصہ سوہنی مہینوال، 12- قصہ شیریں فرہاد، 13- قصہ ہیر رانجھا، 14- قصہ محمود شاہ غزنوی، 15- قصہ لیلی مجنوں، 16- سی حرفیاں، 17- کافیاں، 18- دوہڑے، 19- ڈیوڑھے، 20- باراں ماہ، 21- فقر نامہ، 22- گیان پرکاش، 23- گیان مالا، 24- پنج گرنتھی، 25- راج بنسی (ہندی)، 26- چہار بہار (فارسی نظم ونثر ملفوظات نوشہ گنج بخشؒ)

علاوہ ازیں طب سے متعلق بھی آپ کی کچھ تصانیف بتائی جاتی ہیں۔

ہاشم شاہ نوشاہیہ سلسلے کے پیروکار تھے۔ اس لیے حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے دلی عقیدت وارادت رکھتے تھے۔ جس کا اظہار انہوں نے چہار بہار کے آغاز میں ان الفاظ میں کیا ہے:

چہ خوش میخانہ و مے گنج بخش ست — خودی و گمرہی را رنج بخش ست
ہر آنکو جُرعہ خورد از جام نوشہ — شدہ منصور از انعامِ نوشہ
بداں زیں گنج بخش اُو را بگویند — بیابند از سگانش آنچہ جویند
نگاہش مفلساں را زر بہ بخشید — ہزاراں مضغہا را پر بہ بخشید

اکبر کے دینِ الٰہی سے پیدا ہونے والے فتنوں اور بدعات نے نوشہ صاحبؒ کے عہد تک عوام کو متاثر کیے رکھا۔ آپ نے ان بداثرات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا

کیا۔ ہاشم نے آپ کی ان دینی خدمات کا ذکر یوں کیا ہے:

چناں ایں عالم از بدعت بری کرد　　عروسِ فقر را زیور گری کرد
پرستندہ شریعت را چناں شد　　نہالِ دینِ احمد زو جواں شد
چہ کرد آں شہپری و در ہوا شد　　ہزاراں عارفاں را پیشوا شد
گذشت از عرصۂ ناسوت ولاہوت　　کہ از پرّ یدنش و اماند ملکوت
چناں آں آتش عشقش بزورست　　ہراساں زد دل مجنوں بگورست
چہ ابر رحمتش بارید بر عام　　بدریا طعن زن شد ہر یکے جام
نگاہِ صیقلِ نوشہ قلندر　　دلم را کرد آئینہ سکندر(1)

اسی طرح ہاشم شاہ نے چہار بہار کے آغاز میں مناجات نوشہ گنج بخشؒ میں تحریر کیا ہے:

اے سرِ لشکر شہنشہ محی الدیں عالی جناب　　درگروہِ عاشقانِ بے ریا آں آفتاب
تاجدارانِ جہاں پیشت نگوں سر بررکاب　　من گدا وبیکسم بے مایہ ام کن مستجاب
عرضِ من بہرِ خدا یا پیر نوشہ گنج بخشؒ (2)

اسی گہری عقیدت نے ہاشم شاہ سے ملفوظات نوشہ گنج بخشؒ مرتب کرائے۔ بقول ہاشم شاہ انہوں نے یہ فرمان معتبر کتب میں لکھے دیکھے۔ علاوہ ازیں اپنے بزرگوں سے بھی سنے تو ان کو مرتب کرنے کا خیال آیا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت محبت و عقیدت سے یہ فرامین چہار بہار کے عنوان سے یکجا کیے۔ انہوں نے لکھا:

''بعد از نعت مجموعہ اہلِ اسلام و عرفان ایں فقیر احقر الزمان محمد ہاشم ولد حضرت حاجی الحرمین حاجی محمد شریف میگوید کہ من در کتب معتبر نوشتہ دیدم واز زبان گوہر فشان عالی شان بزرگان شنیدم کہ آں منبع

1- ہاشم شاہ تھرپالوی: چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی، مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان بہ اشتراک ادارہ معارف نوشاہیہ گجرات، 1984ء ص 12
2- چہار بہار۔ مرتبہ شرافت نوشاہی ص 14

اسرار و حدیقۂ اذکار حضرت پیر محمد سچیارؒ چند سال بخدمتِ مرشد صاحبِ کمال در علم شریعت وطریقت و نشاندنِ نقشِ تصور از زبان گوہر فشانِ عالی شان حضرت گنج بخشؒ جیو تلقین یافت چنداں کہ اگر قلم براں جاری داشتے کتابخانہ بودے۔ پس ایں فقیر ازاں جواہرات دُر چیدہ بصندوقچہ نہاد۔ ازاں جملہ کلام مغز برآوردہ در کاغذ خورد مطلب بزرگ۔ سوال متعلم و جواب معلم بچہار سوال بوجہ احسن بقلم آوردہ۔ ایں نسخہ را چہار بہار نام نہاد۔''(1)

ہاشم شاہ نے جن منابع سے یہ ملفوظات حاصل کیے ان کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کتب کے عنوان بھی ظاہر نہیں کیے۔ مگر ان کے بیان اور لہجے کی صداقت سے اس قدر یقین ضرور ہو جاتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر ضرور ایسی کتب تھیں جن میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ملفوظات درج تھے۔ ہاشم شاہ نے حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی وفات حسرت آیات کے تقریباً سو سال بعد یہ ملفوظات مرتب کیے۔ سلسلہ نوشاہیہ کی بنیادی کتب ہی سے اس امر کا سراغ ملتا ہے کہ علامہ رضی الدین کنجاہیؒ، قاضی خوشی محمد کنجاہیؒ، ملا کمال الدین کشمیریؒ اور سید صالح محمد گیلانیؒ جیسے نامور علماء وفضلا حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت برخوردارؒ اور حضرت ہاشم دریا دلؒ (جو ملاں عبدالحکیم سیالکوٹی کے شاگرد تھے) جو اپنے زمانے کے مستند علماء وفضلا میں شمار ہوتے تھے۔

مرزا احمد بیگ لاہوری نے جب رسالہ الاعجاز مرتب کیا تو قاضی رضی الدینؒ سے حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے متعلق چند ایک معلومات لکھوا کر اپنے رسالے میں من وعن شامل کرلیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے باقی خلفاء نے بھی یہی روش اپنائی ہوگی۔ ہاشم شاہ کو ان خلفاء اور بزرگان کی تحریریں اور رسائل پڑھنے کا موقع ملا ہوگا اور ان سے یقیناً استفادہ کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ ہاشم شاہ کا حضرت نوشہ گنج

1- چہار بہار۔ مرتبہ شرافت نوشاہی ص 20

بخشؒ سے روحانی تعلق دو وسیلوں سے تھا۔ کیونکہ ہاشم شاہ مرید تھے حضرت بخت جمالؒ کے اور وہ مرید تھے حضرت پیر محمد سچیارؒ کے جو حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے مرید خاص تھے۔ اس طرح صرف ایک وسیلے سے ان کی رسائی حضرت پیر محمد سچیارؒ تک ہے، جن کے سوالات کے جوابات کے نتیجے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے یہ ملفوظات سامنے آئے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بے حد کاوش کے باوجود ان میں سے کوئی کتاب بھی دستیاب نہ ہو سکی۔

چہار بہار کے خطی نسخے

اب تک تحقیق سے چہار بہار کے مندرجہ ذیل چار خطی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔

الف۔ چہار بہار (خطی) مملوکہ اکبر شاہ سجادہ نشین مزار ہاشم شاہ تھریال ضلع سیالکوٹ

ب۔ چہار بہار (خطی) مملوکہ ماسٹر غلام نبی محلّہ وسن پورہ لاہور

ج۔ چہار بہار (خطی) مملوکہ شرافت نوشاہی (مرحوم) ساہنپال تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

د۔ چہار بہار (خطی) مملوکہ شرافت نوشاہی (مرحوم)

مطبوعہ نسخے

1- چہار بہار، مرتبہ برق نوشاہی مرحوم مکتبہ نوشاہیہ
18۔ ساؤتھ فیلڈ اسکوائر بریڈفورڈ لندن فروری 1979ء

اس نسخے میں صفحہ تین تا اڑتالیس مرتب کا لکھا ہوا دیباچہ ہے اور صفحہ 49 تا 133 چہار بہار کا اصل متن فارسی میں ہے۔ مرتب برق نوشاہی نے ہاشم شاہ کے متعلق دیباچہ پنجابی زبان و ادب کی مختلف تواریخ و تذکروں کے حوالوں سے لکھا ہے، جس میں بہت سی تاریخی اغلاط موجود ہیں۔ مثلاً

(i) ہاشم شاہ کو سکھ عہد کا شاعر ظاہر کرتے ہوئے سکھ عہد کو 1216 تا 1262 عیسوی[1] لکھا ہے۔ جبکہ سکھوں کا عہد 1216ھ سے 1267ھ تک ہے۔ جو عیسوی سن کے مطابق 1801ء سے 1850ء بنتا ہے۔[2]

(ii) انہوں نے ہاشم شاہ کا سلسلہ نسب فاروقی صدیقی، گیلانی اور قریشی نسل سے جوڑا ہے۔[3]

بلاشبہ انہوں نے یہ تمام حوالے مختلف کتب سے اخذ کیے ہیں۔ لیکن خود کوئی تحقیقی نتیجہ اخذ نہیں کیا اور یہ بھی نہیں بتایا ہے کہ ہاشم شاہ کا سلسلہ نسب کس سے ملتا ہے۔

(iii) ہاشم شاہ کے والد محترم کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے چالیس حج کیے تھے۔[4] جو قطعاً قرین قیاس نہیں۔ البتہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی تحقیق درست معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہاشم شاہ کے والد نے سات حج کیے تھے۔[5]

یہ نسخہ اکبر شاہ سجادہ نشین مزار ہاشم شاہ کے نسخے کی ہو بہو نقل ہے۔ برق نوشاہی مرحوم نے اس نسخے کی تدوین میں تحقیق و تنقید سے ذرا بھی کام نہیں لیا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اس نسخہ کی اہمیت بلاشبہ دو چند ہو جاتی۔ ایسا نہ کرنے کی وجہ شاید یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے پیش نظر کوئی دوسرا نسخہ نہ تھا جس سے موازنہ کر سکتے۔

2- چہار بہار مرتب شرافت نوشاہی

یہ نسخہ مذکورہ خطی نسخہ ب مملوکہ ماسٹر غلام نبی کی نقل ہے۔ شرافت نوشاہی مرحوم نے اس نسخے کا خزائن الاسرار کے عنوان سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ پیش لفظ مدیر مرکز

1- چہار بہار؛ مرتبہ برق نوشاہی ص 3

2- اقبال صلاح الدین: تاریخ پنجاب، عزیز بکڈپو لاہور 1974ء ص 453

3- چہار بہار مرتبہ برق نوشاہی ص 4

4- ایضاً

5- فقیر محمد فقیر: ککارے؛ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1963ء ص 1

تحقیقات فارسی ایران و پاکستان نے رقم کیا ہے جبکہ مقدمہ عارف نوشاہی کے فکر کا نتیجہ ہے۔مرتب نے اس نسخہ کے آغاز میں صاحب ملفوظات حضرت نوشہ گنج بخشؒ اور مخاطب ملفوظات حضرت پیر محمد سچیارؒ اور ہاشم شاہ تھرپالوی کے متعلق مفید معلومات فراہم کی ہیں جو قابل تعریف کام ہے۔

متن کا تقابل

برق نوشاہی اور شرافت نوشاہی کے مرتب کیے ہوئے نسخوں میں بعض مقامات پر واضح تفاوت موجود ہے۔ مگر یہاں اس تفاوت کو ظاہر کرنا اور اغلاط کی نشاندہی کرنا ہمارا منصب نہیں۔ ہمارا مقصد تو حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے فرامین کی روح تک پہنچنا ہے۔ اس لیے یہاں صرف دونوں مذکورہ نسخوں میں تفاوت کی طرف چند ایک اشارے کیے جاتے ہیں:

	نسخہ مرتبہ شرافت نوشاہی	نسخہ مرتبہ برق نوشاہی	
ص2	چہ باشی مرغ وہم آنجا چہ باشی کندِ تیغ تحیّر پر تراشی	پرتراشی مرغ وہم آنجا چہ باشی کند تیغ تحیّر پر تراشی	ص51
ص4	بغربت خانۂ دنیا پر آواز ترازین بہ نبا شد فرصتی باز	بغربت خانۂ دنیا پُر آواز ترازین بہ نبا شد مرضی باز	ص52
ص4	بگو احوالِ دردِ دو جہاں را شہ لولاک تاج مرسلاں را	بگو احوالِ دردِ دو جہاں را شہ لولاک تاج مرسلاں راہ	ص52
ص4	چوں تیغ راستی اقبالش آمیخت فراش غفلت از کونین بگریخت	چوں تیغ راستی اقبالش آمیخت فراموش غفلت از کونین بگریخت	ص52
ص5	چہ گویم شانِ اقبالِ وجودش بنائے ہستی از عکسِ وجودش	چہ گویم شان آں اقبال و جودش بنائے ہستی از عکس و وجودش	ص52

اس تفاوت لفظی کے علاوہ دونوں نسخوں میں متن کا بھی بین فرق ہے۔ برق نوشاہی صاحب کے نسخے میں بعض ایسے اشعار موجود نہیں جو شرافت صاحب کے نسخے میں موجود ہیں۔بعض مقامات پر نثری پیراگراف میں بھی واضح فرق ہے۔ یہاں چند ایک کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔شرافت صاحب کے مرتب کردہ نسخے میں یہ شعر موجود ہے:

مپر اے فر در دانش مگس دار
دریں درماندہ اند عنقائے بسیار (1)

برق صاحب کے نسخہ میں یہ شعر غائب ہے۔ یوں ہی نثر میں بھی فرق ہے۔ مثلاً نسخہ شرافت نوشاہی:

ایں بصارت کہ در دیدۂ آب وگل است ۔آب وگل رامے بیند وآں بصارت کہ در دیدہ ہوش است۔حقائق اشیاء رابیند چوں بکثرت دلیلِ وحدت واشود۔ بریں بصارت اعتبار نماندہ۔ (2)

نسخہ برق نوشاہی:

آں بصارت کہ در دیدۂ ہوش است۔ چوں بکثرت دلیل وحدت وا شود۔ بریں بصارت اعتبار نماند۔ (3)

بلا شبہ دونوں نسخوں میں متن کا فرق موجود ہے۔لیکن اس کے باوجود کتاب کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑا۔اس تفاوت کی ایک بڑی وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ ان دونوں نسخوں میں کوئی ایک بھی ہاشم شاہ کے اپنے ہاتھ کا مخطوطہ نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی تحریر ہے۔یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ جب ایک مخطوطہ سے دوسرا مخطوطہ تیار کیا جائے تو اغلاط کا امکان رہتا ہے۔ اس لیے مذکورہ دونوں نسخوں میں تفاوت کا

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص3
2- ایضاً ص123
3- چہار بہار مرتبہ برق نوشاہی ص131

ہونا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھا۔ تاہم شرافت نوشاہی نے جونسخہ مرتب کیا ہے وہ برق نوشاہی کے مرتب کیے ہوئے نسخہ سے کئی ایک اعتبار سے بہتر ہے۔ اس لیے ہم نے متنی حوالوں کے لیے اسے ہی معتبر جانا ہے۔

چہار بہار کی ترتیب

ہاشم شاہ تھرپالوی نے فارسی زبان لکھے گئے اس نسخے کو میں چار (ابواب) میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ شریعت، دوسرا طریقت، تیسرا حقیقت اور چوتھا معرفت۔

ان چار ابواب کی بنا پر اس کتاب کا نام چہار بہار رکھا گیا ہے۔ حضرت پیر محمد سچیارؒ سوال کرتے ہیں اور حضرت نوشہ گنج بخشؒ جواب دیتے ہیں۔ یوں یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

شریعت کے باب میں چار سوال ہیں۔ جو طویل ہیں۔ ان کے جواب بھی مفصل اور وضاحت سے ہیں۔ طریقت کے باب میں بارہ سوال ہیں۔ حقیقت کے باب میں کل آٹھ سوال ہیں۔ ان سوالات و جوابات میں بے حد تفصیل اور وضاحت ہے۔ اس لیے کہیں بھی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔

چوتھے باب میں سب سے زیادہ سوالات ہیں۔ جن میں زیادہ تر معرفت سے متعلق ہیں۔ اگر چہ اس باب میں دیگر ابواب کے مقابلہ میں زیادہ سوالات ہیں۔ مگر ان ستانوے سوالات میں اختصار کے باوجود بے حد جامعیت ہے۔ جن کو پڑھ کر حضرت نوشہ گنج بخشؒ اور حضرت پیر محمد سچیارؒ کے علم اور ذہانت کی داد دینا پڑتی ہے۔

چہار بہار کے مضامین

پہلی بہار: یہ بہار شریعت سے متعلق ہے۔ اس میں دنیا کی بے ثباتی، فریب دنیا سے محفوظ رہنے کی نصیحت، ذکر اور فکر میں مشغول رہنے کی وجہ، معرفت اور عقل کا

آپس میں تعلق، خیال یعنی تصور کا قائم کرنا، دنیا کے جھنجھٹ سے نجات پانا، انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب، انسان کے عیوب کی نشاندہی اور دنیاوی لذتوں سے پرہیز جیسے مضامین پیش کئے گئے ہیں۔

دوسری بہار: اس میں طریقت کا بیان ہے۔ غفلت کا پردہ دور کرنا، انسانی جسم میں خیر اور شر کی قوتوں کی پہچان، نفس پر قابو پانا، تقدیر کے ضمن میں راضی بررضا رہنا، دنیا کی حقیقت، دنیا کو ترک، دنیا کی محبت، محبت کی صورت اور نشان، اس سے بچنے کی تلقین، دعویٰ اور اسکی حیثیت، دعویٰ سے بچنے کی نصیحت، دل کی حقیقت اور دل کی مختلف حالتوں کا بیان، خیال کی حقیقت، شعور ذات کا طریقہ، بصارت اور بصیرت کی آنکھیں، دل اور دل کو آئینہ بنانے کے طریقے، سچائی کی حقیقت، صبر کی حقیقت، صدق اور یقین کی حقیقت اور پرہیز گاری کی حقیقت جیسے مضامین اس بہار میں شامل ہیں۔

تیسری بہار: اس باب میں حقیقت کا بیان ہے۔ اس باب میں نوشہ گنج بخشؒ نے جو مضامین بیان کیے ہیں اُن میں جہان، طلسم کی ایک قسم، دنیا ایک خواب ہے، دنیا اور آخرت کا موازنہ، دنیا کی اصل حقیقت، اپنی ہستی کو مٹانا، دنیا داروں کی تندیا، درویشی کا کام، نیستی کا نقش پختہ کرنے کی تلقین، مردہ اور زندہ کا فرق، ہمہ از اوست کا سبق، فقر کے قوانین، ہمہ از اُوست کی حقیقت، نیک اعمال کی تلقین، سلوک کی منزلیں طے کرنے کے طریقے، ہمہ از اُوست کا تصور پختہ کرنا، قسمت پر شاکر رہنے کا فلسفہ، درویشوں کے کلام سے فائدہ حاصل کرنے کی نصیحت، گناہ کی حققیقت اور اصلیت جیسے مضامین قابل ذکر ہیں۔

چوتھی بہار: اس باب میں معرفت کا بیان ہے۔ اس میں نوشہ صاحبؒ نے اپنے مرید خاص پیر محمد سچیارؒ نوشہروی کے سوال کے جواب میں ہمہ اوست کی حقیقت، ہمہ اوست کا درجہ، وحدت کا کثرت میں ظہور اور کثرت میں سے وحدت کی تلاش، توحید کی اصل، توحیدی خیال کی مشق، ذات کی حقیقت وغیرہ سے متعلق تفصیلی بحث کی

ہے۔اس باب کے آخر میں پیر محمد سچیارؒ نے تقریباً چھیانوے مختصر سوالات پوچھے ہیں۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے ان کے جوابات نہایت جامع مگر مختصر طور پر دیئے ہیں۔ان سوالات و جوابات میں جہاں اختصار کی صفت پیدا ہوئی ہے، وہاں اپنے اندر معرفت کا بیش قیمت خزانہ بھی رکھتے ہیں۔ یہ سوالات اور ان کے جوابات اپنی گہرائی اور گیرائی کے باعث معرفت کی بہت سی کتب پر بھاری ہیں۔

چہار بہار کی اہمیت

صوفیائے کرام کے ملفوظات کو ہر دور میں دو اعتبار سے بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔اوّل ان کی ذاتی زندگی دوم ان کی تعلیمات۔ان کی زندگی کے حوالے سے ان کے دور کی سماجی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا بھی جائزہ لیا جا سکتا ہے۔مگر چہار بہار ان پہلوؤں کے علاوہ کئی ایک حوالوں سے اہمیت کی حامل ہے۔

(الف) اس کتاب کی بدولت پہلی بار حضرت نوشہ صاحبؒ کے تصوف سے متعلق فرامین سامنے آئے ہیں۔جن سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کس قدر بلند مرتبہ عالم تھے نیز چہار بہار کے علاوہ ان کے بے شمار ملفوظات ہونگے جو زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکے۔

(ب) اس کتاب کے ذریعے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا کہ نوشہ صاحبؒ نے ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک کا سفر بھی اختیار کیا تھا۔آپ نے کچھ عرصہ مصر کی سیر و سیاحت کی اور وہاں ایک مسجد میں چلہ کش رہے۔ یوں ہی کشمیر کے حالات کے بیان سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے کشمیر کی سیاحت کے دوران لوگوں کو نیک اعمال کرنے کی تلقین بھی ضرور کی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ پنجاب کے بعد کشمیر اور افغانستان میں سلسلہ نوشاہیہ کی بہت اشاعت ہوئی۔

(ج) تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ہاشم شاہ کا وہ بہت سا فارسی

کلام سامنے آیا ہے جو ایک عرصے سے گوشہ گمنامی میں تھا۔اس کلام سے ہاشم شاہ کی علمیت، تصوف سے لگاؤ، اور صوفیانہ نظریات کا سراغ ملتا ہے۔ خاص طور پر وہ اشعار اپنی مثال آپ ہیں جو حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے فرامین کا منظوم ترجمہ ہیں۔

(د) زبان اور بیان کے اعتبار سے یہ کتاب فارسی ادب میں گرانقدر اضافہ ہے۔ خاص طور پر صوفیانہ ادب میں اس کا خاص مقام ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں تصوف کے وہ اسرار و رموز درج ہیں جو حضرت نوشہ صاحبؒ نے ارشاد فرمائے ہیں۔جن کے بیان کرنے کا انداز سادہ، عام فہم اور دلچسپ ہے۔ جو اُس دور کے صوفیاء کے ہاں مفقود ہے۔
حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی مانند اُس عہد کے کسی صوفی نے ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کے مسئلہ پر کھل کر بات نہیں کی۔ اکثر صوفیاء نے اس مسئلے کو نہیں چھیڑا۔ جنہوں نے لکھا ہے بے حد اختصار سے لکھا ہے۔

(ہ) حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ان ملفوظات سے ہمیں ان کا اردو اور پنجابی کلام سمجھنے میں بے حد مدد ملتی ہے۔

(و) اس کتاب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے بے شک اپنے مرید خاص پیر محمد سچیارؒ کو مخاطب کیا ہے لیکن آپ کے یہ فرمودات بے شمار مریدوں اور سالکین کے لیے چشمہ ہدایت ثابت ہوئے۔ چنانچہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے مریدوں نے ذاتی کاوشوں سے فرمودات کی اس شمع ہدایت کو دور دراز تک روشن کیا اور اسی کی روشنی میں اس سلسلے کے درویش ہر دور میں اسلام کی سر بلندی اور لوگوں کی راہنمائی کے لیے بے مثال خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

چہار بہار کا فکری پہلو

چہار بہار میں درج ملفوظات میں حضرت نوشہ صاحبؒ کا انداز معلمانہ ہے۔

وہ اپنے مرید کے سوالات نہایت غور سے سنتے ہیں۔ پھر ہمدردانہ لہجے میں ان کے جوابات دیتے ہیں۔ اور اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کے لیے تفصیل سے کام لیتے ہیں بلکہ شیخ سعدیؒ کی مانند مختلف حکایات و روایات کے ذریعے اپنے مطالب کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ سوال کرنے والا ان کا مکمل ادراک کر سکے اور تسلی و تسکین سے ہمکنار ہو۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے انداز میں کہیں بھی جذباتیت غالب دکھائی نہیں دیتی بلکہ تعقل اور علم کا حسین امتزاج ہے۔ حضرت پیر محمد سچیارؒ جوں جوں سوال کرتے جاتے ہیں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے لہجہ میں توں توں نرمی، ہمدردی، وضاحت اور گھلاوٹ پیدا ہوتی جاتی ہے۔

چہار بہار کا پہلا حصہ شریعت کے بیان میں ہے۔ جن میں امر و نہی کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ پیر محمد سچیارؒ نے اپنے سوال کے ذریعے اس حقیقت کو جاننا چاہا ہے کہ انسان صرف دنیاوی لالچ کی خاطر عاقبت کو کیوں بھول جاتا ہے۔ اور شریعت کے قوانین سے کیوں منہ موڑ لیتا ہے؟

نوشہ گنج بخشؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ بلاشبہ دنیا ایک عارضی مقام ہے اور آخرت کے سفر پر ہر ایک روانہ ہوتا ہے۔ یہ فطرت اور قدرت کا قانون ہے مگر انسان کی فطرت ہے کہ وہ نظر آنے والی شے پر یقین رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے فوراً نفع یا نقصان حاصل کر لیتا ہے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، بلاشبہ اس کا مزا اور عذاب دونوں ہماری مادی زندگی سے مختلف ہیں۔ انسان کو ان کا قطعاً ادراک نہیں۔ اس لیے وہ کم ظرف بن جاتا ہے اور اپنے عارضی فائدے یا لالچ کی خاطر ان تمام اصولوں کی حدیں پھلانگ جاتا ہے جو شریعت نافذ کرتی ہے۔ لیکن آخرت کے عذاب سے وہ کسی طور بچ نہیں سکتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیماریوں کے اسباب تلاش کرنے اور ان کے علاج معالجے کے لیے لقمان، افلاطون اور جالینوس جیسے اجل حکیم پیدا کیے اسی طرح

انسان کی روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے حکیم پیدا کیے ہیں۔ نوشہ گنج بخشؒ کے نزدیک وہ حکیم ''اللہ والے'' ہیں۔ جن کی صحبت میں رہ کر ان کے ارشادات پر عمل کر کے روحانی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں:

''ہمچنیں جہت مریضانِ ہوس حکمائے اہل اللہ پیدا کرد و کلامِ شاں دوائے ایں درد۔''(1)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ارشادات کے مطابق دنیا کی چاہت کا زہر، تمام زہروں سے مختلف ہے۔ یہ ایک سانپ ہے جس کی شکل و صورت دیگر سانپوں سے جدا ہے۔ اس کے زہر کا مریض اسی سے علاج کا خواہاں ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں:

''سمیت ایں راقمہ از ہمہ زہر ہائے مشہورہ و صورت ایں حیۂ از جملہ افاعی معروفہ دگرگوں است کہ گزیدہ ایں بے ایں کالینو بہر صورت و رنجور ایں جز ایں مسرور نمی شود۔ و مجروح ایں نیز معاذ والتیام از یں جوید۔''(2)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ دنیاوی لالچ رکھنے والے بندے کی مثال اس بھیڑ سے دیتے ہیں جو قصاب کے ہاتھوں میں چھری دیکھ کر بھی خوفزدہ نہیں ہوتی۔ محض یہ سوچتی ہے کہ قصاب نے صرف اس کی اون اتارنے کے لیے چھری پکڑی ہوئی ہے۔ قصاب جب اس کے گلے پر چھری رکھ دیتا ہے تب بھی وہ یہی سوچتی ہے کہ قصاب اس کا دشمن نہیں ہے۔ دنیا کا لالچی بندہ اپنے لالچ کی وجہ سے موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اور لقمہ اجل بن جاتا ہے۔ بااین ہمہ دنیا داروں کے دل میں دنیاوی لالچ، موت اور آخرت کا خوف پیدا ہونے نہیں دیتا۔ بلکہ دنیا کی زندگی کا مزید لالچ و ہوس پیدا کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بندہ موت کو بھول جاتا ہے اور لالچ کی دلدل میں دن بہ دن دھنستا چلا جاتا ہے اور ایک دن یہی دنیاوی لالچ اس کی موت کا باعث بن جاتا ہے۔

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 23

2- ایضاً

حضرت نوشہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ بیماریاں، انسان کو اسکی آخرت یاد دلانے کیلئے آتی ہیں۔ لیکن وہ ان ظاہری بیماریوں کے علاج معالجے میں مصروف ہو کر زندگی لمبی کرنے کے لالچ میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ ان بیماروں سے سبق حاصل نہیں کرتا۔ آہستہ آہستہ وہ اس قدر غفلت کا شکار ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ چنانچہ جو شخص یاد خدا سے محروم ہو جاتا ہے، اس کے لیے شریعت کی پابندی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ چنانچہ ضروری ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فکر میں مشغول رہے اور قناعت اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور فکر میں مشغول رہنے سے انسان کے دل میں سکون کی دولت پیدا ہوتی ہے۔ نیز وہ ہمہ اقسام کی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بزرگان دین نے ذکر و فکر کے جو مختلف شغل اپنائے وہ سب اس لیے نہیں تھے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ شغل انہوں نے اس لیے اپنائے تھے کہ ان کا وقت کسی بیہودہ شغل میں نہ گزرے اور وہ گمراہ نہ ہو جائیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق کسی خاص ذکر اور فکر سے نہیں ہے بلکہ عقل سے ہے۔ عقل ہی ایک ایسی نعمت اور بے مثال دولت ہے جس کے باعث انسان کو ساری مخلوق پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ کیونکہ عقل ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کی بدولت انسان اپنے خالق و مالک کو پہچانتا ہے۔ اس لیے عقل کے بغیر خدا شناسی یا معرفت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بے شعور یا فاتر العقل انسان کے لیے شریعت کی پابندی لازم نہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت اسی بات کی دلیل ہے:

”یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لاَ تَقْرَبُو الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوا مَا تَقُوْلُوْنَ“ (1)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تمہیں پتا ہو کہ تم جو کہہ رہے ہو اسے سمجھتے ہو۔

1- القرآن پارہ 5 سورۃ النساء آیت 43

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کی پابندی صرف عقل و شعور رکھنے والوں پر ہوتی ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ عقل خداداد نعمت ہے۔ لیکن جب تک انسان اپنے ہوش کو دنیا کی طرف سے فراموش نہ کر لے اور اسے وحدت کے سمندر میں غوطہ نہ دے لے، اپنے خالق کی ”الوہیت“ اور اپنی ”عبودیت“ کی حقیقت کو سمجھ نہ لے، اس وقت تک کسی ذکر اور فکر کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک انسان اپنے معبود اور اپنی ذات کے مابین فرق کو سمجھنے سے قاصر ہے اس کی عبادت اور ذکر و فکر کچھ معنی نہیں رکھتے۔

نوشہ صاحبؒ کے خیال میں ”حقیقتِ ازلی“ کی شناخت کے بغیر بزرگان دین کی مانند ذکر اور فکر میں مشغول ہو جانا بالکل اس بہروپیے کی طرح ہے جو اپنا دم حبس تو کر لیتا ہے لیکن اسے روحانی روشنی حاصل نہیں ہوتی۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا ذکر و فکر میں مشغول ہونا کسی مقصد کے حصول کے لیے نہیں ہوتا۔ ان کے سامنے صرف یہی لالچ ہوتا ہے کہ دنیا کے لوگ انہیں بھی بزرگان دین کی طرح بزرگ سمجھیں۔ ان کی طرح عزت اور احترام دیں۔ حالانکہ ان کا اول اور آخر دنیا ہی ہوتی ہے جس کے پیچھے وہ آنکھیں بند کر کے دن رات بھاگتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی منزل ہوتی ہے نہ ہی وہ کسی منزل کا تعین کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال کوہلو کے بیل کی طرح ہے، جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی ہے اور وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز کوہلو کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ اگر وہ سو برس بھی کوہلو کے گرد چکر کاٹتا رہے تب بھی وہ وہیں کا وہیں رہے گا۔ اس کی محنت سے پیدا ہونے والے تیل سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھالیں گے مگر اسے خود کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بالکل اسی طرح دنیاوی دولت کے لالچ میں اندھے ہو کر بیوی بچوں اور دیگر رشتے داروں کے لیے دنیا کا مال اور دولت اکٹھی جا سکتی ہے جس کی آخرت میں کوئی حقیقت اور اہمیت ہے نہ ہی کوئی فائدہ۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

”حلاج حُبِ دنیا و دنیا حلاج خانہ است، کہ پردۂ غفلت بر ہوش و گوش و

برچشم ظاہری و باطنی و برحواس خمسہ انداختہ وزنجیر دعویٰ در گردن انداختہ
شدہ است۔ گرد خود میگرداند تا از حبِ دنیا نگریزد و حواس خودرا از پردۂ
غفلت بیروں نکند۔ راہ راست نخواہد دید۔''[1]

اس طویل مضمون کو حضرت نوشہ صاحبؒ نے یوں اختصار کیساتھ بیان کیا ہے:

''اگر ذوق منزل مراد داری، خودرا ازیں کمندِ دنیا خلاص کن و پردۂ
غفلت از خود دُور کُن۔ ہماں وقت راہ راست خواہی دید و بمنزل خواہی
رسید۔''[2]

انسان اگر غفلت کا پردہ چاک کردے تو وہ خدا شناس بن سکتا ہے۔ اسی اعلیٰ صفت کی بنا پر انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ انسان کا اعزاز ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[3]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا رتبہ اس قدر اعلیٰ وارفع ہے تو پھر وہ بعض اوقات ان رفعتوں سے پستیوں میں کیوں گر جاتا ہے۔ درندہ اور جانور کیوں بن جاتا ہے۔ زلتوں اور رسوائیوں کی کالک اپنے نورانی چہرے پر کیوں پوت لیتا ہے۔ اس موضوع پر حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے کھل کر بحث کی ہے۔ کہ ''انسان'' کو سمجھنے کے لیے گہری نظر کی ضرورت ہے۔ بظاہر ہر کوئی انسان ہی دکھائی دیتا ہے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ صرف گوشت پوست اور ہڈیوں کے مجموعے کا نام انسان نہیں۔ بلکہ انسان کے مختلف درجے ہیں۔

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص30

2- ایضاً

3- القرآن پارہ 30 سورۃ التین، آیت 4

اصل انسان وہ ہے جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیات نازل فرمائی ہیں۔ ان آیات مبارکہ میں انسان کی شناخت بیان کی گئی ہے۔ ایسے انسان کو ''اللہ والا'' کہا جا سکتا ہے۔ جو ہر قسم کے حرص و ہوس، آرزو لالچ، ریا اور فریب سے پاک ہوتا ہے۔ دنیا کی رنگینیاں اور انواع واقسام کی لذتیں اس کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کرسکتیں۔

حضرت نوشہ صاحب نے اس امر کی وضاحت کے لیے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو انہیں مصر کی سیاحت کے دوران پیش آیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مصر کی ایک مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ مسجد کے قریب ہی ایک سوداگر کا محل تھا۔ اچانک میری نظر محل کی ایک کھڑکی پر پڑی۔ کھڑکی میں سوداگر کی بیٹی کھڑی تھی۔ جس کا حسن و جمال بیان سے باہر تھا۔ میں اس کے حسن بے مثال کے متعلق سوچ ہی رہا تھا اتنے میں ایک خضر صورت بزرگ میرے قریب آئے اور مجھے نصیحت فرمائی:

''اے درویش! ایں شربت زہر آلود، منوش کہ بے نوش است وخویش
راریش ازیں نیشِ بدکیش، ممکن کہ پیش تو زبوں خواہد آمد، درایں خواب
خرگوش بیہوش ست۔''[1]

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بزرگان دین نے ہمیشہ دنیاوی لذتوں سے منہ موڑا ہے۔ ہر قدم پر نفس امارہ سے رشتہ توڑا ہے اور رب کریم و ذوالجلال والاکرام سے ناطہ جوڑا ہے۔ اسی لیے ان کو بلند درجے عطا ہوئے۔ امام اعظمؒ کے متعلق مشہور ہے کہ جب امام ابو یوسفؒ نو برس کی عمر میں علم حاصل کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر پڑھانے سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن جب اس بات کا یقین ہوگیا کہ امام ابو یوسفؒ ان کے بعد صحیح معنوں میں ان کے جانشین ثابت ہوں گے تو پھر پڑھانے پر رضا مند ہوئے۔ آپ نے قاعدہ لکھ کر امام ابو یوسفؒ

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص34

کو دیا اور فرمایا کہ سبق پڑھنے کے لیے میرے سامنے نہ آنا۔ ہمیشہ میرے عقب میں بیٹھنا اور قاعدہ پہلو میں رکھ کر پڑھنا۔ روایت ہے کہ امام ابو یوسفؒ اکیس برس کی عمر تک اسی انداز سے علم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن امام اعظمؒ نے پہلو میں رکھی ہوئی کتاب پر داڑھی کا سایہ دیکھا تو پوچھا۔ ابو یوسفؒ تمہارے پاس دوسرا شخص کون بیٹھا ہے۔ انہوں نے عرض کیا حضور میں اکیلا ہوں۔ میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص یہاں موجود نہیں۔ داڑھی کا سایہ جو آپ دیکھ رہے ہیں وہ میری داڑھی کا ہے۔ اس وقت امام اعظمؒ نے ان کو اپنے سامنے آنے کی اجازت دے دی۔

اسی طرح نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دریائے نیل کے کنارے ایک درویش کو دیکھا۔ جس نے اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر رکھا تھا، کہ خمار گندم سے پیدا ہونے والے غنودگی، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتی ہے۔ اس ساری بحث کا نتیجہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے۔

''بر فقیر ازیں چنیں لذات و شہوات حرام باید شد۔ تا فقیر سالک شود و اِلاّ زخام و ریا کار ست۔''(1)

مقصود یہ ہے کہ انسان اس وقت کامیاب انسان بنتا ہے جب وہ شریعت کی سختی سے پابندی کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس قابل بنا لے کہ دنیاوی جاہ و جلال، لذت و شہوات اس کے نزدیک کوئی حیثیت و حقیقت نہ رکھیں۔ تصوف کے ایک سالک کے لیے سب سے پہلا درس ہی یہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے حصول اور عمل کرنے پر برسوں برس بیت جاتے ہیں۔ جو سالک یہ درس حاصل کر لیتا ہے اور عمل بھی۔ وہ صحیح معنوں میں کامیاب انسان بن جاتا ہے۔ پھر اس کے لیے طریقت کی منزل پر پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ بقول حضرت نوشہ گنج بخشؒ ''طریقت کی منزل میں وہی سالک کامیاب ہو سکتا ہے جو اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے۔''

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 37

نفس کیا ہے اور اسکی کون کون سی مختلف حالتیں ہیں؟ اس کے متعلق صوفیائے کرام کا قول ہے کہ نفس کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ نفس کا اصل مقام تحت السرہ ہے مگر اس کا تعلق پورے جسم سے ہوتا ہے۔ جسم میں جس قدر بھی خیر اور شر کی خصلتیں جنم لیتی ہیں۔ سب نفس کے باعث ہوتی ہیں اور نفس کی تین حالتیں ہیں:

نفس امّارہ - نفس لوامہ - نفس مطمئنہ

عام طور پر ہر انسان کے دل میں خیر اور شر کی جنگ جاری رہتی ہے جس کی وجہ سے انسان کبھی نیکی پر آمادہ ہو جاتا ہے اور کبھی برائی کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ نفس کی بدلتی ہوئی حالتوں کے سبب ہوتا ہے۔ اگر نفس مکمل طور پر سرکش ہو کر انسان کو ہر وقت برائی کی طرف مائل رکھے اور نیکی کی طرف کبھی بھی جھکنے نہ دے تو اس حالت کو نفس امّارہ کہتے ہیں۔ اور اگر کبھی یہی نفس غالب اور مغلوب ہو تو اس حالت کو نفس لوّامہ کہتے ہیں اور اگر انسان نفس امّارہ پر مکمل طور پر قابو پا لے اور برائیوں سے بچا رہے تو اسے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے، اس حال کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ سالک یا صوفی دراصل نفس مطمئنہ کا مالک ہوتا ہے۔ نفس امّارہ پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے، اس ضمن میں حضرت نوشہ صاحبؒ نے خوبصورت تمثیلی انداز میں نہایت باریک نقاط واضح کیے ہیں۔ وہ تمثیل یوں بیان فرماتے ہیں:

''کسی شہر کا حاکم بے حد نیک اور فرشتہ سیرت تھا۔ اس کا شہر بھی بے حد خوبصورت اور قابل دید تھا، مگر اسکی رعایا گندی اور بری خصلتوں والی تھی۔ ہر روز کسی نہ کسی علاقے میں فتنہ و فساد برپا رہتا تھا۔ شہر کا حاکم اور اس کا لشکر روز روز کے فتنہ و فساد سے بے حد تنگ تھا۔ حاکم نے اپنے قلعہ میں بڑا خوفناک اور خونخوار کتا رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگوں کو ڈرا کر اور کاٹ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ کسی کا فائدہ ہوتے دیکھ کر ناراض ہوتا تھا۔ بے حد حریص اور لالچی کتا تھا۔ وہ ہر وقت بھوک اور پیاس کی وجہ سے بیقرار رہتا تھا، بھوک کی

وجہ سے اسے نیند نہ آتی تھی۔ چنانچہ کبھی بدخصلت رعایا رات کو قلعے پر حملہ کرتی تو کتا بھونک بھونک کر حاکم اور لشکر کو خبردار کر دیتا۔ لشکری ڈٹ کر رعایا کا مقابلہ کرتے اور رعایا کو پسپا ہونا پڑتا۔ یوں قلعہ بدخصلت رعایا کے ہاتھوں محفوظ رہتا۔ اس طرح طویل عرصے تک حاکم اور رعایا کے درمیان یہ جنگ جاری رہی۔ مگر کسی کا پلہ بھاری نہ ہوا۔

ایک دن حاکم کو اپنے وفادار کتے پر ترس آیا۔ اس نے لذیذ قسم کے کھانے پکوا کر کتے کے سامنے رکھے۔ کتے کو ایک طویل مدت کے بعد پیٹ بھر کر کھانے کو ملا تھا۔ خوب کھایا۔ یہاں تک کہ اس پر غنودگی طاری ہوگئی اور حملہ آوروں کا بھی خیال نہ رہا۔ حاکم اور اس کے لشکری بھی بدخصلت رعایا کے حملے سے بے خبر رہے۔ رعایا نے قلعہ پر حملہ کر دیا اور قبضہ کر لیا۔ حاکم کو قید اور لشکر کو ذلیل و رسوا کیا۔''(1)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی اس تمثیل میں شہر سے مراد انسانی جسم ہے۔ طمع، حرص، حسد، تکبر، کینہ، شہوت، خودغرضی، گمراہی، غفلت دعویٰ، محبت، عداوت، لذت اور کدورت وغیرہ اس شہر کے بدخصلت باشندے ہیں۔ شہر کے نیک سیرت حاکم سے مراد ''روح'' ہے جس کی پاکیزگی اور بزرگی فرشتوں سے بڑھ کر ہے اس حاکم کے لشکری صبر، شکر، حیا، صاف دلی، کم کھانا، کم پینا، پرہیزگاری، محنت، سچائی، خداشناسی، بے ریائی، علم اور حلم ہیں۔ یہ اس کی عاجز اور مسکین فوج ہے۔ ظالم بھونکنے والا کتا انسان کا نفس ہے۔ خداوند کریم کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے نفس امارہ کو کچلا جائے۔ بقول نوشہ صاحبؒ:

''اے عزیز! اگر حرمت و عزت خواہی باید کہ ایں دشمناں آبروئے خود نگہداری۔ سگِ نفس را آرام مدہ۔ و در خوش خواری خیرہ مکن کہ

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 40

وبالِ برسرِ تو خواہد آمد و سپاہِ روح را جمعیت و عافیت بساز کہ وقتے بکار خواہد آمد و مردانہ واصلِ خدا خواہی گشت۔''(1)

نفس امارہ کی مخالفت اور اس پر قابو پانے کا مضمون تقریباً ہر صوفی نے بیان کیا ہے۔ لیکن نفس امارہ پر کس طرح قابو پیا جا سکتا ہے۔ اس کی جس طرح حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے خوبصورت انداز میں وضاحت فرمائی ہے، ان کے ہم عصر صوفیائے کرام کے ہاں نہیں ملتی۔ اس ضمن میں آپ ایک اور خوبصورت تمثیل پیش کرتے ہیں:

''ایک خوبصورت باغ تھا۔ جس میں ہمہ اقسام کے پھل دار اور پھول دار درخت لگے ہوئے تھے۔ باغ کا مالی بے حد رحمدل اور عالم شخص تھا۔ وہ پودوں کی نگہداشت میں ہر وقت مصروف رہتا تھا۔ وہ کچھ پودوں کی بہت دیکھ بھال کرتا تھا تاکہ خوش ذائقہ پھل لگیں۔ مگر باغ میں کچھ ایسے درخت بھی تھے جن کے پھل کڑوے تھے۔ ایک دن مالی نے تمام کڑوے درختوں کو تلوار سے چھانٹ دیا۔ درخت ٹنڈ منڈ ہوگئے۔ پھر اس نے کچھ درختوں کے تنے چھیل کر میٹھے پھلوں کی پیوندکاری کی۔ درختوں نے اف تک نہ کی۔ خاموشی سے مالی کی مرضی کے مطابق تکالیف اور زخم برداشت کرتے رہے اور راضی بہ رضا رہے۔ یہاں تک کہ خزاں کا موسم گزر گیا اور چند برس بعد پیوندی درختوں کو رنگ برنگ کے پھول لگ گئے جن میں سے خوش ذائقہ پھل ظاہر ہوئے۔ پھر ہر طرف سے چرند پرند ان درختوں پر منڈلانے لگے۔ باغ میں بہار آ گئی۔ مالی نے ہر درخت کے نیچے ایک ایک رکھوالا بٹھا دیا تاکہ پرندے پھلوں کو خراب نہ کریں اور باغ اجڑ نہ جائے۔ جن پودوں نے مالی کی مرضی کے مطابق پیوندکاری کی تکلیف برداشت کی اور حالات کی

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 41

گرمی سردی خاموشی سے برداشت کر لی وہ مالی کے من پسند بن گئے اور مالی ان درختوں سے محبت کرنے لگا۔ لیکن جو درخت مالی کی مرضی کے مطابق پھولے نہ پھلے، سوکھ گئے۔ مالی نے ان کو کاٹ کر ایندھن بنالیا۔"[1]

یہاں درخت سے مراد انسان ، باغ سے مراد دنیا، اور مالی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو جب چاہا دکھ، تکلیف ، بیماری ، نقصان، بھوک پیاس دے کر آزمایا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ[2]"

(یعنی ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے۔ کچھ ڈر ، بھوک اور مال اور جان کے نقصان سے پھلوں کی کمی سے، لیکن صبر کرنے والوں کے لیے خوشخبری ہے)

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنے نفس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق دشواریاں اور سختیاں برداشت کرتے اور راضی بہ رضا رہتے ہیں وہی آخر کار اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حقدار ٹھہرتے ہیں، دین اور دنیا میں ابدی زندگی پا جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ غرور اور تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو نفس امارہ کے غلام بن جاتے ہیں رب کی رضا اور خوشنودی کو فراموش کر دیتے ہیں، جب تکالیف و مصائب آتے ہیں تو شکوہ شکایت زبان پر لے آتے ہیں۔ ایسے لوگ دوزخ کا ایندھن بن جاتے ہیں۔
حضرت نوشہ صاحبؒ اس تمثیل کا نتیجہ یوں نکالتے ہیں:

"اے عزیز! باید کہ بہارِ پیوند اشناس۔ و تیغ تقدیر بر سرِ نفس خود براں و

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 41
2- القرآن پارہ 2 سورۃ البقرہ، آیت 153

حرمتِ نفس مخواہ ورنہ ترا بے حرمت خواہد ساخت۔ و سرِ نفس را ببر ورنہ سرِ تو خواہد برید۔"[1]

نوشہ صاحبؒ کے ان ہی خیالات کو حضرت سلطان باہوؒ یوں بیان کرتے ہیں:

مرن تھیں اگے مر رہے باہو تاں مطلب نوں پایا ہو[2]

اسی مضمون کو فارسی کے مشہور شاعر احمد جام نے شعر کے سانچے میں اس طرح ڈھالا ہے:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

نوشہ صاحبؒ کے نزدیک یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب انسان دنیاوی لالچ سے پوری طرح منہ موڑ لیتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا میں رہنے کے لیے دنیاداروں سے تعلق رکھنا پڑتا ہے، کھانا پینا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، لین دین، رشتے ناطے ایسے کام ہیں جن کے بغیر انسان زندگی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ ہر انسان پر والدین، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں کے کچھ ایسے حقوق ہیں جن سے کسی طور فرار ممکن نہیں۔ ان حقوق کو پورا کرنا اسکی اخلاقی اور مذہبی ذمہ داری ہے اور یہ حقوق وہ دنیا میں رہ کر ہی پورے کر سکتا ہے۔ چنانچہ ان تمام ذمہ داریوں کے باعث انسان کیوں کر دنیا سے کنارہ کش ہو سکتا ہے اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ زندگی کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے مال و دولت کی ضرورت ہے۔ جس کے پاس مال و دولت نہیں وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔ اس گھمبیر مسئلے کو حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے مختصر الفاظ میں نہایت خوبصورتی سے یوں حل کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان کا بال بال اور رگ رگ دنیاداری میں پھنسی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا تارک الدنیا ہونا محال ہے۔ مگر تارک الدنیا

1- چہار بہار ص 43
2- ابیاتِ باہو مرتبہ سلطان الطاف علی۔ مجلس باہو لاہور 1975ء ص 243

ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ان ذمہ داریوں سے فرار اختیار کر لے۔ زندگی کی ذمہ داریوں سے منہ موڑ لینا اور دنیا سے فرار اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی یاد میں گم ہو جانا، رہبانیت کہلاتا ہے اور اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں " لا رھبانیت فی الدین الاسلام" اسلامی تعلیمات کی رو سے درویشی سے مراد ہے کہ انسان دنیاداری کی تمام ذمہ داریاں بطریق احسن پوری کرے۔ لباس کی زیبائش اور لذت گیری سے ناآشنا رہے۔ طمع سے دور رہے۔ صرف ضروری حاجات کو پورا کرنے تک غرض رکھے۔ گندم، جو، نیا پرانا ریشی یا سوتی کپڑا، مٹی موتی، وفا جفا سب کو برابر اہمیت دے۔ دل پر سے خود غرضی کا زنگ اتار کر رشد و ہدایت کی شمع روشن کرے۔ کبھی قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ دعویٰ نہ کرے۔ آنے والے کل کی فکر اور گذشتہ کل کا افسوس نہ کرے۔ اپنے وجود کو عدم سمجھ کر غم یا خوشی کو دل میں جگہ نہ دے۔ بس ایسا ہی شخص تارک الدنیا اور طالب مولیٰ ہوتا ہے۔ جس چیز کے بغیر زندگی قائم نہ رہ سکے اور بندگی نہ ہو سکے اسے دنیا یا دنیاداری کہنا غلط ہے۔ کیونکہ دنیا کی صفت یہ ہے کہ پہلے درندگی پیدا کرتی ہے اور بعد میں شرمندگی۔ دنیا کی زیادہ محبت، غرور، تکبر اور عداوت کو جنم دیتی ہے۔ جبکہ اسکی کمی انسان کو پریشانی اور دلگیری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس مضمون کو حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے اپنے اردو/ پنجابی اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے:

لا دعویٰ کوئی ایک ہے دعویدار ہزار — نوشہ مرد درویش کوں دعویٰ ناہیں کار (1)
درویشی راج اٹل ہے نر دعویٰ نر ویر — نوشہ دعویٰ والیاں کدیں نہ ہووے خیر
دعویٰ روگ اوشٹ ہے روگی دعویدار — نوشہ دعویٰ والیاں دعویٰ کرے خوار
دعویٰ کیتا اٹھیاں سوجھی جیہناں نہ کوئے — درویشاں نر دعویاں سبھا سوجھی ہوئے
دعویٰ کر دُکھ پایئے بن دعویٰ سب سُکھ — دعویداراں اندھیاں آپے جائے دُکھ (2)

1- انتخاب گنج شریف (اردو) ص 141
2- گنج شریف (پنجابی) ص 577

آکھے نوشہ قادریؒ سمجھے مرد سچیارؒ — دعویٰ کم دیوانیاں منن دانیاں کار

جب تک انسان کسی چیز کا دعویدار نہیں بنتا اس سے بیگانہ رہتا ہے۔ اس لیے اس چیز کے پانے یا نہ پانے پر خوشی یا غم محسوس نہیں کرتا۔ لیکن جب وہ دعویٰ کرتا ہے تو پھر اسکی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس کے ملنے پر خوشی محسوس کرتا ہے اور نہ ملنے پر غمگین ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کا دعویٰ سراب کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس کا عاشق ہمیشہ ناکام ہی رہا ہے۔ اس لیے اس سے دامن بچانا ہی مصلحت ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"جہدے کن و بریں راہ نگاہ کردہ۔ دعویٰ بودرا نابود، دانستہ ہستی دعویٰ بشو، و خالق موجود را حی القیوم دانستہ طالب او گردیدہ۔ درسجدہ رو تا از ہمہ آفات خواہی رست و بے نیازی خواہی گشت۔"(1)

حضرت نوشہ صاحبؒ کے نزدیک دعویٰ کی لعنت سے محفوظ رہنے کا یہی طریقہ ہے کہ آدمی اپنا دل صاف رکھے۔ اگر دل میں سے حرص و آز اور گندے خیالات نکل جائیں تو اس کی باطنی نگاہوں میں نور پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے دل کے آئینے میں ربّ کائنات کے حسن کے جلوے دیکھ لیتا ہے۔ اس کی نگاہوں سے غفلت اور باطل کے پردے چھٹ جاتے ہیں مگر یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے جب ایک سالک اپنے مرشد کے بتائے ہوئے صراط المستقیم کو اپنا لیتا ہے اور اس پر کلی طور پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ ورنہ تقویٰ کی دولت سے بے بہرہ رہتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

"پرہیز گاری ایں است کہ فرمان پیر از زندگی عزیز شود۔ وخوف او از مرگ بیشتر بود۔ ایں نفس پیل مست بیگمان ست و دستِ اُو بردستِ شیطان ست۔ دریں محنت پسندی و بزنجیر اعتقاد بندی جملہ صفاتِ مذکور

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 55

بریں درجات رسد۔ خیالِ خام و گوشتِ حرام تو برود ، و زنگار دل چو زدودی آئینہ صاف و بےغدودی مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا ہمیں است۔،،(1)

یہاں طریقت مکمل ہوتی ہے اور اس سے اگلی منزل حقیقت کہلاتی ہے۔ جب ایک درویش مُوتُوا قَبلَ اَنْ تَمُوتُوا تک پہنچ جاتا ہے تو اسے اس ظاہری دنیا کی حقیقت کسی اور طرح سے دکھائی دینے لگتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں۔ اپنی ہستی اور دنیا کی ہستی کو نیست کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن حضرت نوشہ صاحبؒ کے فرمان کے مطابق اگر انسان کی باطنی آنکھیں کھلی ہوں تو وہ ہست اور نیست کے فرق کو دیکھ سکتا ہے۔ ظاہری آنکھیں صرف ظاہری چیزوں کو دیکھتی ہیں اور ظاہری چیزیں فانی ہیں۔ لہٰذا جو شخص باطن کی روشن نگاہوں سے تمام چیزوں کی اہمیت و ماہیت کو دیکھ لیتا ہے، وہ حقیقت کو پالیتا ہے۔ حقیقت چونکہ زندہ ہے۔ اس لیے اسے دیکھنے والا بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسکی نگاہوں میں دنیا اور دنیادار لوگ مردہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ اصل حقیقت سے بےخبر ہوتے ہیں۔

ایک سالک کا اپنی ذات کی نفی کرنا ہی رب کی ذات کے باقی رہنے کا ثبوت ہے۔ چنانچہ سالک دنیا کی ہر شے میں اس باقی رہنے والی یعنی ازلی و ابدی ذات کی تجلیات دیکھتا ہے، جن کی بدولت وہ اس ذات کا اقرار کرتا ہے۔ صوفیانہ اصطلاح میں اسے وحدۃ الشہود کہتے ہیں۔

اگر صوفیاء کرام کی زندگی پر نظر ڈالیں تو اکثر صوفیاء وحدۃ الوجود کے قائل نظر آتے ہیں۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ بھی اسی نظریہ کے قائل تھے۔ لیکن وہ دیگر صوفیاؒ کی بہ نسبت وحدۃ الشہود کو بھی تسلیم کرتے تھے۔ ان کے نزدیک وحدۃ الشہود کی نفی ممکن نہیں علاوہ ازیں وحدۃ الشہود کے علم کے بغیر وحدۃ الوجود کو سمجھنا بے حد دشوار ہے۔ آپ نے

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 86

فرمایا:

'' تا درویش اعتقاد بر ہمہ از وست نہ بندد ، خود رابسلک درویشاں نہ پیوندد ، و براحوالِ درویشانِ گذشتہ کہ اخبارات بشتہ اند۔ اشتغال باید نمود کہ کار بگفتۂ تجربہ کاراں تواند کشود۔'' (1)

شہنشاہ اکبر کے عہد میں ہمہ از اوست یا مسئلہ وحدۃ الشہود کا پرچار سب سے زیادہ حضرت مجدد الف ثانیؒ (پ 971ھ) (2) نے کیا۔ جبکہ ان سے قبل اکثر صوفیاء مسئلہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ مسئلہ وحدۃ الشہود کی روح کے مطابق خالق اور مخلوق کے مابین واضح فرق ہے۔ یعنی مخلوق، مخلوق ہے اور خالق، خالق ہے۔ مخلوق کبھی خالق نہیں بن سکتی اور خالق کبھی مخلوق نہیں ہوسکتا۔ (3) اسی لیے انسان کو مجبور محض کہا گیا ہے۔ یعنی وہ تقدیر کا پابند ہے۔ اور اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرسکتا۔ کاتب تقدیر نے جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی حرف آخر ہے اور اسی کے مطابق اسے زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ اسی بات کو میر تقی میر نے شعری سانچے میں یوں ڈھالا ہے:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

خواجہ میر درد فرماتے ہیں:

تھا عالمِ جبر کیا بتاویں
کس طور سے زیست کر گئے ہم

ان اشعار و افکار کے باوجود انسان کسی حد تک خود مختار ہے اور اسی خود مختاری کے سبب وہ خیر و شر کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرسکتا ہے اور اسی کے باعث وہ دنیا کی

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 111
2- ملک حسن علی: تعلیمات مجددیہ ،شرقپور شریف 1965ء ص 2
3- مجدد الف ثانیؒ: مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب 19

ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کے حسن کے جلوے دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان مظاہرِ قدرت کا کوئی تو خالق ہے۔ یہی سوچ خالق اور مخلوق کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ اِسی احساس کو حضرت نوشہ صاحبؒ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انسان کو سب کچھ خالق کی طرف سے پیدا کیا ہوا سمجھنا چاہیئے اور اپنے آپ کو کسی بھی امر میں مختار نہ خیال کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اس کے حکم کے تابع کائنات کا ہر ذرہ ہے۔ ہر ظاہر و باطن اسکی نظر میں ہے۔ نظام کائنات اسی کے حکم سے چلتا ہے۔ اس لیے انسان کو ہر شے اسی کی جانب سے سمجھنی چاہیئے اسی میں انسان کی سعادت اور نیک بختی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک ہمہ از اوست (وحدۃ الشہود) ہی تصوف میں درجہ کمال ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اپنے اور خالق کے مابین فرق کو قائم رکھے۔ لیکن نوشہ صاحبؒ کے نزدیک ہمہ از اوست سے آگے بھی ایک منزل ہے جسے ہمہ اوست یا وحدۃ الوجود کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں:

''ہمہ اوست درجۂ کمالِ معرفت ست کہ در آنجا ماو تو ہست و نیست ہیچ نیست۔ مثلِ شمع رو بہر سو یکے دارد۔''[1]

قرآن پاک کی اس آیت ''اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ '' کے مطابق صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ کائنات کی ہر شے میں اللہ تعالیٰ کی ذات سمائی ہوئی ہے۔ دنیا کے مختلف مناظر اس کے حسن کے مظاہر ہیں۔ اسی طرح انسان کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ مگر شعورِ ذات ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ جسے حاصل ہو جاتا ہے وہ خداوند کریم کو پالیتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ مولانا روم کا ارشاد ہے:

بر جمال ہو معکم جلوہ ہاست
لیک ہر کس لائق دیدار نیست

1- چہار بہار مرتبہ شرافت نوشاہی ص 119

اپنی ذات اور خالق کے عرفان کے لیے بے حد محنت اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ اس نظریہ کی بنیاد صوفیاء نے قرآن پاک کے اس ارشاد پر رکھی ہے۔

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ج وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد[1]

اور اس تصور کی پختگی قران پاک کی اس آیت سے کرتے ہیں: وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِی[2] یہاں روح سے مراد امرِ ربی کے علاوہ صوفیاء کرام نے یہ لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی انسان کے اندر سمائی ہے۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرانے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ کیونکہ خداوند کریم کے علاوہ کسی اور مخلوق کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یہ حق صرف ذات باری تعالیٰ کو حاصل ہے۔ مولانا روم نے اس مسئلے پر یوں روشنی ڈالی ہے:

گر نبودے ذاتِ حق اندر وجود
آب و گلِ را کے کند ملکاں سجود

یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو انسان کی ذات سے علیحدہ نہیں سمجھا اور اس کو اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈھونڈنے کی تاکید کی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کا حکم ہے '' وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ''[3] اس ضمن میں آنحضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ ﷺ کی ایک حدیث ہمارے پیش نظر ہے:

'' لَا یَسْعُنِی اَرْضِیْ وَلَاسَمَائِی وَلٰکِنْ یَسْعُنِی قَلْبِ عَبْدِی الْمُؤْمِنْ ''

یعنی میں نہ تو زمین میں سماتا ہوں اور نہ ہی آسمانوں میں، مگر میں تو مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

1- القرآن پارہ 26 سورۃ ق آیت 15

2- القرآن پارہ 14 سورۃ الحجر آیت 29۔ ص پارہ 5 آیت 72

3- القرآن پارہ 26 سورۃ الذاریٰت آیت 21

مولانا روم نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است
من نگنجم ہیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز
در دل مومن نگنجم اے عجب
گرمرا جوئی دراں دلہا طلب [1]

اسی خیال کو علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں:

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں [2]

ایک سالک جب یہ منزل حاصل کر لیتا ہے تو پھر اسے اپنے ہر طرف ایک ہی ذات دکھائی دیتی ہے۔ وہ جس طرف بھی رخ کرتا ہے اسے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [3] دکھائی دیتا ہے۔ حضرت خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ، حضرت غوث الاعظمؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ شریعت والے ماسوا اللہ یا غیر اللہ کو عالم کہتے ہیں۔ یعنی عالم اس وجود کا نام ہے جو اللہ کے سوا ہے۔ مگر سالکانِ تصوف کے نزدیک غیر اللہ کا کوئی وجود ہی نہیں۔ [4]

مولانا عبدالرحمٰن جامی کا شعر ہے:

ہرچہ بینی یار است اغیار نیست
غیر او جز وہم جز پندار نیست

مقصد یہ ہے کہ جب ایک سالک اپنی بشریت کو توہمات کے جال سے باہر

1- کلیات مثنوی مولانا روم، ایران 1349ھ دفتر دوم ص 68
2- بانگ درا ص146
3- القرآن: سورۃ البقرۃ
4- رسالہ غوث الاعظم المشہور جواہر العشاق اردو ترجمہ احمد حسین خان، لاہور 1978ء ص 21

نکال دیتا ہے تو وہ خود فنا ہو جاتا ہے۔ وہ جس طرف بھی نگاہ اٹھا کر دیکھتا ہے اسے کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ذات میں سمائی ہوئی نظر آتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی ذات دکھائی دیتی ہے۔ ترمذی شریف میں حضور اکرم ﷺ کا فرمان یوں درج ہے:

اِتَّقُوْعَنْ فَرَاسَةِ الْمُؤمِنِ فَاِنَّهٗ تَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

(مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے)

وحدۃ الوجود کے اس اہم مسئلے کو سب سے زیادہ وضاحت و تصریح کے ساتھ شیخ محی الدین ابن عربی نے بیان کیا ہے۔ وہ اپنی تصنیف فتوحات مکیہ میں یوں رقمطراز ہیں:

فَظَاهِرُ الْاِنْسَانِ خَلْقٌ وَ بَاطِنُهٗ حَقٌّ [1]

یعنی انسان بظاہر خلق ہے مگر باطن میں حق ہے۔ پنجابی کے پہلے صوفی شاعر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں:

فریدا خالق خلق مانہہ خلق وسے رب مانہہ
مندا کس نوں آکھیے جدتس بن کوئی نانہہ [2]

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے چہار بہار کے چوتھے حصے میں اس مسئلے پر نہایت جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک مسئلہ ہمہ از وست کی تعلیم ایک سالک کے لیے ناگزیر ہے، مگر اسکی تکمیل ہمہ اوست پر ہوتی ہے۔ نوشہ صاحبؒ کی چہار بہار کے علاوہ ان

1- ابن عربی محی الدین۔ فتوحات مکیہ مصر۔ جلد 3 ص 396 (نام محمد، المشہور محی الدین عربی ولادت اندلس 560ھ/ 1165ء۔ وفات 638ھ/1240ء۔ تعداد کتب تقریباً 400۔ (قاموس المشاہیر، نظامی بدایونی، بدایون 1924ء جلد اول ص 25)
2- فرید الدین گنج شکرؒ: آکھیا بابا فرید نے؛ مرتب آصف خاں پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1978ء ص 22

کے چند ہمعصر صوفیاء کرام کی تصانیف مثلاً شاہ ابوالمعالی (960ـ 1024ھ)[1] کی تحفہ القادریہ[2]، رسالہ شوقیہ، مونسِ جاں، زعفران زار، گلدستہ باغ ارم، ہشت محفل[3]، ملا شاہ بدخشی (995ـ 1072ھ)[4] کا رسالہ مرشد، رسالہ شاہیہ، رسالہ ولولہ، رسالہ ہوش، رسالہ نسبت[5]، کلیات ملا شاہ[6]، رباعیات ملا شاہ[7]، رسالہ حمد و نعت، سلطان باہو (1039ـ 1102ھ)[8] کی کلید التوحید، محبت الاسرار، اسرار طریقت، اور مفتاح العارفین[9] وغیرہ اہم دکھائی دیتی ہیں۔ ان سب تصانیف میں فقر، سلوک، تصوف کی بنیادی باتیں موجود ہیں۔ لیکن ان سب میں تسلسل کا فقدان ہے۔ علاوہ ازیں موضوعات کو ابواب میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ عقائد و افکار کی تکرار جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ تقریباً ہر تصنیف میں ایک جیسی آیات مبارکہ اور احادیث کے حوالے درج ہیں۔ یوں تمام تصانیف یکسانیت کا شکار ہیں لیکن ان کے برعکس حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی چہار بہار میں عالمانہ انداز ہے۔ آپ جو بھی مسئلہ بیان فرماتے ہیں، اسکی وضاحت مختلف حکایات

1- ظہور الدین احمد ڈاکٹر: پاکستان میں فارسی ادب۔ لاہور 1974ء، ج 2 ص 25

2- اردو ترجمہ ملک چنن دین کشمیری بازار لاہور سے شائع ہوا۔ س۔ن

3- مخطوطہ، ذخیرہ شیرانی نمبر 224 مملوکہ لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور

4- پاکستان میں فارسی ادب مذکور ص 25، میکڈونلڈ نے ولادت 992ھ لکھی ہے مگر ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔
(Macdonold D.B; The Religious attitude and life of Islam. Beryouth, 1965, P.195

5- مخطوطہ شمارہ نمبر Pi vi 158۔ لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور

6- ایضاً SPi vi 87

7- ایضاً APi vi 59

8- پنجابی شاعراں دا تذکرہ ص 80

9- سلطان باہو کی یہ تمام تصانیف مع اردو ترجمہ شائع ہو چکی ہیں۔

و واقعات سے کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ایک ماہر مُعلّم کی مانند تصوف کے دقیق مسائل نہایت مشفقانہ لب و لہجہ میں سمجھاتے چلے جاتے ہیں جو قاری کی طبع پر گراں نہیں گزرتے اور وہ مسائل کی گہرائی اور گیرائی کو پالیتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق ہمہ اوست کی معراج یہ ہے کہ سالک کو سوائے ایک (وحدت) کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ضارب اور مضروب میں فرق نہیں ملتا۔ اسی طرح دیکھنے والا، دکھانے والا، سننے والا اور سنانے والا ایک ہی ہے۔

اصل شہود، شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں (غالب)

ہر چیز کی ظاہری باطنی حس رب کریم کی ذاتِ اقدس سے ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز عارضی، فانی اور حالک ہے۔ وہ ہر صورت اور ہر رنگ میں موجود ہے، مگر ہر صورت اور ہر رنگ سے پاک ہے۔ جیسے پوری کائنات میں ایک ہی ہوا ہے جو ہر پودے، پھولوں اور پھلوں اور درختوں میں زندگی بانٹی ہے اور خوشیوں کے جھولے جھلاتی ہے اسی طرح وہ پاک ذات ہر جگہ موجود ہے۔ جیسے ہر چشمے کا پانی ایک جیسا ہے اور ہر پتھر میں ایک جیسی آتش پنہاں ہے۔ ایسے ہی اس پاکیزہ ذات کو پہچاننے کے لیے ظاہری صورت سے گزر کر معنی پر غور لازم ہے۔ پھر ہر شے میں اسی کی ذات جلوہ گر نظر آئے گی۔ بقول خواجہ میر درد:

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

مگر اس کے لیے باطن کی نظر چاہیے جس طرح دنیا دار دن رات دنیا کے خیالات میں کھویا رہتا ہے اور اسے دنیا مل جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی وحدت کے دریا میں ہر وقت ڈوبا رہے تو آخر کار وہ وحدت کو پالیتا ہے۔

چہار بہار کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اگر نوشہ صاحبؒ وحدت الوجود کی حقیقت کو یوں واضح نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ بعد میں آنے والے صوفیاء اور علماء وحدۃ الوجود کے تصور سے دور ہو کر وحدۃ الشہود کے تصور تک محدود رہ جاتے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ کے ان خیالات وتصورات کا اثر بعد میں آنے والے اکثر صوفیاء کے ہاں ملتا ہے۔ یہاں ان صوفی شعرا اور علماء کے کلام اور نثری تخلیقات کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں، جو نوشہ صاحبؒ کے تصورات سے متاثر ہوئے۔

حضرت سلطان باہوؒ:

الف احد جد دتی وکھالی از خود ہویا فانی ہو [1]
قرب وصال مقام نہ منزل نہ اوتھے جسم نہ جانی ہو
نہ اوتھے عشق محبت کائی نہ اوتھے کون مکانی ہو
عینوں عین تھیوسے باہو سر وحدۃ سبحانی ہو

O

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو [2]
نہ کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو

سید بلھے شاہؒ:

میں وچ ویکھاں تے میں نہیں ہوندی میں وچ وسنائیں تَیں
سرتوں پیراں تیک وی توں ہیں تے اندر باہر تَیں

O

1- سلطان باہو: ابیات باہو ص69
2- ایضاً ص110

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی [1]
سدو نی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی

پیر محمد بچیار نوشہرویؒ:

ہیر سیر مینوں کوئی نہ آکھو نہ کوئی آکھو سلیٹی [2]
ذات صفات اوتھائیں رہی ہن میں چا کے نال چکیٹی

سید وارث شاہؒ:

نال صدق یقین دے بنھ تقویٰ دھنے پتھروں رب نوں پایا ای [3]
میل دلے دی دھوئیے کے صاف کیتی تُرت گورو نے رب وکھایا ای
بچہ سئیوں جس قلبوت اندر سچے رب نے تھاؤں بنایا ای
وارث شاہؒ میاں ہمہ اوست جاپے سرب مئی بھگوان نوں پایا ای

علی حیدر ملتانیؒ:

ت۔ توہیں اج بھی کل بھی توہیں بھلکے پرسوں بھی توہیں توہیں [4]
اسیں اگے بھی کجھ نہیں ہُن بھی کجھ نہیں کل وت پرسوں بھی توہیں توہیں
تجھ بن رنگ محل حویلیاں کیا کجھ کرسوں بھی توہیں توہیں
آکھ حیدر شمع نوں تھئی پروانہ سرسوں سرسوں بھی توہیں توہیں

1- کلام بلھے شاہؒ: مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد پیکجز لاہور 1976ء ص38
2- کشکول نوشاہی: قلمی، لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور ذخیرہ شیرانی نمبر 6223 ص81
3- ہیر وارث شاہ: مرتبہ عبدالعزیز؛ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1964ء ص146
4- کلیات علی حیدر: پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1963ء ص43

ہاشم شاہؒ:

دیپک دیکھ جلے پروانہ اپنے ایہہ کیہ مذہب پچھاتا (1)
عاشق دین نہ مذہب رکھدے ایہناں درد خدا کر جاتا
جن ایہہ علم بھلایا دل توں اُن لدھا یار گواتا
ہاشم تنہاں رب پچھاتا جیہناں اپنا آپ پچھاتا

○

نہ کجھ متھی نہ متھ لے ٹریا، اسیں ٹور دتے ٹر آئے (2)
بیتن جوگ نہ متھ کے بیتے اُن آپے جا بہائے
کجھ معلوم نہیں ایہہ حکمت، مڑ کیتول ٹور لے جائے
ہاشم آپ کرے سب کاراں وچ حکمت اسی بنائے

○

رانجھا ہیر نے رب کر جاتا لوک دے نصیحت تھکے (3)
آوا درد چلیٹے آکھن مینوں خویش قبیلہ سکے
کعبہ تخت ہزارہ مائے لوک ٹر ٹر جاون مکے
ہاشم آکھ ہٹایو نہ سانوں اگے ملن چو پھیریوں دھکے

کر کر سمجھ رہیا وچ حیرت مینوں دل دا بھیت نہ آوے (4)
کدی تاں تخت بہے بن حاکم اتے کدی کنگال کہاوے
کدی بخت بیدار ہووے خود جسموں اتے سبھ کجھ خاک ملاوے
دیگر کون کہے میں ہاشم جیہڑا زور دکان چلاوے

1- ککارے: مرتبہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر؛ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1963ء ص16
2- ایضاً ص48
3- یضاً ص50
4- ہاشم شاہ: لوک ورثے کا قومی ادارہ اسلام آباد 1979ء ص112

میاں محمد بخشؒ:

ایویں نام مجاز دا عشق حقانی کُل — بلبل دا دل ٹھگدا کر جلوہ وچ گُل
آدم جزو ہک اوسدا اوہ ہے آپے کُل — ایہہ اوکھی رمز محمدا کیونکر دساں کُھل
اِدھر اُدھر آپ ہے میں تُوں وچ نہ کار — آپے شیشہ آپ ہے شیشے سرجن ہار
آپے ظاہر ہوندا آپے پردہ دار — نہیں زبان محمدا دساں ایہہ اسرار (1)

مولوی غلام رسول عالمپوریؒ:

زور و زور شہود تیرے دیاں میں دل چکاں پیاں
جیوں جیوں میں تھیں صفتاں میریاں فانی ہوندیاں گئیاں (2)

○

اول آخر ظاہر باطن آپے سبھ کجھ جانے
جان بنے انجان اساں تھیں کار کرے من بھانے (3)

○

میرا رات دنے ورتارا نال اوسے دے سارا
میں بھی اوہ تے اوہ بھی اوہو پردہ اجے نیارا (4)

خواجہ غلام فریدؒ:

جگ وہم خیال تے خوابے — سب صورت نقش برآبے
جے پچھدیں حال حقیقت — سن سمجھ اتے رکھ عبرت
جیویں بحر محیط ہے وحدت — کُل کثرت شکل حبابے
نہیں اصلوں اصل دوئیدا — خود جان ہے نسل دوئیدا

1- میاں محمد بخش: سوہنی مہینوال؛ سراج دین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور س ن ص12
2- محمد عالم مرتبہ: ڈوہنگے ویہناں دا شاعر ''مولوی غلام رسول عالمپوری'' ص265
3- ایضاً ص364
4- محمد عالم مرتبہ: ڈوہنگے ویہناں دا شاعر ''مولوی غلام رسول عالمپوری'' ص362

گیا پھونکا نکل دوئیدا   دل اوہو آپ دا آپ اے[1]

○

ہر صورت وچ آوے یار   کر کے ناز ادا لکھ وار
ہک جا روپ سنگار ڈکھاوے   ہک جا عاشق بن بن جاوے
ہر مظہر وچ آپ سماوے   اپنا آپ کرے دیدار[2]

○

ہر جا ذات پنل جی   عاشق جان یقین
ہرصورت وچ یار دا جلوہ   کیا اسمان زمین[3]

علامہ اقبالؒ:

میں جبھی تک تھا کہ تیری جلوہ پیرائی نہ تھی
جو نمودِ حق سے مِٹ جاتا ہے وہ باطل ہوں میں

حضرت نوشہ صاحبؒ کے بعد نظریہ وحدت الوجود ہر دور کے صوفیاء اور علماء کا محبوب عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

''پس کسیکہ قائل توحید وجودے باشداُو را کافر گفتن و از نماز پسِ پشتِ اُواحتراز کردن ومناکحتِ با اُونمودن و ذبیحہ اُونخوردن ہرگز روا نیست۔ بلکہ آنہارا مسلمان و اہلسنت باید دانست۔[4]''

حاجی امداداللہ:

''ظاہرہ میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔[5]''

1- خواجہ غلام فرید: کلیات خواجہ غلام فرید؛ مرتب محمد افضل خاں، کشتہ اینڈ سنز لاہور 1974ء ص 128
2- ایضاً ص 129
3- ایضاً ص 127
4- شاہ عبدالعزیز: فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ دہلی جلد اول، ص 52
5- حاجی امداداللہ: ضیاء القلوب، کتب خانہ عزیزیہ دیو بند س ن، ص 29

بندہ قبل وجودخود، باطن خدا بود۔ خدا ظاہر بندہ کُنتُ کَنزًا مَخفِیاً[1] یعنی بندہ اپنے وجود میں آنے سے قبل خدا تھا۔ اور خدا ظاہر ہوکر بندہ ہے۔ کُنتُ کنزاً اس امر کی شہادت ہے۔ مولانا شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

''جب ایک درخت کو خدائی کا دعویٰ اس بنا پر جائز ہے کہ وہ خدا کے نور سے منور ہوگیا تھا تو انسان جو قدرت الٰہی کا سب سے بڑا مظہر ہے ایک خاص مقام پر پہنچ کر کیوں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔[2]

مولانا اسمٰعیل دہلوی:

''خبردار اس معاملہ میں تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنّی انا اللہ رب العالمین صادر ہوئی تو پھر اشرفِ موجودات سے جو حضرتِ ذات (سبحانہ وتعالیٰ) کا نمونہ ہے، اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔[3]

مولانا اشرف علی تھانویؒ:

''اِنّی اَنا رَبُّکَ کی آواز موسیٰ'' کے باطن کی تھی۔[4] مسئلہ وحدۃ الوجود حق وصحیح مطابق الواقع ہے۔ اس مسئلے میں شک اور شبہ نہیں۔[5]

کتاب کے آخر میں نوشہ صاحبؒ نے نہایت مختصر الفاظ میں حکمت اور دانائی

1- حاجی امداداللہ: رسالہ بیان وحدۃ الوجود، کتب خانہ اشرفیہ دیو بند۔ س ن، ص 6
2- مولانا شبلی نعمانی: سوانح مولانا روم، نولکشور 1909ء ص 168
3- اسماعیل دہلوی: صراط مستقیم اردو ترجمہ ہدایت اللہ اینڈ سنز کلکتہ 1238ھ ص 15
4- اشرف علی تھانوی: امداد المشتاق، مکتبہ اسلامیہ لاہور 1929ء ص 73
5- ایضاً ص 41

کے ایسے نایاب نقاط بیان فرمائے ہیں، جس کی مثال ان کے ہمعصر صوفیاء کے ہاں ملنا مشکل ہے۔ آپ کے فکر انگیز خیالات کا خلاصہ اختصار کے ساتھ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ نوشہ گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

1- فقیر کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے علم حاصل کرے۔ کیونکہ علم کمینے کو بہتر، بہتر کو سردار اور بیوقوف کو عقل مند بناتا ہے۔ نفع اسے کہتے ہیں جو انسان کے ساتھ رہے اور نقصان وہ ہے، جو ساتھ چھوڑ جائے۔ انسان کیساتھ رہنے والی شے صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہے جو علم کے بغیر نہیں آتی۔ علم کے حصول کے لیے حلم ناگزیر ہے۔ شاہانہ لباس، لذیذ کھانے اور زیادہ نیند چھوڑنے سے حلم جنم لیتا ہے۔ اگر ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا جائے تو دل صاف شفاف آئینہ بن جاتا ہے اور دل کی صفائی میں ہی معرفت الٰہی ہے۔

2- سالک وہ ہے جو ظاہرداری نہ کرے، بلکہ باطنی نظر رکھتا ہو اور ہر صورت میں ربی جلوے دیکھے۔ اپنے آپ کو اپنی ذات میں گم کر دے تو پھر اس کی حقیقت کو وہی دیکھتا ہے، کوئی دوسرا نہیں دیکھ سکتا۔

3- سدا کی زندگی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب بندہ دنیا کی طرف سے اپنے آپ کو نیست و نابود کر لے۔

4- عشق ایک آگ ہے جو شخص اس میں چھلانگ لگاتا ہے، وہ آگ بن جاتا ہے۔

5- صوفی وہ ہے جو ظاہر اور باطن کی صفائی رکھے۔ نفسانی خواہشات کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھے۔ نفس کو کچلے نیز دنیاوی عیش و عشرت کو اپنے اوپر حرام کر لے۔

6- مست اسے کہتے ہیں جو زندگی، موت، کفر، اسلام، دوست، دشمن سب کو برابر سمجھے اور انکی قید سے آزاد رہے۔

7- مسلمان وہ ہے جو رب کریم کے فرمان کے مطابق امرونہی کی پیروی کرے

اور بال برابر بھی اس سے باہر نہ ہو۔ نیز خداوند کریم کے فرمان کے سامنے اپنی دلیل ختم کرے۔

8- کافر اسے کہتے ہیں جس نے صراطِ مستقیم کو فراموش کر دیا ہو۔

9- منافق وہ ہے جس کا ظاہر و باطن ایک جیسا نہیں۔

10- دیوانہ وہ ہے جو اپنے حال میں اس قدر غرق ہو کہ لوگوں کے پند و نصائح سے کوئی غرض نہ رکھے۔

11- انسان کی دائمی دولت صبر اور شکر ہے۔

12- ایمان اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت، یعنی قبولیت کا نشان ہے۔

13- آدمی وہ ہے جو خداوند کریم کی شناخت رکھتا ہے۔

14- خدا کی پہچان دو طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ ہمہ از وست اور ہمہ اوست

15- دنیا کا سامان گمراہی ہے اور عاقبت کا سامان دل کی شکستگی ہے۔

16- طلب کرو تو اللہ سے ہمیشہ اسکی معرفت طلب کرو۔

17- زندگی، دعویٰ کے بغیر بسر کرو۔

18- دنیا کے کارخانے میں سب سے زیادہ حق والدین کا ہے۔ اس لیے والدین اور مساکین کی خدمت کرو۔ کیونکہ ان کی رضامندی اللہ کی رضامندی ہے۔

19- بدی کرو تو صرف اپنے نفس کیساتھ

20- نیک بخت کی پہچان یہ ہے کہ وہ علم کی طلب رکھنے والا، سخی اور ہنس مکھ ہوتا ہے۔

21- سخی وہ ہے جس کے پاس جو کچھ ہو اُسے تقسیم کر دے۔

22- سب سے برا کام سوال کرنا ہے۔

23- سب سے بہتر کام، خدمت کرنا ہے۔

24- گناہ کا علاج توبہ ہے۔

25- بے اطاعت اور بے مروّت ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔

26- ناقص وہ ہے جو فقر کا لباس پہن کر دولت مند کے دروازے پر دستک دے۔

27- تھوڑا کھانا اور رات کو جاگنا دل کی روشنی ہے۔

28- فقیر کا لباس پردہ پوشی ہے۔

29- زبان، سچ بولنے اور حلال کھانے سے پاک ہوتی ہے۔

30- روح کی پاکیزگی بے ریائی ہے۔

31- لقمہ وہ لذیذ ہے جو دوسروں کو کھلا کر بچا ہوا خود کھایا جائے۔

32- دولت مند کے لیے نیک عمل سخاوت ہے۔

33- فقیر کی دولت توکل اور صبر ہے۔

34- حیاء، اللہ کے خوف اور بُرے کاموں سے شرمندگی اور حشر کے حساب کتاب سے ڈرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

35- جاہل آدمی ہمیشہ نفس کا غلام ہوتا ہے۔

36- بلند ہمت وہ ہے جس کو طمع اور لالچ نہ ہو۔

37- مرد وہ ہے جس کا ہر فعل اللہ کی خوشنودی کے لیے ہوتا ہے۔

38- آیا، وہ جو خلقت کو ہدایت دے گیا۔ گیا، وہ جسکی کوئی نیک یادگار نہ رہی اور رہا صرف وہ جسکی نیکی دنیا میں رہ گئی۔

مقصد یہ ہے کہ چہار بہار تصوف کا وہ بہترین خزانہ ہے، جس کے مطالعہ سے قاری نہ صرف نوشہ صاحبؒ کی علمی بصیرت کا قائل ہو جاتا ہے بلکہ یہ کتاب سالکین تصوف کے لیے بہترین رہنما ہے۔

(2) گنج الاسرار

اب تک کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پہلی اردو تصنیف ہے۔ اس کا صحیح سن تصنیف معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن زبان سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ 1050ھ سے 1060ھ/ 1640ء سے 1650ء کے زمانے کی تصنیف ہے۔

اس کا موضوع نہ تو مذہبی مسائل ہیں اور نہ ہی فقہ ہے۔ بلکہ اس میں سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے نوشاہی صوفیاء کے ذکر وفکر اور عبادت و ریاضت کے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اس تصنیف کے بہت سے قلمی نسخے نوشاہی درویشوں کے پاس موجود ہیں اور ان کے مختلف نام مشہور ہیں۔ کسی نے اس کا نام بیان اشغال [1] رکھا ہے۔ کسی نے گنج الاسرار [2]، کسی نے رمز العشق [3] کسی نے گیان لہر [4] کسی نے رمز العباد [5] کسی نے واحد نامہ [6] تو کسی نے کلام الملوک [7]۔ علاوہ ازیں بعض مخطوطوں میں اسکو وحدت نامہ، بیان تصوف، نسخہ طریقت اور راہ سلوک کے نام دیئے گئے ہیں۔

اس کتاب کے مختلف ناموں کی طرح ہر نسخے میں اشعار کی تعداد ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جیسے بیان اشغال میں اشعار کی تعداد 18، کلید گنج الاسرار میں 52، رمز العشق میں 57، گیان لہر میں44، رمز العباد میں 44,87، واحد نامہ میں 36 اور کلام الملوک میں 29 ہے۔ بعض مقامات پر اشعار کی زبان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے مگر مفہوم یکساں ہے۔ ان تمام قلمی نسخوں سے استفادہ کرتے ہوئے شرافت نوشاہی صاحب نے 1964ء میں گنج الاسرار کا موجودہ نسخہ ترتیب دیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کے حاشیے میں اشعار، مصرعوں اور الفاظ کے اختلاف کو واضح کیا ہے۔ مرتب

1- شیخ گل محمد (م 1170ھ): بیان اشغال 1150ھ مخطوطہ مملوکہ شرافت نوشاہی، ساہنپال گجرات

2- خلیفہ محمد ابراہیم برقندازی: کلید گنج اسرار۔ قلمی 1274ھ (شرح گنج الاسرار) مملوکہ کتب خانہ صاحبزادہ امیر حسین، دربار شاہ سلیمان نوریؒ بھلوال۔

3- مولوی علم لدین: رمز العشق 1280ھ (قلمی) چک بہلول ضلع گوجرانوالہ مملوکہ شرافت نوشاہی، ساہنپال

4- شیخ عمر بخش رسول نگری: آب حیاتی 1280ھ (قلمی) رسول نگر ضلع گوجرانوالہ۔ نظر محمد عباسی 1350ھ نہرانولہ ضلع ساہیوال

5- خواجہ عمر دین طالب چشتی نظامی: قرابادین چشتی؛ گڑھ شنکر س-ن

6- سائیں فتح علی خان: مجموعہ وظائف قادری نوشاہی راولپنڈی 1337ھ

7- مولوی مقبول محمد نوشاہی: سبیل سلسبیل؛ امرتسر 1342ھ

نے آخر میں مکمل مثنوی کا منظوم فارسی ترجمہ بھی درج کیا ہے جو قابل تحسین ہے۔

سلسلہ نوشاہیہ کی بنیادی کتب رسالہ الاعجاز، ثواقب المناقب، تذکرہ نوشاہی، تحائف قدسیہ اور کنز الرحمت وغیرہ میں نوشہ صاحبؒ کی کسی تصنیف کا حوالہ نہیں ملتا۔ جس سے خورشید احمد خاں صاحب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ گنج الاسرار نوشہ صاحبؒ کا کلام نہیں۔ [1] ان کے نزدیک یہ کلام کسی غلام محی الدین میر پوری کا ہے۔ [2] اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے دانشگاہ پنجاب لاہور میں موجود ایک قلمی نسخے کا حوالہ بھی دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مثنوی غلام محی الدین میر پوری کی تصنیف ہے۔ [3] جس میں مطبوعہ گنج الاسرار کے ساٹھ اشعار موجود ہیں۔ [4]

ہمارے خیال میں مطبوعہ گنج الاسرار کے کچھ اشعار کا غلام محی الدین میر پوری کی مثنوی میں شامل ہونے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ گنج الاسرار حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کلام نہیں ہے۔ یا پھر یہ کلام غلام محی الدین کی تخلیق ہے جسے نوشہ صاحبؒ کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ خورشید احمد خان کے اپنے ہی مضمون میں سے بعض ایسے حوالے ملتے ہیں جو نہ صرف ان کے اس دعویٰ کا جواب ہو سکتے ہیں بلکہ نہایت دلچسپ بھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''مثنوی کے مفصل مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل مرتب (شرافت نوشاہی) نے صرف ان نسخوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بعض ایسے اشعار بھی درج کر دیئے ہیں جو ان میں سے کسی نسخے میں بھی نہیں۔ پھر

1- خورشید احمد خاں (مضمون حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے منسوب اردو شاعری کی اصل حقیقت) اورینٹل کالج میگزین صد سالہ نمبر 1982ء لاہور ص 3

2- ایضاً ص 5

3- ایضاً

4- ایضاً ص 6

فاضل مرتب نے کہیں یہ نہیں بتایا کہ آیا مندرجہ بالا تمام کتب قلمی نسخوں کی شکل میں ہیں یا مطبوعہ، اگر قلمی نسخے ہیں تو کہاں ہیں؟ بہر حال نسخہ ''و'' (گلزار نوشاہی) تو مطبوعہ شکل میں ہے۔ اس میں کسی ماخذ کی نشاندہی کے بغیر 44 اشعار حضرت نوشہؒ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ جن دو نسخوں کو اصل قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے نسخہ الف (لطائف گل شاہی) کا مخطوطہ ہم نہیں دیکھ سکے، البتہ اس کا ایک مبینہ مبیضہ چند لمحوں کے لیے دیکھنے کو مل گیا تھا۔ اس میں اٹھارہ اشعار تو درج ہیں۔ مگر شاعر کا نام کہیں نہیں لکھا گیا...... آخری شعر بھی جس میں تخلص استعمال ہوا ہے اس بیاض میں نہیں ہے۔ البتہ شرافت صاحب نے خود اپنے قلم سے وہاں فارسی میں ایک نوٹ لکھا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ اشعار حضرت نوشہ گنج بخش کے ہیں۔ ظاہر ہے اس شکل میں یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ نسخہ الف کے اٹھارہ شعر حضرت نوشہ ہی کے ہیں۔ بقایا نسخوں تک ہماری رسائی نہیں ہوئی۔ مگر چار نسخوں میں (جن میں اصل نسخہ) بھی شامل ہے۔ کوئی بھی چالیس سال سے پرانا نہیں۔'' [1]

ایک طرف تو خورشید احمد خان یہ اقرار کرتے ہیں کہ شرافت نوشاہی صاحب نے جن نسخوں کی مدد سے گنج الاسرار کا مطبوعہ نسخہ مرتب کیا ہے، ان میں سے صرف ایک نسخہ کے علاوہ باقی کے تمام نسخوں تک ان کی رسائی نہیں ہوئی اور نہ ہی انہیں معلوم ہوا ہے کہ باقی نسخے قلمی ہیں یا مطبوعہ۔ دوسری طرف وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں ''کہ فاضل مرتب (شرافت نوشاہی) نے صرف ان نسخوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایسے اشعار بھی درج کر دیئے ہیں جو ان میں سے کسی نسخے میں بھی نہیں۔''

1- اورینٹل کالج میگزین۔ مذکور ص 4

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خورشید احمد خان کی رسائی ان نسخوں تک نہیں ہوسکی تو انہوں نے یہ نتیجہ کہاں سے اخذ کیا کہ مطبوعہ گنج الاسرار کے اشعار مذکورہ نسخوں میں موجود نہیں۔

اگر خورشید احمد خان ذرا سی تحقیق اور جستجو سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ نسخہ الف لطائف گل شاہی اور نسخہ ب مکتوبہ مولوی علم الدین بہلولی کے علاوہ باقی کی سب کتب مطبوعہ ہیں۔ جیسے:

1- زمزمہ نوشاہی مرتبہ پیر نواب علی، سجادہ نشین دربار پیر محمد سچیارؒ، نوشہرہ میانہ گجرات اسٹیم پریس لاہور، 1333ھ/ 1914ء

2- مجموعہ وظائف قادری نوشاہی: مرتبہ پیر صالح شاہ، دین محمد پریس لاہور 1340ھ/ 1921ء

3- سبیل سلسبیل مرتبہ مقبول محمد: روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر 1342ھ/ 1923ء

4- کشکول نوشاہی: مطبوعہ سٹیم پریس لاہور 1350ھ/ 1931ء

5- گلزار نوشاہی مرتبہ شیخ محمد حیات شرقپوری، لاہور 1344ھ/ 1925ء

ان تمام کتب میں وہ تمام اشعار موجود ہیں جو گنج الاسرار کے مطبوعہ نسخہ میں درج ہیں۔ ان کتب کی اشاعت کے سنین دیکھ کر خورشید احمد خان صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ ان نسخوں میں کوئی نسخہ بھی چالیس سال سے پرانا نہیں ہے۔ ایسی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تصویر کا ایک ہی رخ سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے حافظ محمود شیرانی صاحب کا صرف یہی قول:

"دہلی میں اردو ادبستان ابھی قائم بھی نہیں ہو چکتا کہ پنجاب میں لوگ اردو زبان میں مثنویاں لکھنی شروع کر دیتے ہیں۔ میر پور (کشمیر) کے شیخ غلام محی الدین تصوف میں مثنوی گلزار فقر 1131ھ میں ختم

کرتے ہیں۔"(1)

سامنے رکھ کر فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ مثنوی نوشہ صاحب کی تخلیق نہیں بلکہ غلام محی الدین میر پوری کی ہے، اور ساتھ ہی مثنوی کی زبان کے متعلق ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "اسکی زبان بارہویں صدی ہجری کی زبان معلوم ہوتی ہے۔"(2) جبکہ جمیل جالبی صاحب نے خود نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی گنج الاسرار کا زمانہ گیارہویں صدی ہجری متعین کیا ہے:

"گیارہویں صدی ہجری میں ہمیں مثنوی، غزل اور مخمس بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ ہم واضح طور پر محسوس کرنے لگتے ہیں کہ فارسی تہذیب ہندوی تہذیب پر غالب آ گئی ہے۔ اب ہندوی اصناف سخن اور بحور ٹکسال باہر ہو رہے ہیں۔ اور فارسی اصناف و بحور ان کی جگہ لے رہے ہیں۔ حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی گنج الاسرار، شاہ مراد خانپوری اور رحمان بابا کا کلام اور عبدالحکیم عطا ٹھٹھوی کی غزلیں اسی تہذیبی اثر کی واضح مثالیں ہیں۔"(3)

بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ مثنوی غلام محی الدین میر پوری کی تخلیق ہے (جیسے خورشید احمد خان نے دعویٰ کیا ہے) جو بقول حافظ محمود خان شیرانی 1131ھ کی تصنیف ہے تو خورشید احمد خان کا اپنا یہ بیان "کہ اس مثنوی کی زبان تین چار سو سال پرانی معلوم نہیں ہوتی۔"(4) اپنے آپ مضحکہ خیز بن جاتا ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق نوشہ صاحب کی ولادت 1014ھ/ 1605ء اور

1- مقالات محمود شیرانی مجلس ترقی اردو لاہور 1966ء ج 2 ص 128

2- اورینٹل کالج میگزین مذکور ص 4

3- جمیل جالبی ڈاکٹر: پاکستان کی قدیم اردو شاعری لاہور 1976ء [نصاب ایم-اے اردو میں شامل] ص 12، 13

4- اورینٹل کالج میگزین مذکور ص 4

وفات 1103ھ/ 1682ء میں ہوئی۔ نوشہ صاحبؒ نے اس میں اپنے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کا ذکر کیا ہے کہ ان کی برکت سے میں صحیح معنوں میں انسان بنا اور سلوک کی منزلیں طے کیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

مجھکوں مرشد شاہ سلیمان
بن مانس سے مانس کیناں (1)

اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے یہ مثنوی اپنے مرشد سے خلافت پانے اور سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد 1050ھ تا 1060ھ کے درمیان لکھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے گنج الاسرار کی تصنیف کا دور گیارہویں صدی ہجری بالکل صحیح متعین کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا کوئی ایسا قلمی نسخہ ہمارے ہاتھ نہیں آیا جو 1131ھ سے پہلے کے زمانے کا کتابت شدہ ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ دریائے چناب کے سیلاب کی وجہ سے نوشہ صاحبؒ کا مزار تیسری جگہ بنایا گیا۔ یہ سارا علاقہ تین مرتبہ دریا کے سیلاب کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ جسکے سبب قلمی نسخے دریا کی نذر ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بسیار کوشش کے باوجود نوشہ صاحبؒ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی بھی قلمی نسخہ دستیاب نہ ہو سکا۔ مگر ان کا کلام تقریباً تین ساڑھے تین سو سال سے نوشاہی بزرگوں کو زبانی یاد ہے جو نسل در نسل سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے۔ اگر یہ کلام نوشہ صاحبؒ کا نہ ہوتا تو نوشاہی بزرگ نسل در نسل اسے یاد نہ رکھتے۔ قادری سلسلے کی کسی اور شاخ کے بزرگوں کے ہاں یہ کلام بطور وظیفہ موجود نہیں۔ صرف نوشاہی بزرگوں نے اسے وظیفہ سمجھ کر اپنے ذکر وفکر کے لیے اپنایا ہوا ہے اور گذشتہ ساڑے تین سو سالوں کے طویل عرصے میں کسی نوشاہی بزرگ نے اس حقیقت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ وہ دل و جان سے اسے حضرت نوشہ صاحبؒ کا کلام سمجھتے ہیں اور اس کی روحانی برکات سے فیضیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

1- نوشہ گنج بخشؒ: گنج الاسرار ساہیپال گجرات 1964ء ص 40

جہاں تک قلمی نسخوں کی دستیابی کا تعلق ہے ہمیں بسیار تلاش کے باوجود حضرت نوشہ صاحبؒ کے مزار کے اردگرد کے کسی ایک بھی گاؤں سے کوئی قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ البتہ برق نوشاہی صاحب نے ایک ملاقات میں بتایا کہ انہوں نے قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل موجودہ آزاد کشمیر کے ایک گاؤں چومک میں 1107ھ کا ایک مخطوطہ ایک ذاتی کتب خانے میں دیکھا تھا۔ جس میں یہی اشعار نوشہ صاحبؒ کے نام سے لکھے ہوئے تھے۔ جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار غلام محی الدین میر پوری کی گلزار فقر سے پہلے موجود تھی۔

میر پور کے گاؤں چومک کے کتب خانے میں مثنوی گنج الاسرار کی موجودگی اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ میر پور کے علاقے میں 1103ھ تک نوشاہی سلسلے کا خاصا اثر قائم ہو چکا تھا۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے خلیفہ سید عبداللہؒ چوکی نوشہ صاحبؒ کے ارشاد کی تعمیل میں اس علاقے کے لوگوں کی روحانی تربیت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کا مزار اب بھی موضع چومک (1) (میر پور) میں موجود ہے۔ اسی زمانے میں ان کے ایک ساتھی اور حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے خلیفہ حافظ طاہر کشمیری مقبوضہ کشمیر کے علاقہ ''سیاکھ'' میں نوشاہی سلسلے کی تبلیغ کر رہے تھے۔ لہٰذا نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار کی اس علاقے میں موجودگی کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ آزاد کشمیر کے کتب خانہ میں اس مثنوی کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلام محی الدین میر پوری نے نوشہ صاحبؒ کی مثنوی پڑھی یا سنی ہوگی۔ پھر اسکے تتبع میں خود مثنوی لکھی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کی مثنوی سے اثر قبول کرتے ہوئے ان کے کئی اشعار اپنی مثنوی میں شامل کر لیئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ غلام محی الدین کے کئی ایک اشعار نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار سے ملتے جلتے ہیں۔ گو کہ دونوں مثنویوں میں بہت سے اشعار مشترک ہیں۔ لیکن اس کے

1- پہلے چومک میر پور سے صرف دس میل دور تھا۔ پھر یہ گاؤں منگلا ڈیم میں آ گیا۔ اب یہ گاؤں میر پور سے 40 میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ پرانا میر پور تھا نئے میر پور سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔

باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی گنج الاسرار کے جتنے زیادہ نسخے نوشاہی سلسلہ کے بزرگوں کے پاس مخطوطوں کی صورت میں موجود ہیں وہ غلام محی الدین کی مثنوی کے نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں نوشاہی سلسلہ کے اکثر بزرگوں کو یہ مثنوی حفظ ہے۔

جہاں تک ایک شاعر کے کلام کا دوسرے شاعر کے کلام میں مل جانے کا تعلق ہے۔ یا کسی شاعر کا کلام کوئی اور شاعر اپنے نام سے منسوب کر لیتا ہے ادب میں اس قسم کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔ کوئی ادیب یا شاعر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ پرانے زمانے میں مختلف کتب کے حوالے دینے کا رواج آج کی طرح نہیں تھا اور نہ ہی (قومے) ڈال کر ظاہر کیا جاتا تھا کہ تحریر کسی اور کی ہے۔ وہ نثر کے لیے صرف ''نقل است'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ جس سے قطعاً واضح نہیں ہوتا تھا کہ یہ عبارت کسی تحریر سے حوالہ کے طور پر نقل کی گئی ہے، یا پھر کسی زبانی روایت کو تحریر میں شامل کیا گیا ہے۔ بے شمار پرانے مخطوطوں میں ایسی مثالیں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اچھے شعر یا نثر پارے کے حصوں کو اپنی تحریر کا حصہ بنا لینا معیوب خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

پنجاب اور پنجابی زبان کے قابل فخر شاعر وارث شاہؒ کے عظیم مرتبے اور اعلیٰ شاعری سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اس کے قصہ ہیر رانجھا کو کسی بھی زبان کے ادب عالیہ کے مقابل رکھا جا سکتا ہے۔ اگر ہم بنظر غایئر قصہ ہیر رانجھا کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ اس میں بہت سے مصرعے اور اشعار مقبل کی ہیر سے لیے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض مصرعوں اور اشعار میں معمولی سی تبدیلی کر کے اپنا لیا ہے۔ بعض کو ویسے ہی اپنے کلام کا حصہ بنا لیا ہے اور کہیں بھی حوالہ نہیں دیا۔ جبکہ مقبل، وارث شاہ سے پہلے کا شاعر ہے۔ لیکن آج ہر کوئی ان اشعار کو وارث شاہ کے ذہن کی تخلیق سمجھتا ہے۔ مقبل کے قصہ ہیر رانجھا اور وارث شاہ کے قصہ ہیر رانجھا کا موازنہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ مقبل نے وارث شاہ سے قبل قصہ ہیر رانجھا لکھا تھا۔ اس لیے وارث شاہ نے اس کے اشعار سے

نہ صرف استفادہ کیا بلکہ بحر بھی وہی استعمال کی ہے۔ وارث شاہ کے کلام میں مقبل کے بہت سے مصرعے اور اشعار دیکھ کر کیا ہم وارث شاہ کے قصہ ہیر رانجھا کو مقبل کی تصنیف کہہ سکتے ہیں؟ کوئی بھی محقق یا نقاد اس سوال کا جواب ہاں میں نہیں دے سکتا۔ [1]

ہمارے خیال میں یہی حال نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار اور غلام محی الدین کی گلزار فقر کا ہے۔ جب ایسی صورتحال سامنے ہو تو پھر ہم ان اشعار کو عام طور پر اس شاعر کی تخلیق قرار دیتے ہیں جس کی تصنیف قدیم ہوتی ہے، اور اس بنیاد پر انکار نہیں کرتے کہ کوئی قدیم مخطوطہ دستیاب نہیں۔ اگر فیصلہ مخطوطوں پر ہی کیا جاتا ہے تو ہم اپنی ان بیشمار مذہبی کتب کو کس حساب میں ڈالیں گے جو مخطوطوں کے ذریعے نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچتی ہیں۔ اس ضمن میں ہزاروں احادیث کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر ہم اپنے ادب کا جائزہ لیں تو بابا فریدؒ، شاہ حسینؒ، سلطان باہوؒ، وارث شاہؒ اور بلھے شاہؒ کے کلام کا کوئی ایسا قلمی نسخہ دستیاب نہیں جو ان کے اپنے ہاتھوں کی تحریر ہو جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ واقعی ان کا کلام ہے۔

پنجابی زبان کے دوسرے عظیم صوفی شاعر شاہ حسینؒ کے کلام میں نہ تو ان کی رندانہ زندگی کا عکس دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی ان کے محبوب دوست مادھو لال کا ذکر ملتا ہے۔ بلکہ شاہ حسینؒ کے کسی ایک شعر میں بھی مادھو لال کا نام تک نہیں آیا۔ اس کے باوجود ہم صدیوں سے ان تمام بزرگوں کو صوفی شاعر تسلیم کرتے آ رہے ہیں، اور ان کے عارفانہ کلام کے ذریعے لوگوں کو روحانی سکون ملتا رہا ہے۔ کیا ہم ان بزرگ صوفی شعرا کے کلام کے معتبر قلمی نسخے دستیاب نہ ہونے کے باعث ان کے کلام کو ماننے سے انکار کر سکتے ہیں؟ کوئی بھی سنجیدہ محقق یا نقاد اس کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا۔ جبکہ گنج الاسرار حضرت نوشہ صاحبؒ کی تصنیف ہونے کے واضح اشارے گنج الاسرار کے اشعار میں موجود ہیں۔ حضرت نوشہ صاحبؒ گنج الاسرار میں اپنے مرشد کا ذکر ان الفاظ میں کرتے

1- ہیر مقبل: (دیباچہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر) پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1967

ہیں:

مجھ کوں مرشد شاہ سلیمان	بن مانس سیں مانس کیناں
دھن دھن بھاگ میں مرشد پایا	سروپ روپ جس منہ دکھایا
سنگت گور سیں میں بلہاری	بھرم دوئی کا مارن ہاری
ستگور پورے راہ بتایا	تاں میں بھیت محبت پایا
لب سیں یار کی میں مدھ پیتا	خمار اس کے نے بیخود کیتا [1]

ان اشعار میں نوشہ صاحبؒ نے اپنے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ کا ذکر کیا ہے۔ آخری شعر کے دوسرے مصرع ''خمار اس کے نے بیخود کیتا'' میں اس واقع کی طرف اشارہ موجود ہے جب آپ سخی شاہ سلیمانؒ کی خدمت میں بیعت اختیار کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے تو ان کی ایک ہی نظر کیمیا اثر نے نوشہ صاحبؒ کو اس قدر بے خود اور مدہوش بنا دیا تھا کہ تین ماہ تک ایک ہی کروٹ لیٹے رہے۔[2] چنانچہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ان کی ذاتی زندگی کے واقعات کے حوالے موجود ہیں۔ جو ان کا کلام ہونے کی شہادت ہے۔

گنج الاسرار کے مطالعے کے بعد خورشید احمد خان کے اس دعوی کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ ان اشعار میں ربط نہیں ہے۔ حالانکہ ان اشعار میں نہ صرف پورا پورا منطقی ربط موجود ہے، بلکہ فنی اعتبار سے بھی وزن اور بحر پر پورے اترتے ہیں جبکہ گلزارِ فقر کے بہت سے اشعار وزن اور بحر سے خارج ہیں۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ غلام محی الدین میرپوری کوئی اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں تھا۔ اس نے صرف اپنی روحانی تسکین کی خاطر حضرت نوشہ صاحبؒ کے صوفیانہ کلام کے تتبع میں مثنوی گلزار فقر لکھی۔ اگر وہ کوئی بلند درجہ شاعر ہوتا تو اس کے مصرعوں میں فنی سقم نہ ہوتا۔ جبکہ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ایسا

1- گنج الاسرار ص 40
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 103

کوئی فنی سقم دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں گنج الاسرار اور گلزار فقر کے چند اشعار کا موزانہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان اشعار کو خورشید احمد خان صاحبؒ نے بھی اپنے مضمون میں نقل کیا ہے:

شعر نمبر	گنج الاسرار	شعر نمبر	گلزار فقر
1-	جس ذات کا اللہ ناؤں اس کا تجھے بتاؤں تھاؤں	3-	جس ذات کا اللہ ہے ناؤں تس کا مجھے بتاؤ تھاؤں
2-	کم ایک سے تین ہزار اتنے نام دھرے کرتار	31-	کم ایک سوں اور تین ہزار ایتے نام دھرے کرتار
6-	وحدت نوں توں کر تحقیق اس کوں من سو کر تصدیق	243-	غیر نہی کر تحقیق اس کوں من سوں کر تصدیق
7-	ایس مکان کوں پہنچن مشکل سخت راہ ہے دور ہے منزل	244-	پر اس مقام کوں پہنچن مشکل سخت ہے راہ دور ہے منزل
11-	طاعت اوہ جو پیر فرماوے اپنا کیا کجھ کام نہ آوے	248-	پیر طاعت وہ جو پیر فرمائے اپنا کیا کجھ کام نہ آوے

یہاں ہم نے چند اشعار کا موازنہ پیش کیا ہے۔ ان کے علاوہ مثنوی گلزار فقر میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو نہ صرف وزن اور بحر سے خارج ہیں بلکہ ایسے اشعار کے سبب مثنوی میں ربط اور تسلسل کا فقدان ہے۔ اس کے مقابلے میں مثنوی گنج الاسرار کے اشعار سے صاف عیاں ہے کہ یہ اشعار کسی پختہ ذہن اور فن پر عبور رکھنے والے شاعر کے ذہن کی تخلیق ہیں۔

غلام محی الدین میر پوری سے متعلق نہ تو کوئی معلومات دستیاب ہیں اور نہ ہی اس غیر معیاری مثنوی کے علاوہ اُس کا اور کوئی کلام ملتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نوشہ گنج بخشؒ ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جن کے حالات زندگی مختلف کتب میں موجود ہیں بلکہ ان کی شاعری

اور نثر نگاری کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ نوشہ گنج بخشؒ کے ملفوظات پر مشتمل کتاب ''چہار بہار'' بڑی اہمیت رکھتی ہے جسے پنجابی زبان کے مشہور شاعر ہاشم شاہ نے مرتب کیا ہے۔ آج تک کسی نے ان ملفوظات سے انکار نہیں کیا۔ گنج الاسرار کے بنظر غائر مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس مثنوی کے بہت سے اشعار نوشہ صاحبؒ کے ملفوظات سے فکری ربط رکھتے ہیں۔ یہاں کچھ حوالے پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت پیر محمد سچیارؒ نے اپنے مرشد حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے سوال کیا۔

سوال: ذاتِ مولا چگونہ بیند؟ [1]

جواب (نوشہ صاحبؒ): خود را چوں در خود گم کند

سوال: خود را در خود چگونہ گم کند؟ [2]

جواب (نوشہ صاحبؒ): خاموش باش، ہر کہ گم شود او میداند

اب یہی مضمون گنج الاسرار میں ملاحظہ ہو:

گم کر اپنا آپ اے غافل   جے ہونا ہے حق کا واصل
اس سیں ظاہر کیونکر کہیے   سِر چھپے تو عارف رہیے
سَر جاوے پر سِر نہ جاوے   تو یہ سَر سِر گوں پاوے [3]

سوال: حیات جاوید چگونہ باید؟ [4]

جواب (نوشہ صاحبؒ): چوں نیست شود

گنج الاسرار کے یہ اشعار اسی فکر کو یوں پیش کرتے ہیں:

لَا اِلٰـہَ اِلاَّ الـلّٰـہ سادھے   من سوں اس دم سب کچھ چھاڑے
ایسی ضرب اللہ کی لاوے   جو خطرہ ہے سبھ جھڑ جاوے

1- چہار بہار (مرتبہ) شرافت نوشاہی ص 128
2- ایضاً ص 129
3- گنج الاسرار (مرتبہ) شرافت نوشاہی ص 39
4- چہار بہار ص 129

لَا اِلٰـــہ کی پکڑ بھاری   گرو دھند سب دور اتاری
الـلّٰـــہ الـلّٰـــہ اتنا کہے   آپ نہ رہے تے اللہ رہے [1]

سوال: از معرفت چہ پیدا شود؟

جواب (نوشہ صاحبؒ): آنکہ در گفتن و نوشتن و فہمیدن نمے آید۔ [2]

اب گنج الاسرار کا یہ شعر دیکھیے:

پُرسش اسکی پیر سوں پاوے   جو لکھنے موں رسم نہ آوے [3]

مثنوی گنج الاسرار میں نوشہ صاحبؒ کے مرشد کا ذکر اور آپ کے اشعار کا آپ کے حالات و ملفوظات سے گہرا فکری ربط اس بات کا بین ثبوت ہے کہ گنج الاسرار کے مصنف حضرت نوشہ گنج بخش ہی ہیں۔

گنج الاسرار کی ادبی اہمیت

قدیم اردو ادب کے حوالے سے گنج الاسرار کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ قدیم اردو شاعری میں اس کا مقام متعین کرنے کے لیے نوشہ صاحبؒ کے دور کی اردو شاعری خصوصاً مثنوی نگاری کا سیاسی، سماجی اور تاریخی پس منظر میں جائزہ لینا ہوگا۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد بیجاپور، گولکنڈہ اور احمد نگر میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے وجود میں آنے سے دکنی زبان یعنی اردو کو خاص ترقی حاصل ہوئی۔ قطب شاہی حکمرانوں کے ہندو خاندانوں میں شادیاں کرنے اور عام میل جول رکھنے کے نتیجے میں مقامی زبانوں کے اردو پر گہرے اثرات مرتب ہوئے، جس سے اردو کا جدید روپ تیزی سے نکھرنے لگا۔ نیز گولکنڈہ اور بیجاپور کے حاکم خود بھی شعر و شاعری کے دلدادہ

1- گنج الاسرار ص 38
2- چہار بہار ص 128
3- گنج الاسرار ص 33

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں غواصی ، ملا قطبی ، ابن نشاطی ، جنیدی ، طبعی ، فائز ، شاہی ، مرزا ، شعور ، بیچارہ ، طالب اور مومن جیسے شعراء کا گروہ گولکنڈہ کے شاہی دربار میں دکھائی دیتا ہے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ اپنے والد ابراہیم قطب شاہ کی وفات کے بعد بارہ برس کی عمر میں 1581ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے 1587ء میں بیجا پور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ کے ساتھ صلح کر لی۔ قلی قطب شاہ خود شاعر تھا اور شاعروں اور علماء کا قدر دان تھا۔ وہ اثناء عشری عقیدے کا قائل تھا۔ چنانچہ اس کے دور میں مرثیہ کو زیادہ رواج ملا۔ وہ خود شعر کہتا ، فارسی میں قطب شاہ اور اردو میں معانی تخلص کرتا تھا۔ اس کے اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل دیوان میں مثنوی ، قصیدہ ، ترجیع بند اور رباعی ملتی ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ سب اصناف اس دور میں عام مقبول تھیں۔ قُلی قطب شاہ کی شاعری میں قدرتی مناظر ، عاشقانہ رنگ اور تصوف کے مضامین ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں مقامی ثقافتی حوالے بھی موجود ہیں۔ بقول رام بابو سکسینہ ، قُلی قطب شاہ سے پہلے بھی مذہبی مثنویاں موجود تھیں مگر ان کو کسی اعتبار سے ادبی درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ [1] ولی دکنی کے کلام میں فارسی تشبیہات ، استعارے اور ہندی تراکیب کے علاوہ پنجابی زبان کے الفاظ ، تراکیب اور محاورات کی کمی نہیں ہے۔ بلکہ بعض جگہ اس کے کلام پر پنجابی ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

1611ء تا 1625ء قلی قطب شاہ کے داماد و جانشین سلطان محمد قطب شاہ کی زبان میں بہت زیادہ نکھار نظر آتا ہے۔ اس کے بیٹے سلطان عبداللہ قطب شاہ نے (1625ء سے 1674ء تک) اردو شاعری کی بہت خدمت کی۔ اگرچہ وہ شہنشاہ شاہ جہاں کا باجگذار تھا لیکن شعرا اور علماء کی ایک بڑی تعداد ہر وقت اس کے دربار میں حاضر رہتی تھی۔ وہ خود بھی شاعر تھا۔ اسکی اپنی شاعری میں عشقیہ رنگ گہرا ہے۔ وہ غزل کا عمدہ شاعر تھا۔ مگر اسکی غزل میں تصوف کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ اس دور میں روائتی قصہ گوئی

1- رام بابو سکسینہ ، تاریخ ادب اردو ، پنجاب پریس لاہور 1929ء ص 97

کا رواج مثنوی کے روپ میں نمایاں تھا۔ چنانچہ ابن نشاطی کی مثنوی پھول بن ، غواصی کی مثنوی ''سیف الملوک'' ، طوطی نامہ تصنیف 1639ء جنیدی کی مثنوی ''ماہ پیکر'' تصنیف 1064ھ/ 1653ء ، طبعی کی مثنوی ''بہرام و گل اندام'' تصنیف 1670ء تحسین الدین کی مثنوی ''قصہ کامروپ'' ، فائز کی مثنوی ''قصہ رضوان شاہ'' اردو ادب میں بہت مشہور ہیں۔

گولکنڈہ کے بادشاہوں کی طرح بیجا پور کے حاکم بھی علم و فن کے بہت دلدادہ تھے۔ فارسی کے مشہور شاعر ظہوری (وفات 1616ء) کی سرپرستی کا فخر ابراہیم عادل شاہ کی بادشاہت کو حاصل ہے۔ ابراہیم عادل شاہ کو شاعری کے ساتھ ساتھ فن موسیقی سے بھی شغف تھا۔ اس نے ہندی نظم میں ایک کتاب دھرپد کے نام سے موسیقی کے اسرار و رموز سے متعلق لکھی تھی۔ علی عادل شاہ کے دور حکومت میں نصرتی (وفات 1683ء) کو مثنوی علی نامہ کی تصنیف پر ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا۔ اس نے تین مثنویاں علی نامہ 1665ء ، گلشن عشق 1667ء اور گلدستہ عشق 1670ء میں لکھیں۔

اس دور میں چند ایک مذہبی انداز کی مثنویاں بھی لکھی گئیں۔ ان میں سے سید میراں ہاشمی کی چھ ہزار سے زائد اشعار کی مثنوی یوسف زلیخا 1687ء ، علی عادل شاہ کے ہم عصر شاہ ملک کا رسالہ احکام الصلوٰۃ ، شاہ امین (وفات 1674ء) کے دو رسالے قُربیہ اور وجودیہ اور قاضی محمود بحری کی مثنوی من لگن 1700ء قابل ذکر ہیں۔ ان تمام تصنیفات کا موضوع تصوف ہے۔ اس دور میں اردو مثنوی نے بے حد ترقی کی اور ارتقائی منازل طے کیں۔ یہاں تک عشقیہ مضامین کے دائرہ سے نکل کر مذہب و تصوف کی وسعتوں کو چھونے لگی۔

اسی دور میں ولی دکنی (ولادت 1079ھ/ 1668ء) کی غزل کی روشنی پھیلنے لگی۔ اس نے غزل کو نیا روپ عطا کیا۔ اگر ہم اس کے ساتھ ساتھ شمالی ہندوستان کی مثنوی نگاری کا جائزہ لیتے چلیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ ڈاکٹر عبدالحق کی تحقیق کے

مطابق شمالی ہندوستان میں جو مثنویاں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں سب سے قدیم مثنوی ''وفات نامہ حضرت فاطمہؓ'' ہے۔ شیخ چاند نے اس مثنوی کا نام تولد نامہ حضرت فاطمہؓ لکھا ہے۔ یہ مثنوی 1105ھ کی تصنیف ہے۔[1] اس کے مصنف کا نام اسماعیل امروہوی ہے۔ جس کا زمانہ 1054ھ تا 1123ھ بتایا گیا ہے۔[2] ڈاکٹر عبدالحق اس کی ادبی حیثیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

''ادبی اعتبار سے اس کتاب کی کوئی اہمیت نہیں۔ بہت ہی معمولی درجے کی ہے۔ لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دلی کے آس پاس کے اضلاع اور قصبات کی زبان کیسی تھی۔[3]''

اسماعیل امروہوی کی ایک اور مثنوی معجزہ انار نجیب اشرف ندوی نے متعارف کرائی ہے۔[4] بقول حامد اللہ افسر شمالی ہند میں میر تقی میر مثنوی کے پہلے شاعر تھے۔[5] میر 1137ھ میں پیدا ہوئے۔[6] سید مسعود حسن رضوی نے دیوان فائز کا مقدمہ لکھتے ہوئے فائز دہلوی کو مثنوی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ اور اس کی مثنوی قصہ رضوان شاہ کو 1094ھ کی تصنیف بتایا ہے۔[7] اس کے مقابلے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی مثنوی جو

1- صابر علی خان لودھی: اردو مثنوی کا ارتقاء، مقالہ ایم-اے اردو 1956ء پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص 77

2- نائب حسین نقوی: اردو کی دو قدیم مثنویاں، مجلس ترقی اردو لاہور 1970ء ص 59

3- عبدالحق ڈاکٹر: مضمون شمالی ہند کی سب سے قدیم مثنوی، سہ ماہی رسالہ اردو کراچی جنوری 1954ء ص 6

4- مضمون، اسماعیل امروہوی کی ایک مثنوی، سہ ماہی رسالہ اردو، کراچی، جنوری 1954ء ص 7

5- حامد اللہ افسر: نقد الادب ص 166

6- تاریخ ادب اردو ص 196

7- ایضاً

1050ھ تا 1060ھ کی تصنیف ہے اسے ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے 1064ھ کی تصنیف قرار دیا ہے۔[1]

اگر اس سارے تناظر میں غور سے جائزہ لیا جائے تو جدید تحقیق کے مطابق مثنوی گنج الاسرار قدیم ترین مثنوی ہے۔ قدامت کے علاوہ زبان و بیان کے حوالے سے بھی یہ مثنوی بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔ کیونکہ نوشہ صاحبؒ کو زبان اور بیان پر عبور حاصل تھا۔ نوشہ صاحبؒ تصوف کے جملہ مسائل کی باریکیوں سے بھی شناسا تھے۔ جن کی بنا پر یہ مثنوی ایک شاہکار کا روپ دھار گئی۔ انہوں نے اس مثنوی میں مذہبی مسائل بیان نہیں کیے بلکہ قادری سلسلے کے صوفیاء کی ریاضت کے اس طریقے کو نظمایا ہے، جو آج بھی نوشاہی درویشوں میں مروج ہے۔

ریاضت کے اس طریقے پر عمل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن جو سالک اس پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ حقیقت کا ادراک حاصل کر لیتا ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ سالک اس طریقے پر عمل کرنے کی اجازت اپنے پیرو مرشد سے حاصل کرے۔ جیسا کہ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

لیکن سمجھ نہ گور بن آوے   گور باجھ یہ سوجھ نہ پاوے[2]
آکھے پیر جو دل پر رکھ   خوب طرح یہ انبرت چکھ[3]
جو تجھ کوں فرماوے پیر   اس پر چلیں تو ہو فقیر[4]

شاعر نے گنج الاسرار میں تصوف کے بہت سے موضوعات پیش نظر رکھے

1- مضمون (گنج الاسرار اردو کی ایک قدیم مثنوی) سہ ماہی مجلہ صحیفہ شمارہ نمبر 35 لاہور۔ اپریل 1966ء ص 57

2- گنج الاسرار ص 40

3- ایضاً

4- ایضاً ص 31

ہیں۔ مثلاً اللہ کے کلام کی برکت، حدیث، کلمے کی اہمیت، کلمے کا ذکر اور اس کا طریقہ، مرشد کی تلاش اور اطاعت، مرشد کا کام، طالب کا کام، قبور کا کشف، عالم برزخ، ذکر حق، تہجد کی تعلیم، فنا فی الوجود، فنا فی المرشد، فنافی اللہ اور عارف کی پہچان وغیرہ۔ نوشہ صاحبؒ نے اس مثنوی میں جہاں ذکر اور فکر کا طریقہ نظم میں بیان کیا ہے، وہاں سالک کے لیے حقیقت کی راہوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ مثنوی کا اندازِ بیان بے حد دلکش اور دلنشین ہے کہ اس کی تصنیف کو تین سو سال سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے، لیکن نوشاہی بزرگ آج بھی اس میں درج وظیفہ کے ذریعے حقیقت شناسی سے مستفید ہو رہے ہیں۔

نوشہ صاحبؒ نے یہ مثنوی اللہ اور اس کے رسول محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کی خوشنودی اور سالکانِ راہ حقیقت کو صراط المستقیم دکھانے کے لیے لکھی۔ آپ فرماتے ہیں:

محض خدا رسولؐ کی خاطر	یہ نسخہ میں کیتا ساطر
غرض میری ہے بیان شواغل	تقدیم تاخیر میں نہ ہو غافل [1]

نوشہ صاحبؒ قرآن مجید اور اسمائے ربانی کی برکت اور اہمیت کے متعلق بیان فرماتے ہیں:

کلام خدا کی دارو کھاناں	جس جاناں برحق کر ماناں
جو اذکار افکار افعال	جو اوراد وظائف اعمال
جو حروف کلمات عظام	جو آیات اسماء کرام
جو آویں بندیوں کے کام	دین دنی میں ہوویں تمام
سب قرآن مجید میں آئے	حق تعالیٰ نے آپ فرمائے [2]

1- گنج الاسرار ص 31

2- ایضاً

نیز اس حقیقت کا بھی نہایت واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ عام انسان میں اس قدر حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام اور اسمائے ربانی کی حقیقت کو پوری طرح جان سکے۔ کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا صفات بے حدو بے حساب ہے اور قیود و حدود سے مبراء ہے، اسی طرح اس کے کلام پاک کے مفاہیم اور اس کے اسماء کے مطالب انسانی ادراک سے بلند و بالا ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عقل انسانی، مادہ پرستی اور ظاہر کی آنکھوں سے دکھائی دینے والی چیزوں پر یقین رکھتی ہے۔ لہٰذا حقیقت ازلی کے ادراک کی براہ راست متحمل نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے قرآن مجید فرقان حمید کا ارشاد ہے۔ اِنّی اَعْلَمُ وَمَالا تَعْلَمُوْنَ ۔ اسی مفہوم کو نوشہ صاحبؒ نے گنج الاسرار میں یوں بیان فرمایا ہے:

توں کیا جانے میرے کام	کون آیت ار کون ہرنام
کون شغل ار کونسا ذکر	کونسا عمل ار کونسا فکر
تو اندھلا تجھ کوں کیا سوجھے	بھلے بُرے کوں تو کیا بوجھے [1]

علم لدنی کی معرفت کے لیے ارشاد ربانی ہے۔

یَـٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُو اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُو فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ [2]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اسکی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

بزرگان دین اور صوفیاء کے نزدیک یہاں وسیلہ سے مراد مرشد ہے۔ قرآن مجید کے اس فرمان کو نوشہ صاحبؒ نے اشعار کا روپ یوں دیا ہے:

1- گنج الاسرار ص 31

2- القرآن: پارہ 6 سورۃ المائدہ آیت 35

سرِ ہُویت خوب پچھان   یہ نکتہ توں دل سیں مان
جے چاہیں بے رنگی بھیکھ   ستگور کا توں چہرہ ویکھ [1]

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک سالک کے لیے بے حد ضروری ہے وہ اپنے مرشد کے ارشادات پر عمل کرے پھر وہ صحیح معنوں میں فقیر بن سکے گا:

جو تجھ کوں فرماوے پیر   اس پر چلیں تو ہو فقیر [2]

اس کے بعد وہ وظیفہ کرنے کا باقاعدہ طریقہ بیان کرتے ہیں اور سالک کے لیے یہ شرط رکھتے ہیں کہ وہ مکمل خلوص، نیک نیتی، سوز وگداز اور عشق ربی میں ڈوب کر اس طریقہ سے اس وظیفہ کو کرے کہ اسے دنیاوی کاروبار سے کوئی علاقہ نہ رہے۔صرف یادالٰہی میں مستغرق رہے۔فرماتے ہیں:

جس پر چاہے تجھ کوں رہنا   وہ ضرور ہویا اب کہنا
آدھی رات اٹھ بیٹھے سالک   چار کُوٹ کا ہووے مالک
پیچھے اس کے سمجھ سیانے   سلاح مومن کا وضو پچھانے
کرے تہجد نال نیاز   دل حاضر ار جان گداز
دو رکعت جد پڑھ کر رہے   ذکر فکر میں ہو کر ہے
لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ سادھے   من سوں اس دم سبھ کچھ چھاڈے
ایسی ضرب اللہ کی لاوے   جو خطرہ ہے سبھ جھڑ جاوے
لاَ اِلٰـــــہ کی پھڑ شمشیر   تاں وچ عالم سارے پھیر
لاَ اِلٰـــــہ کی پکڑ بہاری   گرد دھند سبھ دُور اتاری
محمد رسول اللہ من بھیتر کہے   اگم پنتھ ستگور توں لئے [3]

-1 گنج الاسرار ص 31
-2 ایضاً
-3 ایضاً

بعد ازیں وہ کلمہ کی اہمیت اور اس کے وظیفے کا طریقہ بیان کرتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ کلمہ کے جملہ اسرار و رموز مرشد کے بغیر سالک پر واضح نہیں ہوتے۔ اسی لیے وہ بار بار مرشد کی ضرورت واہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسرار ورموز کو احاطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ یہ علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہے:

پُرسش اس کی پیر سوں پاوے   جو لکھنے موں رسم نہ آوے [1]

اس کے بعد شغلِ محمود، شغلِ نصیرا، شغلِ مدوّر، ذکر سہ پایہ، ذکر اسم اعظم اور ذکر قصیدہ غوثیہ وغیرہ کا طریقہ بیان کیا ہے۔ آپ سالک کو تلقین کرتے ہیں کہ جب وہ عرفان خداوندی حاصل کرلے تو پھر چپ سادھ لے اور یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرے۔ بے شک اس راز کی پردہ پوشی میں جان کیوں نہ چلی جائے۔ یہی ایک عارف باللہ کی شان ہوتی ہے۔فرماتے ہیں:

اس سیں ظاہر کیوں کر کہیے   سر چُھپے تو عارف رہیئے [2]
سَر جاوے پر سِرّ نہ جاوے   تو یہ سَر سِرّ کوں پاوے
فجر ہووے تاں پڑھے نماز   سنت فرض میں کرے نیاز
ایسا راز اللہ کوں کہے   آپ بیچ سوں جاتا رہے
حاضر ہو کر غائب ہووے   حق کوں پاوے آپ کوں کھووے

طریقت کی دنیا میں ایک عارف کو کیسا ہونا چاہیئے؟ اس کی ہدایت کے لیے فرماتے ہیں:

عارف ویکھو ایسا ہو   ادب صورت کا پورا ہو
اوہاں بیٹھ کر کرے سلام   شرم ادب سوں کرے تمام
ایسی من کی سُرت لگاوے   جو کچھ من موں دیکھا جاوے

-1 گنج الاسرار ص 32
-2 ایضاً ص 37

آنکھیں موند کر دل پر راکھے   خوب نظر میں انبرت چاکھے
پھر تاں دیکھے عرش رحمان   حق کوں پاوے سچ کر جان
اللہ اللہ اتنا کہے   آپ نہ رہے تے اللہ رہے [1]

آخر میں آپ اپنے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمانؒ کا ذکر کرتے ہیں کہ میں نے اپنے مرشد کی برکت سے ''بھیت محبت'' یعنی علم حقیقی حاصل کیا ہے۔ پھر پیران پیر حضرت غوث الاعظمؒ کی عنایات کا تذکرہ، نبی کریم ﷺ اور صحابہ اکرام رضوان اللہ تعالیٰ کی تعریف اور درود شریف پر اس وظیفہ کا اختتام کرتے ہیں۔

اس مثنوی میں طریقت کے اصولوں کے بیان کے علاوہ نوشہ صاحبؒ نے فنی اعتبار سے بڑے کمالات دکھائے ہیں۔ بعض مقامات پر انہوں نے خوبصورت مقامی تشبیہات استعمال کی ہیں۔ مثلاً

جیوں کر پیر کرے تلقین   لاگ رہے جیوں جل میں مین [2]

دراوڑی زبان میں مچھلی کو مین کہتے ہیں۔ پانی اور مچھلی کی اسقدر خوبصورت مثال ہمیں نوشہ صاحبؒ کے ہم عصر شعراء کے کلام میں کہیں نظر نہیں آتی۔ اسی طرح صنعت تجنیس کی خوبصورت مثال اس شعر میں دیکھیے:

سَر جاوے پر سِرّ نہ جاوے   تو یہ سَر سِرّ کوں پاوے [3]

مناسب اور موزوں قوافی کے استعمال کے علاوہ اشعار میں بے حد روانی اور تسلسل ہے۔ الفاظ کا صوتی آہنگ مثنوی کے اشعار میں ترنم اور موسیقی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ مثنوی کی زبان پر ہندی کا گہرا اثر ہے۔ اسی بنا پر شرافت نوشاہی نے اس مثنوی کی زبان کو ہندی قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ ہندی نہیں ہے، بلکہ مثنوی کی زبان اُس

1- گنج الاسرار ص 38
2- ایضاً ص 38
3- ایضاً ص 3

دور کی اردو کا بہترین نمونہ ہے، جسے قدیم زمانے میں ہندوی کا نام دیا جاتا تھا۔ پروفیسر شجاع الدین گنج الاسرار کی زبان کے متعلق لکھتے ہیں:

''سرزمین پاکستان و ہند پر اسلام کا نیرّ درخشاں طلوع ہوا تو مسلمان حاکموں، تاجروں سیاحوں، عالموں، درویشوں اور مقامی باشندوں میں تبادلہ خیالات کے لیے ایک مشترکہ زبان کی ضرورت پیش آئی۔ یہ زبان جو ہندو پاکستان اور ترکی، عربی، فارسی وغیرہ بیرونی زبانوں کے امتزاج سے عالم وجود میں آئی اور دور اسلامیہ میں پروان چڑھی، اردو کے نام سے موسوم ہوئی...... صوفیاء کرام نے اردو کی نشوونما میں نمایاں حصہ لیا اور اسے اپنی تبلیغی مساعی کا ذریعہ بنایا۔ پنجاب کے مشائخ میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے بھی اس مشترکہ زبان میں اظہار خیال فرمایا۔ رسالہ گنج الاسرار اسی زبان میں ہے۔ اس رسالہ کا مطالعہ جہاں ہمیں حضرت نوشہ صاحبؒ کے صوفیانہ خیالات سے آگاہ کرتا ہے۔ وہاں ہمیں اس دور کی اردو بھی متعارف کراتا ہے۔ اس عبارت میں ہندی الفاظ، اصطلاحات کی کثرت ہے اور یہ اصطلاحات وہی ہیں جو اس زمانہ کے ہندو مذہبی رہنماؤں (جن میں سکھ گورو بھی شامل ہیں) کے ہاں بھی مستعمل تھیں، عوام میں پرچار کے لیے ان کا استعمال ناگزیر تھا۔ [1]

نوشہ صاحبؒ نے صرف ہندی الفاظ اور اصطلاحات ہی استعمال نہیں کیں بلکہ انہوں نے عربی، فارسی الفاظ اور اصطلاحات بھی بطریق احسن استعمال کی ہیں۔ مگر کمال یہ ہے کہ اس قدر ادق اور مشکل اصطلاحات کو اشعار کی لڑی میں نہایت خوبصورتی سے پرویا ہے کہ فنی اعتبار سے کسی ایک شعر میں بھی جھول دکھائی نہیں دیتی۔ قاری بیشک ان الفاظ کے معانی نہیں سمجھتا لیکن پڑھتے ہوئے ایک عجیب قسم کا سرور

1- گنج الاسرار (دیباچہ) ص 6

محسوس کرتا ہے۔ ایک سونو اشعار کی مثنوی جہاں تصوف کی دنیا میں بہترین خزانہ ہے وہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس دور میں یہ مثنوی لکھی گئی اس دور میں شمالی ہندوستان میں اردو ادب کا وجود ابھی ہیولا تھا۔ اس لئے اس مثنوی کی لسانی و تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

3- گنج شریف (پنجابی)

شرافت نوشاہی کی تحقیق کے مطابق گنج شریف، حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا پنجابی کلام ہے۔ جسے انہوں نے 1400ھ/ 1980ء میں پہلی بار ادارۂ معارف نوشاہیہ ساہن پال ضلع گجرات سے شائع کیا۔ اسی میں کل اشعار کی تعداد 3917 ہے۔ ان کے علاوہ 107 متفرق مصرعے بھی موجود ہیں۔ عارف نوشاہی نے اس کا مقدمہ تحریر کیا ہے اور تقدیم خود شرافت نوشاہی کے قلم کا شاہکار ہے۔ یہ تخلیق 624 صفحات پر مشتمل ہے۔ سائز $\frac{23 \times 36}{16}$ پر دیدہ زیب کتابت اور اشاعت کی وجہ سے نہایت دلکش ہے۔

گنج شریف کا مآخذ

گنج شریف کا اصل مآخذ دانشگاہ کے کتب خانے کی ایک قلمی بیاض ہے۔ جسے فقیر سید غلام محی الدین نوشہ ثانی کی بیاض قرار دیا گیا ہے اور یہ بیاض ذخیرہ مخطوطات شیرانی میں نمبر 6223 کشکول نوشاہی کے عنوان سے موجود ہے۔ اس میں اردو، ہندی اور پنجابی کلام بکثرت ہے۔ شرافت نوشاہی نے برسہا برس کی محنت شاقہ سے اس کلام کا مطالعہ کیا ہے پھر اسے مدون کرکے شائع کیا ہے۔ انہوں نے اس کلام کو نہ صرف مذکورہ بیاض سے نقل کیا ہے بلکہ اس میں سے اردو اور پنجابی کلام موضوعاتی

اعتبار سے ترتیب دے کر علیحدہ علیحدہ شائع کیا ہے۔ ان کی یہ کاوش قابل تحسین ہے اور یقیناً ایک عظیم کارنامہ بھی۔ مگر اسی عہد کے ایک محقق خورشید احمد خان کے دعوے کے مطابق یہ بیاض فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی کی ہے۔ انہوں نے خود اپنے قلم سے رقم کی ہے۔ [1] لہٰذا یہ کلام ان کا اپنا ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا نہیں ہے۔

سر لیپل گرفن، فرانسس میسی اور ڈبلیو ایل کونزین کی تحقیق کے مطابق: ''فقیر نوشہ ثانی کے مورث اعلیٰ جلال الدین عرب کے باشندے اور عربی النسل تھے۔ جو ساتویں صدی ہجری میں ہلاکو خان کے دربار سے منسلک تھے۔ اسلیے وہ بخارا آ گئے۔ ان کے خاندان کے بیشتر افراد نے کئی برس تک مکہ میں اسلام کی تبلیغ کی اور ان کے خاندان کے کئی ایک بزرگ نجف اشرف میں دفن ہیں۔ سید جلال الدین چونکہ بخارا آ گئے تھے اس لیے ان کا خاندان بخارا کی نسبت سے بخاری مشہور ہوگیا۔ سید جلالا الدین کی شادی ہلاکو خان کی بیٹی سے ہوئی۔ بعد میں سید جلال الدین اپنے پوتے بہاء الدین کے ساتھ بخارا سے ہجرت کرکے پنجاب میں آئے اور فیروز شاہ تغلق کے دور میں فوت ہوئے۔ فقیر نوشہ ثانیؒ کی عمر تین ماہ تھی، جب ان کے والد سید غلام قادر شاہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ان کی والدہ غربت سے تنگ آ کر چونیاں سے لاہور آ گئیں تو نوشہ ثانی کے والد کے ایک دوست نامور حکیم عبداللہ انصاری (جو احمد شاہ درانی کے عہد میں کشمیر کے قاضی تھے) نے نوشہ ثانیؒ کی پرورش اور تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ انہوں نے نوشہ ثانیؒ کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ اور نوشہ ثانی نے جوان ہوکر حکمت اور کتب کی تجارت کو پیشہ بنایا۔ [2]

حکیم موسیٰ امرتسری کے بقول نوشہ ثانی کی وفات 1229ھ میں ہوئی۔ [3]

1- خورشید احمد خاں: (مضمون نوشہ گنج بخشؒ سے منسوب اردو کلام کی اصل حقیقت) اوری اینٹل کالج میگزین لاہور صد سالہ تقریبات نمبر ص 17

2- Chiefs and families of note in the Punjab vol-1 Lahore, 1940. P.295-96

3- نقوش لاہور نمبر ص 809، لوح مزار پر بھی یہی تاریخ درج ہے۔

شرافت نوشاہی نے ان کی وفات کا سن 1241ھ لکھا ہے۔[1] مگر مآخذ کا ذکر نہیں کیا۔ فقیر خاندان کے کسی مخطوطے یا معاصرانہ حوالے سے نوشہ ثانی کا حاجی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ شرافت نوشاہی کو یہ بات تسلیم ہے کہ:

''اس بیاض کی روشنائی اور کاغذ کم از کم دو سو سال قدیم ہے۔''[2]

مگر کلام نوشہ ثانی کا نہیں ہے۔ ایک اور جگہ وہ اس تصنیف کو 1186ھ/1772ء سے بعد کی تحریر قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس بیاض کے صفحہ نمبر 289 پر شاہ عبدالغفور جالندھری کے نام کیساتھ قدس سرہٗ لکھا ہوا ہے۔ جو مرحومین کے ناموں کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ شاہ عبدالغفور کی وفات 1186ھ/1772ء میں ہوئی۔

مآخذ کی اصل حقیقت

گنج شریف کے مآخذ بیاض کے گہرے مطالعہ سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

1- بیاض کے کسی بھی ورق پر فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی کے دستخط موجود نہیں۔

2- اس بیاض کا کہیں بھی سن تصنیف درج نہیں۔

3- مخطوطہ پر کسی کاتب کا نام درج نہیں اور نہ ہی اشعار میں کوئی تاریخ بیان کی گئی ہے۔

4- مخطوطے کی لکھائی کسی ایک ہاتھ کی نہیں ہے۔

5- مخطوطے میں کسی ایک شاعر کا کلام نہیں۔ بلکہ کم از کم دس بزرگوں کا کلام درج ہے۔ جن میں بابا فرید، شاہ حسین، حیدر جنگ، نوشیر سندھی، بھگت کبیر،

1- المعارف؛ لاہور مئی 1970ء، مقالہ حیات حضرت محمد نوشہ کے ماخذ

2- انتخاب گنج شریف ص 43

بابا نانک، بابا لعل بیراگی، امانند دھیان پوری، اترائی سندھی اور نوشہ کے نام شامل ہیں۔

6- مخطوطے میں نوشہ ثانی کے سلسلہ طریقت کے دو شجرے شامل ہیں۔ جن میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہے۔

پہلا شجرہ اس طرح ہے:

''از جناب مستطاب قدوۃ السالکین، ہادی الطالبین، شیر بیشۂ ولایت، نہنگ آیت، شاہبازِ اوجِ حقیقت گل گلزار معرفت، حضرت مرزا صاحب امانت شاہ جیو دام اللہ تعالیٰ طلال بحر ماو اوشاں از شیخ اوّل حضرت میاں بخت جمال قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود حضرت میاں قطب اللہ پیر محمد سچیار شہسوار قدس سرہٗ و از شیخ ہا خود حضرت میاں عبدالغفور قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود حضرت حافظ صاحب، حافظ محمد قائم برقنداز قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود سچیار صاحب معظم الیہ و اوشاں از شیخ خود قطب الاقطاب مستغنی الالقاب حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ و اوشاں از شیخ خود حضرت شاہ سلیمان قلندر قدس سرہ و اوشاں از شیخ خود حضرت شاہ معروف القادری قدس سرہ و اوشاں از شیخ اول ...... بسلسلہ چشت اہل بہشت واز شیخ ثانی خود حضرت شاہ محمد مبارک عالی مقام قادری قدس سرہٗ اللھم صلِ وسلّم وبارک علیٰ حالِ محمدً وآلِ محمدً الذی قال بالصِدق والیقین.
لا الٰہ الا اللہ محمد رّسول اللہ''[1]

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ذخیرہ شیرانی نمبر 6223 کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور ص289

دوسرا شجرہ

اول فقر حضرت نوں آیا　　جس تھوں فقر حضرت نے پایا[1]
حسن بصری فقیر حقاناں　　حبیب عجمی درویش رباناں
داؤد طائی فقیری پائی　　معروف کرخی پائی اولیائی
پاک فقیر جنید بغدادی　　شیخ شبلی درویش تے یادی
عبدالواحد درویش سچاناں　　ابوالحسن فقیر شہاناں
بوسعید سچا ولی الٰہی　　شاہ جیلانی دی سدا بادشاہی
عبدالوہاب سید جیلانی　　سید صفی الدین حقانی
سید احمد قادر دا پیارا　　سید مسعود درویش سوہارا
سید علی فقر دا پورا　　شاہ میر دا سدا ظہورا
شاہ محمود فقر دا سائیں　　شاہ مبارک دا فقر سبھ جائیں
شاہ معروف معروف جگ اندر　　ولی شاہ سلیمان قلندر
حضرت نوشہ ولی پاک نگاہی　　پیر محمد سچیار نوشاہی
حافظ قائم سچا سچیاری　　شاہ عبدالغفور انصاری
حضرت شاہ امانت سائیں　　جیوے ہووے جگاں تائیں

O

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی کے دو شجرے کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ فقیر نوشہ ثانی اپنے دور کی صاحب علم شخصیت تھے جس کا اقرار اس دور کے مورخین نے بھی کیا ہے۔ عمدۃ التواریخ کا مصنف لالہ سوہن لال سوری لکھتا ہے:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 179

'' راقم ایں تاریخ اکثر بخدمت سرا سرافادت فائزہ شدہ بہ استفادۂ علم صحبت می پرداخت۔''(1)

فقیر نوشہ ثانی جیسے عالم فاضل، صوفی، درویش اور اس دور کے نامور فارسی شاعر سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے درست شجرے کا علم رکھتے ہوئے بھی اپنے ہی ہاتھ سے غلط شجرہ لکھیں۔ پہلا شجرہ تو بالکل غلط ہے اور دوسرے شجرہ سے بھی قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ واقعی نوشہ ثانی کا تحریر کردہ ہے۔ جبکہ اس شجرہ میں کوئی نام یا کوئی تخلص استعمال نہیں کیا گیا۔ گنج شریف کے اس ماخذ کی اندرونی شہادتوں کے پیش نظر ہم اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ یہ بیاض نوشہ ثانی کے اپنے ہاتھ کی تحریر نہیں ہو سکتی۔

بقول شرافت نوشاہی کہ یہ آج [1975ء/ 1395ھ] سے تقریباً دو سو سال پہلے کی تصنیف ہے۔(2) اگر ہم اس بات کو تسلیم کر لیں تو پھر اس کی تصنیف کا سن 1200ھ ہونا چاہیے۔ ممکن ہے کہ یہ بیاض 1200ھ کے لگ بھگ لکھی گئی ہو اور یہ نوشہ ثانی (1166ھ تا 1229ھ) کے شباب کا زمانہ ہے۔ لیکن مخطوطہ کی اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ مخطوطہ نوشہ ثانی کے اپنے قلم کی تحریر ہونا بعید از قیاس ہے اور اغلب ہے کہ انکی نظروں سے یہ بیاض کبھی گزری نہ ہو۔ ورنہ ظاہر علوم پر مکمل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ باطنی علوم میں بلند مرتبہ کے حامل نوشہ ثانی جیسے عظیم صوفی اس قسم کی غیر فطری اور محیر العقول بات پر کیسے یقین رکھ سکتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ سلیمان(3) سہ صدو ہفتاد و پنجسالہ عمر داشتند، یکصد و ہفت و پنجسال فقر باطنی ورزیدند وحسب ظاہر در کسب بودند و دوصد سال درفقر ظاہری و باطنی اشغال نمودند و .... نمائے عالم ....

1- لالہ سوہن لال سوری؛ عمدۃ التواریخ لاہور، 1888ء، جلد دوم ص 31
2- انتخاب گنج شریف ص 43
3- حضرت نوشہ گنج بخش کے مرشد جن کا مزار بھلوال میں ہے۔

نہ امانت حضرات بحضرت حاجی نوشہ بادشاہ رسانیدند و بستہ بدارالبقا شتافتند''(1)

اس حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیاض نہ تو نوشہ ثانی کی تحریر ہے اور نہ ہی انہوں نے اسے کبھی دیکھا ہے۔ ممکن ہے کہ شاہ امانت کے کسی مرید یا نوشہ ثانی کے کسی پیر بھائی نے نوشہ ثانی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اسے تحریر کیا ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ اس بیاض کے نقل کرنے والے نے اپنے روحانی ذوق کے پیش نظر مسلمان صوفیاء کرام اور غیر مسلم بزرگوں کے کلام کو اس بیاض میں یکجا کر دیا ہے۔ جگہ جگہ لکھے ہوئے ''نقل ست'' کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے یہ تمام اشعار کہیں سے نقل کیے ہیں اور نقل کرتے وقت نوشہ گنج بخش اور نوشہ ثانی کو لفظ نوشہ کے مشترک ہونے کے باعث ایک ہی شخصیت سمجھ لیا ہے۔ اور ان کے کلام کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا ہے۔ اس نے اردو، ہندی اور پنجابی کلام کو بھی ترتیب سے علیحدہ علیحدہ نہیں لکھا۔ بلکہ ایک دوسرے میں ملا دیا ہے۔

اگر یہ بیاض فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی کے اپنے قلم کی تحریر ہوتی تو وہ اپنے اردو، پنجابی، فارسی اور ہندی کلام کو یوں گڈ مڈ کر کے پیش نہ کرتے۔ ان کا فارسی کلام آج بھی خوبصورت مخطوطات کی شکل میں مختلف مقامات پر دستیاب ہے، جس سے ان کی خوش ذوقی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ فکری اور فطری اعتبار سے بھی یہ امر ناممکن دکھائی دیتا ہے کہ ایک شاعر ایک ہی نشست میں مختلف زبانوں میں اشعار کہے اور پھر مختلف زبانوں میں لکھے گئے اشعار کو بے ڈھنگی ترتیب سے ایک صفحہ پر گڈ مڈ کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ بیاض فقیر غلام محی الدین کی تحریر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ان کی نظروں سے کبھی گذری ہوگی۔

1- کشکول نوشاہی قلمی مذکورہ۔ ص 288 (خالی جگہ (.........) سے مراد ہے کہ ان جگہوں پر مخطوطہ کو کیڑا لگا ہوا ہے لفظ پڑھے نہیں جا سکتے۔)

اس مخطوطے کی کیفیت ایسے ہی ہے جیسے شروع شروع میں گرنتھ صاحب کی تھی۔ بابا نانک جی نے اپنے زمانے سے قبل اور اپنے ہم عصر صوفیا اور بھگتوں کا کلام جمع کیا تھا۔ انہوں نے کلام کی تدوین میں مسلم یا غیر مسلم صوفیاء میں کوئی امتیاز نہیں برتا تھا۔ بلکہ خود بھی ان بزرگوں کے رنگ میں شلوک لکھے۔ پھر ان کے بعد آنے والے گورو صاحبان نے بھی اپنا اپنا کلام گوروگرنتھ میں شامل کیا۔ بابا نانک جی سے عقیدت و ارادت رکھنے کی وجہ سے یہ تمام گورو صاحبان بھی اپنا تخلص نانک کرتے رہے۔ ان میں سے کئی گورو صاحبان نے بابا فرید کے رنگ میں بھی اشلوک لکھنے کی سعی کی۔ انہوں نے جو اشلوک لکھے ان میں بابا فرید کو مخاطب کیا۔ یہاں مثال کے طور پر صرف ایک اشلوک پیش کیا جاتا ہے۔

فریدا بھوم رنگا ولی منجھ وسولا باغ
جو جن پیر نوازیا تنہاں انچ نہ لاگ (1)

گورو صاحبان کے کہے ہوئے ان اشلوکوں نے محققین کے لیے دشواریاں پیدا کر دیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ گوروگرنتھ کے ذریعہ بابا فرید کا کلام ہم تک پہنچا۔ گوروگرنتھ کی تدوین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی وفات کے دوسو سال بعد شروع ہوئی اور سکھ مت کے پانچویں گوروارجن نے اسے مرتب کیا۔ نقاد اور محققین اس شش و پنج میں رہے کہ فرید ثانی کی ہستی کیسے شاعر کے طور پر نمودار ہوگئی۔ بعد ازاں ایک طویل عرصہ تک کچھ لوگ ان شلوک کو بابا فرید اور کچھ فرید ثانی کا کلام سمجھتے رہے۔ مگر ان میں سے کئی اشلوک ایسے ہیں جو گورو صاحبان کی تخلیق ہیں جن کو بابا فرید سے منسوب کر دیا گیا۔ لیکن جدید تحقیق نے چھان پھٹک کے بعد ثابت کر دیا

1- بابا فرید: آکھیا بابا فرید نے مرتب محمد آصف خاں لاہور 1980ء ص 227
یہ شلوک بابا فرید کا نہیں بلکہ گوروارجن کا ہے۔

ہے کہ اصل پنجابی شلوک فرید ثانی کے نہیں بلکہ بابا فریدؒ کے ہیں۔[1] بالکل ایسا ہی نوشہ ثانی سے منسوب بیاض کا حال ہے۔ بیاض کا نقل کرنے والا لفظ نوشہ سے دھوکہ کھا گیا وہ نوشہ گنج بخشؒ اور نوشہ ثانی میں امتیاز نہ کر سکا۔ کیونکہ اس بیاض میں نوشہ ثانی نہیں بلکہ صرف لفظ نوشہ ہی استعمال ہوا ہے۔

گنج شریف کی تدوین

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ کلام شرافت نوشاہی کی کاوشوں سے اشاعت پذیر ہوا۔ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب میں موجود مخطوطہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ شرافت نوشاہی نے بیاض میں درج کلام کا کچھ حصہ حذف کر دیا ہے اور باقی کلام کا انتخاب شائع کر دیا ہے۔ بقول شرافت نوشاہی سارا مطبوعہ کلام نوشہ گنج بخشؒ کا ہے۔ لیکن ان اشعار کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ سارا کلام کسی ایک شاعر کی تخلیق نہیں۔ جیسے مذکورہ بیاض کا راقم نوشہ قادری (نوشہ گنج بخشؒ) اور نوشہ قادری (نوشہ ثانی) کے کلام میں امتیاز نہیں کر سکا۔ ایسے ہی شرافت نوشاہی بھی بعض مقامات پر امتیاز کرنے سے قاصر رہے۔ انہوں نے کئی اشعار نوشہ گنج بخشؒ کے سمجھ کر ان سے منسوب کر دیے۔ حقیقت میں وہ اشعار نوشہ گنج بخش کی تخلق نہیں ہیں ممکن ہے کہ وہ نوشہ ثانی یا کسی اور شاعر کی کاوش کا نتیجہ ہوں۔

ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ جب ایک ہی نام کے دو اشخاص کی تحریر میں فکری اشتراک پایا جاتا ہو تو پھر محقق کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ کس تحریر کو کس سے منسوب کرے؟ ایسے نازک موقع پر کسی محقق سے غلطی کا ارتکاب ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ لیکن گنج شریف کے مطالعے کے دوران میں لسانی حوالوں کے اعتبار سے بعض مقامات پر کلام دو مختلف اشخاص کی تخلیق نظر آتا ہے۔ اگرچہ فکری اشتراک کلام کو

1- دیکھئے دیباچہ آکھیا بابا فرید نے

مربوط رکھتا ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دونوں شاعر تصوف کے ایک سلسلے ''قادری'' سے منسلک ہیں اور قادری سلسلے کی ایک بہت بڑی شاخ ''نوشاہی'' کا آغاز حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے ہوتا ہے۔ فقیر غلام محی الدین نوشہ ثانی اس سلسلے کے پیروکار تھے۔ ان کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری سے بے حد متاثر تھے۔ بقول ڈاکٹر گوہر نوشاہی:

> ''فقیر صاحب نے نوشہ ثانی کا خطاب اور تخلص انہوں نے بانی سلسلہ نوشاہیہ کی عقیدت میں غالباً خود اپنے لیے منتخب کیا۔''[1]

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقیر غلام محی الدین نے اپنے تخلص نوشہ کے ساتھ لفظ ''ثانی'' کا اضافہ اس لیے کیا کہ انہیں علم تھا کہ نوشہ نام کے شاعر پہلے ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ گوہر نوشاہی نے بھی نوشہ گنج بخشؒ کے شاعر ہونے کا تذکرہ کیا ہے:

> ''نوشہ صاحبؒ قدس سرہٗ کے ملفوظات اور خود حضرت نوشہ صاحبؒ کے اردو اور فارسی کلام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ حضرت پیر محمد سچیار کو اپنے تمام خلفاء سے ممتاز اور افضل سمجھتے تھے۔''(2)

فقیر غلام محی الدین نے چونکہ نوشہ گنج بخشؒ سے عقیدت کی بنا پر اپنا تخلص نوشہ ثانی رکھا تھا، اس لیے انہوں نے اپنے فارسی کلام میں نام کے فرق کو واضح کرنے کے لیے جگہ جگہ اپنے آپ کو نوشہ ثانی اور فقیر غلام محی الدین انصاری نژاد وغیرہ لکھا ہے۔ مثلاً

نوشۂ ثانی بخاری فقیر　　　مور ریزہ خوار از خوانِ فقیر (3)

1- گوہر نوشاہی (رسالہ از آثار فقیر نوشہ ثانی) مجلّہ صحیفہ، جولائی 1982ء لاہور ص 102

2- مجلّہ صحیفہ مذکور ص 101

3- دیکھئے وحدت نامہ یا مثنوی تصوف قلمی۔ ذخیرہ آذر نمبر 7515 / 294 کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور، ورق 9 الف

نوشۂ ثانی بخاری نژاد	خاکپائے حضرت زین العباد [1]
نوشۂ ثانی بخاری النسب	کو غلام محی الدین دارد لقب [2]
نوشۂ ثانی بخاری النسب	می کند مدح بزرگاں روز وشب [3]
نوشۂ ثانی گرفتش تاج فقر	در ہمہ صاحب وقاراں یافت وقر

مگر مذکورہ بیاض میں کہیں بھی نوشہ ثانی کا لفظ موجود نہیں۔ صرف لفظ نوشہ بطور تخلص استعمال ہوا ہے۔ کہیں حاجی نوشہ، کہیں نوشہ قادری اور کسی جگہ نوشہ فقیر بھی بطور تخلص آیا ہے۔ یہاں ایک عام قاری کے لیے یہ سمجھنا یقیناً بہت مشکل ہوگا کہ ان اشعار میں نوشہ سے مراد کونسے نوشہ ہیں۔ کیوں کہ دونوں نوشہ صاحبان قادری سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ بیاض دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کا بھی نہیں ہے۔

گنج شریف نوشہ گنج بخشؒ کا کلام ہے یا نہیں؟ تحقیقی تجزیہ

اگر کسی شاعر کا کلام اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا یا اس کے دور کا کوئی مستند مخطوطہ دستیاب نہ ہو تو بعد میں دستیاب ہونے والے کلام کو اس شاعر کا کلام ثابت کرنا بے حد مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ جبکہ اس شاعر کے بارے میں لکھے گئے تذکروں میں بھی اسکی شاعری کا کوئی حوالہ موجود نہ ہو۔ اس وقت چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ مگر محققین نے اس کے لیے اصول مرتب کیے ہیں۔ اگر ان کی روشنی میں خلوص نیت سے راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو اس گھپ اندھیرے میں بھی منزل

1- دیکھیے وحدت نامہ یا مثنوی تصوف قلمی۔ ذخیرہ آذر نمبر 7515 / 294 کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور ورق 12 الف

2- ایضاً ورق 13 ب

3- ایضاً ورق 72 ب

دکھائی دے سکتی ہے۔

1- شاعر کے کلام میں اس کا تخلص یا نام استعمال کیا گیا ہو۔

2- شاعر کی اپنی ذاتی زندگی کے واقعات کا عکس اسکی شاعری میں موجود ہو۔ ان واقعات کی تصدیق دیگر حوالوں سے ہوتی ہو۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ شاعر کے قول وفعل میں مطابقت ہو۔

3- اس کی شاعری کے موضوعات یا مضمون اسکی دوسری تصانیف کے موضوعات سے ملتے جلتے ہوں۔

4- اسکے کلام میں اس کے پسندیدہ یا ہمعصر لوگوں کا ذکر موجود ہو۔

5- اس کی جملہ تصانیف کا مزاج آپس میں ملتا ہو۔

6- اس کی شاعری میں اس کی اپنی زبان یا اپنے علاقے کے مخصوص الفاظ اپنی قدرتی شکل میں استعمال ہوئے ہوں۔

اب ہم مذکورہ اصولوں کی روشنی میں گنج شریف کا جائزہ لیں گے تاکہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

(1)

ان اصولوں میں اگرچہ پہلا اصول بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن ہم اس اصول سے پوری طرح متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ ایک ہی نام اور تخلص کے کئی ایک شاعر ہو سکتے ہیں۔ ایک جیسا تخلص رکھنے والے دو شاعروں کے نام بھی اتفاقاً ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ہم دیگر اصولوں کو پیش نظر رکھ کر گنج شریف کا تنقیدی نظر کے ساتھ جائزہ لیں گے اور معلوم کریں گے کہ واقعی یہ نوشہ گنج بخشؒ کا کلام ہے یا نہیں، یا ان کے نام منسوب کیا گیا ہے۔

(2)

شاعر جو کچھ بھی اپنے اشعار میں بیان کرتا ہے وہ عام طور پر اس کے مشاہدے اور مطالعے کا اظہار ہوتا ہے اور زیادہ تر اس کے ذاتی تجربات ہوتے ہیں یا پھر اس کی دلی خواہشات یا آرزوؤں کا عکس ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ہم کسی شاعر کی زندگی اور اس کے ماحول کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تذکرہ نوشاہی اور ثواقب المناقب کے علاوہ نوشاہی سلسلے کی دیگر کتب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ گھگانوالی میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لے کر جوانی تک اسی گاؤں میں مقیم رہے۔ گھماروں کے فن کو ذریعہ معاش بنایا اور اپنے ہاتھ سے مٹی کے برتن بناتے تھے۔ [1]

ہمیں اس مقالے کی تسوید کے سلسلے میں 1984ء میں موضع گھگانوالی جانے کا اتفاق ہوا۔ نوشہ صاحبؒ کے والد اور والدہ مرحومہ کی قبریں اب تک اس گاؤں میں موجود ہیں۔ والد صاحب کی قبر گاؤں سے باہر تقریباً چار فرلانگ پر ہے جو درگاہ حاجی غازی کے نام سے مشہور ہے۔ اور والدہ صاحبہ کی قبر گاؤں کے قبرستان میں ہے۔ گھگانوالی کے باشندے ان دونوں قبروں پر اب بھی دیئے روشن کرتے ہیں اور حضرت نوشہ صاحبؒ کے بچپن اور جوانی کی بہت سی کرامات بیان کرتے ہیں جو نسل در نسل وہ اپنے بزرگوں سے سنتے آ رہے ہیں۔ گھگانوالی کے نمبردار سید سردار شاہ (عمر تقریباً سو برس) نے ہمیں بتایا:

''ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے بزرگوں نے پنن وال سے آ کر ہمارے گاؤں گھگانوالی میں گھماروں کے گھر میں قیام کیا۔ نوشہ صاحبؒ کی یہیں ولادت ہوئی اور جوان ہوئے۔ آپ کے والد

1- شاید اسی بنا پر بعض کتب میں آپ کی ذات گلگو لکھی ہے۔ ''میاں نور محمد نام بزرگ از یاران حضرت شاہ حاجی میگوند'' بحوالہ احوال حضرت نوشہ قلمی ذخیرہ شیرانی دانشگاہ پنجاب لاہور نمبر 6188، ورق 75 الف

آپ کی ولادت سے چند دن قبل حج پر تشریف لے گئے تھے اور آپ کے چچا شیخ رحیم الدین نے گھماروں کے پیشہ کو روزی کمانے کا ذریعہ بنا لیا۔ اس گاؤں میں ان کی کوئی موروثی زمین نہ تھی۔ ایک مرتبہ گاؤں کے نمبردار نے آپ کے چچا کو کنوئیں کی ''ٹنڈیں'' بنانے کے لیے کہا۔ ٹنڈوں کو ابھی بھٹی میں نہیں پکایا تھا کہ نمبردار آپ چچا کے ساتھ تلخ کلامی سے پیش آیا اور کہا کہ زمین خشک ہوتی جا رہی ہے اور آپ نے ابھی تک ٹنڈیں تیار نہیں کیں۔ رہٹ کیسے چلے گا؟ اگر ٹنڈیں صحیح وقت پر تیار نہ ہوئیں تو فصل سوکھ جائے گی۔ نوشہ صاحبؒ نے اس نمبردار کو بہت سمجھایا کہ وہ صبر سے کام لے مگر اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ آخر تنگ آ کر نوشہ صاحبؒ نے نمبردار سے کہا۔ جاؤ کچی ٹنڈیں ہی لے جاؤ۔ ان سے کام چلاؤ۔ یہ پختہ ٹنڈوں کی طرح کام کریں گی۔ نمبردار کو اس بات پر اور بھی طیش آیا۔ لیکن جب اس نے اس مشورے پر عمل کیا تو وہ کچی ٹنڈیں بے حد مفید ثابت ہوئیں اور پکی ٹنڈوں سے زیادہ پانی نکالنے لگیں اور ذرا بھی خراب نہ ہوئیں۔ اس دن سے نمبردار اور اس کا خاندان آپ کی بزرگی کا قائل ہوگیا۔''

تحقیق کے ضمن میں جب ہم حضرت نوشہ صاحبؒ کے آبائی گاؤں پنن وال (تحصیل پنڈ دادن خان) پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے بھی حضرت نوشہ صاحبؒ کے بارے میں اس قسم کے کئی ایک واقعات بیان کیے۔ ان سب سے اہم واقعہ یہ تھا کہ نوشہ صاحبؒ جب کبھی اپنے آبائی گاؤں پنن وال تشریف لاتے تھے تو فرماتے تھے کہ ''ہم عاجز درویش اور فقیر لوگ ہیں'' اور اپنی برادری جالپ راجپوتوں کے گھر ٹھہرنے کی بجائے اُن گھماروں کے گھر قیام کرتے تھے جن کی نسبت سے آپ کے بزرگوں نے پنن وال سے ہجرت کر کے گھگانوالی میں گھماروں کے گھر میں قیام کیا تھا۔ اگرچہ آپ کی برادری کے لوگ اس میں اپنی توہین سمجھتے تھے لیکن آپ ان کی ذرہ بھر

بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

نوشہ صاحبؒ کے اس دور کی زندگی کا عکس گنج شریف کے صوفیانہ اشعار میں گھریلو تشبیہات کی صورت میں محفوظ ہے۔ مثلاً:

مٹی ہک پیاریا ہک بناون ہار   صورت آپو اپنی بھانڈے ہوئے تیار (1)
مٹی ہک پیاریا بھانڈے لکھ کروڑ   نوشہ اصل پچھان کے بھرم دِلے دا توڑ

کوجھ گھڑ گھمیار بنایا اوہ مٹ دے کیویں سمائے لوے
اندازے موجب پوے پانی ودھ اندازیوں کتھے پوے
جیڈا کھڑ گھمیار بناوے تیڈا بھانڈا بنسی جی
کوجے ہتھ نہ کوجا ہوون جویں بنایا تویں بنیا جی
کوجا کہے نہ دوھ میں پائیو کوجا کہے نہ پانی پی
نوشہ کرتا کرے سو ہووے بندہ عاجز کردا کی (2)

بلاشبہ نوشہ صاحبؒ کا تعلق پنن وال کے جالب راجپوتوں سے تھا جو اپنے آپ کو راجا، راؤ اور رائے وغیرہ کہلاتے ہیں۔ پنن وال کے جالب راجپوت ''چیف فیملی'' (3) ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن نوشہ صاحبؒ درویش مزاج تھے، ان کا ذات پات سے کوئی واسطہ نہ تھا اور نہ ہی اسے فخر کی بات خیال کرتے تھے۔ اسی عاجزی اور انکساری کے باعث وہ پنن وال میں اپنی برادری کے بڑے بڑے زمینداروں، جاگیرداروں اور امراء کے گھروں میں قیام کرنے کی بجائے غریب گھمہاروں کے گھر میں قیام کرنا بہتر سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ذات پات کی یہ تفریق اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی ذات پات کی نفی کرتے ہیں تو

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 90۔ گنج شریف مطبوعہ ص 445
2- ایضاً ص 36   ایضاً ص 445
3- The Punjabi Muslimans, P.95

اپنے خاندان کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان واقعات کا عکس آپ کے اشعار میں یوں دکھائی دیتا ہے:

ذات پات ہندوانیاں اسیں ہکو جیہے بھراؤ
نوشہ اسیں نہ جاندے کون راجا کون راؤ (1)

o

نہ اسیں زور نہ حاکمی نہ اسیں حاکم میر
آکھے نوشہ قادری اسیں عاجز مرد فقیر (2)

o

ہندو ذاتاں آکھدے اساں جاتی بس صفات
نیک کمائی چنگیاں مندیاں مندی بات (3)
اساں نہ ریت جہان دی لوکاں نال نہ کم
مُرشد کہیا سو منیا ہویا سکھالا دم
ذات اساڈی مسلمان کہے فقیر نوشاہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نوشہ صاحبؒ ذات پات کو فخر یا بڑائی تصور نہ کرتے تھے۔ وہ صرف اپنے مرشد کی بڑائی کے قائل تھے۔ ان کا ارشاد ہے کہ مرید بے شک راؤ، راجے خاندان کا کیوں نہ ہو۔ مرشد کے سامنے اسکی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مرید کے لیے مرشد ہی بادشاہ اور سلطان ہوتا ہے:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 145۔ گنج شریف مطبوعہ ص 607
2- ایضاً ص 204، ایضاً ص 528
3- ایضاً ص 145، ایضاً ص 607

مرشد جانے بادشاہ سلطان   راجے ، راؤ وڈے مانے نہیں آن (1)

نوشہ صاحبؒ کے نزدیک انسان کتنا ہی طاقتور ہو یا کتنے ہی بڑے خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتا ہو، اس کی طاقت اور شان وشوکت عارضی اور فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ بے بس اور عاجز ہے۔ اس لیے دنیا کی طاقت سے ڈرنے کی بجائے انسان کو اللہ کی ذات سے ڈرنا چاہیے۔ نوشہ صاحبؒ نے ان خیالات کو شعری لبادہ اوڑھاتے ہوئے اپنے خاندان اور خاندانی برتری میں مبتلا لوگوں کو مخاطب کیا ہے:

مرنے والا مار دا نوشہ دے سناؤ
تھوڑیوں بوتیوں نہ ڈرے مارے راجے راؤ
ڈریئے ناہیں ویریوں توڑے ہوون راجے راؤ
نوشہ ڈریئے رب توں مرد دا ایہہ سبھاؤ(2)

نوشہ صاحبؒ کے حالات زندگی سے پتا چلتا ہے کہ آپ نوشہرہ تارڑاں کی مسجد میں سارا دن تلاوت فرماتے اور رات کے وقت دریا کنارے عبادت میں مشغول رہتے۔ آپ کا یہ معمول زندگی گنج شریف کے اشعار سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

ہویا ویلا شام دا گھر گھر دیوا بالیا   آیا وقت بسرام دا نوشہ اللہ والیا
دن گزریا آرام دا جیوں جالن تیوں جالیا   رات دہائی نوشہ رب اگے سرنوالیا(3)

نوشاہی سلسلے کے بنیادی مآخذات سے واضح ہے کہ آپ نے عالم شباب میں حضرت شاہ سلیمان قادریؒ بھلوالی کی بیعت کی اور قلبی لگن کے باعث طریقت کی منزلیں جلد عبور کر لیں۔ آپ نے گنج شریف میں اپنے مرشد کی تعریف وتوصیف ان اشعار میں بیان کی ہے:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 132، گنج شریف مطبوعہ ص 317
2- ایضاً ص 80، ایضاً ص 562
3- ایضاً ص 299، ایضاً ص 396

مہر مرشد دی کیمیا پربت کرے رواں
برکت شاہ سلیمان دی نوشہ بھیانہاں (1)

خاندانی تذکروں سے عیاں ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کے مرشد حضرت شاہ سلیمان نوری قادریؒ صاحبِ نظر اور صاحبِ کشف تھے۔ بیعت کے بعد ایک مرتبہ نوشہ صاحبؒ نوشہرہ تارڑاں سے بھلوال روانہ ہوئے۔ راستہ میں ڈاکوؤں نے آپ کو گھیر لیا اور ورغلا کر لوٹنے کا ارادہ کیا۔ اسی وقت غیب سے آپ کے مرشد کی آواز سنائی دی۔ اے حاجی محمد! یہ ڈاکو ہیں۔ ان کے بہکاوے میں نہ آنا۔ یہ تمہیں لوٹنا چاہتے ہیں۔ تم اپنے سیدھے راستے پر چلتے جاؤ۔ منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ آپ نے ڈاکوؤں کے ساتھ چلنے سے انکار کیا۔ اپنے سیدھے راستے پر چلتے ہوئے بھلوال پہنچ گئے۔ بھلوال قصبہ سے باہر ان کے مرشد ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے نوشہ صاحبؒ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ حاجی محمد! ہم تمہاری حفاظت کر رہے تھے۔ تم نے سیدھا راستہ اپنا کر بہت اچھا کیا(2)۔ کشکول نوشاہی میں اس واقع کو یوں بیان کیا گیا ہے:

طالب راہ مرشد دے چلے اوجھڑ پوے نہ گھُسے
ٹھگاں راہزناں پچھے لگے اوہ اوجھڑ پو مُٹے (3)

بقول مرزا احمد بیگ لاہوری آپ نے بھلوال سے واپسی پر اپنے مرشد کے حکم سے گھوڑوں کی تجارت بھی کی۔ آپ نے مرشد کے فرمان کے مطابق موضع پانڈووال سے سات روپے میں ایک گھوڑی خریدی اور اسکی نسل سے پیدا ہونے والے گھوڑے سینکڑوں روپوں میں فروخت کیے۔ جن تاجروں نے وہ گھوڑے خریدے انہوں نے دکن اور جہان آباد لے جا کر کئی گنا منافع کمایا۔(4)

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 61
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 108
3- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 18
4- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 113

مولانا صداقت کنجاہی کی تحریر کے مطابق تجارت سے حضرت نوشہ صاحبؒ کے پاس جب اچھی خاصی رقم جمع ہوگئی تو آپ نے زمین خرید کر کھیتی باڑی شروع کر دی۔[1] آپ کے مرید خواجہ فضیل کابلی ہل چلاتے تھے اور حضرت پاک رحمٰن مزارعوں کے لیے کھانا لے کر جاتے تھے۔ لیکن اس کاشت کاری کے باوجود آپ کا دل دنیاوی امور سے زیادہ یادِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ آپ کی زندگی کے یہ دونوں پہلو کشکول نوشاہی میں کھل کر سامنے آتے ہیں۔

نوشہ کسب بیار ہکناں دا کسب ہکناں دا واہی [2]

یاد الٰہی والیاں سر تاج شہانے
نوشہ کسبی ذات دا ہور کسب نہ جانے [3]

نوشہ گنج بخشؒ کا ذریعہ معاش کاشت کاری تھا جبکہ نوشہ ثانی کا پیشہ طب اور کتب فروشی تھا۔ لہٰذا نوشہ گنج بخشؒ نے اپنی شاعری میں کاشت کاری کی اصطلاحات کا بطریق احسن استعمال کیا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے مندرجہ ذیل اشعار گاؤں کے کسان کی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں:

ہولی بھوئیں ہل واہ نہ نہ دھولا مار — ایویں واہ گواوسیں نوشہ کہے پکار [4]
کھیتی پکی دیکھ کے بھل ناہیں کرسان — اجے جھکھڑ جھولے ڈھیر نیں گھر آوے تاں جان

یا پھر یہ مصرعہ ملاحظہ ہو:

جیٹھی کنک تنہاں دی نوشہ جنہاں کیتی پوکھی سردی [5]

1- ثواقب المناقب مطبوعہ ص 76
2- کشکول نوشاہی ص 77، گنج شریف 295
3- ایضاً
4- ایضاً ص 59، ایضاً 515
5- ایضاً ص 258، ایضاً 269

نوشاہی سلسلے کے تذکروں کے ذریعہ نوشہ صاحبؒ کی زندگی کے بے شمار پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں، جن میں ایک پہلو یہ ہے کہ آپ نے ساری زندگی فقیری اور درویشی میں بسر کی۔ دنیاوی شان و شوکت اور جاہ و جلال سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔ اپنے آپ کو فقیر کہتے تھے۔ تذکرہ نوشاہی میں آپ کا ایک قول یوں درج ہے:

''من مجذوب نبودم کہ در وقتِ مُردن کسے را چیز بدہم و نہ شیخ کہ عصاد مصلّےٰ و طاقی و دستار بدہم۔ من فقیر بودم، ہر کہ مرا دید موافق نصیب چیزے برو دادہ ام[1]''

اسی بات کو کنز الرحمت کے مصنف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

نہ رند نہ صوفی نہ طاما تیم — کہ باکس عصا و مصلےٰ دہم
ہمہ عمر بودم بدنیا فقیر — در آخر روم ہم از اینجا فقیر [2]

نوشہ صاحبؒ کی زندگی کا یہی پہلو گنج شریف میں یوں ملتا ہے:

نہ ہم ملاں شیخ مشائخ نہ مفتی نہ قاضی
ہم فقیر قادر عاجز کے لیکھ لکھے پر راضی [3]

اسی ضمن میں یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:

اسیں فقیر شکستہ عاجز کار دگاروں چھٹے
پانی اتے بلبلا دسے تاں چھٹے جاں ٹٹے [4]

تذکرہ نوشاہی کے مصنف نے آپ کی زندگی کے متعلق لکھا ہے:

''دولت مند و اہلِ حکومت را کہ میدیدند، کنارہ کشیدہ میرفتند حیاناً۔

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 248
2- کنز الرحمت ص 88
3- گنج شریف ص 159
4- گنج شریف ص 312، کشکول نوشاہی (قلمی) ص 235

"اگر لاچار مقابل می شد تا او بسلام سبقت نمیکرد، ایشاں سلام نمید ادند۔"[1]

ثواقب المناقب، تذکرہ نوشاہی، کنز الرحمت، تحائف قدسیہ جیسے خاندانی تذکروں سے یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہوتی کہ آپ نے کبھی کسی حاکم، وزیر یا بادشاہ سے تعلقات قائم کئے ہوں۔ بلکہ آپ نے اپنے بڑے فرزند میاں برخوردارؒ کو شاہ جہان کے وزیر نواب سعد اللہ خان کی پیشکش کے باوجود شاہی ملازمت کرنے سے منع کر دیا تھا کہ:

"منصب دارانِ معبود را لائق نیست کہ منصبِ عبد اختیار کنند۔ بخانہ برخواستہ نیائند"[2]

یہی واقعات و خیالات کشکول نوشاہی (گنج شریف) میں ملتے ہیں:

راجے راؤ بادشاہ وزیر — حاکم صوبہ دار امیر
ایہناں اگے مول نہ جھک — نیڑے ایہناں دے نال نہ ڈھک
حکم نہ من آن نہ من — ایہناں دے آکھے نہ دھر کن
مول نہ ویکھ ایہناں دی شان — ایہناں دا ملن بوہت زیان[3]

O

راج دوارے جاوناں درویشاں ناہیں کم
جو لوبھو نہیں دم دے تہاں سکھالا دم
دین داراں نال ملنا درویشاں دا جم
دنیاداراں دھوکھڑے نر دنیا بے غم[4]

یا پھر یہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 91
2- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 247
3- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 243، گنج شریف ص 238
4- ایضاً ص 124 ایضاً ص 572

نہ اسیں زور نہ حاکمی نہ اسیں حاکم میر
آکھے نوشہ قادری اسیں عاجز مرد فقیر[1]

نوشہ صاحبؒ کی اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے آپ کی اولاد اور خلفاء میں سے کسی نے بھی شاہی دربار سے تعلق نہ رکھا۔ جبکہ غلام محی الدین نوشہ ثانی (وفات 1229ھ) کی زندگی میں ہی ان کی تینوں بیٹے فقیر سید عزیز الدین اور فقیر سید نور الدین خالصہ دربار سے وابستہ تھے۔[2] فقیر عزیز الدین (وفات 1262ھ/ 1846ء) مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں پنجاب کے وزیر اعظم تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سید نور الدین (وفات 1268ء/ 1852ء) اسی دور میں سیالکوٹ اور جالندھر کے گورنر تھے۔[3] یوں نوشہ ثانی کے خاندان کا امیر کبیر ہونا اور شاہی دربار سے تعلق رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس بات کا بھی بین ثبوت ہے کہ رنجیت سنگھ کئی مرتبہ خود بھی ان کے گھر آیا تھا۔ آج بھی اندرون بھاٹی گیٹ فقیر خانہ موجود ہے جو اس خاندان کی اہم یادگار ہے۔ پنجاب کی وزارت عظمیٰ اور گورنر کے عہدے پر فائز رہنے والے خاندان کے فرد کا یہ کہنا "نہ اساں زور حاکمی نہ اسیں حاکم میر" کو کیونکر سچ تسلیم کیا جا سکتا ہے اور فقیر نوشہ ثانی جیسا عالم فاضل شخص ایک طرف شاہی طبیب اور دوسری طرف درویش صفت انسان یہ دونوں متضاد باتیں کیسے مانی جا سکتی ہیں۔ نوشہ ثانی کے قول و فعل میں تضاد کو تسلیم کرنا ہمارے نزدیک بے ادبی و گستاخی کے برابر ہے۔ چنانچہ حالات و واقعات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شعر فقیر نوشہ ثانی کا نہیں ہے۔ بلکہ کسی ایسے نوشہ کا ہوگا جو اپنے دور کے شاہی دربار سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہوگا اور تاریخ و حالات شاہد ہیں کہ وہ شخص سوائے نوشہ گنج بخشؒ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 204 ، گنج شریف ص 528
2- رسالہ از آثار فقیر نوشہ ثانی ص 98
3- اورینٹل کالج میگزین صد سالہ تقریبات نمبر 19

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں فقیر خاندان کا اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ سکھ حکومت کو ان پر اعتماد و فخر تھا۔ نیز خالصہ حکومت کے دور میں اعتمادی خاندان کا کوئی فرد سکھوں کے گورو نانک کے خلاف یہ آواز بلند کرے کہ ''نانک کو گیان حاصل نہیں تھا وہ گیان کے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہوگیا'' عقل و قیاس سے باہر ہے۔ کیا ہم رنجیت سنگھ کی سلطنت کے وزیر اعظم فقیر عزیزالدین کے والد نوشہ ثانی سے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ سکھوں کے عروج کے زمانے میں انہوں نے نانک کے متعلق ایسا کہا ہوگا:

سو در گیا پچھدا نانک گیا وہا   سو گھر کتھے آکھدا دنیا چھڈ گیا[1]
سوجھی پایوس پچھدی درویشاں دے درآ   اوہ اگے نہ سمجھیا نہیں تاں سمجھن ہا
کلمہ پڑھدا تاں ویکھدا نوشہ دئے ستا

ایک امیر کبیر شاہی خاندان کا سربراہ حکام کے مذہب کا تمسخر کیسے اڑا سکتا ہے اور امارت کی بجائے غربت کو کیسے بہتر کہہ سکتا ہے۔ یہاں لمحہ فکر یہ ہے کیا شاہی خاندان کے سربراہ کی ایسی سوچ ہو سکتی ہے؟

توبہ کرے گناہوں جاں بندہ، جھوٹھی کرے نہ بازی
پچھلیاں بدیاں نیکیاں کر لکھن، ویکھ غریب نوازی
درد لگایئے سچ صلاحیئے رویئے دنیا سازی
نوشہ اساں غریبی چنگی شاہاں ترکی تازی (2)

یہاں حالات و واقعات خود زبان بن گئے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ یہ اشعار نوشہ ثانی کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ہم یہاں چند ایک ایسے واقعات پیش کرتے ہیں جن سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ اشعار کس شاعر کی تخلیق ہیں۔ سلسلہ نوشاہیہ کے تقریباً تمام

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 249، گنج شریف 322
2- ایضاً ص 249 ، ایضاً 281

مآخذات میں یہ واقعہ درج ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ جوانی کے زمانے میں ایک بار لاہور تشریف لائے اور آپ کا مقابلہ اس دور کے شاہی پہلوان پایہ تخت کے ساتھ ہوا۔ پہلوان کو اپنی طاقت پر بہت غرور تھا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس انداز سے دبایا کہ بقول صداقت کنجاہی ''اس پہلوان کی انگلیوں سے خون ٹپکنے لگا''[1]۔ اس نے اسی وقت ہار مان لی۔ آپ نے نصیحت فرمائی کہ طاقت پر کبھی غرور نہیں کرنا چاہیئے۔ اصل پہلوان یا طاقتور وہ ہوتا ہے جو غصہ پر قابو رکھے۔ گنج شریف کے مندرجہ ذیل شعر سے اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے:

زوراور پہلوان نہ نوشہ نہ دریائے   زوراور سئے اکھیں جو آیا جوش ہٹائے (2)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی زندگی کے مطالعہ سے ایک اور واقعہ یوں سامنے آتا ہے کہ آپ کے ایک ہم عصر بزرگ عبدالسلام چشتیؒ ساکن کیلیانوالہ نے اپنے ایک مرید کے ذریعہ نوشہ صاحبؒ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس جو بھی شخص آتا ہے آپ بلا امتیاز اسے فیوض و برکات عطا کر دیتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو صوفیاء اور فقراء کی عزت اور اہمیت نہیں رہے گی۔ آپ نے اُس رات گاؤں کے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں کے چراغ مسجد کے چراغ سے روشن کریں۔ گاؤں کے ہر شخص نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ جب رات ہوئی تو آپ نے شیخ عبدالسلام چشتیؒ کا پیغام لانے والے مرید سے کہا دیکھو گاؤں کے سب چراغ روشن ہو چکے ہیں لیکن مسجد کے چراغ کی روشنی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ یہی میرے فیض کا حال ہے۔ جو میرے ساتھ مس ہوگا اس کا سینہ روشن ہو جائیگا۔[3] یہی واقعہ آپ کے کلام میں یوں درج ہے:

1- ثواقب المناقب مطبوعہ ص 105 تا 107
2- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 201، گنج شریف ص 395
3- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 201

جیویں دیوا بالیے نوشہ دیوے نال
تیوں مرشد سنگ رل طالب ہوئے خیال (1)

یہ ناممکن ہے کہ اس قسم کے واقعات تو نوشہ گنج بخشؒ کے ساتھ پیش آئے ہوں اور ان کی رحلت کے 126 سال بعد نوشہ ثانی نے یہی واقعات منظوم کیے ہوں۔ یہ عجیب منطق ہے کہ واقعات نوشہ گنج بخشؒ کے ساتھ پیش آئے اور ان کو نوشہ ثانی کیساتھ منسوب کر دیا جائے۔ لہٰذا تجزیہ کے لیے مزید چند فکری شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ نوشہ ثانی کے متعلق یہ صحیح روایت ہے کہ ان کا تعلق سادات خاندان سے تھا۔ (2) جبکہ نوشہ گنج بخشؒ جالپ راجپوت خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ تواریخ سے پتا چلتا ہے کہ جالپ راجپوت ہندی النسل سورج بنسی خاندان کی ایک شاخ ہے جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ سادات خاندان کے افراد عرب سے ہجرت کر کے برصغیر میں آباد ہوئے۔ سادات دراصل حضرت علی کرم اللہ وجہ کی فاطمی اولاد ہیں، جو پیدائشی مسلمان ہیں۔ ان کا ہندو ہونا یا ہندوؤں کے مسئلہ آواگون پر یقین رکھنا کسی صورت درست نہیں۔ کیونکہ مسئلہ آواگون خالصتاً ہندومت سے تعلق رکھتا ہے۔ جن لوگوں نے ہندومت چھوڑ کر اسلام قبول کیا، انہوں نے اس مسئلے سے نجات حاصل کر لی۔ کلمہ پڑھ کر آواگون مسئلہ سے نجات حاصل کرنے والا شخص ہی یہ بات کہہ سکتا ہے:

نہ اسیں آئے نہ اسیں چلے آواگون بھرم دی
مرشد آواگون مٹائی کیتی نظر کرم دی
کلمہ پڑھ جوناں تھوں چھٹے لدھی واٹ پرم دی
نوشہ کہے فقیر الٰہی دار سنوار جرم دی (3)

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 97، گنج شریف ص 198
2- دیکھئے لالہ سوہن لال سوری کی عمدۃ التواریخ اور تاریخ جلیلہ از پیر غلام دستگیر نامی، گلزار عالم پریس لاہور 1937ء ص 249
3- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 251، گنج شریف ص 389

ان کو نوشہ ثانی کے اشعار اس لیے تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ پیدائشی سید تھے۔ ان کے بزرگوں نے مکہ میں تبلیغ اسلام کے بعد بخارا کا رخ کیا پھر پنجاب میں ڈیرے ڈالے۔ (1) ہندومت سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی ان کے بزرگ ہندومت ترک کر کے مسلمان ہوئے تھے۔ اس لیے وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ:

مرشد آواگون مٹائی کیتی نظر کرم دی
کلمہ پڑھ جوناں تھوں چھٹے لدھی واٹ پرم دی

لہٰذا یہ شعر نوشہ گنج بخشؒ کا ہے۔ جن کا خاندان ہندومت ترک کر کے مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔

اب ہم یہاں ایسے واقعات پیش کرتے ہیں جن میں نوشہ صاحبؒ کے قول اور فعل کی مطابقت موجود ہے۔ مولوی نور احمد چشتی لکھتے ہیں:

''ایک مقدم نے جو بڑا مالدار تھا۔ ایک سو روپیہ نقد اور ایک گھوڑا اور خلعت عمدہ حضرت پیر محمد کی نذر کیا۔ آپ نے لے کر حضرت نوشہ صاحبؒ کی نذر گردانا۔ حضور بہت خوش ہوئے اور ان کو خطاب ''سچیار'' یعنی راست گو بخشا۔'' (2)

تذکرہ نوشاہی کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص خلوص نیت سے آپ کی خدمت میں کوئی نذرانہ پیش کرتا تو آپ اسکی دلجوئی کے لیے قبول فرما لیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک مرید ساہنپال سے محض اس کی دلجوئی کی خاطر ایک کنواں (ٹکڑا زمین) قبول فرمایا تھا۔ (3) بقول مرزا احمد بیگ آپ کے مرشد حضرت سخی سلیمان نوریؒ نے آپ کو رخصت کرتے ہوئے نصیحت فرمائی تھی:

1- Chief and Families of Not in the punjab P.296
2- تحقیقات چشتی ص 429
3- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص 136

"میاں حاجی شاالحال بیادہ، نیامدہ باشید، اگر کسے شمارا مادیاں بہ بہا بانظر بگذارند قبول خواہید کرد۔ حضرت شاہ تسلیمات بجا آوردہ۔"(1)

اس نصیحت سے متعلق آپ کا ارشاد ہے:

نذر کرے درویش دی جے کجھ دنیا دار   دے دلاسہ کھسم دا لیوے لیون ہار (2)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے ساری زندگی شریعت کے مطابق بسر کی اور مقلدین کو بھی شریعت کے اصولوں پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ مرزا احمد بیگ لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ در ظاہر احتیاط شریعت بسیاری نمودند ومیخو استند کہ کسے از اخلاص مندان از جادۂ شراع در ظاہر تفاوت بکند"(3)

نوشہ صاحبؒ کا اپنا قول تذکرہ نوشاہی میں یوں درج ہے۔ "طریقۂ ما طریقۂ شریعت نبویؐ ست"(4)۔ بقول علامہ محمد ماہ صداقت کنجاہی:

"نوشہ نامدار الظاہر عنوان الباطن نقش نگین داشت وتجاوز از حدِ شرع باوجود کمالات چوں مصرعہ خوشخط کہ از قلم ونقش مسطر بدر رو وبدغامی انگاشت"(5)

اس قول سے صاف عیاں ہے کہ نوشہ صاحبؒ شریعت کے بے حد پابند تھے۔ اب ذرا کشکول نوشاہی کے یہ شعر ملاحظہ کیجئے اور اندازہ لگایئے کہ اقوالِ حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے کس حد تک مطابقت رکھتے ہیں:

1- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص112
2- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 258، گنج شریف 372
3- تذکرہ نوشاہی (قلمی) ص127
4- ایضاً ص201
5- ثواقب المناقب (قلمی) ورق85

کم نہ ہووے شرع بن دینی دنیائی   باجھ شریعت منیاں کیہی فقیرائی (1)
غیر شرع دا ہونا ہوون حیواناں   آیا منّ حکم نوں آ حکم نہ ماناں
شرح جہاز رسول دا چڑھیا سو تریا   منے شرع محمدیؐ جیں کلمہ پڑھیا
غیر شرع جو پیر ہے سو پیر نہ کہیئے   غیر شرع فقیر تھیں اک پل نہ بہیئے
سچی شرع رسولؐ دی غیر شرع سب جھوٹھے   نوشہ کہے غیر شرع نوں خیر نہیں وچ ٹھوٹھے

(3)

گنج شریف میں نوشہ صاحبؒ کی ذاتی زندگی کا عکس دیکھنے کے بعد اب ہم گنج شریف (کشکول نوشاہی) کے اشعار کا نوشہ صاحبؒ کی دیگر تصانیف سے موازنہ کریں گے۔

نوشہ صاحبؒ کے ملفوظات چہار بہار کے عنوان سے ہاشم شاہ تھرپالوی نے مرتب کیے۔ نوشہ صاحبؒ کے ان ملفوظات سے کسی محقق یا نقاد کو کوئی انکار یا اعتراض نہیں ہے۔ اس کتاب میں تصوف سے متعلق نوشہ صاحبؒ کے گرانقدر فرامین درج ہیں۔ گنج شریف (کشکول نوشاہی) کے اکثر اشعار میں بھی یہی فرامین موجود ہیں۔ یہاں ہم گنج شریف کے اشعار کے حوالے سے چند فرامین کو پرکھنے کی کوشش کریں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہر دو تصانیف میں فکری ربط موجود ہے یا نہیں؟

چہار بہار میں صبر سے متعلق آپ کا فرمان ہے:

"صبوری گوہرے ست بے بہا و جوہرے ست بے انتہا" (2)

گنج شریف میں بہت سے ایسے اشعار موجود ہیں جو نہ صرف فکری اعتبار سے نوشہ صاحبؒ کے فرمان سے مطابقت رکھتے ہیں بلکہ بعض مقامات پر الفاظ بھی مشترک ہیں:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص112
2- چہار بہار مطبوعہ ص64

منن دیاں نشانیاں نوشہ دے سنا — صدق صبوری بندگی آنن امر بجا (1)
نوشہ صدق صبوری وڈا مال دھن — ہک رجن نال صبر دے ہک رجن نال ان
صبر کان درویش دی نوشہ صبر کمائے — صابر سندے صبر دا ہووے نہ تیر خطائے (2)
صدق صبوری مل لے بریایوں آ باج — درویشاں دی سانجھ پورہ آوے دو جگ لاج (3)

چہار بہار میں نوشہ صاحبؒ صدق کو معرفت کے شامیانے کی میخ اور ایمان کے درخت کی جڑ قرار دیتے ہیں:

صدق میخِ خیمۂ معرفت ست و بیخ درخت ایمان ست (4)

اب گنج شریف کے وہ اشعار ملاحظہ فرمائیے جو صدق کے متعلق ہیں:

جاں جاں صدق درست ہے تاں تاں درست ایمان
نوشہ کلمہ کفر دا کرے نہ بے ایمان (5)
درویشی دے رکن ترے حال قال اعمال
حال صدق اقرار قال ، حکم منن اعمال (6)
ذکر نہ مونہوں آکھنا سن پیارے سچیار
نوشہ آکھے ذکر ہے صدق اتے اقرار (7)

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 80، گنج شریف ص 72
2- ایضاً ص 74، ایضاً 352
3- ایضاً ص 111، ایضاً 571
4- چہار بہار ص 72
5- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 97، گنج شریف ص 249
6- ایضاً ص 255، ایضاً 325
7- ایضاً ص 51، ایضاً 248

صوفیاء میں ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کا فلسفہ بے حد اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ابن عربی نے ہمہ اوست کے فلسفہ کو اپنی کتاب فصوص الحکم میں نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ لہٰذا اکثر صوفیاء کرام اسی نظریئے کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ہمہ اوست کی بجائے ہمہ از وست کے فلسفہ کو بالا قرار دیا ہے۔ اور اپنی تحریروں میں اسکی وضاحت فرمائی ہے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ نے چہار بہار میں مذکورہ دونوں فلسفوں پر نہایت وضاحت وتصریح سے روشنی ڈالی ہے۔ لیکن آپ خود ہمہ اوست کے قائل ہیں۔ گنج شریف کے اشعار میں چہار بہار کی مانند اس فلسفے کے دونوں پہلوؤں پر خوب وضاحت ملتی ہے۔ پہلے ہمہ اوست سے متعلق چہار بہار میں نوشہ صاحبؒ کے ارشادات ملاحظہ کیجئے:

"ہمہ اوست درجۂ کمالِ معرفت ست کہ در آنجا ما وتو و ہست و نیست ہیچ نیست مثلِ شمع رو بہر سو یکے دارد۔"(1)

"بینندہ و گویندہ و شناسندہ و متحرک در جملہ موجودات یکے ست"(2)

"شب و روز اگر خیالِ وحدت داری ، بتدریج غیر از یکے نخواہد ماند"(3)

"غبار دوئی چناں بشوئند کہ یکے بیند و یکے داند کہ یکے ہست و یکے خواہد بود۔ چناں یکے بیند کہ یکے شُد"(4)

اب گنج شریف کے یہ اشعار دیکھئے جن میں مذکورہ نظریات کی وضاحت ملتی ہے:

1- چہار بہار ص 119
2- ایضاً ص 122
3- ایضاً ص 122
4- ایضاً

جتھے ویکھاں ہکو ویکھاں ہکو جتھے کتھے
لامکان فی انفس پایئے پایئے اوتھے اتھے (1)

جاں جاں ایکا اکھیاں ہک نوں ویکھن ہک
دوئیں ویکھن وچ بھینگیاں جاں اندر ہونے پھک (2)

جس من وحدت وسدی اوہ کافر کدیں نہ ہوئے
نوشہ وحدت والیاں غیر نہ جاتا کوئے (3)

وحدت والے ویکھدے ہکو ہک صحی
نوشہ اندر باہرے وحدت دس رہی (4)

اوہو اوہ دسیوے باطن ظاہرا
اس بن ہور نہ کوئی اندر باہرا (5)

اوہو اپنا آپ نہ کوئی غیر ہے
ڈبھتا اندر ویر وحدت نت ویر ہے
اوہو باطن ظاہر دسے
اوہو اندر باہر دسے

1- کشکول نوشاہی ص306، گنج شریف ص453
2- ایضاً
3- ایضاً ص90، ایضاً ص456
4- ایضاً
5- ایضاً ص143، ایضاً ص 470

آپ ذات جہان صفات
صفت ذات وچ کیسی بات (1)

اسی طرح فرماتے ہیں:

ع ہمہ اوست تو حال ہے پیارے قال موں آوے ناہیں (2)

یا ع ہمہ اوست بن نہ ورتارا ایہہ ونہار کر لیئے

ع آدانت بن بیچ نہ پایئے ہمہ اوست ہے سویو (3)

چہار بہار میں دعویٰ کے متعلق نوشہ صاحبؒ کے فرمان یوں ہیں:

i- چوں ہستیٔ دعویٰ صورت بہ بست کہ ایں چیز من است انگاہ مجتش بگرفت (4)

ii- ہستی دعویٰ ہمچو ہستی سراب است (5)

iii- دنیا و دعویٔ دنیا بے شک و شبہ سراب است" (6)

یہی مضمون ان الفاظ میں کشکول نوشاہی میں بیان ہوا ہے:

درویشی راج اٹل ہے ترک دعویٰ ترک ویر — نوشہ دعویٰ والیاں کدی نہ ہووے خیر (7)
دعویٰ روگ اوشٹ ہے روگی دعویدار — نوشہ دعوے والیاں دعویٰ کرے خوار
دعویٰ کیتا انھیاں سوجھی جنھاں نہ کوئے — درویشاں ترک دعویاں سبھا سوجھی ہوئے

1- کشکول نوشاہی ص172، گنج شریف ص470
2- گنج شریف ص74
3- ایضاً
4- چہار بہار ص53
5- ایضاً ص54
6- ایضاً ص55
7- کشکول نوشاہی (قلمی) ص236، گنج شریف ص577

دعویٰ کر دُکھ پایئے بن دعویٰ سُکھ سُکھ   دعویداراں انڈھیاں آپے چائے دُکھ

دعویٰ کم دیوانیاں مَنن دانیاں کا

آکھے نوشہ قادری سمجھے مرد سچیار (1)

(4)

کسی شاعر کے کلام میں اسکے پسندیدہ ہمعصر مشاہیر کا ذکر تحقیق کی راہیں متعین کرنے میں بے حد مددگار ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ شاعر کے زمانے کے ماحول کے تناظر میں اسکی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اور اس کے افکار کے مختلف زاویے قارئین کو گہرائی اور گیرائی تک لے جاتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے مرید بے شمار تھے۔ لیکن ان کے کلام میں صرف ایک ہی مرید پیر محمد سچیار کا نام ملتا ہے۔ جس سے خورشید احمد خان نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہاں سچیار سے مراد محمد سچیار نہیں ہے بلکہ سچیار بطور لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنی سچا ہونے کے ہیں۔ (2) حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہاں سچیار سے مراد پیر محمد سچیار نوشہروی ہیں جو حضرت نوشہ گنج بخش کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اشعار میں صرف پیر محمد سچیار کا ہی ذکر کیوں کیا ہے۔ باقی مریدوں کو مخاطب کر کے شعر کیوں نہ کہے۔

اگر ہم پنجابی کے علاوہ اردو یا فارسی کے صوفیانہ ادب پر نظر ڈالیں تو وہاں بھی یہی روایت دکھائی دیتی ہے کہ مرشد کا روئے مخاطب بے شک اپنے تمام مریدوں اور ساتھیوں کی طرف ہے لیکن نام صرف ایک ہی مرید یا دوست کا لیا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا روم کی مثنوی کی مثال دی جا سکتی ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے شاگرد مولانا حسام الدین کو مخاطب کیا ہے لیکن وہاں حسام الدین کے پردے میں وہ اپنے تمام

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 236، گنج شریف ص 577

2- اورینٹل کالج میگزین مذکور ص 15

مریدوں اور شاگردوں سے مخاطب ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

اے ضیا الحق حسام الدین بیار   ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار (1)

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی   کہ گذشت از مہ بنورت مثنوی (2)

شہ حسام الدین کہ نورِ انجم است   طالب آغاز سفر پنجم است (3)

اے حیاتِ دل حسام الدین بسے   میل می جو شد بقسم سادسے (4)

اگر ہم پنجابی شاعری پر نظر ڈالیں تو مولوی غلام رسول عالمپوری (مصنف احسن القصص) کی چٹھیاں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مولوی صاحب عالم فاضل تھے۔ آپ نے ان گنت شاگردوں کے سینوں کو علم کے نور سے منور کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی ہر چٹھی میں صرف سید روشن دین کا ہی ذکر کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں صوفیاء کا نصیحت کرنے کا یہی مقبول انداز تھا کہ وہ اپنے کسی ایک شاگرد یا مرید کا نام لیتے تھے لیکن مخاطب تمام شاگردوں و مریدوں سے ہوتے تھے۔ اسی طرح نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں بے شک روئے سخن پیر محمد سچیار کی طرف رکھا ہے، لیکن ان کے پردے میں وہ اپنے تمام مریدوں شاگردوں اور قارئین سے مخاطب ہیں۔ پیر محمد سچیار کو مخاطب کرنے کی شاید یہی وجہ تھی کہ دوسرے مریدوں کی بہ نسبت پیر محمد سچیار حضرت نوشہ سے ہر مسئلے پر کھل کر بات کر لیتے تھے۔ چنانچہ تذکرہ نوشاہی سے پتا چلتا ہے کہ جس مسئلے کے متعلق دوسرے مریدوں کو نوشہ صاحبؒ کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی وہ پیر محمد سچیار کے ذریعہ اپنا مدعا بیان کرتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیر بھائیوں کی نسبت مرشد کے زیادہ

1- مثنوی مولانا روم، دفتر سوم ایران 1349ھ ص 401

2- ایضاً دفتر چہارم ص 435

3- ایضاً دفتر پنجم ص 819

4- ایضاً دفتر ششم ص 1025

قریب اور بے تکلف تھے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ کا یہ تخاطبی انداز صرف ان کے کلام تک محدود نہیں بلکہ ان کے ملفوظات چہار بہار میں بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے بجا لکھا ہے:

"ہاشم شاہ (مشہور پنجابی شاعر) کی فارسی تصنیف چہار بہار اور نوشہ صاحبؒ قدس سرہ کے ملفوظات اور خود نوشہ صاحبؒ کے اردو، فارسی کلام سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ پیر محمد سچیار کو اپنے تمام خلفاء سے ممتاز اور افضل سمجھتے تھے۔"(1)

اسی لیے آپ نے تصوف کے تمام گہرے اور دقیق نکات سمجھانے کے لیے صرف پیر محمد سچیار کو ہی مخاطب کیا ہے اور چہار بہار میں کہیں بھی آپ کے کسی صاحبزادے یا کسی مرید کا ذکر نہیں آیا۔ نمونے کے طور پر چہار بہار میں سے چند جملے یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

-1 اے پیر محمد! از کلام درویشاں درویشی بیاموز"(2)

-2 اے پیر محمد! سوال درویشانہ و خیالِ مردانہ آوری"(3)

-3 اے پیر محمد! اہل دنیا در قلیبِ ہوس افتادہ اند"(4)

-4 اے پیر محمد! آں مرد بزرگ ہم دریں سخن بود کہ آں خواب غفلت از چشم برفت"(5)

-5 اے پیر محمد! خیالِ بندہ در ہوس پراگندہ است۔(6)

-1 رسالہ از آثار فقیر نوشہ ثانی ص 101

-2 چہار بہار ص 114

-3 ایضاً

-4 ایضاً ص 24

-5 چہار بہار ص 35

-6 ایضاً ص 28

-6 اے پیر محمد! سوال معتبر آوردی۔(1)

-7 اے پیر محمد! باغبانے بود، اما بے نظیر کہ تدبیرِ باغبانی او در تصویرِ ضمیر تقریر نہ بندد"(2)

-8 اے پیر محمد! راست گفتی و دُر سفتی تارک دنیا شدن بسا مشکل ست۔(3)

-9 اے پیر محمد! بسا کس اند کہ خود بے وجود اند و وجود آدمی را گلوگیر اند۔(4)

-10 اے پیر محمد! جہدے کن و بریں راہ نگاہ کردہ۔ دعویٰ بود را نابود دانستہ ہستی دعویٰ بشو و خالق موجود راحق القیوم دانستہ، طالب او گزیدہ در سجدہ رو، تا از ہمہ آفات خواہی است و بے نیاز خواہی گشت۔(5)

-11 اے پیر محمد! سوال نیکو آوردی، مرادش بگوشِ دل بشنو، و باہوش خاص بداں(6)

چنانچہ ان اقوال زرین سے مترشح ہوتا ہے کہ اے پیر محمد! اور "آکھے نوشہ قادری سُن پیارے سچیار" یا "نوشہ کہے توں سن سچیارا"۔ جیسا انداز صرف ان کے مرشد ہی اپنا سکتے تھے۔ پیر محمد سچیار سے نیچے درجہ کا کوئی شخص بھی ایسا انداز اختیار نہیں کر سکتا تھا، جبکہ وہ خود پر محمد سچیارؒ کے خلفاء کے مریدوں کا مرید ہو چنانچہ ثابت ہوتا ہے کہ اس انداز میں پیر محمد سچیار کو مخاطب کرنے والی صرف ایک ہی شخصیت ان کے مرشد حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی ہو سکتی ہے۔

-1 چہار بہار ص 31

-2 ایضاً ص 41

-3 ایضاً ص 45

-4 ایضاً ص 49

-5 ایضاً ص 55

-6 ایضاً ص 99

جہاں تک لفظ سچیار کو سچے آدمی کے معنوں میں استعمال کرنے کا تعلق ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح علامہ اقبال نے لفظ مردِ مومن اپنے کلام میں استعمال کیا ہے، کیونکہ اس لفظ میں بے حد وسعت اور بیکرانی ہے۔ اسی طرح پیر محمد سچیار کی شخصیت میں وہ تمام ظاہری اور باطنی خوبیاں موجود تھیں جو ایک مردمومن کی خاصیت ہیں۔ اس لیے نوشہ صاحبؒ نے انہیں سچیار کے خطاب سے نوازا۔ یہاں یہ بات بے جا نہ ہوگی کہ نوشہ صاحبؒ لفظ سچیار کی تمام معنوی خوبیوں سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے خاص مرید کو اس خطاب سے مخاطب فرمایا۔ یہ دراصل ایک ترغیب تھی دوسرے مریدوں کے لیے کہ وہ بھی اپنے اندر پیر محمد سچیار جیسی صفات پیدا کریں۔ اسی لیے انہوں نے دیگر مریدوں کے لیے جہاں '' دوست''، '' یار'' اور ''اللہ والیو'' جیسے الفاظ کا انتخاب کیا، وہاں سچیارو یا مرد سچیار جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ جہاں نوشہ صاحبؒ نے اپنے مریدین کو مجموعی طور پر خطاب فرمایا ہے وہاں لفظ سچیار کو مختلف انداز سے استعمال کیا ہے۔ مثلاً سچیارو، سچیاراں اور مرد سچیار وغیرہ اور جہاں وہ صرف پیر محمد سچیارؒ سے مخاطب ہیں وہاں '' سن پیارے سچیارا'' یا صرف ''سچیار'' لفظ استعمال کیا ہے۔

چہار بہار اور گنج شریف کے اسلوب بیان میں مطابقت اور یکسانیت اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ دونوں کتابیں ایک ہی مصنف کے رشحاتِ قلم ہیں۔ چہار بہار کی قدامت کے پیش نظر یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں ہے کہ گنج شریف (کشکول نوشاہی) کے خالق پیر محمد سچیار کے مرشد نوشہ گنج بخشؒ ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس میں نوشہ صاحبؒ کے مرشد اور دادا مرشد کا ذکر موجود ہے۔ (1)

مرشد اللہ، مرشد پاک محمدؐ مرشد چارے یار — مرشد دستگیر پیارا قادر دا مختار

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 63، گنج شریف ص 191

مرشد شاہ سلیمان قلندر سب صفتاں موصوف — مرشد شاہ مبارک تارک مرشد شاہ معروف

مرشد کلمہ طیب نوشہ جس پڑھیا بھیا قبول — مرشد سچا نام الٰہی مرشد نام رسول

اس کے مقابلے میں نوشہ ثانی کے اپنے والد، اپنے مرشد یا کسی پیر بھائی، کسی مرید یا اپنے بیٹوں کے متعلق کوئی ذکر اور معلومات نہیں ملتیں۔ اگر یہ بیاض نوشہ ثانی کی تحریر ہوتی تو یقیناً ان کے خاندان کے کسی فرد یا دوست یا مرید کا ضرور ذکر ہوتا۔ جبکہ اس کتاب میں نوشہ گنج بخش کے مرشد، دادا مرشد اور مرید کے ذکر کے علاوہ ان کی اپنی ذاتی اور بیٹوں کی زندگی کے واقعات کا عکس موجود ہے۔

(5)

اگر کسی شاعر یا ادیب کی کتابیں ایک سے زیادہ ہوں بے شک ان میں درج مضامین مختلف ہوں لیکن ان کا اسلوب بیان یا انداز بیان ایک جیسا ہوتا ہے۔ جسے انگریزی میں STYLE کہتے ہیں۔ Buffon کے قول کے مطابق '' Style is the man himself'' اس لیے ہر تخلیق کار کا اپنا انداز بیان ہوتا ہے۔ جو اسکی شناخت بن جاتا ہے۔ شاید اسی لئے مرزا غالب نے کہا تھا:

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

نوشہ صاحبؒ کی مثنوی گنج الاسرار اور چہار بہار کے اسلوب بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر ہم گنج شریف کی شاعری کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ گنج شریف کے اکثر اشعار کا نہ صرف سٹائل ان کتب سے ملتا ہے بلکہ فکری اعتبار سے بھی بیشتر مضامین کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ چہار بہار میں تصوف کے جس قدر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں نوشہ صاحبؒ کے مخاطب پیر محمد سچیار نوشہروی ہیں۔ اسی طرح گنج شریف میں آپ کے مخاطب بھی پیر محمد سچیار نوشہروی ہی ہیں۔ علاوہ ازیں

چہار بہار میں اکثر مقامات پر تمثیلی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ جیسے ایک نامہ نویس کی مثال ہے۔[1] ، باغبان کی مثال[2] ، ایک نقال کی مثال[3] ، اور کولہو کے بیل کی مثال[4] ، بالکل اسی طرح گنج شریف (کشکول نوشاہی) کے رسالہ اتفاق پروان میں ایک ملا، جٹ اور سید کی مثال[5] ایک سردار کی وفات پر اس کے بیٹوں کو اتفاق و اتحاد کی نصیحت میں تنکوں کی مثال[6] ، رسالہ ''اوراں کوں فرمان'' میں ایک لمبے اور چھوٹے قد کے بندے کی مثال[7] اور رسالہ ''ہمت پروان'' میں لومڑی کی مثال[8] وغیرہ۔

(6)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شاعر کی زبان پر اس کے ماحول حالات معاشرے اور علاقے کا اثر ہوتا ہے۔ ان ہی حالات کے مطابق اسکی سوچ بھی پروان چڑھتی ہے اور اس سوچ کی صحیح ترجمانی اس علاقے کی زبان ہی کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی شاعر اپنے اردگرد بولی اور سمجھی جانے والی زبان کو چھوڑ کر کبھی بھی کامیاب شاعری نہیں کرسکتا۔ ادب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عام بول چال کی زبان اور ادبی زبان میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق اُسی قدر ہوتا ہے

1- چہار بہار ص 50
2- ایضاً ص 41
3- ایضاً ص 27
4- ایضاً ص 29
5- گنج شریف ص 538
6- ایضاً ص 540
7- ایضاً ص 520
8- ایضاً ص 529

جس قدر ایک شاعر اور غیر شاعر کے سوچنے کے انداز میں ہو سکتا ہے۔ شاعر شعر کہتے ہوئے شعوری طور پر ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے جو نہ صرف شاعر کے مفاہیم و خیالات کو ظاہر کرتے ہیں بلکہ قارئین کو متاثر بھی کرتے ہیں۔ شاعر کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کا کلام اور پیغام اپنے اردگرد کی حدود سے نکل کر دور دور تک پھیلے۔ اس لیے وہ شعوری طور پر ایسی زبان استعمال کرتا ہے جو مطالب و مفاہیم کی توضیح کے ساتھ ساتھ نرمی، حلیمی، چاشنی اور روانی کی حامل ہوتی ہے۔ اگر شاعر عالم فاضل اور قادر الکلام ہوتا ہے تو پھر اسکی زبان میں انتخابِ الفاظ کی بنا پر زیادہ نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔ تاہم وہ کسی صورت بھی اپنی مقامی زبان سے دامن چھڑا نہیں سکتا۔ یہی زبان اس کے علاقے کی شناخت ہوتی ہیں۔ نوشہ صاحبؒ موضع گھگانوالی تحصیل پھالیہ ضلع گجرات (علاقہ ساندر) میں پیدا ہوئے۔ وہیں پل کر جوان ہوئے اور ساری زندگی تحصیل پھالیہ کے علاقہ میں بسر کی۔ ماہرین لسانیات کہتے ہیں کہ اس علاقے کی پنجابی زبان پر لہندی کے لہجے کا اثر ہے مگر تحصیل پھالیہ کی زبان دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں ذرا موٹی ہے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ کی تصنیف گنج شریف میں بہت زیادہ الفاظ ساندر بار کی مقامی بولی سے تعلق رکھتے ہیں۔ بایں ہمہ کہیں کہیں اشعار کی زبان نہایت شستہ و رفتہ ہے۔ لیکن اکثر اشعار میں اس علاقے کی ٹھیٹھ زبان استعمال ہوئی ہے۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ گنج شریف کا شاعر تحصیل پھالیہ ضلع گجرات (موجودہ منڈی بہاء الدین) کا باسی ہے۔ چند ایسے ہی اشعار ملاحظہ کیجئے:

ہکے گھلے آیا ہکسے دی مڑ چھک — نوشہ مرشد پاک ہے آد جگادی ہک[1]
نوشہ خالق ہک ہے دویا ناہیں کوئے — فرق خالق تے خلق وچ توں کہہ کیکر ہوئے[2]

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 90، گنج شریف ص 455
2- ایضاً ص 90 ، ایضاً ص 456

ہک کھوہوں دریاؤں پیون ہک پُچھیوں موریوں پیون
ہک ستر سے نعمت کھاون ہک مٹی چٹ کے جیون (1)

ان اشعار میں ہکسے ، ہک ، مُڑ ، چھک ، دویا ، کوئے سے اور کیکر وغیرہ خالص گجراتی لہجے کے الفاظ ہیں ان کو صرف اسی علاقے کا رہنے والا ہی اشعار میں استعمال کرسکتا ہے اور صحیح طور پر ادا کرسکتا ہے۔ لاہور کا رہنے والا کوئی بھی شخص ایسی زبان لکھنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔ اسی ضمن چند اور اشعار دیکھئے:

آخر عملاں تولسن ، تکڑ دے وچ پائے
جس دل کلمہ ہووی نوشہ بوجھائے سائے (2)

کلمہ گو نہ دوزخ پوسی وحی پیغام پہنچایا
نوشہ کہے کلمے دے صدقے اساں چھٹکارا پایا (3)

بندگی اتے خادمی دوہاں معنے ہک
نوشہ بندگی سے کرن جنہاں دُھر دی چھک (4)

اگے پچھے مرنا رہنا ناہیں اِتھ
جاں اوہ ویلا پہنچسی پلک نہ پوسی وِتھ (5)

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 133، گنج شریف ص 431
2- ایضاً ص 200 ، ایضاً ص 250
3- ایضاً ص 60 ، ایضاً ص 505
4- ایضاً ص 295 ، ایضاً ص 532
5- ایضاً ص 75 ، ایضاً ص 561

مرسی جو کوئی جمیا مرنوں مول نہ لُک
نوشہ ویلا موت دا ذرا نہ پوسی چُک

یہ اشعار بھی دیکھئے:

اللہ سچے نوں آکھ سہائی
جو اوہ چاہسی تھیسی سائی (1)

سچ در مرشد والا جتھوں سچ دا خیر ڈھیا
سچے خیروں بھگیھے سانگے سچا روپ بھیا (2)

دریشاں دا سنگ نہ چھڈیں سنگ نہ سنگ چھوڑیسی
جس خاوند چنج چکن دتی چوگ بھی آپے دیسی (3)
ہژدہ ہزار عالم جو بانی تینوں کیویں وِسریسی
نوشہ کلمہ آکھ دل جانوں رب کلمے دی لاج رکھیسی

ان اشعار میں تولسن ، پائے ، سائے ، ہووی ، پوسی، چھک پہنچسی، چاہسی، تھیسی ، سائی، ڈھیا، چھوڑیسی، دیسی (دے سی) وسریسی ، اور رکھیسی وغیرہ خالص گجراتی لہجے کے الفاظ ہیں۔ جو آج بھی تحصیل پھالیہ کے دیہاتوں میں یونہی بولے جاتے ہیں۔ اس طرح کا ایک اور دوہڑہ دیکھئے:

جیہناں ہک پچھانیاں خادم ہوون سے   نوشہ دُبھتا والیاں من وچ گرب ودھے (4)

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 26، گنج شریف ص 195
2- ایضاً ص 64 ، ایضاً ص 204
3- ایضاً ص 190 ، ایضاً ص 143
4- ایضاً ص 206 ، ایضاً ص 370

حضرت ایہہ فرمایا سن پیارے چپیار   میرے نال جس پیار ہے تس نال میتوں پیار [1]

ان شعروں میں سے ، دبھتا (دوئی) گرب ، جس تس وغیرہ خالص اس علاقے کے الفاظ ہیں اور آج کی روزمرہ کی زبان میں شامل ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے کشکول نوشاہی کی مندرجہ ذیل دو منظوم حکایات دیکھیے۔ جو تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کی زبان کا بہترین نمونہ ہیں:

راہ چلیندے پاندھنوں ڈٹھا ایہہ خیال   ٹنڈی منڈی لونبڑی جنگل پئی بے حال [2]
ڈٹھی ڈگی ہک تھاں مول نہ سکے ہل   تکے ول اسمان دی ویکھے خاوند ول
پاندھی ایہہ دھیان کر اوتھے رہیا کھڑوئے   کیکوں ہوسی ایہہ کھاوندی ، پیندی کتھوں ہوئے
شینہ لیایا پاہڑا کھادوس لونبڑی پاس   جاں اوہ گیا کھائیکے کھادا لونبڑی ماس
اونویں اُٹھی بدلی ، وسن لگا مینہ   پانی اوس پہنچایا جیویں ماس لیایا شینہ
مرد مسافر ویکھ کے کہیا دل دے نال   کر توکل بیٹھ رہو چھڈ دے سبھ جنجال
جاں گھر آیا اپنے ہو بیٹھا بیکار   کتنے دن جاں گزرے بھکھاں کیتا خوار
عرض کیتوس درگاہ وچ اے رازق رحمان   میں کر توکل بیٹھا لونبڑی دا کر دھیان
اوسے ویلے آیا درگاہوں آواز   اے توں مرد توکلی ہمت دا کر ساز
توں تاں ناہیں لونبڑی ٹنڈا منڈا اناں   کاہے اس دی ریس کر بیٹھا ہیں مل تھاں
کرلے ریس اوس شیر دی عاجزاں نوں پہنچائے   ہمت کر کے آپ کھا ہوراں بھی کھوائے
رکھ توکل حق تے جنیں دے ہتھ سبھ کار   جو کجھ آپوں ہو سکے کر ہمت نہ ہار

آکھے نوشہ قادری ہمتی سدا نہال
بے ہمت نامرد ہے مرد جو ہمت نال

o

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 110، گنج شریف ص 532
2- ایضاً ص 198 ، ایضاً ص 529

حکایت نمبر 2

ہک سمیں کسے ملک دا مرن لگا سردار   پتراں متراں سدیوس جوڑ میل پروار [1]
منگوائے دستے تیر دے دتے ہک ہک ہتھ   دستہ دستہ آکھیوس بھنوں ہو سر لتھ
دستہ آپو آپناں آپو اپناں زور   ٹن ناہیں توڑیاں آئے لگی گھنگھور
پھر کہیا بادشاہ نے ہک ہک کر کے تیر   توڑو نال آرام دے ہووَ نہیں زہیر
جاں بھنن ہک ہک تیر کرتاں ہک ہک جدا جائے   پل وچ دستے توڑ لئے زورا لگا نہ کائے
تاں کہیا سردار نے میں احمق نہیں نادان   ایہہ نہ من وچ جاننا جو کیتا مفت زیان
ایہہ سمجھایا تساں نوں جے رکھو اتفاق   نہ مارے کوں اکٹھیاں بناں ہک خلاق
ٹٹے ناہیں توڑیاں دستے رہے توڑ   ہک ہک کر کے توڑیاں لگا ذرا نہ زور

آکھے نوشہ قادری ایکا سبھ تھوں واہ
ایکا اتے ایکتا کرے بے پرواہ

ان دونوں حکایات میں راہ چلیندے ، پاندھنوں ، ہل (ہلنا) کھڑوئے ، کیکوں ، ہوسی ، کھادوس ، کھائیکے ، کیتوس ، کاہے ، کھوائے ، ہک سمیں ، سدیوس ، آکھیوس گھنگھور ، زورا ، کائے ، رکھو وغیرہ ہم خالص گجراتی لہجے کے الفاظ ہیں جو تحصیل پھالیہ کے دیہاتوں میں بولی جانے والی زبان میں صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔

اگر ہم گجرات کے علاقے میں بولی جانے والی زبان پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ بعض الفاظ کے آخر میں یائے مجہول کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ جیسے جنگ سے جنگے ، بہشت سے بہشتے ، دل سے دلے ، کھوہ سے کھوہے ، وغیرہ ہم۔ گنج شریف کے اکثر اشعار میں استعمال ہونے والے الفاظ میں یہی اصول کارفرما نظر آتا ہے۔ مثلاً کچھ شعر دیکھیے:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 262، گنج شریف ص 540

جیہناں منیاں رب رسول نوں تے آندا امر بجائے
نوشہ کہے سن پیاریا سے سچے مرد خدائے [1]

کُل چِٹھا معانی والا پاک محمدؐ لیایا
کلمہ پڑھے سو بہشتے داخل آپ رسول فرمایا [2]

ایہو فکر دلے وچ آہا جو تھیوے کیویں مجلے
مہر نظر کر نوشہ مرشد کیتا پاک تسلے [3]

ع ہکسے ٹپ دلے ماریاں کھوہے دے وچ جان [4]

جَیں ہک واری کلمہ پڑھیا سچے دلوں زبانوں
تے قائم رہیا کلمے اُتے سنیو مسلمانوں [5]
داخل وچ بہشت دے ہوسی بناں حساب کتابوں
رہسی نت بہشتے اندر چھٹسی سبھ عذابوں

مونہوں کلمہ آکھیا صدق دلے دے نال
سُتھرا تن من کپڑا ایہہ نوشہ دا حال [6]

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 80، گنج شریف ص 248
2- ایضاً ص 60 ایضاً ص 505
3- ایضاً ص 328 ایضاً ص 387
4- ایضاً ص 127 ایضاً ص 568
5- ایضاً ص 70 ایضاً ص 491
6- ایضاً ص 242 ایضاً ص 368

ظاہر باطن ہک خدائے
نوشہ اس وچ فرق نہ کائے [1]

اکتا بہشت پیاریا دوزخ بھرم دوئی [2]
نوشہ آپ بھلائے کے دبھتا خلق پئی

ان اشعار میں لفظ بجا سے بجائے، خدا سے خدائے، بہشت سے بہشتے، دل سے دلے، کھوہ سے کھوہے، بھلنا سے بھلائے، وغیرہ الفاظ بنائے گئے ہیں۔ جن کے معنی ومفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اسی طرح بعض الفاظ کے آخر میں بائے معروف یعنی چھوٹی (ی) کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے قیامت سے قیامتی، سلامت سے سلامتی، نیامت سے نیامتی اور دولت سے دولتی وغیرہ وغیرہ۔ گنج شریف میں اس قسم کے بہت سے الفاظ اشعار میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر چند شعر پیش کیے جاتے ہیں:

جو اللہ منن ہک کرتے منن نہیں رسول — نوشہ روز قیامتی سے نہ چھٹن مول [3]
نوشہ روز قیامتی تکڑ آئے کھڑوسن — تکسن عمل جو بندیاں وزن اندازہ ہوسن [4]
توں اگی دی پرتھمی کائی ٹدھ سمہال — پانی تیرا رپ کیوں کی تس ویر تیرے نال [5]
دنیا داراں مورکھاں دولتی نال خیال — ڈولے نہ یادی رب دا جس خاوند لیا سمہال [6]

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 161، گنج شریف ص 346
2- ایضاً ص 91 ایضاً ص 456
3- ایضاً ص 80 ایضاً ص 248
4- ایضاً ص 199 ایضاً ص 250
5- ایضاً ص 296 ایضاً ص 392
6- ایضاً ص 88 ایضاً ص 254

ان اشعار میں قیامتی، اگی اور دولتی وغیرہ ہم خالصتاً گجراتی لہجے کے الفاظ ہیں۔ ایسے الفاظ لاہور کا رہنے والا کبھی استعمال نہیں کرسکتا۔ اسی طرح بعض الفاظ کے درمیان حرف ''ڑ'' کا اضافہ کر کے صوتی آہنگ میں جنبش پیدا کی جاتی ہے۔ بظاہر لفظ کی املاء ضرور تبدیل ہو جاتی ہے لیکن اس کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ مثلاً:

شیخاں اتے مشائخاں اوکھے اوکھے راہ — پوہتے اسیں سکھالڑے مرشد سندے راہ (1)
پوہتے اسیں سکھالڑے کہے فقیر نوشاہ — مرشد پار لنگھایا کہے فقیر نوشاہ (2)
جتھوں جائی مٹڑی حضرت عزرائیل — اوتھے ہی پھر اپڑے آیا حکم جلیل (3)
کلمہ نشانی فضل دی پڑھے سو بخشیا جائے — فضلاں تے چھٹکارڑا عمل نہ پہچے کائے (4)
اوہو حاکم سبھ دا ہور نہ حاکم کوئے — ویکھ رنگی دے رنگڑے سبھ حیران کھڑوئے (5)

کتے گولا کتے ہوئے کراڑا کتے پیلا تے کتے لال (6)
کتے ساوا، کتے میلا کالا، کتے چھال کتے ڈال

ان اشعار میں سوکھے سے سکھالڑے، مٹی سے مٹڑی، چھٹکارا سے چھٹکارڑا، کوڑا سے کوراڑا، رنگے سے رنگڑے، کھلوئے سے کھڑوئے وغیرہ جیسے الفاظ بنائے گئے ہیں۔ دراصل اس زبان پر لہندی لہجے کے اثر کے باعث ایسا ہے اور یہ زبان گجرات کے مغربی علاقے میں بولی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر چند ایک اشعار دیکھئے جن سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ زبان لاہور یا لاہور کے اردگرد کے علاقے کی

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 57، گنج شریف ص 268
2- ایضاً ص 81 ، ایضا ص 508
3- ایضاً ص 223 ، ایضا ص 390
4- ایضاً ص 99 ، ایضا ص 146
5- ایضاً ص 100 ، ایضا ص 426
6- ایضاً ص 217 ، ایضا ص 537

نہیں بلکہ خالصتاً گجرات کے مغربی علاقے کی ہے:

بہشت اساڈے اندر وسے — دوزخ لکھ سے کوہیں نسے (1)
بہشتیں ساڈا ہے بسرام — دوزخ ساتے ہوئے حرام
ہک سو ہک اوپر دانہ تسبیح نال امام دے — دھاگے نال پروتے وتن طالب کلمہ کلام دے (2)
نوشہ مرشد چچواں جس دتی سچی مت — جو ہونی سو ہووسی جیو نہ جھورے گھت (3)
دین دار واقف ہووے ناہیں رب رسول کیہ جانے — رب رسول پچھانے اوہو جو صدق دین تے آنے (4)

ان اشعار میں بہشتیں، ساتے، وتن، ہووسی اور گھت جیسے الفاظ خالص گجراتی لہجے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ چوتھے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ آنے استعمال ہوا ہے۔ اصل میں یہ لفظ لانے کے معنوں میں ہے یہی لفظ کئی ایک صورتوں میں گنج شریف کے اشعار میں موجود ہے۔ طوالت سے بچنے کے لیے یہاں صرف دو شعر پیش کیے جاتے ہیں:

مرشد سچے ہک تے صدق تاں صادق آنسی — جیں ہک مرشد منیاں من تن موجاں مانسی (5)
من دیاں نشانیاں نوشہ دے سنا — صدق، صبوری بندگی، آنن امر بجا (6)

یہ الفاظ جہلم سے لے کر پنڈ دادنخان اور گھگانوالی دے درمیانی علاقے میں بولے جاتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے آباؤ اجداد پنن وال سے ہجرت کر کے گھگانوالی تشریف لائے تھے۔ بعد ازاں نوشہ صاحبؒ پنن وال جاتے رہتے تھے۔ اس لیے اس

1- کشکول نوشاہی ص 135 ، گنج شریف، ص 496
2- ایضاً ص 283 ایضاً ص 386
3- ایضاً ص 94 ایضاً ص 196
4- ایضاً ص 16 ایضاً ص 220
5- ایضاً ص 196 ایضاً ص 347
6- ایضاً ص 64 ایضاً ص 72

علاقے کے مخصوص الفاظ کا آپ کے اشعار میں استعمال ہونا فطری امر ہے۔ جبکہ لاہور کا کوئی بھی شاعر یہ مخصوص الفاظ نہیں استعمال کر سکتا۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان اشعار میں استعمال ہونے والی زبان گجرات کے مغربی علاقے کی مخصوص زبان ہے۔

گنج شریف کا موضوع

کسی بھی تحریر کی اہمیت کا اندازہ اس کے موضوع سے لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ موضوع ہی اصل میں کسی کتاب کے اندرونی مواد، مصنف کا افکار اور اپنے عہد کی عکاسی کرتا ہے۔ گنج شریف کا موضوع اسلامی تصوّف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دور کے صوفیاءِ عظام نے اپنے صوفیانہ خیالات ونظریات کے اظہار کے لیے نظم یا نثر کا سہارا لیا اور اپنے نظریات لوگوں تک پہنچانے کے لیے کبھی وعظ و نصیحت کو اپنایا اور کبھی شعروشاعری کو ذریعہ بنایا۔ پنجابی میں بابا فریدؒ اور شاہ حسینؒ جیسے عظیم صوفی شعراء کی امثال موجود ہیں۔ نوشہ گنج بخشؒ نے بھی پنجابی کی اس صوفیانہ روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے ہزاروں اشعار کا اضافہ کیا۔ بلکہ اس ضمن میں نوشہ صاحبؒ نے سب سے مختلف کام کیا ہے۔ پہلا تو یہ کام کیا کہ اپنے دور کے تمام ہمعصر صوفی شعراء سے زیادہ لکھا۔ دوسرے آپ نے تصوف کے ہر موضوع پر کھل کر روشنی ڈالی ہے اور جن موضوعات پر لکھا اس میں اس قدر وضاحت اور صراحت ہے کہ کہیں بھی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ وحدت، رسالت، ایمان، صدق، یقین، تقدیر، شریعت کی پابندی، طریقت، حقیقت، معرفت، صبر، شہادت، فقر، فقیری، فقہ، نماز، روزہ، حج، زکواۃ، عشق، خودی، بندگی، قیامت، پلصراط، ذکر، تسبیح، توبہ، نیک اخلاق، حلال، حرام، جذبہ اور سلوک، مراقبہ، دنیا اور اسکی حقیقت، مسئلہ تناسخ کا رد، مرشد، مرشد کی اہمیت اور ضرورت، مرشد کے فرائض، مرید، مرید کی پہچان اور فرائض، وحدۃ الوجود، ہمہ از اوست اور ہمہ اوست جیسے مسائل پر کھل کر بحث کی ہے۔ یہاں ان میں سے صرف چند ایک

موضوعات کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

شریعت

نوشہ صاحبؒ کا شمار پنجاب کے ان صوفیاء میں ہوتا ہے جو نہ صرف شریعت کی ظاہری پابندیوں کو ہی ضروری خیال کرتے تھے اور نہ ہی ان میں سے تھے جو صرف اور صرف باطن کی صفائی پر روز دیتے ہیں۔ آپ شریعت کی ظاہری پابندیوں کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتے تھے جس قدر باطن کی صفائی کو ضروری خیال کرتے تھے۔ آپ وہ فرماتے ہیں۔ شریعت کو ترک کر کے کوئی شخص درویش یا فقیر نہیں بن سکتا ہے۔ ان کے نزدیک درویشی کا پہلا سبق ہی شریعت کے احکامات پر عمل کرنا ہے:

کم نہ ہووے شروع بن دینی دنیائی ۔۔۔ باجھ شریعت مِنیاں کاہدی فقریائی
غیر شرع جو پیر ہے سو پیر نہ کہیے ۔۔۔ غیر شرع فقیر تھیں ہک پل نہ بہیے (1)
فقہ باجھ فقیری ناقص سن پیارے سچیار ۔۔۔ باجھ فقیری فقہ معطل نوشہ کہے پکار (2)
جیہڑا قائم شرع تے سوئی مرد فقیر ۔۔۔ آکھے نوشہ قادری غیر شرع بے پیر (3)

کلمہ

کلمہ اسلام کی پہلی سیڑھی یا بنیاد ہے جس کی وجہ سے انسان، اللہ کے واحد ہونے اور حضرت محمدؐ کے رسول ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ یعنی توحید اور رسالت کا اقرار ہی نوشہ صاحبؒ کے نزدیک اصل اسلام ہے:

ع کلمہ آکھو مومنو! ایہو ہے اسلام

رسالت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 112، گنج شریف ص 265
2- ایضاً ص 3 ایضاً ص 371
3- ایضاً ص 112 ایضاً ص 267

سچا راہ محمدی ہور سبھ جھوٹھے راہ — نوشہ کلمہ پاک کہہ پجّ پئے درگاہ (1)
کلمہ موںہوں آکھیا دلوں بجانوں من — آکھے نوشہ قادری دھن محمدؐ دھن
شکر کراں اس حق دا جس لایا سچے راہ — لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مرشد

نوشہ صاحبؒ نے اپنی شاعری میں سب سے زیادہ زور مرشد کی ضرورت پر دیا ہے۔ ان کے نزدیک مرشد کے بغیر خدا تک رسائی حاصل کرنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لیے وہ مرشد کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ارے ارے درگاہ تھوں بے مرشد بے پیر — نوشہ مرشد مانیاں ہویا پاک فقیر
پکڑ مربی مرشد پورا !! — جس دے ملے ہوئے حضورا
بن مرشد کون دسے راہ — مرشد پہنچاوے درگاہ
بن راہبر کوئی راہ نہ پاوے — بن راہبر سب اوجھڑ جائے
مرشد پائیاں اللہ پایئے بن مرشد کجھ ناہیں — ستھرا رہنا ستھرا بہنا کہنا نیک اٹھائیں
مرشد باجھ قبول نہ بندگی ناہیں حق وصول — دین دا واقف ہووے ناہیں کیوں تھیوے مقبول

درویشی اور فقیری

نوشہ صاحبؒ کے نزدیک درویش کی پہچان یہ ہے:

نوشہ خدمت ، بندگی ، مہر ، صبر ، یقین
پنجے کم درویش دے کرے جو مرد مسکین (2)

نوشہ صاحبؒ کے خیال میں درویشی دراصل پیار محبت اور خیر کا نام ہے۔

1- سنگول نوشاہی (قلمی) ص91، گنج شریف ص481
2- ایضاً ص110 ایضاً ص335

درویش وہی شخص ہوتا ہے جو لوگوں کے دلوں سے دشمنی، حقارت، نفرت کی جڑیں اکھاڑ پھینکے اور ان کی جگہ پیار، محبت، صلح اور آشتی کے پھول کھلائے۔

نوشہ پنتھ درویش دا بے غم بے وسواس — جتھے وَیری کوئی نہ تتھے اوہناں دا واس
ایہہ نہ ویری کسے دے کرن نہ کسے وَیر — اوہناں ویری کوئی نہ جتھے کتھے خیر (1)
درویشی کل خیر پیارے درویشی کُل خیر (2)
نہ درویشاں بغض بخیلی نہ درویشاں وَیر

اخلاقیات

نوشہ صاحبؒ نے اخلاقی موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ جس سے ان کے افکار کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی صحبت میں بیٹھنے والے ان کی گفتگو سے بے حد متاثر ہوتے ہیں۔ آپ قولو لِلنّاس حسنا کی عملی تصویر تھے:

مٹھا بولن ہار ہے نوشہ سب دا یار — مندا بولن جگت وچ سبھسے کرے بیزار (3)
مٹھا بولن پردہ پاون نال مسکینی چالن — نار پرائی مول نہ تکن نیہوں نردھن نال پالن (4)

دنیا اور دنیا دار

دنیا کے عارضی اور بے ثبات ہونے کا ذکر ہر صوفی شاعر کے کلام میں ملتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے بھی اپنی شاعری میں اس موضوع کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ لیکن آپ کا انداز بیان دیگر شعراء سے بالکل مختلف ہے:

1- سنگول نوشاہی (قلمی) ص236، گنج شریف ص320
2- ایضاً ص126 ، ایضاً ص321
3- ایضاً ص178 ، ایضاً ص382
4- ایضاً ص114 ، ایضاً ص382

دنی دار جیوں کتے کاؤں | لبھن گند مردار دی تھاؤں (1)
کاں اکٹھے ہوکے کھاون | کاں کاں کر ہم جنس بلاون
ہک دوئے نوں پھونکن کُتے | لڑن گند مرداراں اُتے
ونڈ کھاون سوکاں کہاون | لڑن جو کُتے ناں دھراون
اوہ بھلیائی اوہ بریائی | دنیا داراں دی کیہ وڈیائی
نیکاں لعنت بداں کیا کہیے | دنیا داراں تھوں پاسے رہیئے

نوشہ کہے پکار پکار
بھٹھ دنیا بھٹھ دنیا دار

ہندومت کا رد

نوشہ صاحبؒ نے جہاں شریعت کی پابندی پر زور دیا ہے وہاں عوام کو ہندودھرم کے نظریات سے محفوظ رکھنے کے لیے ہندومت کا ردّ بھی کیا ہے اور ان نظریات سے دور رہنے کی تلقین کی ہے۔ آپ کا انداز بیان اس قدر پرکشش اور جاذب ہے کہ پڑھنے والا فوراً آپ سے متفق ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ہندو دھرم بڑا ہنکاری | ایک ایک کو دیت خواری
کردے بُت پرستیاں جو مُورکھ اجان | نوشہ نال کھڈاونے پرچے بال نادان (2)
ہندو ڈر دا مٹیوں مٹی تے سڑ دا | مٹی ہوئے سواہ تھوں پھر مٹی پڑدا (3)
سو مٹی گھمیار پھڑ بھانڈے گھڑدا | کناں گھوڑے گوشت دا تے چلھے چڑھدا
نوشہ ہندو چور نیں گلاں لین چرا | ایہناں نہ آون پاس دے ایہناں پاس نہ جا (4)

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 258، گنج شریف ص 91-590
2- ایضاً ص 178 ایضاً ص 400
3- ایضاً ص 278 ایضاً ص 613
4- ایضاً ص 306 ایضاً ص 614

مول نہ ایہناں نال مل ملن نہ دے سچیار | ایہہ سبھ گل دے چور نیں بھٹھ ایہناں دا پیار

وحدت الوجود

فلسفہ وحدت الوجود ہر دور کے صوفیاء کا محبوب ترین موضوع رہا ہے۔ خاص طور پر پنجابی صوفی شعراء نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے۔ نوشہ صاحبؒ بھی اس عقیدے کے مالک تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس نظریہ کے متعلق اپنے کلام میں بھرپور اشارے کیے ہیں۔ جن کے بارے میں ہم آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث کریں گے۔ یہاں نمونے کے طور پر چند ایک اشعار دیکھئے:

جامی سعدی عربی رومی دم وحدت وچ مارے
لا الٰہ الا ھُوَ فرمایا نوشہ مرشد پیارے (1)

اوہو اوہ دسیوے باطن ظاہرا | اس بن ہور نہ کوئی اندر باہرا
اوہو اپنا آپ نہ کوئی غیر ہے | دُبھتا اندر ویر وحدت نر ویر ہے (2)
اول آخر پال پال ہکو ہک خدائے | اس بن ہور نہ لبھیئے نوشہ دے سنائے (3)
وحدت دے وچ آئیکے نوشہ بہشت پئے | مرشد وہم گوائیا وہم خیال پئے (4)

علاوہ ازیں گنج شریف میں پنجاب کی تہذیب اور ثقافت کی خوبصورت تصاویر جو مقامی استعارے اور تشبیہات سے مزّین ہیں، پڑھنے والے کے دل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ گنج شریف پنجابی صوفیانہ شاعری میں گرانقدر اضافہ ہے۔ قبل ازیں اسکی مثال نہیں ملتی اور ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی نہ ملے۔ ہم دیگر اہم موضوعات

1- کشکول نوشاہی (قلمی) ص 306، گنج شریف ص 453
2- ایضاً ص 143 ایضاً ص 439
3- ایضاً ص 90 ایضاً ص 455
4- ایضاً ص 91 ایضاً ص 456

پر تفصیلی بحث اگلے باب میں کریں گے۔

4- انتخاب گنج شریف (اردو شاعری)

یہ حضرت نوشہ صاحبؒ کے اردو کلام کا مجموعہ ہے۔ جسے 1975ء میں شرافت نوشاہی (مرحوم) نے پہلی بار مرتب اور دارالمورخین لاہور نے اسے زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ اس مجموعہ میں تقریباً دو ہزار چار سو اشعار ہیں۔ گنج شریف کا مآخذ بھی وہی قلمی بیاض ہے۔ جس میں نوشہ صاحبؒ کا پنجابی کلام موجود ہے۔ اس بیاض کے متعلق ہم گذشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے اس تفصیل کے اعادہ کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔

انتخاب گنج شریف موضوعات کے اعتبار سے پنجابی کلام سے قطعاً جدا نہیں ہے، یعنی اکثر وہی موضوع ہیں جو پنجابی کلام میں ادا ہوئے ہیں۔ مثلاً کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکواۃ، جہاد فی سبیل اللہ، حلال، حرام، سخاوت، نصیحت، ادب، تواضع، انکساری، عشق، محبت، صدق و صفا، اخلاق حسنہ، خدمت خلق، خوف و رجا، تسلیم و رضا، جذبہ، سلوک، گیان و معرفت، ذات، صفات، فقر، فقیر، فقیری، فقر محمدیؐ کی حیثیت، مرشد، مرشد کی ضرورت، تصور شیخ، مرید یا طالب، عارف، حق الیقین، معارف النفس، شب بیداری، نہی عن المنکر، ایمان، ایمان بالغیب، بندگی، پلصراط، جیون، مردن، خودی، دوئی، شاہد و مشہود، صبر، ظاہر و باطن، فنا فی اللہ، فنا اور بقا، ہمہ اوست وغیرہ ہم۔ تمام مضامین پنجابی کلام کی طرح نہایت وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن جو بات انفرادیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ اردو کلام میں ہندی، سسنکرت، بھاشا اور قدیم پراکرتوں کے الفاظ کا بہت زیادہ استعمال ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اصناف شعر کے اعتبار سے بھی قدرے وسعت و جدت نظر آتی ہے۔ آپ کے اردو کلام میں غزل، مثنوی، قصیدہ اور رباعی جیسی اصناف کا فقدان ہے۔ آپ نے کبھی کسی دربار سے تعلق قائم نہیں

کیا۔ اس لیے کبھی کسی کا قصیدہ نہ لکھا۔ بلکہ پنجاب کے مرکز لاہور سے دور رہ کر گاؤں میں سادہ زندگی گزاری۔ آپ کا کلام ان ہندی (پنجابی) اصناف شاعری میں موجود ہے۔ چھپہ (مسدس) سویہ، تاہر، پوہڑی، وار، چوپئی، (چومصرعہ) تگ جھولنا، مانجھ، کبت، ناد، وغیرہ۔ جبکہ اس دور میں قلی قطب شاہ اور اس کے دیگر معاصرین کے کلام میں اصناف سخن کے نام فارسی زبان میں ملتے ہیں۔ گنج شریف میں اصناف سخن کے خالصتاً پنجابی ناموں سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ شاہ جہان کے عہد میں اگرچہ فارسی زبان کا غلبہ تھا مگر اس کا دائرہ اثر صرف شہروں تک محدود تھا۔ دیہات اس اثر سے مبرا تھے۔ وہاں اصناف سخن کے مقامی نام ہی استعمال ہوتے تھے۔ اگر چہ اردو شاعری کئی حوالوں سے فارسی سے متاثر ہو چکی تھی۔

حضرت نوشہ صاحبؒ نے اپنے اردو کلام میں تقریباً 25 بحور کا استعمال کیا ہے۔ جن کی مثالیں پروفیسر اقبال مجددی نے انتخاب گنج شریف کے دیباچے میں پیش کی ہیں۔[1]

پنجاب میں اردو شاعری کے تاریخی مطالعے سے انتخاب گنج شریف کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ پنجاب کے مقامی شعراء میں شاید نوشہ صاحبؒ سب سے قدیم صاحبؒ دیوان شاعر ہیں۔ گنج شریف کی تاریخی اور لسانی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

> ''گنج شریف کو تین خصائص کی وجہ سے اہمیت حاصل ہے۔ اول تصوف کی کتاب کی حیثیت سے، دوم اردو تصنیف کی قدامت کے لحاظ سے اور سوم پنجاب میں اردو کے لحاظ سے۔ پروفیسر شیرانی اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں لکھتے ہیں کہ پنجاب میں اردو شاعری دکن کے بعد اور دلی کے معاصرا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ رائے انہوں نے شیخ

1- دیباچہ انتخاب گنج شریف ص 33 تا 36

عثمان جالندھری کے تذکرے میں ظاہر کی ہے۔ یہ شیخ عثمان حضرت مجدد سرہندی (م 1034) کے پیر بھائی تھے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ان کے معاصر تھے۔ پروفیسر شیرانی نے ان کی ایک غزل درج کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قدیم نمونے زیادہ تر ریختہ کی شکل میں ہیں جن میں فارسی زیادہ ہے اردو کم۔ ان میں تخلص کم ملتا ہے اور اوزان کچھ ہندی کے ہیں اور کچھ فارسی کے۔ گنج شریف کے مل جانے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو شاعری پنجاب میں دکن کے بعد نہیں شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ بلکہ یوں سمجھیئے کہ اس سے بھی پہلے۔ کیونکہ گنج شریف میں محمد قلی قطب شاہ کے کلام کے مقابلے میں زیادہ پختہ اور ترقی یافتہ زبان کے نمونے موجود ہیں۔

اردو کلام کے اوزان پچیس ہیں۔ فارسی ، ہندی اور پنجابی کی بحریں استعمال ہوئی ہیں۔ اس میں شاعر نے جا بجا تخلص کا استعمال کیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ گنج شریف نے پروفیسر شیرانی کی تحقیق کے معیار سے بھی قدیم ترین سرمایہ اردو کی نشاندی کی ہے۔ اردو کا اولین گھر یہی خطہ پنجاب تھا اور اب گنج شریف نے اس حقیقت کی ایسی توثیق کر دی ہے کہ جسکی تردید نہیں ہوسکتی۔“[1]

انتخاب گنج شریف میں تصوف کے مختلف موضوعات پر نہایت خوبصورت اشعار موجود ہیں کہ قاری پر بے اختیار وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے:

ایک حق رسول بجق مکھ سوں کیا اقرار — من مانا رب رسول سوں تو پایا دیدار

1- انتخاب گنج شریف ص 12 ، 13

اقرار باللسان ہے درویشی کا کال — تصدیق بالقلب ہے درویشی کا حال
اسلام اقرار زبان کا دل کا صدق ایمان — حال صدق اقرار قال نوشہ کرے بیان [1]
نوشہ حب خدائے کی ایسی نیکی ہوئے — سانچے مرد محبّ کو بدی نہ پوہے کوئے [2]

گنج شریف کی تاریخی اور لسانی اہمیت سے متعلق گفتگو ہم نوشہ صاحبؒ کی اردو شاعری کے باب میں کریں گے۔

مواعظ نوشہ پیر (پنجابی نثر)

ماٰخذ: مواعظ نوشہ دراصل نوشہ صاحبؒ کے نثری وعظ ہیں۔ جو شرافت نوشاہی کی کوشش اور محنت سے 1968ء میں پہلی بار روزنامہ امروز کے ادبی ایڈیشن میں شائع ہوئے۔ پھر اسی سال ”مواعظ نوشہ پیر“ کے نام سے کتابی صورت میں سامنے آئے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن مع مزید ایک وعظ کے 1973ء میں شائع ہوا۔ یوں 1973ء تک نوشہ صاحبؒ کے پانچ وعظ منظر عام پر آئے تھے۔ ان مواعظ کا ماخذ وہی مخطوط (کشکول نوشاہی) ہے جس سے آپ کی اُردو اور پنجابی شاعری سامنے آئی۔ 1974ء میں تحقیق کے دوران راقم کو لاہور میوزیم لائبریری میں محفوظ فقیر عزیز الدین کا قلمی روزنامچہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔[3] جس میں نوشہ صاحبؒ کا ایک ایسا وعظ ملا جو شرافت نوشاہی کے مرتب کردہ مواعظ نوشہ پیر میں موجود نہ تھا۔ فارسی روزنامچے میں پنجابی نثر دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اس وعظ کی زبان اور افکار ان مواعظ سے مشابہ تھے، جو مواعظ نوشہ پیر کے نام سے چھپ چکے تھے اور اس وعظ کی ابتداء بھی حضرت نوشہ صاحبؒ کے نام سے ہوتی تھے۔ مثلاً

1- انتخاب گنج شریف ص 262
2- ایضاً ص 264
3- راقم نے پی ایچ-ڈی کے مقالہ میں سہواً 1974ء کی بجائے 1977ء درج کر دیا تھا۔

"سنو گھڑے بالو، درویش نوشہ دی مت"

چنانچہ ہم نے اسے نوشہ صاحبؒ کے چھٹے اور شرافت نوشاہی مرحوم نے نصیحت نامہ کے عنوان سے شائع کر دیا۔

مواعظ کی اہمیت اور موضوع

ان مواعظ کی اہمیت چار حوالوں سے مسلّم ہے۔ (i) فکری (ii) لسانی (iii) ادبی (iv) تاریخی۔

فکری اعتبار سے ان مواعظ میں اسلام کی تبلیغ کا اعلیٰ مقصد پنہاں ہے۔ ان میں حضرت نوشہ صاحبؒ نے فقہ اور تفسیر کے مسائل بیان نہیں کیے اور نہ ہی توحید اور تصوّف کے دقیق مسائل و حقائق کو چھوا ہے۔ بلکہ شرع کے ابتدائی مسائل کو نہایت سادہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اسی لیے شرافت نوشاہی (مرحوم) نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مواعظ حضرت نوشہ صاحبؒ کی زندگی کے ان لمحات کی یادگار ہیں جب آپ نے حضرت سخی شاہ سلیمان نوریؒ سے خلافت حاصل کرنے کے بعد تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تھا۔[1] لیکن مواعظ کا متن اور افکار اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ نوشہ صاحبؒ نے یہ وعظ زندگی کے مختلف مراحل و ادوار میں بیان فرمائے ہیں۔ خاص طور پر چھٹے وعظ (نصیحت نامہ) کا بیان اور انداز ظاہر کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بیان فرمایا ہو۔

(i) فکری پہلو

ان مواعظ کے فکری پہلوؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان مواعظ کا بہترین مقصد اسلام کے احکامات اور اصولوں کو لوگوں

1- مواعظ نوشہ پیر: تاج بکڈپو لاہور 1968ء دیباچہ ص 24

تک سادہ انداز میں پہنچانا ہے، تاکہ ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جاگزین ہوجائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے نوشہ صاحبؒ سیدھا سادہ فکری رویہ اختیار کرتے ہیں۔ آپ وعظ کے آغاز میں جس مسئلے کو چھیڑتے ہیں آگے چل کر اسے تفصیل وصراحت سے بیان کرتے ہیں۔ جس طرح آپ نے پہلے وعظ کا آغاز اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے سے کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"سائیں خود مختار ہے جو منداہیں سو بندہ ہیں"

اس ایک مختصر جملے میں آپ نے دو باتیں بیان کی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنی چاہیئے۔ یعنی انسان کہلانے کا وہی مستحق ہے جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اسکی عبادت کرتا ہے۔

اسلام کا پہلا رکن توحید ہے اور یہ بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ اسی لیے نوشہ صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے سے وعظ کا آغاز کیا ہے اور ساتھ ہے اللہ تعالیٰ کو ماننے اور نہ ماننے والوں میں امتیاز ظاہر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تسلیم کرنے والوں کی نزع کے وقت کیسی حالت ہوگی اور انکار کرنے والوں پر کیسا عذاب نازل ہوگا۔ گویا نوشہ صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور حاکمیت بیان کرکے انسان کو اسکی ادنیٰ حیثیت اور موت یاد دلائی ہے اور واضح کیا ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ ایک مومن کی جان آسانی سے اور کافر کی جان مشکل سے نکلے گی۔ اسی وعظ میں آگے چل کر فرشتوں کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف امور انجام دینے کے لیے مختلف فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ ایک مومن کے لیے ان فرشتوں پر ایمان لانا بے حد ضروری ہے۔ اسی طرح قیامت پر ایمان لانا بھی لازمی ہے۔ چنانچہ نوشہ صاحبؒ صور اسرافیل کے پھونکے، کائنات کی تباہی، پھر صور پھونکنے اور موت کے بعد کی زندگی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا۔ صداقت مومن کی دولت ہے۔ لہٰذا سچائی انسان کی زندگی کی سچی دوست اور برائی انسان کی بدترین دشمن

ہے۔ سچ بولنے والے ہمیشہ خوشحال اور جھوٹ بولنے والے ہمیشہ بدحال اور پریشان رہیں گے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ اس بات کی وضاحت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچائی کا علمبردار اور فرعون کو جھوٹ کا نمائندہ بنا کر پیش کرتے ہیں اور قرآن مجید فرقان حمید کا حوالہ دیتے ہیں کہ آخر کار جھوٹ یعنی فرعون اپنے ساتھیوں کے ہمراہ غرق ہوگیا۔

جس طرح قرآن مجید فرقان حمید کی سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح نوشہ صاحبؒ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے اسکا شکر ادا کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ انسان کو حشر کے دن اس کے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔ نیک لوگوں کو بہشت اور گناہگاروں کو دوزخ میں جلایا جائے گا۔ نوشہ صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں ''ایہہ جگ مٹھا تے اگلا کس ڈٹھا'' وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں اور آخرت میں دوزخ میں جلائے جائیں گے۔ قیامت برحق ہے لیکن وہ کب آئیگی اس کے متعلق موت کی طرح کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر آئیگی ضرور۔ نوشہ صاحبؒ کے نزدیک دنیاوی لطف ایک گھڑی کی لذّت ہے۔ اس کے مزے جھوٹے ہیں۔ قیامت کے دن پورا پورا انصاف ہوگا۔ کھرے اور کھوٹے کو علیٰحدہ علیٰحدہ کر دیا جائیگا۔ جیسے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہا نہ مانا اور نقصان میں رہا اسی طرح سچ کی راہ پر چلنے والے گھاٹے میں نہ رہیں گے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق سمجھو اور ایمان رکھو رب باقی اور سب کچھ فانی ہے۔ اُسی کے حکم سے قیامت آئے گی اور قیامت میں حساب کتاب کا ہونا برحق اور ناگزیر ہے۔

دوسرا وعظ

دوسرے وعظ کا موضوع انسانی دل ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت گناہوں میں ملوث رہتا ہے اس کے دل میں سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے، جو دھیرے دھیرے پورے دل کو کالا کر دیتا ہے اور یہ داغ پختہ ہو جاتا ہے۔ جو دل لوہے کی طرح سخت ہو وہ بالکل سخت اور اندھیر ہو جاتا ہے۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی یاد محو

ہو جاتی ہے۔ ایسا دل رکھنے والا شخص آخر کار دوزخ کا ایندھن بنے گا۔ جب دنیا کا یہ چکر ختم ہو جائیگا اور موت آ جائیگی پھر ایسا وقت ہوگا کہ انسان نہ تو رب کی عبادت کر سکے گا اور نہ قبول ہوگی اس وقت کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

نوشہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ جو شخص نیک لوگوں کی نصیحت سن کر مرشد کامل کی بیعت کر لے گا وہ سنبھل جائے گا، تو اس کے دل کا سیاہ داغ صاف ہو جائیگا۔ دل کے اف وشفاف آئینے میں خدا کے جلوے دکھائی دیں گے اور من میں اجالا ہو جائیگا۔ یوں انسان اپنی حقیقت کا شعور حاصل کر لے گا۔ اس مختصر وعظ میں نوشہ صاحبؒ نے نہایت جامع الفاظ میں مرشد کی اہمیت بیان کی ہے۔ کیونکہ کامل مرشد ہی مرید کو صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے شناسا کر سکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے ہر طریقے سے انسان کو یادِ الٰہی کا درس دیا ہے اور سمجھایا ہے کہ جو لوگ نیکوکاروں کی بات نہیں مانتے بلکہ ان کا تمسخر اڑاتے ہیں وہ آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنیں گے اور اپنی گزاری ہوئی زندگی پر نادم ہوں گے۔

تیسرا وعظ

تیسرے وعظ کا موضوع بھی دوسرے وعظ سے مربوط ہے۔ تاہم اس وعظ میں سچائی اور سچ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی صلحا اور صوفیائے کرام کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین فرماتے ہیں:

> ''بابا! جے توں واٹ سچی سدھی، سوتی، سوکھی، سائیں والیاں دی ملیں، تاں کدیں نہ تھڑیں تے کدی نہ تھریں۔ پر ایہہ واٹ سائیں والیاں نال ملیاں، سچے ساتھ رلیاں، سچیاں گلاں سنیاں سمجھیاں، سچیاں دے آکھے لگ ٹریاں چلیاں لبھدی ہے۔ ایویں سکھالی ناہیں لبھدی۔''(1)

1- مواعظ نوشہ پیر ص 48

اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے نوشہ صاحبؒ پھر ان لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں، جنہیں وہ پہلے کالے دل والے کہہ چکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نسل در نسل بگڑے ہوئے ہیں۔ یہ ہمیشہ گمراہ رہیں گے جب تک انہیں کوئی سیدھا راہ دکھانے والا راہبر نہیں مل جاتا۔ یہ دنیا نیکی کا راستہ دکھانے والوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سیدھا راہ دکھانے والوں کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ ان سچے لوگوں کا دامن پکڑ کر سیدھا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

چوتھا وعظ

چوتھے وعظ کا موضوع سچے لوگوں کی اطاعت قبول کرنا ہے۔ اس موضوع کو واضح کرنے کے لیےنوشہ صاحبؒ نے ایک پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے کہ ان کی قوم غرور میں مبتلا تھی۔ غرور کے باعث انہوں نے نبی کی کوئی قدر نہ کی۔ اور انہیں بے حد ایذائیں پہنچائیں۔ یہاں تک کہ ان کی اونٹنی ذبح کر دی۔ جس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود پر قہر نازل فرمایا اور وہ قوم دنیا سے نیست ونابود ہوگئی۔ نوشہ صاحبؒ نے یہ واقعہ بیان کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ شخص معتبر ہے جو نیک ہے۔ اللہ کے بندوں اور پیغمبروں کی مخالفت نقصان دہ ہے۔

پانچواں وعظ

اس وعظ میں ان نومسلم لوگوں کا تذکرہ ہے جو ایک طرف تو اسلام قبول کرتے ہیں اور دوسرے طرف غیر اسلامی عادتیں، اصول اور رسومات اپناتے ہیں۔ جیسے کچھ لوگ اذان سن کر کہتے ''سچ نام کرتار پرکھ'' جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ آپ اذان کو مانتے ہیں تو وہ کہتے کہ یہ الفاظ بے اختیار ہمارے منہ سے نکل جاتے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ پانچواں وعظ نہیں بلکہ پہلا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اس وعظ سے یہ احساس ملتا ہے کہ اس خطے کے لوگوں کی ایمانی صورت پہلے ایسی تھی۔ نوشہ صاحبؒ کی تبلیغِ دین کے بعد ان میں واضح تبدیلی پیدا ہوئی۔

چھٹا وعظ

اس وعظ میں نہ تو کوئی تمثیل موجود ہے اور نہ ہی کوئی فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار نیک بندوں سے پیار، ان کے ارشادات پر عمل، دکھی انسانوں کی خدمت، بھوکے ننگے لوگوں کی مدد، لالچ غرور تکبر سے دوری، ظلم اور زیادتی نہ کرنا، ادھار نہ لینا، اچھے اوصاف سے تہی دامن نہ ہونا، شیخی نہ بگھارنا، درویشی میں گزر بسر کرنا، ہر وقت یادالٰہی میں مشغول رہنا، مہمان کی خاطر و مدارات کرنا اور بزرگوں کی تعظیم کی ہدایت کی گئی ہے۔

اس وعظ کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ وعظ نوشہ صاحبؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا ہے۔ کیونکہ اس میں وعظ کم اور نصیحت زیادہ ہے۔ ممکن ہے کہ آپ نے یہ پند و نصائح اپنے صاحبزادوں اور خلفاء کو کہے ہوں۔ مجموعی اعتبار سے یہ تمام مواعظ اسلام کی تبلیغ کے نصاب کا درجہ رکھتے ہیں۔ جن میں اللہ کے لا شریک ہونے، حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے، قیامت کے برحق ہونے، حیات بعد الممات میں حساب کتاب ہونے اور اسلام کے ابتدائی اصولوں کا ذکر سادہ مگر دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ انداز بیان، قرآن حکیم کے انداز بیان سے مشابہ ہے۔ لہٰذا جہاں اللہ تعالیٰ کی بندوں کو دی گئی نعمتوں کا ذکر ہے وہاں منکروں کے لیے جہنم کا عذاب موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وعظ کے پڑھنے اور سننے والے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ خود بخود اسلام کے سچے راستے پر چلنے لگتے ہیں۔

(ii) لسانی پہلو

ان مواعظ کا لسانی حوالے سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ جہانی دور کی پنجابی نثر کا بہترین نمونہ ہیں۔ نوشہ صاحبؒ نے ان میں نیم لہندی بولی استعمال کی ہے۔ اسی لیے مرکزی بولی کے مستقبل کے صیغے میں ''ہووے گا'' کی جگہ ''ہوسی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یونہی مرکزی بولی کے لفظ ''اک'' کی بجائے ''ہک'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ان مواعظ میں پوٹھوہاری لہجے کا اثر بھی جھلکتا ہے۔ پوٹھوہاری الفاظ کر لیا ہیس '' آ کھیا ہیس '' وغیرہ ۔ لیکن اس بولی کو نہ تو مکمل طور پر پوٹھوہاری قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی مکمل لہندی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سرگودھا، جھنگ، ملتان، ڈیرہ غازی خان کی لہندا بولیوں اور نوشہ صاحبؒ کے مواعظ کی لہندا نما بولی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان الفاظ کے علاوہ آپ نے انت ، دھیرج، سکھر، ناہیں، سبھے وغیرہ الفاظ بھاشا کے استعمال کیے ہیں۔ بھاشا کا اثر صرف الفاظ پر ہی نہیں بلکہ کسی حد تک گرائمر پر بھی نظر آتا ہے۔

(iii) ادبی پہلو

ان مواعظ کا ادبی پہلو دیکھا جائے تو ان میں نہایت دلکش تشبیہات، بلیغ استعارے اور محاورے دکھائی دیتے ہیں۔ نثر میں توازن ہے۔ مختصر الفاظ میں وسیع مفاہیم کو ادا کیا گیا ہے یعنی کوزے میں دریا کو بند کر دیا ہے۔ ان مواعظ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں گفتگو کا سا انداز ہے۔ جس سے اس دور کے عوامی لہجے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

(iv) تاریخی پہلو

تاریخی اعتبار سے یہ مواعظ پنجابی نثر میں بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر ہم قدیم زمانے میں پنجابی نثر کے آغاز اور ارتقاء کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ آج سے تین چار صدیوں قبل کس قسم کی پنجابی نثر لکھی جاتی تھی اور موجودہ دور تک اس میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق یہ مواعظ پنجابی نثر کا سب سے قدیم نمونہ ہیں اس لیے پنجابی ادب کا کوئی بھی طالب علم نوشہ صاحبؒ کی نثر نگاری سے اغماز نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس نثر کے بغیر پنجابی ادب کی تاریخ مکمل ہو سکتی ہے۔

غیر مطبوعہ کتب کا تعارف

1- ذخائر الجواہر المعروف ارشادات نوشاہیہ (فارسی)

سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ کل صفحات 77 کاغذ پاکستانی سفید۔ کاتب شرافت نوشاہی

حضرت نوشہ صاحبؒ کی مختلف سوانح عمریوں (تذکروں) میں سے آپ کے چھ سو چالیس ارشادات یکجا کیے گئے ہیں۔ شرافت صاحب نے ان کا اردو ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ زیادہ تر ارشادات چہار بہار سے ماخوذ ہیں۔ شرافت نوشاہی نے یہ کتاب 1952ء میں مکمل کی۔ اس کی لکھائی خوبصورت ہے۔ فکری اعتبار سے چہار بہار کی مانند اسے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

i- پہلی فصل میں ۔ مقام شریعت، حقوق اللہ، تحصیل علم، عمل، نماز، روزہ، جہاد، تبلیغ، علماء کی قدر، شہادت، قیامت، حقوق العباد، والدین کے حقوق، استاد کے حقوق، مزدوروں کے حقوق، صلہ رحمی، رشتہ داری، لوگوں کی خدمت،

معاونت ، انتقام ، دنیا ، مقام طریقت ، منزل ملکوت ، عبادت ، ذکر فکر ، صبر ، حیاء ، عفو ، محاسبہ ، احسان شناسی ، سیر و سفر ، زیارت کاملین ، حفظ مراتب ، قبول ہدیہ ، سماع اور وجد جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ii- دوسری فصل میں طریقت کے احوال ، حق کا طالب ، مرید ، مرشد ، مرید کے حقوق ، درویش ، فقیر ، مرد کامل ، شیخ کامل ، آداب شیخ ، آداب فقراء ، طریقت کے آداب ، مشائخ کی امداد ، فقراء کے منکر ، پیر خانہ ، پیر بھائی ، بیعت طریقت ، خرقہ خلافت ، خلافت کبریٰ ، خلیفہ ، خلیفہ اکبر اور آداب خلیفہ اکبر جیسے مضامین قلمبند کیے گئے ہیں۔

iii- تیسری فصل میں مقام حقیقت ، منزل جبروت ، اولیاء اللہ کی زیارت ، اولیا اللہ کی قبور کی زیارت کرامت الہام اور ہمہ از اوست جیسے مسئلے بیان کیے گئے ہیں۔

iv- چوتھی فصل میں عشق ، عاشق عارف ، صاحب منصب قطبیت فردیت اور توحید وجودی جیسے مسائل شامل ہیں۔ یہ مخطوط شرافت نوشاہی کے ذاتی کتب خانہ موضع ساہنپال کی ملکیت ہے۔

2- کلمات طیبات المعروف ملفوظات نوشاہیہ (فارسی)

سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ کل صفحات 101 پاکستانی سفید کاغذ ۔ کاتب شرافت نوشاہی اس میں چہار باہر سے لیے گئے نوشہ صاحبؒ کے تقریباً ایک ہزار ارشادات جمع کیے گئے ہیں۔ جو 1957ء میں مکمل ہوئے ۔ زیادہ تر کلمات میں ناصحانہ انداز ہے۔ مرتب نے جواہرات کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

3- جواہر مکنون المعروف اسرار و معارف

سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ کل صفحات 8 پاکستانی سفید کاغذ ۔ کاتب شرافت نوشاہی چہار بہار کے آخری حصہ میں سے نوشہ صاحبؒ کے چالیس ارشادات لے کے 1956ء میں شرافت نوشاہی نے جواہر مکنون کے نام سے مرتب کیے۔ یہ تمام کلمات سوالاً جواباً ہیں اور اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ عبدالروف نوشاہی کے نام کیساتھ نوری کتب خانہ سے بھی چھپ چکے ہیں۔

4- لطائف الاشارات

سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ کل صفحات 11 پاکستانی سفید کاغذ ۔ کاتب شرافت نوشاہی سال ترتیب 1954ء

لطائف الاشارات میں نوشہ صاحبؒ کے چالیس ارشادات شامل ہیں۔ جو چہار بہار سے ماخوذ ہیں۔ شرافت نوشاہی نے ان کو اردو میں ترتیب دیا ہے۔ ان میں مندرج ارشادات کے عنوان یوں ہیں۔

1- علم ظاہری ، 2- علم لدنی ، 3- علماء کی عزت ، 4- علماء ، 5- تدریس ، 6- مسائل ، 7- طالب ، 8- فقر ، 9- فقیر کا قلب لوح محفوظ کی مانند ، 10- فقیر کی حالت کا احترام ، 11- الہام ، 12- درویش ، 13- درویش کا لالچ سے پاک رہنا ، 14- عارف ، 15- عارف کا مقام ، 16- مراد ، 17- شریعت ، 18- شریعت پر چلنا ، 19- مہمان نوازی ، 20- اولیاء اللہ ، 21- اولیاء اللہ کے پاس جانے کی اجازت ، 22- تصوف اولیاء ، 23- اولیاء کے کمالات ، 24- سماع ، 25- سماع کی حدود ، 26- وجد ، 27- منکرین سماع کا حال ، 28- ضرورت شیخ ، 29- شیخ کامل ، 30- آداب شیخ ، 31- شیخ کا

کلام سننا، 32- حفظ قرآن، 33- پردہ پوشی، 34- خرقہ، 35- عطائے سائل، 36- ذکر رسولؐ، 37- سلسلہ قادریہ، 38- سلسلہ نوشاہیہ، 39- اظہار توحید، 40- غیر حق کے متعلق مفید اور مفصل معلومات ہیں۔

5- معارف تصوف

سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ کل صفحات 8 پاکستانی سفید کاغذ۔ کاتب شرافت نوشاہی سال ترتیب 1953ء

یہ کتاب فارسی نظم میں ہے۔ اور یہ مختصر کلام مجلّہ بصائر کراچی اکتوبر 1970ء میں شائع ہو چکا ہے۔

شرافت نوشاہی صاحب نے اس کلام کے مآخذ کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ واقعی یہ کلام نوشہ صاحبؒ کا ہے؟ اگر ہے تو انہوں نے کہاں سے حاصل کیا ہے؟ لہٰذا ہم یہاں کتاب پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں۔ اس میں شامل کلام کا موضوع، نفس، دل اور روح ہے۔ چند ایک اشعار چہار بہار میں سے لیے گئے ہیں۔ اغلب ہے کہ یہ سارا کلام نوشہ صاحبؒ کی تخلیق نہیں ہے۔

ذخائر الجواہر، کلمات طیبات، جواہر مکنون، لطائف الاشارات اور معارف تصوف کا زیادہ تر مواد چہار بہار سے اخذ کیا گیا ہے اور چہار بہار کے متعلق ہم گذشتہ اوراق میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا تکرار اور طوالت سے بچنے کے لیے ہم نے یہاں مذکورہ کتب کے مختصر تعارف پر ہی اکتفا کیا ہے۔



باب 3

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پنجابی شاعری

(فنی مطالعہ)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں صوفیانہ مسائل

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری میں صوفیانہ مسائل کا جائزہ لینے سے قبل تصوّف، اسلامی تصوّف اور دیسی تصوّف پر نظر ڈالنا زیادہ مناسب ہوگا تا کہ واضح ہو سکے کہ نوشہ صاحبؒ نے اپنی شاعری میں تصوّف کے کن کن مسائل کو بیان کیا ہے، کس مسئلے کا زیادہ اثر قبول کیا ہے اور ان مسائل کے کن کن پہلوؤں میں اضافہ کیا ہے۔

تصوّف ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق ہر مکتبہ فکر کے صوفیائے کرام نے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ یہ اس فکر کی بنیاد فراہم کرتا ہے جس کے ذریعہ انسان تکون کے اُن تینوں زاویوں کو سامنے رکھ کر غور و تدبر کرتا ہے جو انسان، کائنات اور خدا، تینوں زاویوں سے وجود پاتی ہے۔ جب انسان اس تکون کے تینوں کونوں کو اپنی صحیح سوچ کے صحیح زاویے سے ملانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ حقیقت کو پا لیتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اسے بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے مسلمان صوفیاء نے اس پر بھرپور توجہ دی ہے۔

صوفیائے عظام نے اس تکون کو اپنی شاعری کا موضوع بنا کر لوگوں کے دل جیتنے کے ساتھ ساتھ ان کی روحانی تربیت کا بھی اہتمام کیا ہے۔ ان بزرگانِ دین نے ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد خود عبادت اور ریاضت کے ذریعہ سلوک کی منزلیں طے

کیں اور حقیقت شناسی کے بعد لوگوں کی راہنمائی اور ہدایت کے فرائض اپنے ذمہ لیے۔ تصوّف کی کٹھن منزلیں طے کرنے کے دوران میں ان کو جن دشواریوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور جو تجربے حاصل ہوئے، ان کو صوفی شعرا نے اپنے کلام اور تحریروں کے ذریعے لوگوں تک بدرجہ اتم پہنچایا۔

تصوّف کیا ہے اور اسے کیا ہونا چاہیئے؟ اس پر گفتگو کرنے سے قبل ہمیں تصوّف سے متعلق صوفیائے عظام کی ان مختلف آراء کو دیکھنا ہوگا جو انہوں نے اپنے اپنے زمانے میں پیش کیں۔ اس نازک موضوع پر ہر صوفی نے اپنے نقطہ نظر سے لکھا ہے۔ یہی وجہ کہ ''تصوف'' کی کوئی ایک جامع تعریف سامنے نہیں آتی۔ مثلاً امام قشیریؒ باطن کی صفائی، تعمیر اور اصلاح کے ساتھ ساتھ اخلاق کی طہارت کو تصوّف کا نام دیتے ہیں۔[1] حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ کے نزدیک تصوّف ایک ایسا علم ہے جو نفس کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ انسان کے ظاہر اور باطن کی اس طرح تشکیل کرتا ہے کہ اسے ہمیشہ کی نیکی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سعادت مند بن جاتا ہے۔ مولانا رومؒ نفس کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر چھوڑ دینے یعنی راضی بہ رضا رہنے کو تصوّف سمجھتے ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدینؒ سہروردی، شیخ عبدالواحد بن زیدؒ کے خیالات سے صاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں، تصوّف ان لوگوں کیلئے ہے جو اپنی عقل کو سنتِ رسول ﷺ پر صرف کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی خباثتوں سے دامن بچا کر دلوں کو حق کی جانب راغب کرتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو صوفی کہا جاتا ہے۔[2] حضرت ابوالحسن نوریؒ غیر نفسانی خواہشات کو ترک کرنے کو تصوّف کا نام دیتے ہیں''[3] علامہ ابن القیم مدارج السالکین میں تصوّف کے

1- رسالہ قشیریہ ص7۔ امام قشیری (376 - 465ھ) یہ رسالہ کشف المحجوب سے کچھ عرصہ پہلے تحریر ہوا۔
2- عوارف المعارف، دار الکتاب العربی بیروت 1966ء ص 27
3- کشف المحجوب اردو ترجمہ ایف ڈی گوہر، لاہور 1972ء ص 40

معنی خُلق جنین بتاتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس علم کی عمارت ارادے پر تعمیر کی جاتی ہے، یہی اسکی بنیاد ہے۔ اس علم کا دل کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اس کی تمام تر سرگرمیاں دل کے ساتھ ہی وابستہ ہیں۔ جس طرح علم فقہ کے سارے احکامات دراصل اعضاء اور جواہر کی تفصیل پر مشتمل ہوتے ہیں، جس کی بنیاد پر اسے علم ظاہری کہا جاتا ہے، اسی طرح تصوّف کا چونکہ دل کی کیفیت سے گہرا تعلق ہوتا ہے، اس لیے اسکو علم باطن کہتے ہیں۔

شیخ ابوالحسن بن محمد شیرازیؒ کے خیال میں تصوّف ایک وعدہ ہے، جسے پورا کرنے کے بعد صوفی واصل بالحق ہو جاتا ہے۔[1] امام الاولیاء حضرت علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخشؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ تصوّف آٹھ چیزوں کا نام ہے۔

1- سخاوت ابراہیمؑ، 2- رضائے اسحٰقؑ، 3- سیاحت عیسیٰؑ، 4- صبر ایوبؑ، 5- مناجات زکریاؑ، 6- غربت یحییٰؑ، 7- خرقہ پوشی موسیٰؑ، 8- فقر سرور کونین ﷺ[2]

حضرت ابن الجلاءؒ فرماتے ہیں کہ تصوّف ایک ایسی حقیقت ہے جسکی رسمی تعریف نہیں ہوسکتی۔ یہ خاصہ الٰہی ہے اس میں دنیا کے رسم و رواج سے جدا ہونا پڑتا ہے۔[3] حضرت ذالنون مصریؒ کے نزدیک اپنے دل کو حق بات کی مخالفت سے بچانا اور دل کی نورانیت کو کدورت سے محفوظ رکھنے کا نام تصوف ہے۔[4] حضرت محمدؒ بن علیؒ بن الحسینؒ ابن علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ تصوف ایک نیک خصلت ہے جو جس قدر زیادہ نیک خصلت ہے اُسی قدر اعلیٰ صوفی ہے۔ حضرت مرتعشؒ نے تصوف کی یہی تعریف بتائی ہے۔[5] حضرت ابوعلی قزوینیؒ نے تصوّف کو پسندیدہ خصلت قرار دیا

1- سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) کراچی 1961ء ص 196
2- کشف المحجوب اردو ترجمہ ص 41
3- ایضاً
4- ایضاً
5- ایضاً ص 42

ہے۔ پسندیدہ خصلت کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ پسندیدہ خصائل سے مراد وہ خصلتیں ہیں جن کی بنا پر بندہ ہر حال میں اپنے رب کی رضا پر خوش رہتا ہے۔[1] حضرت ابوالحسن نوریؒ تصوف کو ایک ایسی آزادی قرار دیتے ہیں جس کے تحت بندہ حرص کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک تصوف اس جوانمردی کا نام ہے، جس کے سہارے انسان نفسانی خواہشات پر قابو پالیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تصوف ایک ایسی سخاوت ہے کہ بندہ دنیا کو دنیا داروں کے لئے چھوڑ کر ایک طرف ہو جاتا ہے۔[2] امام غزالیؒ کے نزدیک تصوف کا علم نفسانی خواہشات کو ختم کرتا ہے۔ برے اخلاق اور بُری عادتوں کو مٹاتا ہے۔[3] حضرت ابومحمد الحریریؒ کا ارشاد ہے کہ تصوف انسان کے باطن کو نیک عادات سے مزین کرتا ہے اور باطن کی شیطانی خصلتوں کو باہر نکالتا ہے۔[4] حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف دراصل حقیقت کو پالینے اور دنیا سے کنارہ کش ہونے کا نام ہے۔[5] امام شرف الدین شوکانی کے خیال میں تارک الدنیا ہو جانا، مٹی اور سونا، نقائص اور صفات کو برابر سمجھنا ہی تصوف ہے۔[6] کشف المحجوب میں حضرت جنید بغدادیؒ کا قول درج ہے کہ انسان کا حقیقت پر پختہ ایقان ہی تصوف ہے۔ بلاشبہ یہ صفت ربانی ہے لیکن بظاہر یہ انسان کی صفت ہے کہ حضرت ابو عمر دمشقیؒ کے نزدیک تصوف دنیا کو عیب جوئی کی نگاہوں سے دیکھنے بلکہ دنیا کی طرف بالکل ہی نہ دیکھنے کا نام ہے۔ ان کا خیال ہے کہ قرآن حکیم کی سورۃ مزمل میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[7] حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے بقول تصوف راہ صدق اور

1- کشف المحجوب اردو ترجمہ ص 43
2- ایضاً
3- غزان سید: کلاسیکی ادب، عزیز بکڈپو لاہور 1975ء ص 240
4- ماہنامہ لہراں، لاہور شمارہ مارچ اپریل 1976ء
5- رسالہ قشیریہ ص 127
6- ماہنامہ لہراں، لاہور شمارہ مارچ اپریل 1974ء
7- خلیق نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ندوۃ المصنفین دہلی 1953ء ص 29، 58، 57

اخلاق حسنہ کا نام ہے۔[1] کچھ ایسی ہی بات حضرت شیخ محمد بن قصابؒ نے کی ہے کہ تصوف اخلاق کریمہ ہے۔[2]

تصوف کے متعلق اگر بزرگان دین کی ان تعریفوں کو سامنے رکھیں تو یہ بات بڑی آسانی سے واضح ہو جاتی ہے کہ ہر بزرگ نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے تصوف کو سمجھا ہے۔ مگر ان تمام تعریفوں میں بہت سی باتیں مشترک بھی نظر آتی ہیں۔ بلکہ حقیقت ہے کہ تصوف کے متعلق مختلف تعریفیں پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ تصوف ایک ایسا تناور درخت ہے جسکی بہت سی شاخیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں اور ان تمام افکار و نظریات کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ بہر حال ان تمام تعریفوں کو سامنے رکھتے ہوئے تصوف کی جامع تعریف یوں کی جاسکتی ہے:

> تصوف وہ علم ہے جس سے انسان کے نفس کی بہت اچھی طہارت ہو جاتی ہے اور اس کے دل میں اخلاقی پاکیزگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کے باطن کی تعمیر و اصلاح ہو جاتی ہے۔ تصوف، انسان کو برے اخلاق، خبیث صفات، نفسانی خواہشات اور برے خیالات سے نجات دلاتا ہے۔ یہ اچھے اخلاق اور پاکیزہ اوصاف پیدا کرنے کا وسیلہ ہے۔ اسی علم کے ذریعے انسان حقیقت کو پالیتا ہے اور دنیا کی ہوس سے منہ موڑ کر ہر طرف حق ہی حق دیکھتا ہے۔

تصوف، سخاوت، درویشی، فقر، صبر، ریاضت، عبادت، غربت، سیاحت اور رضائے الٰہی تلاش کرنے کا نام ہے۔ باالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اپنی ذات کی نفی کرنے کا نام تصوف ہے۔ مگر یہاں ایک بات بے حد اہمیت رکھتی ہے اور وہ ہے ''خدمتِ خلقِ خدا'' ایک انسان خلق خدا کی خدمت تب ہی کر سکتا ہے، جب وہ اپنی ذات کی نفی کر

1- خلیق نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ندوۃ المصنفین دہلی 1953ء ص 29، 58، 57
2- ایضاً

دے اور دوسرے لوگوں کو ہر حالت میں اپنے سے بہتر اور افضل سمجھے۔ کیونکہ یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ انسان اللہ کی مخلوق کے ساتھ نیکی کرے اور بہتر طریقے سے پیش آئے۔ انسان ان عادات و خصائل کے باعث اللہ کو مقبول ہو جاتا ہے۔ جو شخص اللہ کو مقبول ہو جائے اسکے لیے حقیقت کے تمام دروازے وا ہو جاتے ہیں اس وقت وہ منزل کی طرف ایک قدم اٹھاتا ہے تو منزل خود بخود اسکی طرف کھنچتی چلی آتی ہے۔ اسی لئے تصوّف نفسانی خواہشات سے بچنے، عاجزی، انکساری، خُلقِ جمیل، نرمی، جستجو اور راضی بہ رضا رہنے کا نام ہے۔ اس علم کی بدولت انسان دنیا کی بے ثباتی کو دیکھتے ہوئے ہر لمحہ رب کے ذکر اور فکر میں گزارتا ہے اور آخرکار حقیقتِ ازلی و ابدی کو تلاش کر لیتا ہے۔

تصوّف کے مسلک پر چلنے والے کو صوفی کہتے ہیں۔ ایک صوفی کو حق تعالیٰ کے حسن کے جلوے دیکھنے اور واصل بالحق ہونے کے لیے سلوک کی مندرجہ ذیل منازل طے کرنا پڑتی ہیں۔

1- توحید، 2- علم، 3- استغنیٰ، 4- منزل فقر، 5- منزل حیرت

مناسب ہوگا کہ یہاں لفظ صوفی کی تعریف بیان کر دی جائے تاکہ تصوّف اور مسائل تصوّف کی تفہیم میں آسانی رہے۔

صوفی کسے کہتے ہیں

بعض محققین کا خیال ہے کہ تصوّف کا مادہ ''ص، و، ف'' صوف ہے جس کے معنی اون یا پشم ہے۔ چنانچہ صوفی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اون یا پشم کا لباس پہنتا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کے نزدیک صوفی کا لفظ ''صفا'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب صُفّہ سے نسبت کی بنا پر لفظ صوفی بنا۔ مگر یہ لغوی اعتبار سے غلط لگتا ہے۔ کیونکہ صفہ سے صفوی بنتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ یہ لفظ صف

سے وجود میں آیا ہو۔ اسکی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ صوفی قرب الٰہی میں سب سے پہلی صف میں ہوتا ہے۔ بعض لوگ صوفی کو قدیم عربی قبیلہ صوفہ سے بعض یونانی لفظ شیو صوفیا کو اس کا مآخذ قرار دیتے ہیں۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ صوف اور صفا ہی صوفی کا مآخذ ہو سکتے ہیں۔[1] ابن خلدون نے بھی صوفی کا مادہ صوف ہی ظاہر کیا ہے:

''میری رائے میں صوفی صوف ہی سے مشتق ہے۔ کیونکہ یہ فرقہ عام لوگوں کے برخلاف اعلیٰ درجے کے کپڑے پہننے کی جگہ موٹے چھوٹے اونی کپڑے پہنتا رہا ہے۔''[2] لیکن ڈاکٹر سید اختر جعفری کا خیال ہے کہ صرف ''صوف'' کا لباس پہننے سے نہ کوئی صوفی بن سکتا ہے اور نہ ہی تصوّف کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔ مگر یہ مسلمہ امر ہے کہ صوف کا کھردرا لباس پہننا تصوّف کی پہلی سیڑھی ہے۔ جس کا سب سے بڑا مقصد جسم کو سختیاں برداشت کرنے کے قابل بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی موٹا کھردرا لباس پہن کر اپنے آپ کو ذکر اور فکر میں مشغول رکھتے تھے۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ موٹا کھردرا لباس قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ صوفی اس سے عبادت، ریاضت اور باطن کی صفائی کی جانب راغب ہوتا تھا۔ ان ہی دلائل کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب کے نزدیک لفظ صوفی کا مادہ صوف کی بجائے ''صفا'' زیادہ مناسب ہے۔[3] کیونکہ تصوف کا تعلق دل کی صفائی کیساتھ ہے۔ صوفی زیادہ توجہ باطن کی صفائی پر دیتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف برطانیہ میں لفظ ''صوفی'' کو بہت قدیم زمانے سے مانوس بتایا گیا ہے:

1- اردو دائرہ معارف اسلامیہ؛ پنجاب یونیورسٹی لاہور، 1964، جلد 6 ص 418

2- مقدمہ ابن خلدون، اردو ترجمہ، مولوی عبدالرحمٰن لاہور، س ن جلد 3 ص 104

3- اختر جعفری ڈاکٹر: میاں محمد بخش حیاتی تے شاعری، مقالہ پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص 549

"Sophist, the nane given by Greeks about the middle of the 5th centeries B.C. to certain teacher of a superior grade, who distingueshing themselves from philosophers on one hand and from artist and craptsmen on the other clamed to repair their pupil not for any particular study or profession but for cvic life."[1]

لفظ صوفی کی تعریف کے بارے میں داتا گنج بخشؒ کا فرمان ہے:

"پس چوں اہل ایں قصہ اخلاق و معاملات خود را مہذب کردہ اند واز آفاتِ طبیعت تبری جستہ پس مرایشان را صوفی خوانند"[2]

اسی طرح حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ[3] نے صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ صوفی ہر قسم کی میل کچیل سے پاک، غوروفکر میں ڈوبا ہوا، دنیا سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی طرف دھیان رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک سونا اور مٹی برابر ہوتے ہیں۔ شیخ ابو النصر سراج[4] کا قول ہے کہ صوفی کی اولین صفت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ پر ہی نظر رکھے۔ غیر اللہ سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اس کا مطلوب اور مقصود صرف ذاتِ خداوندی ہو۔

بقول حضرت ابو علی باریؒ صوفی وہ ہے جو ماسوااللہ، اپنے من کو ہر شے سے پاک کرلے۔ حرص اور ہوس کو مٹا کر صوف کا لباس پہن لے اور حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے ہر شے پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی،

1- Encyclopaedia of Britannica vol - 20 P.1001
2- کشف المحجوب ص 23
3- ابوبکر بن ابو اسحٰق الکلاباذی: التعرف؛ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1978ء ص 43
4- ابو النصر سراج: کتاب اللمع فی التصوف، لیڈن 1914ء ص 111

وہی صوفی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے الفاظ میں صوفی اپنی ذات میں ایک زندہ لاش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے جاودانی زندگی بخش دیتے ہیں۔ لہٰذا صوفی میں ان آٹھ صفات کا ہونا ناگزیر ہے۔

"التصوّف مبنی علیٰ ثمان خصال، اماالسخافلا براھم و اماالرضأ فلا سماعیل واما الصبر فلایوب واما الاشارة فلذکریا واملا الغربه فلیحییٰ واما بس الصوف فلموسیٰ و اماالساحة فلعیسیٰ واماالفقر فلمحمد ﷺ علیھم اجمعین"[1]

ایک صوفی کے یہی خصائل حضرت غوث الاعظمؒ نے بیان فرمائے ہیں۔[2]

ان تمام تعریفوں کے پیش نظر ہم مختصر الفاظ میں تصوف کی منزل کے راہی یعنی "صوفی" کی تعریف یوں کر سکتے ہیں۔ صوفی وہ شخص ہے جو اللہ کی خاطر حرص و ہوس اور لالچ و آز سے جنگ لڑ چکا ہو۔ سنت رسول ﷺ کا پیروکار ہو اور دنیاوی شان و شوکت سے نفرت کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنا رشتہ جوڑ چکا ہو۔ حقیقت کے رازوں کا شناسا ہو۔ بخشش کرنے والا، دل کا سخی ہو۔

تصوّف کے سرچشمے

تاریخ کے اوراق اُلٹنے سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ تصوّف، دینِ اسلام کی پیداوار ہے۔ ڈاکٹر براؤن نے فارسی ادب کی تاریخ میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ تصوف کی تعلیم حضرت محمد ﷺ کی باطنی تعلیم سے نمودار ہوئی۔[3] پروفیسر موہن سنگھ

1- کشف المحجوب ص 29
2- عبدالقادر جیلانیؒ، فتوح الغیب: مصر 1973ء ص 166
3- ماہنامہ پنجابی ادب لاہور (شاہ حسین نمبر) ص 15

کہتے ہیں کہ صوفی مت (تصوّف) کا جنم اسلام کیساتھ ہوا۔ اسکی پہلی کونپل قرآن شریف، حضرت محمد ﷺ کی زندگی اوران کی تعلیمات سے پھوٹی ہے۔

مولانا جامیؒ نے ابو الہاشم کو پہلا صوفی کہا ہے۔[1] جو کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بعدازاں شام میں رہائش اختیار کرلی تھی اور بصرہ میں وہ 161 ہجری میں ثفیان ثوری کے ہم مجلس رہ چکے تھے۔[2] جبکہ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حدیث میں سے صوفی مت (تصوّف) کی پشٹی کا مسالہ تلاش کرنے والا صوفی اسد المحاسبی حارث 223 ہجری / 837ء میں ہوا۔[3] موہن سنگھ جوہل نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ہندوستان میں تصوّف مسلمانوں کی آمد کیساتھ ہی آیا اور حقیقت میں یہ اسلام کی پیداوار ہے۔

ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ تصوّف بنیادی طور پر اسلام کے بیج سے پھوٹا تھا اور تمام صوفیائے کرام پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کو اپنا آئیڈیل مانتے تھے۔ قرآن حکم کی تمثیلی آیات کو اپنے افکار کی جڑ بتاتے تھے۔[4] یوں ہی پروفیسر لوئی مسین نیون نے بھی بڑی محنت اور کاوش سے یہ ثابت کیا ہے کہ تصوّف کا منبع اور مخرج قرآن، حدیث ہے اور یہ ایک خالصتاً اسلامی تحریک ہے۔[5]

1- مولانا عبدالرحمٰن جامی: نفحات الانس اسلامیہ پریس لاہور 1927ء ص 21

2- عباداللہ اختر: علم تصوف، لاہور 1951ء ص 8

3- پنجابی ادب (شاہ حسین نمبر) ص 20

4- لاجونتی رام کرشنا: پنجابی دے صوفی شاعر مجلس شاہ حسین لاہور ص 6، 2

5- تاریخ مشائخ حیثیت ص 34

اخلاقی پہلو

بعض لوگ کہتے ہیں۔ تصوّف اسلامی لفظ نہیں ہے۔ نہ ہی قرآن و حدیث میں تصوّف اور صوفی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں عہد رسالتؐ میں کسی بھی شخص کو صوفی نہیں کہا جاتا تھا۔ یہ اصطلاح بہت بعد میں ایجاد ہوئی۔ بلکہ بغداد کے لوگوں نے اس اصطلاح کو ایجاد اور استعمال کیا۔

جہاں تک لفظ ''تصوّف'' اور لفظ ''صوفی'' کا تعلق ہے۔ تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں الفاظ بہت قدیم ہیں۔ تصوّف خالصتاً عربی لفظ ہے جو حضرت حسن بصریؒ کے زمانے میں مروج تھا۔ بلکہ کتاب ''اخبار مکہ'' میں محمد اسحٰق بن یساء کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تصوّف کا لفظ عہد رسالتؐ سے پہلے بھی عربی زبان میں رائج تھا جو نیک و پارسا لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ایک حدیث شریف میں یہ لفظ ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''مَن سَمِعَ صَوتَ اَهلِ التَّصوُّفِ فَلاَ یُؤمِنُ علی دُعَائِهِم کُتِبَ عند اللهِ مِنَ الغَافِلِینَ''[1]

یعنی جس نے اہلِ تصوّف کی آواز سن کر ان کی دعوت قبول نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ غافلوں میں لکھا گیا۔

اس حدیث سے نہایت واضح ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے اور آنحضرت محمد ﷺ کے زمانے میں نیک لوگوں کے لیے مستعمل تھا۔ اسی لفظ کی نسبت سے صوفی کا لفظ وجود میں آیا۔ لیکن عہد رسالت کی کتب میں اس لفظ کا زیادہ استعمال نہیں ملتا۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں لفظ صحابی عام مستعمل تھا اور یہ لفظ صوفی سے زیادہ وسیع اور وقیع ہے اور واضح مفہوم پیش کرتا ہے۔ اسی بنا پر صوفی کی بجائے صحابی کا لفظ

1- کشف المحجوب ص 30

عام استعمال کیا جاتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل دی جا سکتی ہے کہ محی الدین ابن عربی (م 638ھ/ 1240ء) اور شرف الدین عمر الفارس (م 632ھ/ 1234ء) دونوں عربی نژاد تھے۔ دونوں نے اپنے افکار اور نظریات سے ایران کے صوفیاء کو متاثر کیا تھا:

"Such as Shaykh Mohyiyud-Din Ibnul Arbi (AD1240-1) and Ibnnl Faris (AD 1234-5) were men of Arabic speach in whose veins there was not a drop of Percianblood. Yet the first of these exerted an enarmous influance over many of the most typical Percian sufis such as Iraqi (AD 1287)[1]

عراق (م 686ھ/ 1287ء) احد الدین اکبر فانی (م 697ھ/ 1297ء) عبدالرحمٰن جامی (م 898ھ/ 1492ء) یہ تمام صوفیائے کرام عربی تصوّف سے متاثر تھے۔ ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم کے اثرات تو آج تک فارسی، اردو اور پنجابی شعراء وصوفیا پر موجود ہیں کیونکہ یہ کتاب ایک طویل عرصہ تک ایران کے مدارس اور خانقاہوں میں درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی اور اسکی بہت سی شرحیں اور تفاسیر بھی لکھی گئیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوّف کی بنیاد ہندوؤں کا فلسفہ ویدانت ہے۔ یہ غلط فہمی دراصل ابو ریحان محمد بن البیرونی (962۔ 1048ء) کی پیدا کردہ ہے۔ جس نے ہندومت کی بعض باتوں کا اسلامی تصوّف سے موازنہ کرتے ہوئے چند مسائل مشترک ظاہر کیے ہیں۔ مثلاً مسئلہ تناسخ ''یعنی روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں داخل ہونا ہے۔ اسی مسئلہ کے پیش نظر پروفیسر ماسگنون اور پروفیسر براؤن نے کہا کہ

1- E.G. Brown: A Literary History of Percia Londan 1908 P.420

ظاہراً طور پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کے مسلک اور ہندو ویدانت سارا میں بے حد یکسانیت ہے اسی خیال کو بنیاد بنا کر براؤن نے تصوّف کے تین مآ خذات ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

1- ویدانتا ...... 2- فارسی فلسفہ ...... 3- نوفلاطونی فلسفہ

(a) That sufism owes its inspiration to Indian Philosophy and especially to the Vedonta.

(b) That the most characteristic Ideas in safism are the Persian origin.

(c) That these Idias are derived from Neo - Platonism."[1]

ان نظریات میں جہاں تک یکسانیت کا تعلق ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دو اشیاء میں پائی جانے والی یکسانیت کی بنا پر ایک کو دوسری کی بنیاد یا اصل قرار دے دیا جائے ایسا ممکن نہیں۔ ایک چیز کا دوسری چیز پر اثر تو تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کی اصل جڑ یا سرچشمہ مختلف رہے گا۔ جہاں تک مسئلہ تناسخ کا تعلق ہے یہ بالکل بے بنیاد بات ہے کہ مسلمان مسئلہ تناسخ پر یقین رکھتے ہیں۔ بے شک اسماعیلی فرقے کے پیروکار اس عقیدے کو مانتے ہیں، لیکن ان کا یہ عقیدہ صرف اپنے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات تک محدود ہے۔ ساری اُمت کے لیے نہیں ہے۔ جبکہ ہندوؤں کا یہ عقیدہ پوری قوم کے لیے ہے کہ انسان کی موت کے بعد اسکی روح مختلف جانوروں میں منتقل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اسلامی تصوّف ہندوؤں کے ویدانتا سے قطعاً متاثر نہیں۔ علاوہ ازیں براؤن کا یہ بیان کہ تصوّف کے زیادہ تر نظریات فارسی سے ماخوذ ہیں، خود اس کے اپنے اس بیان سے ان کی تکذیب ہو جاتی ہے جب وہ کہتا ہے کہ عراقی، احد الدین اکبر فانی اور عبدالرحمٰن جامی جیسے فارسی کے مشہور

1- Nicholoson. A literary History of Arbs Londn - 1907, P.384

صوفی خود محی الدین ابن عربی اور شرف الدین عمر الفارس سے بے حد متاثر تھے۔[1] بالکل اسی طرح تصوّف کا مآخذ نوفلاطونی فلسفے کو بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

گولڈ زیئر کے خیال میں ابراہیم ادھم کا بادشاہت چھوڑ کر فقیر ہو جانا، مہاتما بدھ کی سوچ اور زندگی سے بہت مشابہ ہے۔ بدھ کے نظریات نے ابراہیم ادھم کو متاثر کیا تھا۔ یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اسلامی تاریخ میں اصحابِ صُفّہ کی خوبصورت مثال موجود ہے، جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر مسجد نبویؐ کے ایک چبوترے پر بیٹھ کر عبادت و ریاضت میں زندگیاں گزار دیں۔ وان کریمر، گولڈ زیئر، نکلسن اور آندرے کے نزدیک اسلامی تصوّف کی بنیاد نصرانی رہبانیت پر رکھی گئی ہے۔ اس کا جواب قرآن پاک میں موجود ہے۔ ایک آیت ہے۔

" مَایُقَالُ لَکَ اِلَّامَا قَد قِیلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبلِکَ "

(اے نبیؐ! آپ کو وہی کچھ فرمایا گیا ہے جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو فرمایا گیا تھا)

قرآن مجید کا یہ فرمان معترضین کے لیے زبردست جواب ہے کیونکہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور مکمل دین ہے۔ اس میں ازل سے لے کر ابد تک کی تمام چیزیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ سب کچھ وہ بھی موجود ہے جو قرآن پاک سے قبل اللہ کی جانب سے نازل ہوتا رہا ہے۔

اسلامی تصوّف

حقیقت یہ ہے کہ تصوّف عیسائی رہبانیت سے بالکل مختلف ہے۔ یہ نہ تو عیسائیت سے اور نہ ہی عرب کے زمانہ جاہلیت سے متاثر ہے۔ بلکہ اسلامی تصوّف وہ ہے جسکی تعلیم رسول اکرم ﷺ نے فرمائی ہے۔ لہٰذا اسلامی تصوّف کسی قسم کی آمیزش اور ملاوٹ

1- A Literary History of Percia

سے پاک ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے تزکیہ نفس پر زور دیا اور ریاضت و عبادت کے اصول مقرر کیے۔ علاوہ ازیں تفکر اور ریاضت کے آداب سکھائے اور ان کی خاص صورت وضع فرمائی۔ پھر ان ہی اصولوں پر اسلام کی حیات روحیہ کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کو اس کی بنیاد قرار دیا گیا اور دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیازی کے گر سکھائے گئے۔[1] لہٰذا ہمارے نزدیک صحیح تصوّف وہ ہے جسے نبی اکرم ﷺ نے اپنی عملی زندگی کے ذریعے پیش کیا۔ آپؐ نے بچپن سے لے کر جوانی تک، جوانی سے لے کر بڑھاپے تک اور بڑھاپے سے لے کر وصال تک زندگی کا ایک ایک پہلو وضاحت سے پیش کیا۔ غارحراء میں عبادت، اعلان نبوت، تجارت، سفر، شادی مبارک الغرض زندگی کا کوئی ایک بھی پہلو ایسا نہیں جس کا نمونہ آپؐ نے پیش نہ فرمایا ہو۔

آپؐ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "سارا قرآن حضور ﷺ کا اخلاق ہے"۔ گویا آپ کی حیات طیبہ احکامات قرآنی اور منشائے خداوندی کا عملی نمونہ تھی۔ آپؐ کے بعد آپ کے صحابہ کرام نے قرآن اور سنت کے مطابق زندگیاں بسر کیں۔ خلفائے راشدین اور اصحاب صُفّہ کی زندگیاں اس بات کا بیّن ثبوت ہیں۔ ان کے بعد تابعین پھر تابع تابعین نے اسی طریق کو اپنایا۔ چنانچہ صحیح اسلامی تصوّف کی جھلکیاں ان بزرگان دین کی زندگیوں سے بھی منعکس ہوتی ہیں۔

تصوّف پر اثرات

شروع شروع میں تصوّف کے مسائل اس قدر پیچیدہ نہیں تھے۔ لیکن جب اسلام عرب کی سرحد عبور کر کے دوسرے ممالک میں داخل ہوا تو پھر اسلامی تصوّف پر مختلف اثرات کا غلبہ ہونے لگا۔ اسکی بڑی وجہ دیگر زبانوں کے علوم وفنون کا عربی و

1- حسنین ہیکل پاشا: حیات محمد، مکتبہ کارواں، لاہور 1964ء

فارسی میں منتقل ہونا تھا۔ بلاشبہ عباسی دور میں بغداد علم و ادب کا بہت بڑا مرکز تھا۔ علم و ادب کو شاہی سرپرستی حاصل تھی۔ اس لیے بہت سے علوم و فنون کے تراجم عربی اور فارسی زبانوں میں کیے گئے۔ یوں مسلمان مفکرین دیگر مذاہب کے علوم و فنون سے شناسا اور کسی حد تک متاثر بھی ہوئے جو ایک فطری امر ہے۔ اس زمانے کے بغداد کے علماء یونانی علوم سے کیسے متاثر ہوئے اس کے متعلق نکلسن لکھتے ہیں:

"That it is mainly a product of greek speculation. Maruf-al-Karkhi, Abu Sulayman at Durani and Dhul-Inun Missri, all these lived and died in the Period (786-861 AD) which begins with the occession of Haran-al-Rashid and is turminated by the death of Mutawakkil. During these seventy five years the stream of Hellenic culture flowed unceasingly into Muslim world. Annumerable works of Greak Philosophers, Physicians and scientists were translated and eagerly studied."[1]

حضرت ابراہیم ادھم بن سلیمان (م 161ھ) نے ترک دنیا، شفیق بلخی (173ھ) نے توکل اور ابوعلی فضیل بن عیاض خراسانی (187ھ) نے محبت سے متعلق جو تصوارت پیش کیے نکلسن نے ان کو بدھ مت کا اثر قرار دیا۔ حالانکہ ابراہیم ادھم نے نہ تو دنیا کو ترک کیا اور نہ ہی ترک دنیا کا درس دیا۔ بلکہ انہوں نے کچھ عرصہ کے لیے یادِ الٰہی کی خاطر گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ ان کے ہاں تارک الدنیا کا کوئی تصور موجود نہیں اور نہ ہی وہ کبھی تارک الدنیا ہوئے تھے۔ یادِ الٰہی میں کچھ وقت کے لیے گوشہ گیر ہو جانا

1- A Literary History of Arabs, P.388

سنت رسول ﷺ ہے۔ کیونکہ آپؐ کئی کئی دن غار حرا میں گوشہ نشین ہو کر یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح شفیق بلخی اور ابوعلی فضیل بن عیاض کا نظریہ بھی قرآن کے مطابق ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَوَکِّلِیْنَ[1]

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے ابتدائی ایام میں تصنیف و تالیف کا زیادہ رواج نہ تھا۔ دوسری صدی ہجری میں جب احادیث جمع کرنے کی ضرورت پیش آئی تو احادیث کے جمع ہونے کے ساتھ ساتھ تصوّف کے موضوع پر کتابیں لکھی جانے لگیں۔ سب سے پہلے حضرت سفیان ثوریؒ (161ھ) کی مندرجہ ذیل چار کتابیں فقہ اور تصوّف کے متعلق سامنے آئیں۔

1- الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف، 2- الجامع الصغیر، 3- کتاب الفرائض، 4- کتاب التفسیر

بقول خلیق احمد نظامی حضرت سفیان ثوریؒ نے مرتے وقت یہ کتابیں نذر آتش کر دی تھیں۔[2] اس کے بعد تصوّف کی با قاعدہ کتب دستیاب ہونے لگی ہیں۔ جیسے کتاب اللمع از خواجہ ابوالنصر سراج (م 370ھ) تعرّف از امام ابوبکر بن ابو اسحٰق (م 384ھ) طبقات الصوفیہ از شیخ ابی عبدالرحمٰن السلمی (م412ھ)، رسالتہ القشیریہ از امام ابوالقاسم قشیری (م 465ھ) کشف المحجوب از حضرت علی ہجویریؒ داتا گنج بخش (م 465ھ) احیاء العلوم از امام غزالی (م 505ھ) فتوح الغیب اور غنیتہ الطالبین از حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (م 561ھ)، تذکرۃ الاولیاء از شیخ فرید الدین عطارؒ (م620ھ) عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (م 623ھ) فصوص الحکم از شیخ محی الدین ابن عربی (م 628ھ)، فوائد الفوائد از خواجہ نظام الدین دہلوی (م 735ھ) اور

-1 القرآن پارہ 4 سورۃ آل عمران آیت 159

-2 تاریخ مشائخ چشت ص75

لوائح ونفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (م 898ھ) کی کتب موجود ہیں۔ ان تمام تصانیف کی بنیاد خالصتاً قرآن وحدیث کے مطابق اسلامی تصوّف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگان دین کے بعد آنے والے صوفیائے کرام نے ان تصانیف کو عزت کی نگاہوں سے دیکھا اور اپنے فکر کی سمت درست رکھنے کے لیے ان سے راہنمائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی راہنمائی کرتے رہے۔ صوفی شعراء نے ان تصانیف میں بیان کئے گئے موضوعات کو اپنی اپنی شاعری میں بیان کیا۔ چنانچہ اس دور کے بعد کی فارسی، اردو اور پنجابی کی صوفیانہ شاعری کے موضوعات وتصورات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ بلکہ ان میں اس قدر گہرا فکری ربط موجود ہے کہ ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں معلوم ہوتی ہیں۔ فارسی شاعری میں تصوّف کے مسائل کو رواج دینے والے صوفی شاعروں میں سے ابوسعید ابوالخیر (997 - 1049ء) حکیم سنائی، مولانا جلال الدین رومیؒ، خاقانی، انوری، عین الدین، عراقی، سعدی، محمود شبستری اور حافظ شیرازی کے نام قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح اردو شاعری کے آغاز میں صوفیانہ تصورات بہت کم بیان کئے گئے۔ بعد ازاں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، محمد قلی قطب شاہ (1625-1672ء)، ولی دکنی (1668 تا 1744ء)، ظہور الدین حاتم (1699 - 1792ء)، خان آرزو (1689 - 1756ء)، مظہر مرزا جان جاناں، میر تقی میر، خواجہ میر درد، حیدر علی آتش (1778 - 1847ء) حکیم مومن خان مومن (1800 - 1851ء) اور علامہ اقبال (1877 - 1938ء) کے کلام میں تصوّف کے مضامین موجود ہیں۔

پنجابی شاعری کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس کا آغاز ہی ان صوفی شعرا کے ڈیروں اور تکیوں سے ہوا، جنہوں نے تربیت ہی اسلامی تصوف میں پائی اور اپنی زندگیاں اسلامی تعلیمات وتصوّف کے مطابق بسر کی تھیں۔ پنجابی صوفیانہ شاعری کے بانی مبانی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (1175 - 1265ء) ہیں۔ ان کے بعد شاہ حسینؒ (1539 - 1593ء) نوشہ گنج بخشؒ (1604-1691ء)، سلطان باہوؒ

(1631 - 1691ء)، بلھے شاہؒ (1680 - 1758ء)، علی حیدرؒ ملتانی (1690-1785ء)، وارث شاہؒ (1707 - 1790ء)، ہاشم شاہؒ (1752 - 1821ء)، میاں محمد بخشؒ (1830 - 1907ء)، مولوی غلام رسول عالمپوریؒ (1849 - 1892ء) اور خواجہ غلام فریدؒ (1841 - 1901ء) کے نام آتے ہیں جن کے اسرار و رموز سے لبریز عارفانہ کلام آج بھی صوفیا کی محفلوں کی جان خیال کیا جاتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جب کوئی زبان یا تحریک مرکز سے شروع ہوتی ہے اور دوسرے علاقوں میں پھیل کر وہاں کے باشندوں کی زندگی کو متاثر کرتی ہے اور معاشرے میں تبدیلی لاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی وہاں کی مقامی معاشرت سے متاثر بھی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن ان اثرات کو بنیاد بنا کر اگر یہ کہا جائے کہ باہر سے آنے والی تحریک کی جڑ ہی یہ مقامی اثرات ہیں تو قابل اعتبار نہیں۔ مثلاً پروفیسر موہن سنگھ لکھتے ہیں کہ صوفیاء میں مرشد یا گرو کی اہمیت پر زور دینا ہندو اثر کا نتیجہ ہے۔[1] حالانکہ وہ اس سے قبل خود ہی اس بات کی تکذیب ان الفاظ میں کر چکے ہیں:

''صوفی مت (تصوّف) دی پہلی کونپل اسلام دے جنم نال پھٹی۔
عیسائی مذہب، بدھ مت تے ویدانت دا صوفی مت دے نکاس نال
کوئی تعلق نہیں تے نہ ای ایہہ صوفی مت دے سومے نیں سگوں اوس
اتے پئے اثر نیں۔''[2]

پروفیسر موہن سنگھ کی بات قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ تصوّف میں مرشد کا تصور خالصتاً اسلامی ہے اور عہد رسالتؐ میں مرشد کا نہ صرف تصور تھا بلکہ رواج تھا۔ اگر یہ غیر اسلامی تصور ہوتا تو پھر مسلمانوں میں یہ اس وقت رواج پاتا جب مسلمان برصغیر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جس قدر بھی بزرگان

1- ماہنامہ پنجابی ادب (شاہ حسین نمبر) ص 18

2- ایضاً ص 15

دین ،صوفیائے کرام اسلام کا پیغام لے کر برصغیر خصوصاً پنجاب میں وارد ہوئے وہ سب کے سب کسی نہ کسی سلسلہ طریقت سے وابستہ تھے اور اپنے مرشد کے ارشاد کی تعمیل میں برصغیر میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ مثلاً حضرت میراں حسین زنجانیؒ، امام الاولیا حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ ،حضرت میاں میرؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور دیگر صوفیاء و اولیاء اللہ برصغیر کے ظلمت کدہ میں اسلام کی شمع روشن کرنے کے لیے تشریف لائے۔ ان تمام نے ہندوستان میں تشریف لانے سے قبل اپنے اپنے مرشد سے حقیقت و معرفت کی تعلیم حاصل کی اور سلوک کی منازل طے کی تھیں۔ پھر مرشد کے حکم سے ہندوستان میں داخل ہوئے تا کہ یہاں کے لوگوں کو ذلت و گمراہی کی پستیوں سے نکال کر عزت و آبرو کی رفعتوں سے ہمکنار کریں۔اس سلسلے میں نہایت ٹھوس مثال ہے کہ سر زمین ہندو پاکستان میں قادری ، چشتی، سہروردی ، نقشبندی سلسلے آج بھی جاری ہیں۔ ان میں سے تین سلسلے قادریہ ،چشتیہ اور سہروردیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شروع ہوتے ہیں جبکہ نقشبندیہ سلسلے کے مقلدین اپنا روحانی سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے نسبت کرتے ہیں۔ یوں یہ تمام سلسلے سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے جا ملتے ہیں جو ہادیٔ کونین ہیں۔

اسلام کا نظام حیات بھی راہبر ، راہنما اور پیرو مرشد کی ضرورت و اہمیت پر زور دیتا ہے۔ بلکہ اسلام کا اہم رکن نماز (صلوٰۃ) بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔جس میں کسی امام یا پیشوا کا ہونا ناگزیر ہے۔ پروفیسر موہن سنگھ نے ایک اور دعویٰ کیا ہے کہ:

'' رب دی عزت تے ڈرنوں چھڈ کے رب دی بھگتی (محبت) تے رب دے عشق اتے زور دینا وی ہندوستان دے پریم مارگ دا اثر اے۔''(1)

یہ دعویٰ قطعاً درست نہیں ۔کیونکہ قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ سے

1- ماہنامہ پنجابی ادب (شاہ حسین نمبر) ص 19

ڈرنے اور محبت کرنے کا درس جگہ جگہ موجود ہے۔اگر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی قہاری اور جباری کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی ارشاد موجود ہے کہ:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَکُمْ
ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْم

(ترجمہ): ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔وہ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

پروفیسر موہن سنگھ اسلامی تصوّف پر ہندومت کے اثرات ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' روح نوں عقل راہیں نہیں لبھ سکدے۔ روح واسطے کسے دلیل دی لوڑ نہیں۔ آتما سوئے سدھ اے۔ شنکر دا گیان اے۔''(1)

ایسی باتوں سے پتا چلتا ہے کہ پروفیسر موہن سنگھ بانی اسلام حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعے سے محروم ہیں ورنہ ایسا لایعنی بیان کبھی نہ دیتے۔ کیونکہ روح سے متعلق حضور ﷺ کا جواب کافی ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے جب قریش مکہ کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے حجت کے طور پر آپؐ سے بہت سے استفسارات کیے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ'' روح کیا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا!'' روح میرے رب کا حکم ہے''۔ یہاں ان امثلہ کے حوالوں سے مقصود یہ ہے کہ تصوّف خالص اسلام کی پیداوار ہے۔ اس کے اشتقاق کے متعلق تمام نظریات باطل ہیں اور ان کی بنیاد محض تعصب ہے۔

o

1- ماہنامہ پنجابی ادب (شاہ حسین نمبر) ص 19

دیسی تصوف

دیسی تصوف سے مراد وہ تصوف ہے جو ہمارے علاقے کے صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے خود اپنایا اور پیش کیا۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ برصغیر پاکستان و ہند میں اکثر صوفیائے کرام بیرونی ممالک سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے بڑی کاوشوں سے یہاں کے باشندوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ ان کے سامنے صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ تھا اسلام کی تبلیغ و اشاعت۔ انہوں نے اس نیک کام میں اپنی زندگیاں صرف کردیں۔ جس کے نتیجے میں ان گنت غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس امر کا اعتراف ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے اپنی کتاب ''Panjabi Sufi Poets'' میں کیا ہے۔ کہ:

''اپنی مرضی نال مسلمان ہون والے سارے لوکی صوفیاں دی تعلیم توں متاثر سن۔''(1)

حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں:

ایں دو حرف لا الہ گفتار نیست — لا الہ جز تیغ بے زنہار نیست
زیستن با سوزِ او قہاری است — لا الہ ضرب است وضربِ کاری است

مسلمان صوفیاء نے اپنے مقصد کی بجا آوری کے لیے نہایت اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ جس کا اعتراف ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے یوں کیا ہے:

''صوفیاں دے صبر، بردباری تے پیار نے وڈیاں ذاتاں دے دھتکارے ہوئے نیچ ذات دے ہندوواں نوں اوہناں دا مرید بنا دتا۔''(2)

مسلمان صوفیاء نے برصغیر کے باشندوں کو بت پرستی، شرک و بدعت سے نجات دلائی اور فناہ فی اللہ کا طریق بتایا۔ یہ تمام ثبوت اور دلیلیں محض اس لیے پیش کی

1- پنجابی دے صوفی شاعر ص 7
2- ایضاً

گئیں کہ واضح کیا جائے کہ تصوف خالصتاً اسلامی تحریک تھی۔ جسے مسلمان صوفیاء اپنے ساتھ لے کر ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ صوفیائے کاملین نے اپنی تبلیغی کاوشوں سے سوچ کا جو انقلاب برپا کیا اسی کا فطری نتیجہ تھا کہ جب مسلمان حکمران بیرونی ممالک سے یہاں آئے تو عوامی سطح پر انہیں قبول کیا گیا اور انہوں نے صدیوں تک ہندوستان پر حکومت کی۔

یہ ایک فطری امر ہے کہ جب ایک قبیلہ ایک مقام سے ہجرت کر کے دوسری جگہ بس جاتا ہے تو اس کے سیاسی، سماجی، معاشرتی اور مذہبی نظریات مقامی لوگوں کے نظریات سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ جس طرح مغلیہ ادوار کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ اس زمانے میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کے مذہبی تہواروں میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ یہاں تک کہ مغلیہ خاندان کے بادشاہ دسہرہ اور ہولی کے تہواروں میں شریک ہوتے تھے۔

ان حالات میں ایک دوسرے کے عقائد میں تبدیلی کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ تبدیلیاں کم اور بعض اوقات بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ جیسے خلیق نظامی نے مغلیہ عہد کی طرف اشارہ کیا ہے:

''صوفیائے خام کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ انہوں نے نہ صرف مشائخ متقدمین کی روایت کو فراموش کر دیا بلکہ غیر اسلامی فکر و کردار ان کا سرمایہ زندگی بن گیا تھا۔ تصوف کے سرچشمے قرآن و سنت سے ہٹ کر ویدانت اور اپنشد کی طرف منتقل ہوگئے تھے۔ عملیات، تعویذ اور گنڈوں میں حد سے زیادہ اعتقاد بڑھ گیا تھا۔ پیر کی غیر شرعی حرکات جحت سمجھی جاتی تھیں۔''(1)

خلیق نظامی نے مغلوں کے اس دور کی صحیح تصویر کشی کی ہے جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہوئے تو یہاں کی ثقافت سے متاثر ہوئے۔ ان کے افکار و نظریات

1- تاریخ مشائخ چشت ص 360

یہاں تک کہ بود باش میں خاصی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ تصوف میں انہوں نے بھگتی لہر، ویدانت وغیرہ سے اثر قبول کیا۔ لیکن ان اثرات کے باوجود مسلمان صوفیائے کرام مثلاً حضرت داتا گنج بخشؒ (465ھ) حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری (633ھ)، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ (633ھ)، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (661ھ)، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (1265ء)، حضرت خواجہ حمید الدینؒ ناگوری (672ھ)، حضرت مجدد الف ثانیؒ (1043ھ) اور حضرت نوشہ گنج بخشؒ (1014-1103ھ) کی کوششوں سے تصوف کا اصل ڈھانچہ اسلامی ہی رہا۔ اس کا واضح ثبوت پنجابی زبان کے پہلے شاعر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے کلام سے ملتا ہے۔ ان کے کلام میں خالص اسلامی رنگ موجود ہے۔ ان کے تصوف میں خشیت الٰہی، محبت الٰہی اور ایثار جیسے مضمون واضح رنگ میں موجود ہیں۔ اگر ایک جگہ فرماتے ہیں:

اٹھ فریدا وضو ساز صبح نماز گزار
جو سر سائیں نہ نیویں سو سر کپ اتار (1)

تو دوسری جگہ یہ بھی ارشاد کرتے ہیں:

جو بن جاندے نہ ڈراں جے شوہ پریت نہ جائے
فریدا کِتی جوبن پریت بن سُک گئے کملائے (2)

بابا فرید کا تصوف خالصتاً اسلامی ہے جس میں عشق حقیقی کی اہمیت، محبوب ازلی کی محبت، اس کے دیدار کی طلب نمایاں طور پر موجود ہے۔ مثلاً یہ شلوک دیکھئے:

کاگا کرنگ ڈھنڈھولیا سگلا کھایا ماس
ایہہ دوئے نیناں مت چھوہیو پر دیکھن کی آس (3)

1- آکھیا بابا فرید نے ص 216
2- ایضاً ص 177
3- ایضاً ص 236

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے بعد دیگر صوفیائے کرام نے بھی اسی اسلامی تصوف کو اپنایا۔ شاہ حسینؒ لاہوری کے کلام میں عاجزی، انکساری کے ذریعے محبوب کے دیدار کی چاہت نقطہ عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ ان کی عملی زندگی کے ملامتیہ رنگ سے انکار ممکن نہیں، لیکن ان کی سوچ، فکر یا تخیل پر کہیں بھی ویدانت اور ہندوازم کا اثر ثابت نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کی کافیوں میں قدم قدم پر اسلامی تصوف جھلکتا نظر آتا ہے۔

اڈیا بھور تھیا پردیسی اگے راہ اگم دا
جتھاں میرا شوہ رجھایا تہاں نہیں بھوجم دا
کُوڑی دنیا کُوڑ پیارا جیویں موتی شبنم دا
کہے حسین فقیر سائیں دا چھوڑ سریر بھسم دا (1)

حضرت سلطان باہوؒ کے کلام میں بھی اسی انداز کا تصوف موجود ہے۔ جو خالص اسلامی تصوف ہے۔

ض: ضروری نفس کُتے نوں قیما قیم کچیوے ہُو
نال محبت ذکر اللہ دا دم دم پیا پڑھیوے ہُو
ذکر کنوں رب حاصل تھیندا ذاتوں ذات دسیوے ہُو
دوہیں جہان غلام تنہاں دے باہو جہاں ذات لبھیوے ہُو (2)

ل: اندر وچ نماز اساڈی ہکسے جا نتیوے ہُو
نال قیام رکوع سجودے کر تکرار پڑھیوے ہُو
ایہہ دل ہجر فراقوں سڑیا ایہہ دم مرے نہ جیوے ہُو
سچا راہ محمدؐ والا جس وچ رب لبھیوے ہُو (3)

1- کافیاں شاہ حسین ص 28
2- ابیات باہوؒ: مرتبہ سلطان الطاف علی؛ مجلس سلطان باہو لاہور 1975ء ص 403
3- ایضاً ص 102

ا : اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہوؒ جیں ایہہ بوٹی لائی ہو (1)

ع: عاشقاں ہکو وضو جو کیتا روز قیامت تائیں ہو
وچ نماز رکوع سجودے رہندے سنجھ صباحیں ہو
ایتھے اوتھے دوہیں جہانیں سبھ فقر دیاں جائیں ہو
عرش کولوں سے منزل اگے باہو پیا کم تنہائیں ہو (2)

ک: کلمے لکھ کروڑاں تارے ولی کیتے سے راہیں ہو
کلمے نال بجھائے دوزخ جتھے اگ بلے ازگاہیں ہو
کلمے نال بہشتیں جاناں جتھے نعمت سنجھ صباحیں ہو
کلمے جیہی کوئی نہ نعمت باہو اندر دوہیں سرائیں ہو (3)

ان کے علاوہ صوفیاء نے وحدت الوجود کے تصور کی بھی اپنایا بلکہ تمام پنجابی صوفی شعراء نے اسے اپنی فکر کا حصہ بنایا۔ خصوصاً بلھے شاہ تو اس فلسفے کے بے باک مبلغ ہیں۔ ڈاکٹر لاجونتی نے سید بلھے شاہ کے وحدت الوجود سے متعلق ان اشعار کے پیش نظر یکطرفہ فیصلہ دے دیا کہ مسئلہ آواگون کو مسلمان صوفیاء نے تسلیم کر لیا تھا:

1- ابیات باہوؒ ص 63
2- ابیات باہوؒ، ص 433
3- پنجابی دے صوفی شاعر، ص 37

نہ میں مومن وچ مستیاں
نہ میں وچ کفر دیاں رتیاں
نہ وچ بیٹھن نہ وچ بھون
بلھیا کیہ جاناں میں کون (1)

ڈاکٹر لاجونتی نے تصویر کا ایک ہی رخ دیکھا تھا۔ دوسرے رخ پر دھیان ہی نہیں دیا۔ ورنہ ان کا دعویٰ خود بخود غلط ہو جاتا۔ سید بلھے شاہؒ فرماتے ہیں:

ایتھے آونا دوجی وار ناہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار ناہیں
ایہہ سون تیرے درکار ناہیں (2)

پنجابی صوفیانہ شاعری کے پس منظر حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ کے فکر کی بنیاد بھی وہ خالص اسلامی تصوّف ہے جس کی اساس سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے قائم کی تھی۔ اسی حوالے سے نوشہ صاحبؒ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

منن منن حکم دا نوشہ کرے بیان
رب رسولؐ تس منیا جس منے فرمان (3)
منن دیاں نشانیاں نوشہ دے سنا
صدق صبوری بندگی ، آنن امر بجا
جاں جاں صدق درست ہے تاں تاں درست ایمان
نوشہ کلمہ کفر دا کرے نہ بے ایمان

1- کلام بلھے شاہؒ ص 4
2- ایضاً ص 492
3- گنج شریف ص 249

نوشہ صاحبؒ کے یہ اشعار اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ مسلمان صوفیائے کرام نے مسئلہ تناسخ کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ان کی سوچ کا دھارا مخالف سمت بہتا رہا۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اِتھوں انت اٹھ جاوناں   پھیر نہیں ایتھے آوناں[1]

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام کے ذریعے نہ صرف مسئلہ تناسخ کو رد کیا بلکہ آخرت میں کامیابی کے لیے انسان کو اس دنیا میں نیک اعمال کرنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو سینے میں بسانے کا درس دیا:

کرنا ای سو کر لے   کھیپ وحدت دی بھر لے[2]
ہر وچ ہر دا نور ویکھ   ہکسے دا ظہور ویکھ
ہر وچ ہر نوں ویکھ لے   وحدت وچ رب ویکھ لے
بُرا نہ کسے نوں آکھیے   سبھ وچ صاحب لاکھیے
جو چاہے نت خیر ہو   سو نوشہ نیت نروَیر ہو

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ انسان اس دنیا میں جیسے اعمال کرے گا آخرت میں اسے اسکی جزا یا سزا ضرور ملے گی۔ اس دنیا کی زندگی عارضی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں آخرت کی زندگی دائمی ہے۔

نوشہ روز قیامتی تکڑ آئے کھڑوسن
تلسن عمل جو بندیاں وزن اندازہ ہوسن[3]
ہک ول پاسن نیکیاں ہک ول بدیاں پاوسن
عملاں تولن کارنے ملک تکڑ نوں چاوسن

1- گنج شریف ص 452
2- ایضاً
3- ایضاً ص 250

چنگے عمل نہ ودھسن ودھسن عمل گناہ دے
پھر کلمہ پوسی نیکیاں نال حکم اللہ دے
تاں ودھ ہوسن نیکیاں اوہ چھابا گورا ہووسی
کلمہ مہر دا مہنگلا سب گناہواں نوں دھووسی
ظلم نہ اوتھے بخشیئے ایہہ نہیں رب بھاوندا
مہر محبت بندگی ایہہ خاوند نوں خوش آوندا
کلمہ پڑھیاں رسول دے رب راضی خاوند ہویا
کلمہ پاک پڑھائیکے درگاہِ نوشہ ڈھویا
نوشہ جس دی طلب ہو آوے اوہو یاد
طالب قادر پاک دا یادوں لئے سواد
جے تیں طلب خدائے دی اٹھ پہر کر یاد
یاد بناں جو طلب ہے نوشہ سو برباد
نوشہ طلب خدائے دی دیوے لکھ مراد
دین دنی اوہ پاوندا کرے جو خاوند یاد

بابا فرید الدین گنج شکرؒ، شاہ حسینؒ، نوشہ گنج بخشؒ، سلطان باہوؒ اور ان کے بعد آنے والے تمام صوفی شعراء مثلاً بلھے شاہؒ، علی حیدرؒ، فرد فقیرؒ، اور ہاشم شاہؒ نے مقامی اثرات ضرور قبول کیے مگر یہ اثرات اظہار کے طریقوں تک ہی محدود رہے اور اسلامی تصوف کے محل میں کسی قسم کی کوئی دراڑ نہ پیدا کر سکے۔ اس لیے بے حد وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ پنجابی صوفیانہ شاعری کے ذریعے جو تصوف پیش کیا گیا وہ خالص اسلامی ہے اور اسی اساس پر نوشہ گنج بخشؒ نے شاعری کی۔ ان کے کلام میں اگرچہ بے شمار موضوعات بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً توحید، رسالت، کلمہ طیبہ، دنیا کی بے ثباتی، صبر ورضا، فکر و ذکر، توبہ، فقر فقیری اور درویشی، مسئلہ تناسخ کا رد اور ہندومت پر چوٹ

وغیرہ، لیکن ان کے علاوہ نوشہ صاحبؒ نے جن خاص موضوعات پر کھل کے لکھا ہے ان میں مرشد کا ذکر، کلمے کا ذکر اور مسئلہ وحدت الوجود خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہاں پہلے ان تین موضوعات کا جائزہ پیش کیا جائیگا۔ جن پر نوشہ صاحبؒ نے زیادہ زور دیا ہے۔ اس کے بعد دیگر موضوعات کے متعلق گفتگو ہوگی۔

کلمہ طیبہ (توحید و رسالت) کا ذکر

دین اسلام کی بنیاد کلمہ ہے۔ مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ کلمے کا زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے۔ کلمے کی ابتداء ہی توحید کے درس سے ہوتی ہے۔ بندہ سب سے پہلے لاالٰہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے۔ توحید کے اس زبانی اقرار سے نہ تو توحید کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور نہ ہی بندے کو توحید کا مکمل ادراک ہوتا ہے۔ لہٰذا توحید کا مسئلہ اتنا آسان نہیں جتنا کہ خیال کیا جاتا ہے۔

کلمے کے دو حصے ہیں۔ پہلا توحید اور دوسرا رسالت ۔ نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے کلمہ توحید کی تعلیم فرماتے تھے۔ اگر ہم کائنات کی تخلیق اور لوگوں کی اصلاح اور فلاح کے لیے آنے والے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی آمد پر غور کریں تو نتیجہ کلمہ توحید ہی حاصل ہوتا ہے۔ توحید کی تعلیم کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو وقتاً فوقتاً مبعوث فرماتا رہا۔ انبیاء کرام نے نہ صرف خود توحید کا اقرار کیا بلکہ لوگوں کو بھی اسی کی تعلیم بھی دی اور اس کے لیے کسی قسم کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کا آتش نمرود میں چھلانگ لگانا، حضرت اسماعیلؑ کا اپنے گلے پر چھری رکھوانا، حضرت زکریاؑ کا آرے سے چیرے جانا، حضرت عیسیٰؑ کا مصلوب ہونا، حضور ﷺ کا ہجرت کرنا، غزوہ احد میں دندان مبارک شہید ہونا، یہ سب کلمہ توحید پر یقین کامل کے عملی مظاہروں کی بہترین امثلہ ہیں۔ لہٰذا جب تک انسان خلوص دل سے لاالٰہ الا اللہ کا اقرار نہیں کرتا اس پر کائنات کے اسرار و رموز اور رب کائنات کی دوامیت کے راز کبھی منکشف

نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے کلمہ توحید پر بے حد زور دیا ہے اور اس کے فیوض و برکات کو وضاحت و صراحت سے بیان فرماتے ہوئے اسے اسلام کا پہلا رکن قرار دیا ہے۔ آپ ؐ نے کلمہ توحید کے ذکر کو جملہ اذکار سے افضل فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ:

''میں اس وقت تک لوگوں سے جنگ کروں گا جب تک لاالٰہ الا اللہ کا اقرار نہ کرلیں۔''

حدیث قدسی ہے:

''لَوانِ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعَ وَ عَامِرَ هُنَّ غَيۡرِی وَالۡاَرۡضِيۡنَ السَّبۡعَ وَضِعۡنَ فِی كَفَّةٍ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ فِی كَفَّةٍ لَمالَتۡ بِهِنَّ لَااِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ''

ترجمہ: اگر سات آسمان اور سات زمینیں اور جو کچھ ان کے مابین موجود ہے ان سب کو ترازو کے ایک پلے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلے میں کلمہ رکھ دیا جائے تو کلمے والا پلہ بھاری ہوگا۔

اس حدیث کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کلمے کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ:

''چرا افضل نباشد وراجح نیاید کہ یک کلمۂ آں (لاالہ) نفی جمیع ماسوائی می نماید چہ سمٰوات چہ ارضین وچہ عرش و چہ کرسی و چہ لوح و چہ قلم و چہ عالم و چہ آدم وکلمۂ دیگر آں (الا اللہ) اثبات معبود بحق مے فرماید جل برہانہ کہ خالق السمٰوات و ارضین است و ماسوائے حق جل و اعلیٰ ہر چہ ہست از آفاق و انفس متجلی شود بطریق اولیٰ چندو چوں خواہد بود کہ شایان نفی است۔''[1]

1- مجدد الف ثانی۔ مکتوبات دفتر دوم مکتوب 9

توحید کا مسئلہ جس قدر زیادہ مشکل اور ادق تھا، صوفیاء کرام نے اسی قدر اس پر زیادہ توجہ دی۔ اسے سمجھا اور لوگوں کو سمجھایا۔ حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں:

"حقیقت توحید حکم کردن بر یگانگی چیزے وصحتِ علم بر یگانگی آں چوں خداوند تعالیٰ یکے است، بے قسم اندر ذات وصفات خود و بے بدیل و شریک اندر افعال خود، و موحداں ورا بدیں صفت دانستہ اند، دانش ایشاں را بہ یگانگی توحید خواندہ اند"(1)

حضرت ابوالعباس قاسمؒ بن المہدی الیادی کا قول ہے:

"توحید یہ ہے کہ دل میں کوئی چیز بجز خدا راہ نہ پائے"(2)

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"التَوحِیدِ افرادُ القَدِیمِ عَنَ المُحْدَث" یعنی توحید یہ ہے کہ قدیم (واجب الوجود ہستی) کو (ممکن الوجود ہستی) سے جدا کر دیا جائے۔"(3)

حسین بن مصنور حلاج کا قول ہے:

"جو شخص حقیقت توحید سے آشنا ہو جاتا ہے اس کے دل اور زبان سے کم و کیف چون و چرا ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ نہ احکام الٰہی میں چون و چرا کرتا ہے اور نہ ہی حوادث دہر و مقدرات میں۔ ہر حال میں اللہ سے راضی رہتا ہے اور ہر حکم اور تقدیر کے سامنے گردن تسلیم خم کر دیتا ہے۔(4)

کلمہ توحید اس لیے بھی افضل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شئے کی

1- کشف المحجوب ص 216
2- ایضاً اردو ترجمہ ایف ڈی گوہر ص 147
3- یوسف سلیم چشتی پروفیسر: تاریخ تصوف: علما اکیڈمی محکمہ اوقاف لاہور 1976ء ص 226
4- ظفر احمد عثانی مولانا: سیرت منصور حلاج، کراچی 1397ھ ص 151

نفی کرتا ہے۔ کلمے کا دوسرا حصہ اللہ تعالیٰ کے اثبات کا اقرار ہے جو زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے اور کائنات کی ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے قبل بھی جملہ انبیاء کرام نے لا الہ الا اللہ پر بے حد زور دیا ہے لیکن قرآن پاک نے توحید کے ایجابی پہلو کے ساتھ ساتھ سلبی پہلو کی جو تاکید فرمائی ہے اس کی وجہ سے توحید کی اصل حقیقت واضح ہوتی ہے۔ ایجابی پہلو سے مراد ہے کہ خداوند کریم ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔ سلبی پہلو سے مراد یہ ہے کہ اس کے علاوہ اس جیسا کوئی نہیں۔ جبکہ اس جیسا اور کوئی نہیں ہے تو پھر اسکی صفات میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

ہمارے سامنے جب قرآن پاک لا الہ الا اللہ کا واضح تصور پیش کر رہا ہے تو اس کے ساتھ انسانی ذہن کے پیدا کیے ہوئے غلط اور باطل عقائد کو بھی ہمارے سامنے لے آتا ہے۔ پھر ان باطل عقائد کی تردید بھی دلچسپ انداز میں کرتا ہے۔ ہم نے اسکے لیے ابھی ایجابی اور سلبی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ کلمہ توحید کا سلبی پہلو یہ ہے کہ کلمہ انسان کے ذہن میں موجود غیر فطری تصورات سے مکمل انکار کرواتا ہے۔ جب انسان کے دل سے باطل نقوش محو ہو جاتے ہیں تو پھر ایجابی پہلو کے ذریعے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرواتا ہے۔ جو کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اور وہی عبادت کا لائق ہے۔ وہی حاجت روا ہے۔ جب کسی انسان کے دل میں یہ عقیدہ پختہ ہو جاتا ہے تو وہ مومن بن جاتا ہے۔ لہٰذا سچا مومن وہی ہے جو ارادے کامل کے ساتھ اللہ کو معبود تسلیم کرے اور اپنی تمام خواہشات کو اسکی رضا پر چھوڑ دے اور دل سے اقرار کرے کہ عزت و ذلت، فتح و نصرت، موت و زندگی، رزق و اولاد، تنگی و فراوانی سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ انسان بنیادی طور پر بے حد کمزور اور ناتواں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی شعراء نے اپنے لیے عاجز، فقیر یا درویش جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس لیے لا الہ الا اللہ کی حقیقت کا ادراک ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ زبانی اقرار سے نہ تو کلمہ کے

صحیح تقاضے پورے ہوتے ہیں اور نہ ہی مدعا حاصل ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ایں دو حرف لا الہ گفتار نیست — لا الہ جز تیغ بے زنہار نیست
زیستن با سوز او قہاری است — لا الہ ضرب است وضرب کاری است
در مقام لا نیا ساید حیات — سوئے الّا مے خرامد کائنات
لا و الّا ساز و برگ اُمتاں — نفی بے اثبات مرگِ اُمتاں

کلمہ توحید کی برکات وفضائل

حق تعالیٰ کی پہچان کا سب سے اہم ذریعہ کلمہ توحید ہے۔ اس لیے تمام انبیاء کرام نے لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کی۔ اگرچہ ان کے راستوں میں انسانی ذہن کے تخلیق کیئے ہوئے معبودوں نے رکاوٹیں پیدا کیں۔ لیکن بقول علامہ اقبالؒ:

ہر قبائے کہنہ چاک از دستِ اُو
قیصر و کسریٰ ہلاک از دستِ اُو

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ نفی یعنی لا کا حق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادا کیا، اور انہیں امام الانبیاء کے لقب سے نوازا گیا۔ جبکہ کلمہ طیبہ یا کلمہ توحید کے اثبات (الا اللہ) کا حق سرور کائنات ﷺ نے ادا کیا:

''کلمہ نفی را حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تمام کرد و ہیچ درے از درہائے شرک نگذاشت کہ مسدود نساخت، لہٰذا امام الانبیاء آمد علیہم الصلوٰۃ والتحیات۔ چہ نہایت کمال دریں نشاۃ منوط با تمام ایں نفی است زیرا کہ ظہور کمالاتِ کلمہ طیبہ اثبات موقوف نشاۃ آخرت است۔ غایت مافی الباب چوں خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات دریں نشاۃ بدولت روائت مشرف گشت۔ از کمالات کلمہ طیبہ اثبات دریں نشاۃ نیز نصیب وافر یافت''[1]

1- مکتوبات دفتر دوم مکتوب 9

کلمہ توحید کی فضیلت کے متعلق سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

''من قال لا اله الا الله دخل الجنة'' یعنی جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا وہ جنت میں داخل ہوگیا''

مجدد الف ثانیؒ، حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ بعض تنگ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمہ پڑھنے انسان کیسے جنت میں جا سکتا ہے؟

مجدد الف ثانیؒ اس مشکل سوال کا یوں جواب دیتے ہیں کہ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ کلمہ طیبہ کی حقیقت اور برکت سے آگاہ نہیں ہیں۔ حالانکہ اس کلمے کی شان، برکت اور جلال اس قدر ہے اگر حضور اکرم ﷺ کلمے کے ایک ہی ورد سے پوری کائنات کی بخشش اور جنت کی بشارت دے دیتے تو بھی اس میں گنجائش باقی رہتی۔ اس کلمے کے فیوض و برکات اگر پوری کائنات میں تقسیم کر دیئے جائیں تو قیامت تک کائنات کی ہر شے ان سے مستفید ہوتی رہے گی۔[1] بقول حضرت مجدد الف ثانی اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کلمہ طیبہ سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں:

''ہیچ چیزے در تسکینِ غضب رب جل سلطانہٗ ازیں کلمہ طیبہ نافع تر نیست''[2]

بلکہ کلمہ طیبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے 99 حصوں کی کلید ہے اور کلمہ طیبہ کی بنا پر امت مسلمہ کو قیامت کے روز حضور اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔

''ایں کلمہ طیبہ را کلید خزینہ نود و نو رحمت کہ برائے آخرت ذخیرہ فرمودہ است .... ہلاک مے گشت۔ ایں اُمتِ پُر گناہ اگر مثل کلمہ طیبہ شفیع ایشاں نمے بود و مثل خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات و

1- مکتوبات دفتر دوم مکتوب 37

2- ایضاً

التحیات شفاعت شاں نے بود"۔ (1)

حضرت سلطان باہوؒ اپنی کتاب امیر الکونین میں فرماتے ہیں:

"ہر دو جہاں علم کی قید میں ہیں اور علم کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قید میں ہے۔ اور کلمہ طیب اسم اللہ کی قید میں ہے۔ جو شخص کلمے کو دلی تصدیق سے پڑھتا ہے اور کلمہ طیب کی کُنہ جانتا ہے اس سے کوئی علم بھی مخفی نہیں رہتا۔" (2)

اسی طرح مولانا گل حسن شاہ تذکرہ غوثیہ میں کلمہ طیبہ کو سامنے رکھتے ہوئے توحید کے متعلق فرماتے ہیں کہ توحید چار طرح کی ہے:

"توحید کا اول مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہے مگر دل اس سے غافل ہو یا منکر مثل منافقین کے۔ مرتبہ دوم یہ ہے کہ اس کلمے کے معنی کو دل سے سچ جانتا ہو۔ جیسے عوام مسلمان اسکی تصدیق کرتے ہیں۔ مرتبہ سوم یہ ہے کہ بذریعہ نورِ حق یہ معنی کشف کے طور پر مشاہدہ ہو جائیں۔ یہ مقام مقربین کا ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ اشیاء کو کثیر تو جانتا ہے مگر باوجود کثرت کے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے۔ مرتبہ چہارم یہ ہے کہ جملہ موجودات کے وجود میں بجز ذات واحد یکتا کے اور کسی کو نہ دیکھے۔" (3)

اسی لیے بزرگان دین نے کلمے کی بے حد تلقین فرمائی ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے اپنے کلام میں کلمہ کو صحیح طریقے سے پڑھنے اور اسکی حقیقت کو سمجھنے پر جس قدر زور

1- مکتوبات دفتر دوم مکتوب 37

2- سلطان باہوؒ، امیر الکونین اردو ترجمہ اللہ والے کی قومی دکان لاہور 1332ھ ص 29

3- گل حسن شاہ: تذکرہ غوثیہ: غلام علی اینڈ سنز لاہور 1968ء ص 139

دیا ہے اسکی مثال دیگر صوفی شعراء کے ہاں کم ملتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو نوشہ صاحبؒ کا وہ تبلیغی مقصد تھا جس کے حصول کے لیے انہوں نے پوری زندگی وقف کر دی اور دوسری وجہ اس لادینی طوفان کا سد باب تھا جو بادشاہ اکبر کے عہد سے چلا آ رہا تھا اور جس نے اسلامی تعلیمات کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

تاریخی شواہد سے پتا چلتا ہے کہ شروع شروع میں اکبر اسلامی عبادات کا پابند تھا۔ اس کے دربار میں نماز باجماعت ہوتی تھی۔ وہ علماء کا قدردان اور بزرگان دین سے بے حد عقیدت و ارادت رکھتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ پیدل چل کر حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ کے مزار پر حاضری دی۔ اس کے دربار میں ملا عبداللہ سلطان پوریؒ، مخدوم الملکؒ اور ملا عبدالنبیؒ، "صدر جہان" (1) کے عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن جس وقت مختلف فرقوں کے علماء نے دربار کو مناظروں کا اکھاڑہ بنا لیا تو شہنشاہ اکبر جو علمِ دین سے پوری طرح بہرہ مند نہ تھا، علماء سے بددل اور دین سے غافل ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا۔ ملا مبارک ناگوری اور ان کے دو بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے موقع غنیمت جان کر اکبر کا قرب حاصل کر لیا۔ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے ایک محضر نامے پر تمام علماء کرام کے دستخط حاصل کر لیے اور اسکی رو سے شہنشاہ اکبر کو مجتہد اور امام بنا دیا۔ اکبر نے مجتہد اور امام کا عہدہ سنبھالتے ہی اسلامی عقائد، حشر، معجزات، ثواب عذاب، جنت دوزخ کا نہ صرف خود مذاق اڑانا شروع کر دیا بلکہ بھرے دربار میں ان پر مباحث شروع کرا دیئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بھرے دربار میں آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیاں ہونے لگیں۔ ملا عبدالقادری بدایونیؒ نے لکھا ہے کہ کفار اور خواتین کی خوشی اور خوشنودی کے لیے وہ آنحضرت ﷺ کا نام مبارک بھی زبان پر لانا گوارا نہ کرتا تھا:

"نام احمد و محمد و مصطفیٰ ﷺ و امثال آں بجہت کافراں بیرونی و زنانِ

1- یہ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے تھے۔

اندرونی گراں می آید"(1)

علماء اپنی کتابوں میں خطبہ لکھنے سے ڈرتے تھے۔ صرف توحید اور بادشاہی القاب ہی کافی خیال کئے جاتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کا اسم مبارک زبان پر لانے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ بعض ہندو اور ہندو نواز مسلمان آنحضرت ﷺ کی نبوت پر کھلم کھلا اعتراض کرتے تھے۔ دیوان خانے میں کسی کو نماز ادا کرنے کی جرأت نہ تھی۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"علمائے سوء در تصنیفات از خطبہ تبرا مے آوردند و اکتفا بہ توحید کردند و القاب پادشاہی مے نوشتند۔ و مجال نبود کہ نام آنحضرت صلعم علی الرغم مکذبین بہ برند"(2)

پھر رقمطراز ہیں:

"بدبختے چنداز ہندوواں و مسلمانان ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند۔ در دیوان خانہ ہیچ کس یارائے آں نماشت کہ اعلانیہ ادائے صلوٰۃ کند"(3)

حج نماز روزہ اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے۔

"نماز، روزہ، حج پیش ازاں ساقط شدہ بود"(4)

ابوالفضل اور فیضی نے بادشاہ اکبر کو مجتہد سے بڑھا کر نبوت کے مقام پر فائز کر دیا۔ اور اس نے نبوت سنبھالتے ہی ایک نئے دین کا آغاز کیا۔ جسے تاریخ میں دین الٰہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فیضی کے اس شعر سے واضح ہے کہ اکبر کی نبوت اور

1- عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ جلد دوم نولکشور لکھنو 1284ھ جلد دوم ص 125
2- ایضاً ص 269
3- ایضاً ص 315
4- ایضاً ص 251

دین الٰہی نے کیا رخ اختیار کیا۔

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد
یک نبی رفت پس او دگرے پیدا شد

اکبر نے اپنے عہد سلطنت میں عیسائی مجوسی ہندو اور دیگر مذاہب کے علماء اپنے دربار میں جمع کیے۔ ان کے آپس میں مناظرے کرائے۔ اکبر کے حکم سے ابوالفضل نے انجیل کا ترجمہ کیا اور زرتشت مذہب کے پیروکاروں کی دلجوئی اور خوشنودی کے لیے شاہی محل میں آتش کدہ تعمیر کیا گیا۔ اکبر نے پرتگیزی پادریوں کو تحریر اور تقریر کی اس قدر آزادی دے رکھی تھی کہ وہ بھرے دربار میں تہذیبی اور اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام اور اسلام کے بانی آنحضرت ﷺ کی شان مبارک میں گستاخی کرتے تھے۔ اس قسم کی باتوں سے دربار میں موجود مسلمانوں کے دل کڑھتے تھے لیکن کسی کو ان پادریوں کا منہ بند کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔(1)

یوں اکبر نے مختلف مذاہب میں سے اپنی پسند کے اصول یکجا کیے اور دین اسلام سے بالکل بے توجہی اختیار کر لی اور اسلامی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا۔ مختلف مذاہب کے اصولوں کے تال میل سے ایک نئے دین کی اساس رکھی گئی۔ اکبر اعظم کا یہ فعل بے شک سیاسی تھا اور اسکی حکمت عملی سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تمام مذاہب کا احترام محض اس لیے کرتا کہ رعایا بغاوت نہ کرے اور اس کی مطیع و فرمانبردار رہے۔ اکبر کے اس رویے کو اسلامی مساوات کی تعلیمات کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اکبر تو اسلام سے بہت عرصہ پہلے بے اعتنائی اختیار کر چکا تھا۔ لیکن یوں اسلام سے بے رخی اختیار کرنا شاید اس قدر نقصان دہ نہ تھا جس قدر اسلام کا تمسخر اڑانے اور دین اسلام کے سنہری اصولوں کو گڈمڈ کرنے اور ان کی شکل بگاڑنے سے ہوا۔ اسی لیے اکبر کی ان پالیسیوں کے باعث پانچ چھ سالوں ہی میں اکبری دربار میں اسلام کا نام ونشان باقی نہ

1- تفصیل کے لیے دیکھیے M. Payne کی کتاب Akbar and the Jesuits ص 84

رہا۔ اکبر کے دین الٰہی کا ہر طرف چرچا ہونے لگا۔ اس کے دین کا کلمہ یہ تھا۔
لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ۔ نیز السلام علیکم کی جگہ پیرو کار اللہ اکبر کہتے تھے۔ بادشاہ کو سجدہ کیا جانے لگا۔ فتویٰ سے بچنے کے لیے سجدہ کی جگہ زمین بوسی کی اصطلاح تراشی گئی۔ بادشاہ کی زیارت مرادوں کا قبلہ اور حاجتوں کا کعبہ قرار دی گئی۔ اس ضمن میں بدایونی لکھتے ہیں:

''سجدہ برائے او تجویز کردہ۔ آں را زمیں بوس نام دہند و رعایت ادب بادشاہ را فرض عین شمردہ، روئے او را کعبۂ مرادات و قبلۂ حاجات دانیدند۔ وبعض روایات وعمل مریداں بعض مشائخ ہند را دریں باب بتمسک آوردند۔''(1)

جب بادشاہ اکبر نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں تو وہ ماتھے تلک لگا کر مندر بھی جانے لگا۔ وہ وضع قطع اور بود و باش سے بالکل ہندو نظر آتا تھا۔ اکبر کی اس حکمت عملی اور اسلام کا حلیہ مسخ کرنے سے مسلمان اس سے سخت نالاں تھے۔ لیکن اکبر اس ہیئت کذائی کے باوجود ہندوؤں کو خوش نہ رکھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر کی موت کے فوراً بعد اس کے خود ساختہ اصول اور قوانین اپنی موت آپ مر گئے۔ تاہم ان میں سے بعض مشرکانہ رسومات جہانگیری عہد تک جاری رہیں۔ جن کے بارے میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''یہ امر قابل ذکر ہے کہ مریدان شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا۔''(2)

ان قبیح رسومات میں سے بادشاہ کو سجدہ کرنے والی رسم جہانگیر کے زمانے

1- منتخب التواریخ ص 259
2- شیخ محمد اکرام: رود کوثر، لاہور 1958ء ص 132

میں بھی جاری رہی۔ تزک جہانگیری کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ بادشاہ جہانگیر بھی دیگر مشرکانہ رسومات کے ساتھ ساتھ عوام کے سجدے کو جائز اور سعادت سمجھتا تھا۔ جس کے خلاف مجدد الف ثانیؒ نے آواز اُٹھائی جس کی پاداش میں انھیں قید و بند کی صعوبتیں اُٹھانا پڑیں۔ بالآخر اسے مجدد صاحبؒ کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑے اور اس نے اسلام کے خلاف امور پر پابندی لگانے کی سعی کی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس کارنامے نے بلاشبہ حالات کا دھارا بدلنے کی کوشش کی۔ لیکن دربار میں ہندوؤں کا غلبہ، ابوالفضل اور فیضی کی پھیلائی ہوئی فسلفیانہ علمی موشگافیوں کے جادو سے بچ نکلنا آسان کام نہ تھا۔ مجدد صاحبؒ نے لوگوں کو صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کا درس دیا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ خطرہ بھی منڈلاتا تھا کہ جہانگیر کی موت کے بعد دربار پر بے دین لوگوں کا قبضہ نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بادشاہی رعب و جلال کے باعث درباریوں کو راہ راست پر تو لایا جا سکتا ہے لیکن عوام میں سرایت کیے ہوئے غلط عقائد اور نظریات کو تبدیل کرنا بے حد دشوار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ دشوار کام جہانگیری عہد کے بعد شاہ جہان کے زمانے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے انجام دیا۔ انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے دلوں میں کلمہ طیبہ کو راسخ کیا بلکہ بقول گارساں دتاسی انہوں نے تقریباً دو لاکھ لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ اگر اس سارے پس منظر کی روشنی میں حضرت نوشہ صاحبؒ کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں جگہ جگہ کلمے پر اس قدر زور کیوں دیا۔

کلمہ دین کی بنیاد اور جڑ ہے۔ اس کے بغیر کسی شخص کے مسلمان ہونے یا ایماندار ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ نوشہ صاحبؒ نے کلمے کی تصدیق کیساتھ ساتھ اسکی مختلف جہتیں بھی بیان کی ہیں۔ اسکی برکات و فیوض کی وضاحت کی ہے۔ بار بار کلمے پر زور دینے کا مقصود و مطلوب یہی تھا کہ لوگوں پر توحید باری تعالیٰ اور رسالت ﷺ کے مرتبے کو واضح کیا جائے اور ان کے ایمان میں ایقان و پختگی پیدا کی جائے۔ جیسا

که پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اکبری عہد میں دینِ اسلام اور کلمے کا جس طرح تمسخر اڑایا گیا اس نے معاشرے پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ بعض اہل قلم کی رائے میں اکبر کے اس رویے کے خلاف شاہ حسین لاہوریؒ نے احتجاجاً ملامتیہ رنگ اختیار کیا جبکہ جہانگیر سے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے بعد اس امر کا خدشہ ضرور موجود تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے گہرے رابطہ کے باعث یہ فتنہ پھر سر نہ اٹھا لے۔ اس فتنہ کو روکنے کے لیے لوگوں کو دین اسلام کے بنیادی عقائد سے روشناس کرانا ناگزیر تھا۔ چنانچہ حضرت نوشہ صاحبؒ نے یہ ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائی۔ انہوں نے کلمے کے حوالے سے لوگوں کو جو درس دیا اس کا سب سے پہلا اور اہم نکتہ یہ ہے کہ کلمہ حقیقت میں وہی ہے جو عہد رسالتؐ سے چلا آ رہا ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کسی شخص کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر کوئی حاکم کلمے کو مسخ کرنے یا تبدیل کرنے کی کوشش کرے تو اسکے خلاف جہاد لازم ہے۔ حاکم اس سلسلے میں خواہ کتنا ہی ظلم و ستم کرے مسلمانوں کو اپنے عقیدے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے اور نہ ہی کسی قسم کے خوف اور لالچ کی وجہ سے استقامت میں لغزش آئے۔

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

نت بولے نال یقین دے ڈولے نہیں نوشاہ[1]

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مرشد سچے آکھیا سچا کلمہ آکھ	سچا کلمہ آکھیاں سچی ہووے ساکھ[2]
مرشد سچے آکھیا سچا کلمہ بھر	سچا کلمہ آکھیاں موتوں ذرا نہ ڈر
مرشد سچے آکھیا سچا کلمہ بول	سچا کلمہ آکھیاں ہک ذرا نہ ڈول

1- گنج شریف ص 252
2- ایضاً ص 498

کلمے اندر آیا رب رسول دا نام
ہور نہ نام رلایئے نوشہ کرے کلام[1]

اصل کلمہ وہی ہے جس کے پہلے حصے میں توحید، یعنی رب کے معبود ہونے کا ذکر ہے دوسرے حصے میں رسالت مآب ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اگر تبدیلی کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہوگی۔

کلمے دے وچ آیا اللہ محمدؐ دا ناؤں	ہور کسے دی ایس وچ نوشہ نائیں تھاؤں[2]
کلمے وچ شریک نہ نوشہ کوئی ہور	اللہ پاک محمدؐ نیں سدا ایہناں نوں سور
کلمہ منّ رب دا تے منّ پاک رسولؐ	نوشہ اوہناں منیاں جو درگہ دے مقبول[3]
سچی صفت رسول دی جیہڑی ضرور ایمان	سچا کلمہ آکھیاں مشکل کل آسان[4]
سچا کلمہ ایہہ ہے کہے فقیر نوشاہ	لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ[5]

نوشہ صاحبؒ کے نزدیک جب انسان کلمے کی اہمیت اور اسکے مخفی حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے تو پھر اس پر کائنات اور خالق کائنات کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور اس حقیقت کو پا لینے کے بعد انسان محض مٹی کا پتلا نہیں رہ جاتا بلکہ قرب الٰہی حاصل کر کے گراں بہا موتی بن جاتا ہے۔ یہاں نوشہ صاحبؒ خوبصورت مثال پیش کرتے ہیں کہ جس طرح لوہا پارس سے چھونے کے بعد کندن بن جاتا ہے اور وہ بیش قیمت ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح جب انسان کلمے کی حقیقت سے آشنا ہو کر اسکی مقتضیات کو پورا کرتا ہے تو وہ اس کائنات میں بیش قیمت بن جاتا ہے۔ دنیا

1- گنج شریف ص 508
2- ایضاً ص 481
3- ایضاً ص 507
4- ایضاً ص 506
5- ایضاً ص 485

کی ہر چیز اسکے سامنے ہیچ ہو جاتی ہے اور اس وقت وہ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق بنتا ہے:

کلمہ پارس کیمیا ایہہ تن لوہا مس
اونیوں اعلیٰ ہویا کلمہ آکھیا جس [1]

کلمہ سے انسان کو نہ صرف اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ تمام دنیاوی سہاروں اور جھوٹے خداؤں سے بے نیاز کرکے سکون کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ نیز آخرت میں کامیابی کا راز بھی کلمہ میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا جو شخص کلمے کو اپنا لیتا ہے اور اس کے ورد کو حرزِ جاں بنا لیتا ہے تو دنیاوی کامیابی کے ساتھ ساتھ آخرت کی کامیابی بھی اس کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔ دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے اور جنت ٹھکانہ بن جاتی ہے۔

کلمہ اگ دوزخ دی ٹھارے   وچ بہشت دے محل اسارے [2]
بہشت اساڈے اندر وسّے   دوزخ لکھ سے کوہیں نسے
بہشتیں ساڈا ہے بسرام   دوزخ ساتے ہویا حرام
نہ کوئی خوف نہ ڈر
نوشہ کلمہ حضرت دا بھر

o

کُل چٹھا معانی والا پاک محمدؐ لیایا
کلمہ پڑھے سو بہشتے داخل آپ رسول فرمایا [3]

o

1- گنج شریف ص 255
2- ایضاً ص 496
3- ایضاً ص 505

کلمہ گو نہ دوزخ پوسی وحی پیغام پہنچایا
نوشہ کہے کلمے دے صدقے اساں چھٹکارا پایا

کلمہ بہشتاں وچ پہنچاوے دوزخ کولوں دیوے امان
کلمہ جیہا منتر نہ کوئی حاجی نوشہ کرے بیان [1]

جب کوئی شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان صمیم قلب کیساتھ کلمے کا ورد کرے تو گناہ اس کے قریب نہیں بھٹکتے۔ جب گناہ انسان سے دور رہیں گے تو وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔ اسی لیے کلمہ پڑھنے والوں کو بہشت کی بشارت دی گئی ہے۔

کلمہ پڑھیاں سن چپارا کوئی گناہ نہ پوہے
وچ سمندر دے مٹھ مٹی دی آمیاں کیا کھوہے [2]
کلمہ دوزخ پون نہ دیندا جیہناں پڑھیا جانن اوہے
نوشہ بہشت کلمے دی کھٹی کلمہ گوواں نوں سوہے

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ہمعصر حضرت سلطان باہوؒ نے بھی اپنے ابیات میں کلمے کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ وہ کلمے کو دوزخ سے محفوظ رہنے اور بہشت میں داخل ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں:

ک: کلمے لکھ کروڑاں تارے ولی کیتے سے راہیں ہُو [3]
کلمے نال بجھائے دوزخ جتھے اگ بلے ازگاہیں ہُو
کلمے نال بہشتیں جانا جتھے نعمت گنج صباحیں ہُو
کلمے جیہی کوئی نہ نعمت باہو اندر دوہیں سرائیں ہُو

1- گنج شریف ص 508
2- ایضاً ص 506
3- ابیات باہو ص 492

نوشہ صاحبؒ نے جس قدر کثرت سے اور اچھوتے انداز میں کلمہ کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی ہے پنجابی شاعری میں اسکی مثال بہت کم ملتی ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے مزید چند مثالیں پیش ہیں:

کلمہ پڑھیا رسولؐ دا دوزخ ہویا حرام [1]
بہشت اسانوں بخشیا نوشہ رب انعام
کلمہ پونجی فقر دی ہور کلمے دی آس
نوشہ کلمہ آکھیاں رہیا نہ خوف ہراس

o

شیخ مشائخ اولیئے عالم فاضل پیر [2]
کلمہ پونجی سب دی نوشہ کہے فقیر
حافظ فاضل متقی پیر فقیر اولیاء
کلمہ پونجی سب دی ہور نہ پونجی کاء

o

کلمہ پونجی اصل ہے نفع فضل خدائے [3]
نوشہ کلمہ آکھیاں مومن بخشیا جائے
مونہوں کلمہ آکھنا نوشہ دلوں یقین
اصل فقیری ایہہ ہے ایہو سچا دین

کلمہ گو کی بخشش اور جنت کے حصول کی دلیل قرآن پاک سے پیش کرتے ہوئے نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

1- گنج شریف ص496
2- ایضاً ص497
3- ابیات باہو ص498

جیں ہک واری کلمہ پڑھیا سچے دلوں زبانوں [1]
تے قائم رہیا کلمہ اتے سنیو مسلمانوں
داخل وچ بہشت دے ہوسی بناں حساب کتابوں
رہسی نت بہشتے اندر چھٹسی سب عذابوں
بھاویں کیتی ہووس چوری یا کیتا ہوس زناہ
برکت کلمے پاک دی رب بخشیسی اسدے گناہ

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ وہ محمدیؐ مہر ہے جسکا ہر مومن کے نامہ اعمال پر لگنا ناگزیر ہے۔ اگر کسی شخص کے نامہ اعمال پر یہ پاک مہر نہ ہوگی تو حشر کے روز وہ شفاعت رسولﷺ سے محروم رہے گا۔ کیونکہ بخشش کے لیے پہلی شرط مسلمان ہونا ہے اور مسلمان ہونے کیلئے کلمہ طیبہ کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق بے حد ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

کلمہ کہو محمد یو دلوں بجانوں من [2]
آکھے نوشہ قادری کلمہ گوواں دھن
نوشہ دوزخ نہ پوے کلمہ گو زبان
جیہناں کلمہ آکھیا بخشیا تہناں رحمان
نوشہ جس کلمہ کہیا کامل ولی بھیا
کلمہ مُہر محمدیؐ ولیاں ایہہ کہیا
کلمہ مہر محمدیؐ صاحب دے دیوان
عمل نامے جس دے لگے نوشہ سو پردان

1- گنج شریف ص500
2- ایضاً ص501

کلمہ مہر محمدیؐ جس لگے سو معاف
نوشہ کلمہ جو پڑھے اوہو مرد اشراف

نوشہ صاحبؒ نے کلمہ طیبہ کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس کے معنوی پہلوؤں کا جس گیرائی اور گہرائی سے ذکر کیا ہے، وہ نوشہ صاحبؒ کا ہی حصہ ہے۔ اس ضمن میں دوسرا کوئی صوفی شاعر ان کے ہم پلہ دکھائی نہیں دیتا۔ علاوہ ازیں ایک اور اہم نکتہ جس سے نوشہ صاحبؒ کا فکری انگ مزید نکھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک کلمہ کی ظاہری اور باطنی خوبیاں کسی سالک پر اس وقت تک منکشف نہیں ہوتیں جب تک وہ کسی کامل مرشد سے کلمہ نہیں سیکھتا۔ ایک کامل مرشد ہی کلمے کے جملہ اسرار و رموز بیان کر سکتا ہے۔ مرشد سب سے پہلے اپنے مرید کو کلمے کے ورد کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر مرشد کی خاص توجہ سے کلمے میں پوشیدہ اسرار و رموز مرید کے قلب پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت سلطان باہوؒ نے اپنے ابیات میں اپنے مرشد کو دعائیں دی ہیں کہ انہوں نے کلمہ کے ذریعہ نفی و اثبات کے تمام رازوں سے شناسا کر دیا ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں:

ا: اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو[1]
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہوؒ جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

جبکہ حضرت نوشہ صاحبؒ تو اپنے مرشد پر اپنی جان قربان کرنے کے طالب نظر آتے ہیں۔ جنہوں نے ان کو کلمے کے تمام اسرار و رموز سے آشنا کیا تھا۔ وہ کلمہ اور کلمہ پڑھانے والے سائیں (مرشد) کی توقیر یوں بیان کرتے ہیں:

1- ابیات باہوؒ ص 63

کلمہ پڑھیاں سے پھل پائیے دُدھ پُت دھن پایا[1]
تخت بخت طالع وڈیائی ایہہ سب کلمیوں پایا
دین ایمان شراب طہورا تے بہشت کلمہ وڈیایا
نوشہ اس سائیں تھوں صدقے جس کلمہ پاک پڑھایا

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں کلمے کا ذکر کرتے ہوئے بعض مقامات پر نہایت ہی دلکش اور جاذب انداز اپنایا ہے کہ پڑھنے والا ان کی فنکارانہ صلاحیت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا:

مومن سونا مکہ سکہ پاک محمدؐ والا[2]
دین اسلام ٹکسال بادشاہی کردا اعلیوں اعلیٰ

نوشہ صاحبؒ اپنے مرید حضرت پیر محمد سچیار کو مخاطب کر کے حاصلِ کلام یوں بیان کرتے ہیں:

اللہ من تے من محمدؐ تے مرشد من سچیارا[3]
دلوں زبانوں کلمہ پڑھ لئے تاں ہووے چھٹکارا
کلمہ دین دنی دا نوشہ اس بن نہیں گزارا
بن کلمہ نہ ہووے نوشہ کسے دا پار اتارا

O

1- گنج شریف ص 506
2- ایضاً ص 503
3- ایضاً ص 505

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں مرشد کا تصور

نوشہ صاحبؒ کی شاعری میں تصوف کے حوالے سے جن مضامین پر زیادہ زور دیا گیا ہے، ان میں مرشد کا تصور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ عام طور پر مرشد سے مراد، راہبر، راہنما، گورو، استاد، معلّم یا وہ ہستی ہے جو ایک سالک کو سلوک کی منزلیں پار کراتی ہے اور حقیقت سے آشنا کرتی ہے۔ اس لیے صوفیائے کرام نے ہر دور میں مرشد کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے اور اس حقیقت کو واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ مرشد کے بغیر دین اور دنیا میں کامیابی کا حصول ناممکن ہے۔ چنانچہ دیگر صوفی شعراء کی طرح حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے بھی اپنی شاعری میں مرشد کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا ہے اور مرشد کی پہچان بتائی ہے۔ نیز مرید کی شناخت اور اس کے فرائض نہایت وضاحت سے بیان کئے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تصوف میں بالعموم اور پنجابی شاعری میں بالخصوص مرشد کا تصور کیسے پیدا ہوا؟ کیونکہ بعض غیر مسلم مفکرین نے اسے ہندومت کا اثر قرار دیا ہے۔ مثلاً پروفیسر موہن سنگھ کہتے ہیں کہ ''صوفیاء میں مرشد یا گورو پر زور دینا ہندو مذہب کے اثر کا نتیجہ ہے۔''(1)

ہمارے نزدیک پروفیسر موہن سنگھ کا یہ بیان صرف تنگ نظری اور مذہبی تعصب پر مبنی ہے کیونکہ ان کے بیان کو تب ہی درست تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ مسلم صوفیاء میں مرشد کا رواج برصغیر پاک وہند میں آمد کے بعد ہوا ہو۔ مسلمانوں میں مرشد کی بیعت کرنے کا رواج اسلام کے ابتدائی دور سے موجود ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک سب سے پہلے مرشد اور راہبر حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی پاک ذات ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا جیسی متعصب ہندو سکالر نے بھی کیا ہے:

1- ماہنامہ پنجابی ادب، شاہ حسین نمبر ص 18

''تصوف بنیادی طور تے اسلام دے بیج توں پھٹیا سی تے سارے صوفی پیغمبر اسلام محمد ﷺ نوں اپنا آئیڈیل من دے سن تے قرآن دیاں تمثیلی آیتاں نوں اپنے فکر دی جڑ دسدے سن۔''(1)

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ مرشد کی بیعت کا حکم قرآن حکیم، حدیث نبویؐ اور بزرگان دین کی تعلیمات کے مطابق ہے یا منافی؟ چنانچہ اس کے لیے ہم سب سے پہلے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ
وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (2)

''یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اسکی راہ میں وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ یہاں وسیلہ سے مراد ایمان نہیں۔ کیونکہ ایمان والو کو تو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ یہاں وسیلہ سے مراد نیک عمل مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج بھی نہیں کیونکہ یہ بدنی عبادات میں شامل ہیں اور تقویٰ کا حصہ ہیں۔ اسی طرح یہاں جہاد سے مراد لڑائی نہیں بلکہ تقویٰ ہے۔ یہاں وسیلہ سے مراد ارادت اور بیعت مرشد ہے۔(3)

شاہ اسماعیل دہلویؒ نے بھی وسیلہ سے مراد مرشد ہی لیا ہے اور فرماتے ہیں کہ وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی بزرگی کے باعث قرب الٰہی رکھتا ہے۔ ''مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللہ باشد''(4)

1- پنجابی دے صوفی شاعر ص 2 , 6
2- القرآن پارہ 6 سورۃ مائدہ آیت 35
3- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: قول الجمیل؛ اقبال اکیڈمی لاہور 1946ء ص 21
4- اسماعیل دہلوی: منصب امامت؛ مخزن ادب لاہور 1966ء ص 75

قرآن پاک کا ارشاد

قرآن پاک سے کئی ایک شہادتیں ملتی ہیں کہ صحابہ اکرام نے حضور اکرم ﷺ کی بیعت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نیک عمل کو بے حد پسند فرمایا اور ارشاد کیا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ہی بیعت کرتے ہیں۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہُ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْراً عَظِیْمًاo" (1)

یعنی اے محبوب! جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں، وہ آپکی نہیں بلکہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں (آپ کا ہاتھ نہیں بلکہ) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ جو شخص اس عہد کو توڑے گا اس کا وبال اسکی جان پر ہوگا۔ جو اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرے گا۔ رب اسے جلد ہی بڑا اجر دے گا۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔

"یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ" (2)

یعنی وہ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں ان میں سے کون اللہ کے نزدیک ہے۔

قرآن پاک کے ان احکامات سے واضح ہو جاتا ہے کہ وسیلہ سے کیا مقصود ہے اور وسیلے کی بیعت کس قدر ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے کس قدر پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ بزرگان دین نے وسیلہ سے مرشد کی ذات مراد لی ہے۔ اسماعیل دہلوی فرماتے ہیں:

"باید فہمید بیانش آنکہ مرشد بلا ریب وسیلہ راہ خدا تعالیٰ است" (3)

1- القرآن پارہ 26 سورۃ فتح آیت 10

2- القرآن پارہ 15 سورۃ بنی اسرائیل آیت 57

3- اسماعیل دہلوی: صراط مستقیم؛ ہدایت اللہ اینڈ سنز کلکتہ۔ 1238ھ ص 50

حدیث شریف میں سے مرشد کا جواز

قرآن پاک کے احکامات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مرشد کا وسیلہ ضروری ہے، جس کی بیعت کر کے سالک قرب الٰہی حاصل کر سکے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ قرآن حکیم کی عملی تفسیر ہے۔ لہٰذا قرآن پاک کے ان احکامات کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ کے عمل کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ احادیث کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں بہت سے مسلمان مرد و خواتین سے بیعت لی اور انہوں نے آپ ﷺ کو اپنا مرشد، ہادی، راہبر اور راہنما تسلیم کر کے آپؐ کے احکامات و نصائح کو اپنی زندگیوں کے لیے مشعل راہ بنایا۔

بخاری شریف میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا:

بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّاتُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئاً وَّلَا تُشْرِکُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ وَلَا تَاتُوْ بُھْتَانٍ تَفْتَرُوْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ وَلَا تَعْصُوْنِیْ مَعْرُوْفٍo

ترجمہ: تم اس بات پر میری بیعت کرو کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرانا۔ چوری، زنا اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کرنا اور نہ ہی کسی پر بہتان تراشی کرنا۔ اچھی بات پر خدا اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کرنا۔

بخاری شریف میں ہی عبادہ بن صامتؓ سے ایک اور روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ اکرامؓ کو بلایا اور ان سے بیعت لی۔ جس کے الفاظ یہ تھے۔

"اَنْ بَایَعْنَا عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِیْ مَکْرِھِنَا وَعُسْرِنَا وَیُسْرِنَا"

ترجمہ: ہم نے سننے اور فرمانبرداری کے لیے بیعت کی ہے اپنی خوشی، رنج، تنگی اور فراخی میں۔

ابن ماجہ سے روایت ہے کہ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضور اکرم ﷺ نے مہاجرین سے بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔

عَلٰی اَنْ لَّا یَسْئَلُوا النَّاسَ شَیْأً فَکَانَ حَالُهُمْ یَسْقُطُ سَوْطُهٗ
یَنْزُلُ عَنْ فَرَسِهٖ فَیَاخُذُهٗ وَلَا یَسْئَلُ اَحَدًا

ترجمہ: وہ لوگوں سے کسی قسم کا سوال نہ کریں۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تھا تو وہ گھوڑے سے اتر کر خود ہی اٹھاتا تھا۔ کسی سے سوال نہ کرتا تھا۔

اسی طرح حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر تقریباً پندرہ سو مسلمانوں نے حضور اکرم ﷺ سے بیعت کی۔

کَانُوْ خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةَ الَّذِیْنَ بَایَعُوا النَّبِیَّ ﷺ یَوْمَ الْحدیبیة
(بخاری شریف)

اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مرتے دم تک بیعت نہیں کی، وہ جہالت کی موت مرا۔

"مَنْ مَّاتَ وَلَیْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَیْعَةٌ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً" (مشکوٰۃ شریف)

صحابہؓ کا دور

خلفائے راشدین کے عہد میں وسیلہ اور وسیلہ کی بیعت کا رواج قرآن وسنت کے مطابق جاری و ساری رہا۔ جب حضرت عثمان غنیؓ خلافت پر متمکن ہوئے تو امام احمد کی روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ان کی بیعت کرتے ہوئے کہا۔

"اُبَایِعُکَ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ وَسِیْرَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ"

یعنی میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور طریقہ ابوبکر وعمر کے مطابق آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ حضرت امام بخاری کے مطابق بیعت کے یہ الفاظ تھے۔

"اُبَایِعُکَ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ وَالْخَلِیْفَیْنِ مِنْ بَعْدِهٖ"

یہاں بیعت سے مراد ہی بیعت تقویٰ ہے۔

بزرگان دین کا بیان

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

فَلَا بُدَّ بِکُلِّ مُرِیْدٍ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ شَیْخٍ عَلٰی مَابَیَّنَّا[1]

مطلب یہ ہے کہ ہر مرید کے لیے پیر کا ہونا لازمی ہے۔ مرید کیلئے اپنے پیر پر اعتقاد ضروری ہے کہ اس کے مرشد سے بڑھ کر اور کوئی بزرگ نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک بیعت کرنا سنت ہے۔ اِنَّ الْبَیْعَةَ سُنَّةٌ.[2] حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف میں حضرت بایزید بسطامی کا قول نقل ہے۔ "عَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ اُسْتَاذٌ فَاِمَامُهُ الشَّیْطَان" مطلب ہے کہ جس کا کوئی استاد نہیں ہوتا اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں، جب کوئی مرید عقیدت سے اپنا ہاتھ مرشد کے ہاتھ میں دیتا ہے تو یہ انقاد مرشد کے واسطے سے اس کے مرشد کیساتھ ہو جاتا ہے۔ علیٰ هذا القیاس یہ انقاد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے ہو جاتا ہے۔ یوں یہ بیعت پیغمبر خدا تک پہنچ جاتی ہے۔[3]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے اس فرمان "کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ، وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ" سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ بیعت کرنا اور مرشد کی صحبت اختیار کرنا طریقہ سنت نبویؐ ہے۔[4] مولانا رومؒ مرشد کی ضرورت اور

1- شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ عبدالعزیز نقشبندی لاہور ص 997

2- شاہ ولی اللہ: قول الجمیل ص 12

3- شاہ عبدالعزیز: فتاویٰ عزیزیہ، جلد اول کتاب خانہ رحیمیہ دیوبند س ن، ص 28

4- حاجی امداد اللہ مہاجر مکی: ضیاء القلوب؛ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند س ن، ص 4

اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

پیر راہگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد

مولانا روم کے مرشد حضرت شمس تبریزیؒ تھے۔ ان کی صحبت سے انہوں نے سلوک کی منزلیں طے کی تھیں اور حقیقت سے آشنا ہوئے تھے۔ شیخ سعدی شیرازیؒ بوستان میں فرماتے ہیں:

توہم طفلِ راہے بسعی اے فقیر
برو دامنِ نیک مرداں بگیر

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ جب لاہور تشریف لائے تو اپنے مرشد کے حکم سے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضری دی، وہاں چلہ کشی کی اور فیوض و برکات حاصل کیں۔ حصول فیض کے اس موقع پر آپ نے حضرت داتا گنج بخشؒ کی شان میں بے ساختہ ایک شعر کہا۔ جس سے نہ صرف داتا صاحبؒ کے روحانی مرتبے کی نشاندہی ہوتی ہے بلکہ یہ شعر ہر آنے والے کو اس ضرورت کا احساس بھی دلاتا ہے کہ منزل پر پہنچنے کے لیے مرشد کا ہونا لازمی ہے:

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

حضرت شاہ ابو المعالی (960ھ - 1024ھ) [1] فارسی میں اپنا تخلص غربتی کرتے تھے۔ ڈاکٹر باقر نے ان کے ملفوظات بہشت محفل کے نام سے مرتب کئے ہیں۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے اپنی کتاب میں ان کے کچھ فارسی اشعار درج کئے ہیں۔

1- عبدالحمید لاہوری نے مقام ولادت بھیرہ لکھا ہے۔ (بحوالہ بادشاہ نامہ مطبوعہ کلکتہ جلد 1 حصہ دوم ص 336) سید محمد لطیف نے بھی تاریخ لاہور میں قصبہ بھیرہ لکھا ہے۔ مگر ڈاکٹر ظہور الدین احمد کی تحقیق کے مطابق ولادت بھیرہ کی بجائے شیر گڑھ ہے۔ (پاکستان میں فارسی ادب جلد 2 لاہور 1974ء ص 25)

جو انہوں نے اپنے مرشد (حضرت داؤدؒ) کی شان میں لکھے ہیں:

اے خدائے من مرا انجام کار
زندہ و مردہ بعشق پیر دار [1]

ہستم از جام محبت ہمہ دم والہ و مست
ایں و آں راچہ شناسم من داؤد پرست

دل افسردہ کی باید بگفتِ ہر کسی گرمی
دلِ داؤدمی باید کہ آہن را دہد نرمی [2]
بتختِ فقر بنشینم چو حاصل گشتہ مقصودم
سلیمانی کنم کز جاں غلامِ شاہِ داؤدم

ان کی ایک اور رباعی دیکھئے:

یا رب نظری زعین مقصودم بخش
آزادگی زبود و نابودم بخش
ہر چند نیم درخور ایں دولتِ خاص
یک ذرّہ زعشقِ شیخ داؤدم بخش

پنجابی شاعری میں مرشد کا تصور

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ پنجابی زبان اس اعتبار سے خوش قسمت ہے کہ اسے آغاز میں ہی پیروں فقیروں اور درویشوں کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ جدید تحقیق کے مطابق پنجابی کے پہلے معلوم شاعر (جن کا صوفیانہ کلام شلوک کی صورت میں موجود ہے) حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہیں، جو چشتیہ سلسلے کے عظیم بزرگ ہیں۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ حضرت بختیار کاکیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے ساری زندگی اپنے مرشد کی بے حد خدمت کی اور مرشد کے تصور کو اہمیت دی۔

ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے خلیفہ حضرت بختیار کاکیؒ کے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے مرید حضرت فرید کو فرمایا کہ یہ تمہارے دادا مرشد ہیں۔ ان کے قدموں میں جھک جاؤ۔ بابا فرید خواجہ معین الدینؒ چشتی کی بجائے حضرت

1- پاکستان میں فارسی ادب، جلد دوم ص 25
2- ایضاً ص 35

بختیار کاکیؒ کے قدموں میں جھک گئے۔ انہوں نے تین مرتبہ حکم دیا۔ بابا فرید تینوں مرتبہ اپنے مرشد کے قدموں میں جھکے۔ چوتھی بار حکم ہوا تو بابا فریدؒ نے عرض کی کہ حضور! مجھے آپ کے قدموں کے علاوہ اور کوئی قدم نظر ہی نہیں آتے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ بہت خوش ہوئے اور بابا فریدؒ کو اپنے سینے سے چمٹا کر روحانی فیض سے مالا مال کر دیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے صوفیاء کرام نے مرشد کی ہستی کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ بابا فریدؒ کی شاعری میں مرشد کا تصور اسی قدر شدت سے موجود ہے جس شدت کیساتھ انہوں نے محسوس کیا تھا۔ ان کا ایک شلوک دیکھیئے جس میں انہوں نے دنیا کے جھمیلوں کو خفیہ آتش قرار دیا ہے اور خدا کا شکر ادا کیا ہے کہ مرشد نے ان کو اس آگ سے بچا لیا ہے:

کجھ نہ بجھے ، کجھ نہ سُجھے دنیا گُجھی بھاءِ
سائیں میرے چنگا کیتا نہیں تے میں بھی دجھاءِ [1]

مرشد اپنی ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے مرید کو دنیاوی لالچ اور فانی لذتوں سے محفوظ رکھتا ہے اور دوزخ کا ایندھن بننے سے بچا لیتا ہے۔ مرشد کی اہمیت کے حوالے سے اس بات کا اظہار بابا فریدؒ نے اپنے کلام میں دلچسپ انداز سے کیا ہے۔ مثلاً:

فریدا بھوم رنگاولی منجھ وسولا باغ
جو جَن پیر نوازے آتنھاں آنچ نہ لاگ [2]
فریدا گر بن وڈیائیاں دھن جوبن اس گاہ
خالی چلے دُنی سئیوں جے جیوں مینہ آہ [3]

1- آکھیا بابا فرید نے ص 220
2- ایضاً ص 227
3- ایضاً ص 316

پنجابی کے دوسرے بڑے صوفی شاعر شاہ حسینؒ، حضرت بہلولؒ دریائی کے مرید تھے اور انکی خاص توجہ سے انہوں نے سلوک کی منزلیں طے کیں تھیں۔ ان کی کافیوں میں جہاں تصوف کے دیگر مسائل کا ذکر ہے وہاں مرشد کا تصور بھی موجود ہے:

مائے نی میں کیہنوں آکھاں درد وچھوڑے دا حال [1]
دھوآں دُھکھے میرے مرشد والا جاں پھولاں تاں لال
سولاں مار دوانی کیتی برہوں پیا ساڈے خیال
مائے نی میں کیہنوں آکھاں

شاہ حسینؒ کے مرشد کے تصور کے متعلق ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی لکھتے ہیں:

"حضرت بابا فرید توں بعد پہلے وڈے شاعر آپ سن۔ آپ نے سبھ توں پہلے تبدیلی عشق دے تصور وچ ایہہ کیتی کہ مرشد دی اہمیت نوں گھٹ محسوس کیتا تے گھٹ ای محسوس کروایا۔ بابا فرید نے باہرلے تے اندرلے دوہاں علماں وچ پیراں دی پیروی کیتی اے تے اوسے نوں اپنی شاعری دا موضوع بنایا اے تے اپنے آپ نوں مخاطب کر کے تبلیغی انداز وچ شلوک یا شعر لکھے۔ حضرت شاہ حسینؒ نے ایس نظریے وچ بنیادی تبدیلی عشق دی کیتی تے عشق دا اظہار ہندی شاعری دیاں روایتاں کولوں متاثر ہو کے زنانی دے مونہوں کیتا۔ [2]

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ شاہ حسینؒ نے اپنی شاعری میں لفظ مرشد بہت کم استعمال کیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے مرشد کی اہمیت کو کم محسوس کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد کی اہمیت کو دیگر صوفی شعراء کی طرح ہی

1- کافیاں شاہ حسین ص 63
2- سرفراز حسین قاضی: تصوف تے پنجابی دے صوفی شاعر؛ عزیز بکڈپو لاہور 1973ء ص 206

محسوس کیا ہے، لیکن اس کا اظہار لفظ مرشد کے ذریعہ نہیں کیا۔ ان کا کلام علامتوں سے مزین ہے۔ اس لیے انہوں نے لفظ مرشد کی جگہ رانجھا، دوست ، ماہی، شوہ ، جوگی، سجن، میرے صاحبا جیسی علامات استعمال کی ہیں۔ یوں ان کا اسلوب دیگر صوفی شعراء سے مختلف ہے، مگر مرشد کی ضرورت اور اہمیت کی اسی طرح محسوس کیا ہے جس طرح اکثر صوفیاء کرام نے کیا ہے۔[1] مثلاً:

صدقے میں ونجاں اوہناں راہواں توں جن راہاں شوہ آیا ای[2]
پچھی سٹ گھتاں بھرڑاندی ، کتن توں چت چایا ای
دل وچ چنگ اٹھی ہیرے دے رانجھن تخت ہزاریوں دھایا ای
کہے حسین فقیر نمانا مولا نے دوست ملایا ای

اس کافی میں شوہ ، رانجھن اور دوست کے الفاظ خاص طور پر مرشد کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

کلام نوشہ گنج بخشؒ میں مرشد کا تصور:

شاہ حسین کے بعد تیسرے عظیم صوفی شاعر حضرت نوشہ گنج بخش ہیں انہوں نے نہ صرف اس صوفیانہ روایت کو نبھایا ہے بلکہ اس میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے بعد آنے والے شعراء نے ان کی تقلید کو قابل فخر جانا۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے لفظ مرشد کا کینوس اس قدر وسیع کر دیا کہ ان کے سارے کلام پر اسکی چھاپ گیری نظر آتی ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے نزدیک مرشد اور مرشد کی ضرورت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کسی طور بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس سے اغماز برتا جا سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اس صداقت

1- اختر جعفری، سید، ڈاکٹر: ویروے؛ عزیز بکڈ پو لاہور 1987ء ص 32
2- کافیاں شاہ حسین ص 68

کے بیان کے لیے شاہ حسینؒ کی طرح رمز اور علامت کا سہارا نہیں لیا۔ ان کے خیال میں کوئی رمز، کنایہ یا علامت ایسی نہیں ہے جو مرشد کے عظیم تصور کو مکمل طور پر پیش کر سکے۔ ان کے خیال میں مرشد کا لفظ بذات خود اس قدر جامع وسیع اور پاکیزہ مفہوم ادا کرتا ہے۔ کہ پڑھنے اور سننے والے کو مرشد کے بارے میں مزید استفسار کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

مرشد ملے ملے خدا — لوڑ تھوڑ نہ رہندی کا[1]
جو مرشد دے پیریں پیا — تس دا دکھ دِلدر گیا
جو مرشد توں تن من وارے — تس دے نت بھرے بھنڈارے
جس نوں مرشد تے بھرواسا — کدی نہ ہووے اوہ نر واسا

حضرت سلطان باہوؒ (1039ھ - 1102ھ) حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ہم عصر شاعر تھے۔ ان کی فارسی کتب اور پنجابی کلام میں مرشد کا ذکر نہایت شدّ و مد سے موجود ہے۔ ڈاکٹر ظہور الدین احمد نے ان کی فارسی تحریروں کے فکری پہلو کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

"حضرت سلطان باہوؒ کی تمام تصانیف میں فقر سلوک اور تصوف کی تمام بنیادی باتوں کا ذکر موجود ہے مگر مسلسل نہیں اور نہ ہی ان میں ابواب وفصول کا خیال رکھا گیا ہے۔ عقائد وافکار کی ہر جگہ تکرار ہے۔ اور ہر کتاب میں تقریباً ایک جیسی آیات و احادیث مذکور ہیں۔ لیکن ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ذکر فکر، مراقبہ، مکاشفہ اور اوراد و وظائف سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بس ایک مرشدِ کامل ایک ہی نظرِ التفات سے طالب مرید کو مجلس مصطفویؐ میں حضوری دے کر اس کے دل کو نور تجلی سے روشن کرتا ہے۔ جو مرشد ایسا نہیں کر سکتا وہ مرشدی کے لائق

1- گنج شریف ص 236

نہیں۔"(1)

ان کے نزدیک مرشد کامل کی تعریف یہ ہے کہ:

"وہ مقام شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، مقام نور الہدیٰ، مقام فناہ و بقا، تصور حضور اور تصرفِ قبور کو اس طرح واضح کر دیتا ہے کہ طالب کو حیات و ممات، خوف ورجا اور دوزخ وبہشت بھی یاد نہیں رہتے۔"(2)

حضرت سلطان باہوؒ کی پنجابی شاعری میں مرشد کا ذکر نہایت موثر انداز میں موجود ہے جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ نوشہ گنج بخشؒ کے دور تک ہر صوفی نے مرشد کی اہمیت وضرورت کو محسوس کیا تھا۔ لیکن حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے مرشد کی اہمیت، ضرورت، مرشد کی پہچان، مرشد کے فرائض طالب یعنی مرید کی پہچان اور اسکے فرائض کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ جس کی مثال کسی اور شاعر کے کلام میں نہیں ملتی۔

مرشد کی پہچان

نوشہ صاحبؒ نے اپنی شاعری میں مرشد کی ضرورت پر ہی زور نہیں دیا بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مرشد کی پہچان بھی بتائی ہے۔ تا کہ ایک سالک کو مرشد کی تلاش میں سرگرداں نہ ہونا پڑے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں مرشد کی تلاش آسان ہو جائے۔ نوشہ صاحبؒ کے خیال میں سچا اور کامل مرشد وہ ہے جو عالم ہو اور علم کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتا ہو۔ یعنی عالم باعمل ہو۔ خدا اور رسول ﷺ کے احکامات کی تبلیغ اور لوگوں کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتا ہو۔ من گھڑت باتیں دین سے منسوب نہ کرتا

1- پاکستان میں فارسی ادب جلد 2 ص 167

2- ایضاً ص 272

ہو بلکہ شرع محمدیؐ کے مطابق عمل پیرا ہو اور دوسروں کو اسکی تلقین ونصیحت کرتا ہو:

مرشد اوہ جو عالم ہووے نالے ہووے عامل
ایسے مرشد دا جو طالب کیوں نہ ہووے کامل (1)
لِیُبَلِّغُ الشَاهد منکم والغائب پاک رسولؐ فرمایا
ابلاغ کرے جو برا خدائی تس مرشد کہنا آیا

مرشد اور شریعت کی پابندی:

سو مرشد جو شرع تے چلے شرع دے راہ چلاوے (2)
بے دیناں دے سنگ نہ رلے اتے ہوراں نہ رلاوے
دسے جو حضرتؐ فرمایا آپ نہ کجھ فرماوے
نوشہ سچا مرشد ملے تے مرشد سچا بناوے

نوشہ صاحبؒ کے خیال میں مرشد کو شریعت، طریقت، حقیقت کا علم ہونا چاہیئے اور یہ علم شرع کی پابندی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ ان کے نزدیک وہ پیر، فقیر یا درویش تقلید کے قابل نہیں جو شریعت کا پابند نہ ہو۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شریعت اور طریقت دو مختلف راستے ہیں اور حقیقت میں ان کا کوئی جوڑ میل نہیں۔ نوشہ صاحبؒ خود باعمل عالم تھے۔ اس لیے وہ ایسے تصوف کو نہیں مانتے جو شریعت کے خلاف ہو۔ ان کے نزدیک شریعت کے بغیر حقیقت کی راہ تلاش کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ تصوف کی منازل صرف وہی سالک طے کر سکتا ہے جو شریعت کے احکامات پر پوری طرح کاربند ہو۔ اس لیے وہ اپنے خلیفہ پیر محمد سچیارؒ نوشہروی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

1- گنج شریف ص 219

2- ایضاً ص 208

آکھے نوشہ قادری توں سُن سچیارا
کیہا منے پیو دا سو پُتر پیارا[1]
حکم شرع دا من لے مرشد فرمایا
سدھے راہے چلیا کیں راہ بھلایا
کم نہ ہووے شرع بن دینی دنیائی
باجھ شریعت منیاں کیہی فقرائی
غیر شرع جو پیر ہے سو پیر نہ کہیے
غیر شرع فقیر تھیں ہک پل نہ بہیئے
ملاں ہووے فقر نہ منے شرع فقیر نہ منّے
نوشہ کہے فقیر قادر دا دونویں حق تھوں بھنّے

حضرت نوشہ گنج بخشؒ فقیری اور فقر کو دو مختلف شعبے تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ فقیر کے پابندِ شرع ہونے پر زور دیتے ہیں۔ ساتھ ہی فقر کے نفاذ کے لیے فقیری کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تجویز دیتے ہیں۔ یوں ان کے فکر کی روشنی میں ہمیں فقہ اور فقیری کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ دکھائی دیتا ہے:

فقہ باجھ فقیری ناقص سن پیارے سچیار
باجھ فقیری فقہ معطل نوشہ کہے پکار[2]

جیہڑا قائم شرع تے سوئی مرد فقیر
آکھے نوشہ قادری غیر شرع بے پیر[3]

1- گنج شریف ص 265
2- ایضاً ص 371
3- ایضاً ص 267

مرشد کو شناخت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اسلیے خاص بندے ہی مرشد کو پہچان پاتے ہیں اوار اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ اکثر صرف تقلیدی مرید بنے رہتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں مرد درویش یعنی پیر وہ ہے جو توحید کو اپنا مذہب بنالیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور نہ ہی کوئی شرک کا کام کرے:

خالص کریں تحقیق سوں عام کریں تقلید
نوشہ خاص درویش ہے مذہب جس توحید[1]

وہی گوروا راؤ ہے جاسوں اُپجے گیان
اگیانی جو گور ملے تاکوں گورو نہ جان[2]

نوشہ صاحبؒ کے خیال میں پیر یا مرشد وہ ہے جس میں اولیانہ اور پیغمبرانہ صفات مجتمع ہوگئی ہوں۔ جن کی وجہ سے اس کا باطن روشن ہو اور اپنے سالکین میں باطن کی روشنی تقسیم کرتا ہو۔ اس لیے فرماتے ہیں۔

جے تدھ قدرت ویکھنی کر مرشد دا بھیکھ
پیر پیغمبر اولیئے سب مرشد اندر ویکھ[3]

مرشد کا فرض

صوفیائے کرام نے مرشد کی اہمیت اور ضرورت پر زور کسی خاص مقصد کے لیے دیا ہے۔ مرشد اپنے مرید کو صراط مستقیم دکھاتا ہے۔ اسے توبہ کا ایسا طریقہ

1- انتخاب گنج شریف ص 142
2- ایضاً ص 141
3- گنج شریف ص 225

بتاتا ہے جس پر عمل کر کے ایک سالک اپنے کیے ہوئے گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے شکم سے جنم لینے کے بعد معصوم اور پاک ہوتا ہے۔ باالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرشد اصل میں اپنے مرید کو نیا جنم دیتا ہے۔ اس نئے جنم کے شروع شروع میں ہی وہ اپنے مرید کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد کا ایسا چراغ روشن کر دیتا ہے کہ اس کے بعد کوئی گناہ یا برائی اس کے قریب نہیں پھٹکتی۔ نوشہ صاحبؒ اس سارے عمل کو درخت کے سوکھے پتوں اور تیز ہوا کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

پتر جویں درخت دے ڈھٹھے ہون اک تھاں
وا چلے اڈ جان سب رہے نہ ککھ دا ناں[1]
تویں مرشد دے ڈھٹھیاں رہے نہ ہِک گناہ
میں مرشد دے واریا کہے فقیر نوشاہ

O

صحبت مرشد پاک دی کرے گناہ تھیں پاک
آکھے نوشہ قادری میں مرشد دی خاک
مرشد نور خدائے دا کہے فقیر نوشاہ
اندر ہووے چاننا جے مرشد کرے نگاہ[2]

حضرت سلطان باہوؒ حضرت نوشہ صاحبؒ کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے بھی اپنے کلام میں مرشد کا ذکر نہایت خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ وہ مرشد کے دیدار کی خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

1- گنج شریف ص212
2- ایضاً

ایہہ تن میرا چشماں ہووے میں مرشد ویکھ نہ رجھاں ہُو[1]
لوں لوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں اک کھولاں اک کجّاں ہُو
اتناں ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کیہدے ول بھجّاں ہُو
مرشد دا دیدار اے باہُوؒ مینوں لکھ کروڑاں حجّاں ہُو

اس کے مقابلے میں نوشہ گنج بخشؒ مرشد کے دیدار کے بارے میں زیادہ جذباتی نظر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرشد کا دیدار ہی مرید کی زندگی ہے اگر اُسے مُرشد کا دیدار حاصل ہوتا رہے تو زندگی ہے ورنہ موت ہے۔

عشق محبت لائیے سچے مرشد نال[2]
نوشہ عشقوں پائیے دنیا دین کمال
مرشد ڈِٹھے جیویے مریے ان ڈٹھیاں
نوشہ جیون جھوٹھ ہے مرشد وچھڑیاں

O

نت نت ویکھن اکھیاں مرشد در ہر جا[3]
نوشہ مرشد پاک وچ وسے آپ خدا

O

بابا مرشد نال پیار کرچی حُب کر من[4]
صدق یقین کر ہک تے دُبھتا جیودی بھن

O

1- ابیات سلطان باہو ص99
2- گنج شریف ص211
3- ایضاً ص213
4- ایضاً ص214

جو آکھے سو من لئے حق دا نائب جان
لائی ہور نہ لائیو مرشد پاک دے ہان
مرشد مرشد آکھدے ساہ گراں سنبھال
آس آسرا ہک رکھ تاہنگ ہور دی ٹال
مرشد دے آستان آ دھوڑ چم متھے لائے
آکھے نوشہ قادری سچا طالب خادم کہلائے

تصوف کی دنیا میں مرکزی نقطہ مرشد کی ذات ہی ہوتی ہے۔ ایک سالک کو شروع سے لے کر آخر تک قدم قدم پر مرشد کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے صوفیائے کرام نے سب سے زیادہ زور مرشد کے احترام پر دیا ہے۔ چنانچہ ایک سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا سب کچھ مرشد کو ہی سمجھے۔ ہر وقت اسی کے خیال میں مگن رہے اور مرشد کے ادنیٰ اشارے پر اپنا تن من اور دھن قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ یہی اس کا پہلا اور آخری فرض ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ مرشد کے احترام کے متعلق لکھتے ہیں:

منوں مرشد منیئے مکھوں لیے ناؤں
جے منکر منے ناہیں لاہے ناہیں ہاؤں [1]
سرتس تھاؤں واریئے جتھے مرشد رکھے پاؤں
مرشد رستے رتیاں درگہ پائی تھاؤں
نوشہ مرشد منیاں منیئے شہر گراؤں

بن مرشد آن نہ منیئے   مرشد دا حکم نہ بھنیئے [2]

1- گنج شریف ص213
2- ایضاً ص216

مرشد کھٹے طالب کھاوے طلب وڈی وڈیائی [1]
اوکھی ویلے کار چلاوے جو مرشد کرے کمائی
جو مرشد دے آکھے لگے سو مرشد دا بھائی
نوشہ مرشد سچ فرماوے جس سچی گل سنائی

نوشہ صاحبؒ کے کلام پر جگہ جگہ مرشد کا تصور چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

اَطِیْعُو اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُم۔

نوشہ صاحبؒ کے خیال میں ''اولی الامر'' سے مراد مرشد کی ذات ہے۔ لہٰذا مرشد کی اطاعت قرآن کے احکامات کے عین مطابق ہے۔ نوشہ صاحب فرماتے ہیں:

من فقیرا حکم خدا رسولؐ دا
حکم مرشد دا من ایہہ مُدا مُول دا [2]
اللہ ایہہ فرمایا وچ قرآن دے
نوشہ منّن سے جو اہل ایمان دے
مرشد صاحب امر ہے امر مرشد دا من
آکھے نوشہ قادری دھن مرشد جی دھن
مرشد سچا بادشاہ طالب رعیت خاص
نوشہ مرشد منیاں رہیا نہ خوف ہراس
حاکم مرشد پاک ہے حکم ہوراں دا بھن
آکھے نوشہ قادری جو مرشد کہے سو من

1- گنج شریف ص229
2- ایضاً ص242

سچا نائب رب دا نوشہ مرشد جان
نائب پاک رسولؐ دا مرشد صحیح سنجھان
مرشد سچا پادشاہ طالب رعیت ہوئے
نوشہ مرشد پاک بن ہور نہ جاتا کوئے
مرشد من پیاریا امر مرشد دا من
جے تیں مرشد منیاں تاں نوشہ آکھے دھن
مرشد منے منییں نوشہ جمل جہان
جیں مرشد نوں منیاں پایا تیں ایمان
مہر مرشد دی کیمیا پربت کرے رواں
برکت شاہ سلیمانؒ [1] دی نوشہ بھیا نہال

جب سالک اپنے دل و دماغ پر مرشد کا تصور طاری کر لیتا ہے تو پھر اسکی اپنی ذات اور مرشد کے مابین اس قدر گہرا ربط قائم ہو جاتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ بلکہ یوں ہو جاتے ہیں:

صدق کرے سو طالب سچا مہر کرے سو پیر
صدقوں مہروں رب نہ پاویں تاں نوشہ نہیں فقیر [2]

تصوف کے اس درجے پر مرید اگر جسم ہوتا ہے مرشد اسکی روح بن جاتا ہے ظاہر ہے کہ روح کے بغیر جسم بیکار ہوتا ہے۔ جسم کی قدر و قیمت محض روح کے باعث ہے۔ اسی طرح جب مرید اور مرشد ملتے ہیں اور مرید کو جو کچھ نصیب ہوتا ہے وہ مرشد کی محبت اور برکت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اسی لیے نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

1- نوشہ گنج بخشؒ کے مرشد، جن کا مزار بھلوال میں ہے۔

2- گنج شریف ص 348

نوشہ مرشد جان ہے طالب دیہہ پران [1]
دیہہ رہے نہیں جان بن دیہہ بناں رہے جان
طالب دیہہ پران ہے نوشہ مرشد جان
جان بناں کس کام ہے ایہہ دیہی بے جان

نوشہ صاحبؒ کی شاعری میں مرشد کا تصور اس قدر پُرزور اور بھرپور ہے کہ ان کے بعد آنے والے شاعروں نے ان سے اثر قبول کیا اور اپنے کلام میں کسی نہ کسی حوالے سے مرشد کے تصور کو بیان کیا۔ ثبوت کے طور پر نوشہ صاحبؒ کے بعد میں آنے والے چند شعراء کے کلام سے چند اشعار دیکھئے:

سید بلھے شاہؒ

بُلھے شاہ دی سنو حکایت — ہادی پکڑیا ہوئی ہدایت
میرا مرشد شاہ عنایت — اوہ لنگھاوے پار

ماپے چھوڑ لگی لڑ تیرے — شاہ عنایت سائیں میرے
لکیاں دی لج پال وے — ویہڑے آوڑ میرے [2]

وارث شاہؒ

بادشاہ سچا رب عالماں دا فقر اوس دے ہیں وزیر میاں
بناں مرشداں راہ نہ ہتھ آوے ددھاں باجھ نہ ہوندی ہے کھیر میاں [3]

1- گنج شریف ص 243

2- کلام بلھے شاہ ص 77

3- وارث شاہ: ہیر وارث شاہ مرتبہ عبدالعزیز بار ایٹ لا۔ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور ص 139

میاں محمد بخشؒ

صفت مبارک پیر میرے دی باہر حد بیانوں [1]
پرتوں وی کجھ چکھ شیرینی جاوے پھِک زبانوں
مرد بھلیرا مرشد میرا شاہ غلام محمد
اہل شریعت اہل طریقت وانگ امام محمد
محرم حال حقیقت کولوں واقف ہے عرفانوں
پر تقصیراں نوں تاثیراں ہوون اوس زبانوں
تن من اندر راہ حقانی اندر دین پیغمبر
سالک صوفی نالے زاہد نالے مست قلندر

خواجہ غلام فریدؒ

خواجہ غلام فریدؒ اپنے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدینؒ کے مرید تھے۔ جن کو فخرِ جہان بھی کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مختلف انداز سے اپنے مرشد کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً:

گھول گھتاں میں فخر جہاں توں جنت حور قصور [2]
چشماں فخر الدین مٹھل دیاں تن من کیتا چور

خاص فرید غلام فخر دا باندا بردا اس دے دردا [3]
بھٹھ پیا آسرا علم ہنر دا تکیہ دوست دے دم دا ہے

1- سیف الملوک ؛ محکمہ اوقاف میر پور
2- کلیات خواجہ فرید مرتبہ افضل خان ، مکتبہ پنج دریا ٹمپل روڈ لاہور 1974ء ص 52
3- ایضاً ص 192

فخر الدین مٹھل دے شوقوں دم دم نکلے دود
فخر الدین مٹھل دے عشقوں دم دم پیڑ سوائی [1]

وحدت الوجود

دین اسلام کی اساس وحدت کے تصور پر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں وحدت کے تصور کو راسخ کرنے کے لیے رسالت مآب ﷺ کے عہد کے بعد صوفیائے کرام نے ہر دور میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ زمانی اور مکانی اعتبار سے بلاشبہ ان گنت تبدیلیاں رونما ہوئیں اور نظریات تبدیل ہوئے ، لیکن وحدت کے تصور میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کی وجہ اس نظریے کی صداقت اور سچائی ہے۔ اسی صداقت کی بنا پر ہر دور کے صوفیائے کرام نے اپنی تعلیمات کا آغاز وحدت یا توحید سے کیا۔ آج تک کسی نے بھی اس نظریئے سے اختلاف نہیں کیا۔ حضرت شیخ ابوبکر الکلاباذیؒ فرماتے ہیں: [2]

''صوفیاء کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ اللہ واحد ہے ، احد ہے ، فرد ہے ، صمد ہے ، قدیم ہے ، عالم ہے ، قادر ہے ، حیّ ہے ، سمیع و بصیر ہے ، عزیز و عظیم ہے ، جلیل و کبیر ہے ، جواد و رؤف ہے ، متکبر اور جبار ہے ، باقی اور اول ہے ، الٰہ اور سیّد (آقا) ہے ، مالک اور رب ہے ،

1- کلیات خواجہ فرید مرتبہ افضل خان ص 315
2- شیخ ابو بکر ابن ابی اسحٰق۔ وفات 385ھ بخارا کے محلہ کلاباذ کے رہنے والے تھے۔ تصوف پر ان کی کتاب التعرف مشہور ہے۔ 222 احادیث کی شرح ''بحر الفوائد فی معانی الاخبار'' لکھی۔ جس کے قلمی نسخے لندن ، پیرس اور استنبول میں موجود ہیں۔ بقول شیخ شہاب الدین سہروردی وفات 587ھ اگر التعرف نہ ہوتی تو ہم علم تصوف سے واقف نہ ہوتے۔
(بحوالہ۔ یوسف سلیم چشتی: تاریخ تصوف ؛ علما اکیڈمی لاہور 1976ء ص 377)

رحمٰن اور رحیم ہے، متکلم ہے مرید اور حلیم ہے، خالق اور رازق ہے۔ اُن تمام صفات سے موصوف ہے جن سے اس نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے اور ان تمام اسماء سے مسمّیٰ (موسوم) ہے جن سے اس نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے۔ وہ ازل سے اپنی صفات اور اپنے اسماء کے ساتھ موجود رہا ہے اور کسی اعتبار سے بھی اپنی مخلوقات سے مشابہ یا مماثل نہیں ہے۔ اسکی ذات ذوات مخلوقات سے مشابہ نہیں ہے اور اس کی صفات، صفات مخلوقات سے مشابہ نہیں۔ کوئی ایسی بات جو مخلوق پر منطبق ہوسکتی ہے اور جو ان کے حدوث پر دلالت کرتی ہو اس سے منسوب نہیں ہوسکتی۔ وہ ہمیشہ سے مخلوقات پر سابق اور متقدم رہا ہے۔ ہر شے سے قبل موجود رہا ہے۔ اس کے سوا کوئی شے قدیم نہیں اور اس کے سوا کوئی شے الٰہ نہیں ہے۔ (و لا قدیم غیرہٗ و لا الٰہ سواہ) وہ نہ جسم ہے اور نہ شبح (شکل) ہے نہ صورت نہ شخص ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ اس کے لیے اجتماع ہے نہ افتراق ہے، نہ وہ متحرک ہے نہ وہ ساکن ہے، نہ وہ کم ہوتا ہے نہ زیادہ ہوتا ہے۔ نہ اس کے حصص ہیں نہ اجزاء ہیں نہ جوارح ہیں نہ اعضاء ہیں نہ وہ کسی جہت میں ہے اور نہ وہ کسی مکان میں ہے نہ اس پر آفات جاری ہوسکتی ہیں اور نہ اس پر نیند غالب آسکتی ہے، اوقات اسے متداول (منقلب) نہیں کر سکتے (یعنی ابھی فاعل تھا ابھی معطل ہوگیا) اور اشارات اسے متعین نہیں کر سکتے۔ مکان اس پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ زمان اسے متاثر نہیں کر سکتا۔ نہ اس کے لیے مماسۃ (چھونا) جائز ہوسکتی ہے اور نہ اس پر عزلۃ (علیحدگی) کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ نہ وہ کسی مکان میں حلول کر سکتا ہے اور نہ مکان اس میں حلول کر سکتا ہے۔ افکار اس کا

احاطہ نہیں کر سکتے اور پردے (حجابات) اسے پوشیدہ نہیں کر سکتے اور آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔“(1)

حسین بن منصور حلاج کا ارشاد ہے:

”قبل“ اس (اللہ) سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور ”بعد“ اسے قطع نہیں کر سکتا اور ”من“ تقدیم حاصل کرنے یا آگے بڑھنے کے لیے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ”عن“ اس سے موافقت نہیں کر سکتا۔ ”الی“ اسی سے ملاصق (وابستہ) نہیں ہوسکتا۔ ”فی“ اسے اپنے اندر نہیں لے سکتا۔ ”اذ“ اسے روک نہیں سکتا۔ ”ان“ اس سے مشورہ نہیں کر سکتا۔ ”فوق“ اس پر سایہ انداز نہیں ہوسکتا۔ ”حذا“ (ضد) اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ”عند“ اس سے مزاحم نہیں ہوسکتا۔ ”خلف“ اس کو پکڑ نہیں سکتا۔ ”امام“ اسے محدود نہیں کر سکتا۔ ”قبل“ اسے ظاہر نہیں کر سکتا۔ ”بعد“ اسے فنا نہیں کر سکتا۔ ”کل“ اسے جمع نہیں کر سکتا۔ ”کان“ اسے موجود نہیں کر سکتا۔ ”لیس“ اسے گم نہیں کر سکتا۔ ”خفا“ اسے پوشیدہ نہیں کر سکتا۔ اسکی قدامت زمان (حدوث) پر سابق ہے اور اس کا وجود عدم پر سابق ہے اور اسکی ازلیت غایت (حد) پر سابق ہے۔ اگر تو نے ”متی“ (کب) کہا تو اس کا وجود (کون) وقت پر مقدم ہے اور اگر تو نے قبل کہا تو قبل تو اس کے بعد ہے اور اگر تو نے ھُو کہا تو ’ھا‘ اور ’واؤ‘ دونوں اسکی مخلوق ہیں۔ اگر تو نے ”کیف“ کہا اسکی ذات اوصاف سے محجوب ہو جائے گی۔ اور اگر تو نے ”این“ کہا (وہ کہاں ہے) تو اس کا وجود تو مکان پر مقدم ہے اور اگر تو نے ”ماھُو“ کہا (ماہیت دریافت کی) تو اس کی ہویت

1- تاریخ تصوف ص 387

(ذات) تمام اشیاء کائنات سے مبائن (مختلف) ہے۔ اس کے غیر کو ایک ہی وقت میں دو صفات متضادہ سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اسکی ذات میں صفات متضادہ کوئی تضاد یا تخالف پیدا نہیں کرتیں۔ پس وہ اپنے ظہور میں باطن اور اپنے استتار میں ظاہر ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی ہے۔ القریب بھی ہے، البعید بھی ہے اور اس اعتبار سے مخلوقات سے مشابہت سے وراء الوراء ہے۔"[1]

صوفیا کے ان بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خالق کائنات کو سمجھنا یا اسکی وسعت کو پانا کوئی آسان کام نہیں۔ لیکن جسے قدرت چاہے اپنی معرفت سے نواز دیتی ہے۔ بقول حضرت غوث الاعظمؒ:

"مگر معرفت و عشق و محبت صرف خدا ہی کی عنایت سے حاصل ہو سکتی ہے۔"[2]

لیکن اس حقیقت سے قطعاً اغماز نہیں کیا جا سکتا کہ ساری کائنات میں سے صرف "حضرت انسان" ہی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بننے کے قابل سمجھا گیا اور اللہ تعالیٰ نے خود "اِنّی جاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَه" کا فیصلہ کرتے ہوئے انسان کا ہی انتخاب کیا۔ اس لیے اپنے مالک کی معرفت حاصل کرنے کا فرض اس کے خلیفہ پر ہی عائد ہوتا ہے۔ چنانچہ اس اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے صوفیائے کرام نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں اور آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ انسان کو محض اس لیے خلیفہ بنایا گیا کہ انسان اللہ کا بھید ہے اور اللہ انسان کا بھید ہے بقول حضرت غوث الاعظمؒ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

1- تاریخ تصوف ص 390
2- عبدالقادر جیلانی شیخ: رسالہ غوث الاعظم، اردو ترجمہ مولوی احمد حسین خان، لاہور 1978ء، ص 51

"الانسان سِرّی وانا سرّہٗ لو علم الانسان منزلۃ عندی لقال فی کل نفس من الانفاس لمن الملک الیوم الالی"۔[1]

ترجمہ: انسان میرا بھید ہے اور میں انسان کا بھید ہوں۔ اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مرتبہ میرے نزدیک کیا ہے تو ہر سانس کیساتھ کہے گا کہ ساری بادشاہت سوائے میرے کسی اور کو زیب نہیں دیتی۔

چنانچہ اس ربی بھید کو پانے اور حقیقت تک رسائی کے لیے صوفیائے کاملین نے بے حد کٹھن اور دشوار منازل طے کی ہیں۔ عام طور پر ایک سالک کو حقیقت کی منزل تک پہنچنے کے لیے فنافی المرشد، فنافی الرسول اور فنافی اللہ کی منازل طے کرنا پڑتی ہیں۔ پھر وہ بقاباللہ کی ابدی منزل تک پہنچ پاتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک ایک سالک کی پہلی منزل فنافی المرشد ہوتی ہے اس منزل پر سالک اپنے وجود و ہستی کو بھول کر مرشد کی ہستی کے نقش کو لوح قلب پر محفوظ کر لیتا ہے۔ اور آنکھوں میں سما لیتا ہے۔ اور اس کے وجود کو نہ صرف اپنے اردگرد بلکہ اپنی ذات کے اندر محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ اسے ہر طرف مرشد ہی مرشد دکھائی دیتا ہے۔ اسکی اپنی کوئی ذات نہیں رہتی۔ صرف مرشد کی ذات باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد مرشد کی خاص توجہ سے سالک فنافی الرسول کی منزل میں قدم رکھتا ہے۔ اس منزل پر اسے مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت، ریاضت اور مجاہدات سے رسول اکرم ﷺ کی مقدس محفل میں حاضری نصیب ہوتی ہے۔ اسے ہر طرف شان رسول اللہ ﷺ کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ اس مقام پر نہ اسے اپنی ذات ہستی کا ہوش رہتا ہے اور نہ ہی مرشد کی ذات کہیں نظر آتی ہے۔ سالک کے لیے یہ منزل بے حد دشوار ہوتی ہے اور وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ یہ منزل نہایت ہوشمندی کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر کوئی سالک اپنی ذات پر

1- رسالہ غوث الاعظم ص 57

نازل ہونے والی رسولی تجلیات کے راز منکشف کر دے تو وہ گمراہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس مقام پر ایک کامل مرشد اپنے مرید پر ہر لحظہ نگاہ رکھتا ہے اور قدم قدم پر اسکی راہنمائی کرتا ہے۔ سالک سخت مجاہدہ کے بعد اگلی منزل فنافی اللہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ تصوف میں یہ آخری مشکل منزل کہلاتی ہے۔ اس منزل تک بہت کم صوفیاء پہنچتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پہنچ کر سالک کو اپنی ہر مرضی اور ہر ارادہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑنا پڑتا ہے۔ وہ اپنی ہستی کو لا الہ کی عملی تفسیر سمجھتا ہے اور خداوند کریم کی ہستی کا الا اللہ کی صورت میں نظارہ کرتا ہے۔ اس پر جب ربی تجلیات وارد ہوتی ہیں تو اسے کائنات کی ہر شے فانی اور رب کی ذات کے باقی ہونے کا عملی مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اسے ہر طرف عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر کی صحیح تصویر دکھائی دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اپنی ذات پر بھی رب ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ سالک کے لیے یہ نہایت ہی ضبط و امتحان کا مقام ہے۔ وہ حیرت سے ہر چیز کو دیکھتا ہے مگر زبان سے کچھ بول نہیں سکتا۔ یہاں وہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْتَ مُوْتُوْ کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

''اس مقام میں موحد اپنی شخصیت اور ارادے کو بالکل محو کر دیتا ہے۔ پس وہ اس ذرّے کی مانند ہو جاتا ہے، جیسا کہ وہ قبل تخلیق، میثاق توحید کے وقت تھا۔ جب اس نے ''الست بربکم'' کے جواب میں ''بلیٰ'' کہا تھا۔ نیز اس توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کے سامنے سالک کی شخصیت بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے۔ اور اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں بمنزلہ آلہ بن جاتا ہے۔ ایک ایسی شے جس کا ارادہ کچھ نہیں۔ فاعل اس سے جو چاہے کام لے اور اس کا جسم ظاہری دراصل اسرار خداوندی کا خزینہ بن جاتا ہے اور اس کے الفاظ اور افعال خدا ہی سے منسوب

ہوتے ہیں۔''(1)

یہ وہ مقام ہے جہاں سالک کو خداوند کریم کا قرب اور وصال نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنی ہر خواہش، چاہت اور رغبت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی مرضی خداوند تعالیٰ کی رضا میں مدغم کرنا پڑتی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا فرمان ہے:

''جب دُوری کا احساس مٹ جاتا ہے اور قرب حاصل ہو جاتا ہے تو صوفی پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ میری صفات دراصل خدا ہی کی صفات ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکی صفات فنا ہو جاتی ہیں۔''(2)

حضرت داتا گنج بخشؒ اس کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:

''حقیقی توحید میں انسانی صفات باقی ہی نہیں رہتیں۔ کیونکہ انسانی صفات قائم بالذات اور مستقل نہیں ہیں محض رسوم ہیں، سراسر غیر مستقل اور عارضی۔ جیسے آئینے میں عکس، فاعل حقیقی صرف خدا ہے۔ اس لیے وہ دراصل صفاتِ باری ہیں۔''(3)

پیران پیر حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ بندے میں اس وقت خدائی صفات پیدا ہوتی ہیں جب وہ اپنی تمام اچھی اور بری صفات اور خصائل کو ترک کر دیتا ہے:

''اے دوست جب تو ستر ہزار اچھے اور برے خصائل سے باہر نکل پڑے اور جب اجالے اندھیرے کے ستر خدائی پردوں سے بالاتر

1- کشف المحجوب، اردو ترجمہ ص28

2- تاریخ تصوف ص223

3- بحوالہ رسالہ غوث الاعظم ص10 - 9

ہو جائے اور جب تجھ میں خُلق خداوندی پیدا ہو جائے تو اس کیفیت میں تجھ سے عبودیت (بندہ پن) دور ہو جائے گا۔ تو یکون عیش کعیش اللہ، (عیش خداوندی کی طرح) عیش میں سکون پائے گا۔ اس حالت و کیفیت میں تیرا فقر پورا ہو جائے گا.......... بشریت جو تیرا وجود تھی تیرے اور اس کے درمیان حائل تھی۔ جیسا کہ حکایت ربانی ہے "وجودک حجاب بینی بینک" (یعنی تیرا وجود ہی میرے اور تیرے درمیان پردہ ہے) اس وقت تُو تُو نہ ہوگا بلکہ وہ ہوگا کیونکہ خدا کے ساتھ غیر خدا نہیں رہتا۔"[1]

جب ایک سالک کو یہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اسے اس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ:

"میں اس کا غیر نہیں ہوں کیونکہ فلایکُوْنَ مَعَ اللہِ غَیر اللہ (اللہ کے ساتھ غیر اللہ نہیں رہتا) تو یقیناً انا الحق کہنا پڑتا ہے۔ اس جگہ کہنے والا وہی حق تعالیٰ ہے جیسے کہ درخت سے اِنّی انا اللہ کہلوایا۔ اسی طرح منصور نے بھی انا الحق کہا۔ بایزید نے بھی اسی طرح "سبحانی" کہا۔"[2]

بعد میں جب سالک بقاباللہ کی منزل پر پہنچتا ہے تو اس حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے کہ اللہ کے ساتھ غیر اللہ نہیں رہتا۔ یہی وحدت الوجود کا فلسفہ ہے۔ وحدت الوجود کے اس فلسفے کو ہر دور کے صوفیاء کاملین نے نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ اس کے حق میں بھرپور دلائل پیش کر کے اسے صحت مند اور دلکش بنانے کی سعی کی ہے۔ چنانچہ اس

1- رسالہ غوث الاعظم ص 9,10

2- ایضاً ص 59

فلسفہ کو محی الدین ابن عربی[1] نے اپنی منفرد فکر کے رنگ میں رنگ کر قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت جاذب انداز میں پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارس اور پاکستان و ہند کے مسلمان صوفیاء نے اس فلسفے کو بہت جلد اپنی سوچ کا حصہ بنا لیا۔ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم ابن عربی کی مشہور تصانیف ہیں۔ انہوں نے فصوص الحکم میں مسئلہ وحدت الوجود کو موثر انداز میں پیش کیا ہے اور اسکی بنیاد قرآن اور حدیث پر رکھی ہے:

"شیخ محی الدین نے وحدۃ الوجودی تصوف کو باقاعدہ قرآن و حدیث کے حوالوں سے اسلام کا مسلّمہ عقیدہ ثابت کیا۔ اور اپنی کتاب فصوص الحکم میں ذاتِ منزہ حق تعالیٰ کا مرتبۂ احدیت سے مرتبہ انسان تک تنزلات کا بیان نہایت جامعیت اور تفصیل سے کیا ہے۔"[2]

شیخ محی الدین ابنِ عربی کے نزدیک توحید کے معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز عالم وجود میں موجود نہیں یا اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ موجود صرف خدا ہے۔ اسے ہمہ اوست بھی کہتے ہیں۔ ساری دنیا اس ہستی مطلق کی مختلف صورتیں اور اشکال ہیں۔ جو تعدد محسوس ہوتا ہے وہ اعتباری ہے۔ وہ ایک ہی ذات ہے، جو ہر اسم کی مسمّیٰ ہر مظہر کی اصل اور ہر مقرر کی حقیقت ہے۔ جہان میں کوئی غیر نہیں۔ ہر جگہ اسی کا ظہور ہے۔ ہر وجود میں وہ ذہنی ہے یا خارجی، خدا کا وجود ظاہر ہے۔ کیونکہ اصل وجود تو

1- مکمل نام محمد بن علی بن محمد الحاتمی الطائی ولادت 560ھ اندلس کے شہر اڑیسہ میں ہوئی۔ 590ھ میں مشرق کا سفر کیا۔ دمشق، بیت المقدس مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے واپس اڑیسہ آئے۔ 598ھ میں دوبارہ اشبیلیہ سے مکہ، بغداد، موصل حلب اور قونیہ گئے۔ 601ھ بغداد اور موصل کے علماء سے حدیث کا علم سیکھا۔ 608ھ میں واپس بغداد آئے۔ 620ھ میں دمشق میں سکونت اختیار کی۔ فصوص الحکم 617ھ اور فتوحات مکیہ 636ھ میں لکھیں جو تصوف میں اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔

2- حسن علی ملک: (مرتب) تعلیمات مجددیہ؛ شرقپور شریف 1965ء ص 177

اسی ہستی کا ہے۔ باقی سب کچھ دکھاوا ہے کائنات کی تمام تر رونقیں اس ذات کے حسن کے لشکارے ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی دانا اور بینا ہے تو وہی ہے یا اسکی ذات کا عکس اور تجلی ہے۔ دنیا میں جس قدر کمالات اور اوصاف سمجھے جاتے ہیں سب اسی کے مظہر ہیں۔ اس کُل نے جزئیات میں اپنا ظہور کیا ہے۔ حقیقت سے مجاز، ذات سے صفات، صفات سے افعال، کمال سے نقصان، نقصان سے کمال، مسمی سے اسم، روح سے جسم، بلندی سے پستی، اور پستی سے ہستی۔ یہ سب کچھ اسی وجود مطلق کی نمائش ہے۔

ابن عربی کے نزدیک ''نَحنُ اَقْرَبُ اِلَیهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد'' (ہم انسان کی شہ رگ سے قریب تر ہیں) کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا خود بندے کے وجود کا حصہ بن سکتا ہے۔ ابن عربی کے نزدیک خَلَق اللّٰہ آدم علٰی صُوْرَتِہٖ، والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور اپنی تمام صفات اس میں پیدا کر دیں۔ لہذا انسانی صفات دراصل ربی صفات ہیں جن میں انسان کا ظہور ہوا ہے۔ یعنی صفات مجسم ہو کر انسان میں موجود ہیں۔ اسی لیے اکثر صوفیاء مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔) پر یقین رکھتے ہیں۔ اسے مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ خودی کی معرفت دراصل خدا کی معرفت ہے۔ خداوند کریم کا کس طرح کائنات میں ظہور ہوا۔ اس کے متعلق ابن عربی اس روایت کو دلیل بناتے ہیں۔ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ '' (یعنی میں پردہ تنزیہہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ مجھے شوق ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلقت کو پیدا کیا تا کہ اس عالم امکان میں اپنے آپ کو ظاہر کروں)

ابن عربی کے خیال میں ذات باری تعالیٰ جب تک مرتبہ احدیت میں ہے وہ ذات منزہ ہے اور اسی میں اس کو تنزیہی شان حاصل ہے۔ لیکن جب وہ ذات تجلی کے ذریعے اپنا ظہور فرماتی ہے تو اس وقت وہ تشبیہی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ

صورت یا تعین کے بغیر ظہور ممکن نہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات تنزیہی اور تشبیہی دونوں صفات کی مالک ہے۔ پنجابی کے تقریباً تمام شعراء ابن عربی کے اس فلسفے کے حامی دکھائی دیتے ہیں۔ مولوی غلام رسول عالپوری فرماتے ہیں۔

کُل مراتب حقی خلقی تنزیہی تشبیہی
مظہر حمد حمید حقیقی ایہہ مکشوف بدیہی [1]

عہد جہانگیری تک عرب وعجم کے اکثر صوفیاء ابن عربی کے اس نظریہ وحدت الوجود کے قائل رہے لیکن جہانگیری عہد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے پہلی مرتبہ اس نظریئے کے مقابل وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا۔ قبل ازیں حضرت مجددؒ اور ان کے مرشد خواجہ باقی باللہؒ کا مسلک بھی وحدۃ الوجود ہی تھا:

'' حضرت خواجہ باقی باللہ کا مسلک شروع میں وحدت الوجود کے قریب تھا۔ اور گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ ان کے جانشین مرزا حسام الدین احمد نے اسے جاری رکھا۔ [2]

وحدۃ الشہود کے فلسفے کے مطابق مخلوق اپنے خالق سے جدا ہے۔ عالم امکان میں جو کچھ بھی موجود ہے۔ اس کا علیحدہ وجود ہے۔ جس کا ازلی ہستی سے براہ راست کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا عکس ہے۔ ذات باری تعالیٰ نہ تو کائنات کی کسی شے میں حلول کر سکتی ہے اور نہ ہی کوئی شے اسکی ذات واحد میں فنا ہو سکتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

'' صانع راجل شانہٗ باعلم ایں نسبت ہائے مذکور ہیچ ثابت نیست۔ احاطہ قرب او تعالیٰ علمی است۔ چنانچہ مقرر اہل حق است، شکر اللہ سَعْیَہُم و او سبحانہٗ، باہیچ چیز متحد نیست او است تعالیٰ و تقدس و عالم عالم، او

1- مولوی غلام رسول عالم پوری: احسن القصص لاہور س ن۔ ص 2
2- شیخ محمد اکرام: رود کوثر لاہور 1958ء ص 261

سبحانہٗ ، بیچون و چگونہ است و عالم سراسر بداغ چونی و چگونی متسم بیچون راعین چون نتواں گفت، واجب تعالیٰ راعین ممکن نتواں خواند۔ قدیم ہرگز عین حوادث نشود۔''(1)

شیخ محی الدین ابن عربی اس عالم کو معدوم اور موہوم سمجھتے ہیں اور نفس الامر میں موجود فی الخارج سے انکار کرتے ہیں۔ حضرت مجددؒ کے خیال میں ابن عربیؒ حقیقت کو سمجھنے اور اس تک رسائی حاصل کرنے میں معذور رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابن عربیؒ کو تجلیات ربانی کے مقام پر یہ محسوس ہوا کہ وہ ذات احد کو بے نقاب دیکھ رہے ہیں۔ اس مقام پر ان کی توجہ ذات احد پر مرکوز رہی اور ماسوا کے خیال کیساتھ ان کو نسیانِ کُلی پیدا ہوگیا۔ کیونکہ یہ ایسا مقام ہے جہاں سالک کو خداوند کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا اور اسے ماسواء کے خیال کے ساتھ نسیان کلی پیدا ہو جاتا ہے۔ مجدد صاحبؒ کے خیال کے مطابق ابن عربیؒ اس مقام پر کھو گئے۔ اگر وہ اس مقام سے ذرا ترقی کر کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتے تو ان کو مقام فنا تک پوری اور مکمل رسائی حاصل ہو جاتی۔ ان کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتے کہ رب تعالیٰ کی ذات وراء الوراء ہے۔ یعنی وہ ذات ہمارے کشف اور شہود سے بالاتر ہے۔ مجدد صاحبؒ اپنے خیالات کے اظہار کے لیے مکتوب نمبر 43 میں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ جیسے ایک شخص سورج کی روشنی میں ستاروں کو نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ اسے دن کے وقت سورج کے علاوہ آسمان پر اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ آسمان پر ستارے موجود ہیں۔ جو سورج کی روشنی میں دکھائی نہیں دے رہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی ستاروں کی موجودگی سے انکار کرے تو اس کا انکار حقیقت کے خلاف ہوگا۔ اسی طرح جب ایک سالک ہر طرف ربی تجلیات کو دیکھتا ہے۔ تو ان تجلیات کی گہما گہمی میں وہ کائنات کی باقی چیزوں کو بھول جاتا ہے۔ مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تجلیات ربانی کی گہما گہمی میں کائنات کا نظر نہ آنا

1- مجدد الف ثانی احمد سرہندی: مکتوبات؛ نولکشور لکھنؤ 1877ء، دفتر اول مکتوب 31

اپنی جگہ حقیقت ہے۔ لیکن خالق کے علاوہ اپنی ذات اور اسکی مخلوق کا انکار کیسے ممکن ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''شخصے کہ یقینے بوجود آفتاب پیدا کرد۔ استیلائے ایں یقین مستلزم آں نیست کہ ستارہا را در آں وقت منتفی و معدوم داند۔ اما وقتیکہ آفتاب رادید البتہ ستارہا را نمے بیند۔ میداند کہ ستارہا معدوم نیستند، بلکہ میداند کہ ہستند، اما مستورانند۔ و در شعشعان نور آفتاب مغلوبند و ایں شخص با جماعہ کہ نفی وجود ستارہ ہا در آں وقت کنند در مقام انکار است، ومیداند کہ آں معرفت غیر واقع است۔ پس توحید وجودی کہ نفی ماسوا یک ذات است۔ تعالیٰ و تقدس با عقل و شرع در جنگ است۔ بخلاف شہودی کہ در یک دیدن، ہیچ مخالفت نیست۔ مثلاً در وقت طلوع آفتاب ستارہ ہا را نفی کردن و معدوم دانستن مخالف واقع است۔ اما ستارہ ہا را درآں وقت نادیدن، ہیچ مخالفت نیست بلکہ آں ندیدن بواسطہ غلبۂ نور آفتاب است و ضعف بصر رائی۔ اگر بصر رائی بنور ہماں آفتاب مکتحل شود و قوت پیدا کند، ستارہ ہا را از آفتاب جدا بیند۔''(1)

مجدد صاحبؒ نے نہایت خوبصورت مثال دے کر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ سورج کی روشنی میں ستارے دکھائی نہیں دیتے اور ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس حقیقت سے بھی تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سورج کے نظام سے علیحدہ نظام نہیں رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ستاروں کی روشنی سورج سے مستعار ہے۔ ان کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہے۔ بلکہ بے نور ہیں۔ ان کی جملہ چمک دمک سورج کی مرہون منت ہے۔ اس مثال پر اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ستاروں میں بھی سورج ہی کسی اور انداز سے روشن ہے۔ اسی طرح وحدت الوجود کے

1- مکتوبات، دفتر اول مکتوب 43

فلسفے کے مطابق ہر شئے میں خداوند تعالیٰ کا نور ظہور ہے۔ اس کے بغیر کسی شے کا کوئی وجود ممکن نہیں۔ جیسا کہ نوشہ صاحبؒ نے فرمایا:

چن نہ چانن وکھرا سورج بخشے نور
تیسے مرشد پاک وچ کردا حق ظہور (1)
پاک مرشد وچ ویکھیا پاک دیدار نوشاہ
اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه

نیز ابن عربیؒ نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات انسان میں حلول کر جاتی ہے۔ بلکہ ان کا دعویٰ اس کے برعکس ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جبکہ اس کائنات میں ذات صرف ایک ہی ہے اور دوسری کوئی ذات موجود ہی نہیں تو پھر حلول کا جواز بھی ختم ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن عربیؒ نے وحدت الوجود کا جو فلسفہ پیش کیا ہے اسکی تفہیم ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے بعض نا سمجھ لوگوں نے اسکی غلط تاویلات پیش کر کے غیر اسلامی نظریات کے لیے اسلامی تصوف میں راہیں استوار کیں۔ چنانچہ خاص طور پر نظریہ وحدت الوجود کا سہارا لے کر غیر اسلامی نظریات کو تصوف میں داخل کیا گیا۔ اکبری عہد میں ان نظریات کو بنیاد بنا کر انسانی مساوات کے بہانے ایک نئے دین کی اساس قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وحدۃ الشہود کے حوالے سے تصوف کے میدان میں جو جہاد کیا، اسے ہم وحدۃ الوجود کے نظریے کے خلاف نہیں سمجھتے۔ وہ اصل میں ان غیر اسلامی نظریات کے خلاف جہاد تھا جو وحدۃ الوجود کے بہانے اسلامی تصوف میں داخل ہو گئے تھے۔ چنانچہ:

'' یہ امر قابل ذکر ہے کہ انہوں نے وحدۃ الوجود کی بالکل نفی نہیں کی۔ بلکہ اسے وحدۃ الشہود سے نچلے درجے پر ایک صوفیانہ مقام ظاہر کیا۔ وہ خود وحدۃ الوجود کی منزل میں سرگرداں رہے تھے۔

1- گنج شریف ص 537

مشہور وحدۃ الوجودی فلسفی شیخ محی الدین کا ذکر بھی انہوں نے اکثر احترام سے کیا ہے۔'' (1)

حضرت مجدد صاحبؒ کے علاوہ دیگر صوفیائے کرام نے بھی نظریہ وحدۃ الوجود کو جائز اور درست قرار دیا ہے اور اس نظریہ کی مخالفت سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔

حضرت خواجہ خوردؒ ابن باقی باللہ فرماتے ہیں:

'' عالم میں حق کے سوا کوئی چیز نہیں۔ عالم بھی وہی ہے اور ظہور بھی وہی ہے۔'' (2)

حضرت غوث علی شاہ پانی پتیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا گل حسنؒ فرماتے ہیں:

'' دیدن اوممکن نیست، مگر در صورتِ صاحب کمال کہ انسانِ کامل ذات اوذاتِ حق است ومظہر کمالاتِ حق است۔ (3)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

'' پس کسیکہ قائل توحید وجودے باشد۔ اورا کافر گفتن، واز نماز پس پشتِ اُو احتراز کردن و مناکحت با اُو نمودن و ذبیحہ اونخوردن ہرگز روانیست بلکہ آنہاں را مسلمان واہلسنت باید دانست'' (4)

مولانا اشرف علی تھانویؒ، مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق لکھتے ہیں:

'' مسئلہ حق وصحیح مطابق اللواقع ہے۔ اس مسئلے میں شک و شبہ نہیں۔'' (5)

1- رود کوثر ص 267
2- ماہنامہ اسرار تصوف، لاہور شمارہ اکتوبر 1924
3- تعلیمات غوثیہ، کراچی س ن ص 273
4- شاہ عبدالعزیز: فتاویٰ عزیزی، مجتبائی پریس دہلی س ن، جلد اول ص 52
5- اشرف علی تھانوی: امداد المشتاق: مکتبہ اسلامیہ لاہور ص 41

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں:

"غرض، سالک کو اپنے افعال وصفات اور وجود کو جناب باری کے صفات، افعال اور وجود سمجھنا چاہیے۔ تمام افعال خدا ہی سے ہونگے۔ اور تمام چیزوں میں خدا کے وجود کو پائے گا۔ سالک، خدا کو اس کے نور ذات کے ذریعے سے دیکھتا ہے اور اپنے کو درمیان میں نہیں پاتا اور اسی کو فناہ کہتے ہیں۔"[1]

مطلب یہ ہے کہ ہر طبقے کے صوفیاء اور علماء نے مسئلہ وحدۃ الوجود کو درست تسلیم کیا ہے اور اسے اپنایا بھی ہے۔ صرف سلسلہ نقشبندیہ کے مجددی حضرات وحدۃ الشہود کے قائل ہیں۔ فارسی شعراء میں سے اکثر کا پسندیدہ موضوع وحدت الوجود رہا ہے۔ مولانا رومی، جامی، عراقی کے کلام میں میں اس کی خوبصورت امثلہ ملتی ہیں۔ اسی طرح اردو شاعری میں خواجہ میر درد اور قلی قطب شاہ اور ولی دکنی کے کلام میں وحدۃ الوجود کے متعلق بیشتر اشعار ملتے ہیں۔ جبکہ پنجابی میں تمام کلاسیکی شاعر وحدۃ الوجود کے قائل نظر آتے ہیں۔ پنجابی کے پہلے شاعر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ فرماتے ہیں۔

فریدا جنگل جنگل کیا بھوئیں ون کنڈا موڑیں
وسی رب ہیالیئے جنگل کیا ڈھونڈیں[2]

فریدا خالق خلق مانہہ خلق وسے رب مانہہ
مندا کس نوں آکھیئے جاں تس بن کوئی نانہہ[3]

1- امداد اللہ حاجی: ضیاء القلوب؛ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند س ن، ص 26
2- آکھیا بابا فرید نے ص 162
3- ایضاً ص 220

شاہ حسینؒ لکھتے ہیں:

اندر توں ہیں باہر توں ہیں روم روم وچ توں[1]
توں ہی تانا، توں ہی بانا، سب کچھ میرا توں
کہے حسین فقیر سائیں دا میں ناہیں سب توں

حضرت سلطان باہوؒ کا ارشاد ہے:

ا: احد جد دتی وکھالی از خود ہویا فانی ہو[2]
قرب وصال مقام نہ منزل نہ اوتھے جسم نہ جانی ہو
نہ اوتھے عشق محبت کائی نہ اوتھے کون مکانی ہو
عینوں عین تھیوسے باہوؒ سر وحدت سبحانی ہو

سید بلھے شاہؒ کے اشعار ہیں:

بلھیا چل سنیار دے جتھے گہنے گھڑیئے لاکھ
صورت آپو اپنی توں اکو روپا آکھ
آپے ظاہر آپے باطن آپے لک لک بہندے ہو
آپے ملاں آپے قاضی آپے علم پڑھیندے ہو
آپے آہو آپے چیتا آپے مارن دھایا
آپے صاحب آپے بردا آپے مُل وکایا

کیوں اوہلے بہہ بہہ جھاکی دا
ایہہ پردہ کس توں راکھی دا[3]

1- کافیاں شاہ حسینؒ ص 21
2- ابیات باہوؒ ص 69
3- کلام بلھے شاہؒ ص 62

علی حیدر ملتانیؒ فرماتے ہیں:

ویکھے آپ نوں وکھائے آپ نوں اساں داایویں بہانڑا ای
اُتے اپنی صورت مائل جانی آرسی کنوں بیگا نڑا ای
وچہ لیلیٰ دے کرے تماشا اپنا قیس دیوانڑا ای
خم آپ شراب آپے تے آپے آئے میمانڑا ای

سید وارث شاہؒ:

سن سہتیے ایس جہان اتے رب کئی پیار پیار دا ای
قدرت نال خواہش خاص اپنی دے رنگا رنگ دیاں صورتاں دھار دا ای
ع وارث شاہؒ یقین دی گل ایہا سچا حق ہی حق ٹھہرایئے جی

میاں محمد بخشؒ:

وحدت دا دریا وڈیرا جاں موجاں وچ آوے
ڈھاباں وکھریاں بھن ٹھہناں ہکو لہر بناوے
قطرہ ونج پیا دریائے تاں اوہ کون کہاوے
جس تے اپنا آپ گواوے آپ اوہو ہو جاوے
ہر ہر وچ نہ ہوون جے کر ہردے روپ سہانے
دانشمنداں دا دل ٹھگن کد معشوق ایانے

خواجہ غلام فرید:

سب صورت وچ ذات سبحانی — حق باجھوں بیو غیر نہ جانی
باجھ خدا دے محض خیالے — ول نہ غیریت ہانی
مطلب وحدت ہے ہر حالوں — سک نہ رکھ بئے پاسے تانی
ہر صورت وچ آئم یار — کر کے ناز ادا لکھ وار
ہک جا روپ سنگھار ڈکھاوے — ہک جا عاشق بن بن جاوے

ہر مظہر وچ آپ سماوے — اپنا آپ کرے دیدار

حضرت نوشہ گنج بخشؒ پنجابی کی صوفیانہ شاعری کی روایت کے تیسرے بڑے شاعر ہیں۔ اگر ان کے کلام کی ضخامت اور وسیع پیمانے پر مسئلہ وحدت الوجود کے بیان کو دیکھا جائے تو وہ فلسفہ وحدۃ الوجود کے پہلے عظیم شاعر قرار پاتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ فلسفہ وحدت الوجود کے تحت اس بات کے قائل ہیں کہ کائنات میں کسی چیز کا اپنے طور پر کوئی وجود نہیں۔ جو وجود دکھائی دیتا ہے وہ فانی ہے، عارضی ہے اور ہالک ہے۔ چونکہ فانی کو بقا حاصل نہیں ہے۔ اس لیے فانی کو حقیقت نہیں کہا جا سکتا۔ حقیقت صرف وہی ایک ہی ذات ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ کائنات کی تمام رونقیں اور نظام اسی کا ہے۔ اگر وہ اپنا جلوہ ظاہر نہ کرے تو کائنات اندھیر ہو جائے۔ لہٰذا کائنات کی جان وہ پاک اور منزہ ہستی ہے۔ وہ ہستی ہی مختلف روپ اور اشکال میں ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے ایک خوبصورت مثال کے ذریعہ اسی نکتہ کو واضح کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ مکان کی دیواریں نہیں بولتیں بلکہ مکین بولتا ہے۔ جبھی کہا جاتا ہے کہ گھر آباد ہے۔ حالانکہ گھر آباد نہیں ہوتا بلکہ اس میں رہائش رکھنے والا آباد ہوتا ہے۔ اگر گھر میں رہنے والا کوئی نہ ہو تو وہ گھر ویران ہے۔ اینٹوں کا انبار ہے۔ بے جان اور بے آباد ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کا جسم ایک مکان کی مانند ہے۔ اس میں آباد ذات باری تعالیٰ ہے۔ اگر وہ اس جسم میں آباد نہ ہو تو پھر انسان کا جسم اینٹوں کے انبار کی طرح ہے۔ خالی مکان ہے۔ جو گونگا، خاموش اور ویران ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

میں بولاں سو اوہ بولے میرا ایویں پردہ
کندھاں کوٹھے بولن ناہیں بولے واسی گھر دا
میرے اندر سوئی وسے جیں باجھوں میں مردا
نوشہ اس دی اوہو جانے میتھوں کجھ نہ سردا(1)

۱۔ گنج شریف ص 369

آپ کے نزدیک ساری کائنات میں صرف ایک ہی ذات آباد ہے:

ہژدہ ہزار(18000) عالم وسے　　　مرشد سب وچ ہکو وسے (1)

ہر کوئی بولی اپنی بولے　　　ہر ہر بولی وچ ہر بولے

ہم گذشتہ اوراق میں بیان کر چکے ہیں کہ تصوف میں سالک کی پہلی منزل فنافی المرشد ہوتی ہے۔ جسے وحدت الوجود کا پہلا درس کہا جاتا ہے۔ جب ایک سالک اپنے مرشد کے تصور میں پختہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسے اپنی ذات اور مرشد کی ذات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

مرشد میرا جاگدا میں ستا تاں ہویا کی (2)
اس دا جاگن میرا جاگن اس دے جی وچ میرا جی

جب سالک سلوک کی منزلیں طے کرتا ہوا فنافی اللہ کی منزل پر پہنچتا ہے اس وقت اس مشاہدے کی کیا صورت ہوتی ہے۔ اسے نوشہ صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔

اوہو اوہ دسیوے باطن ظاہرا
اس بن ہور نہ کوئی اندر باہرا(3)
اوہو اپنا آپ نہ کوئی غیر ہے
ڈبھتا اندر وَیر وحدت ہت وَیر ہے
سبھنیں تھائیں توں ملیں دسیں ہر ہر روپ (4)
پر جس ڈٹھے ایہہ دسدا سو نوشہ روپ انوپ

وحدت میں سے کثرت اور کثرت میں سے وحدت کی گتھی سلجھاتے ہوئے

1- گنج شریف ص409
2- ایضاً ص445
3- ایضاً ص439
4- ایضاً ص225

خوبصورت مثال یوں پیش کرتے ہیں:

مٹی ہک پیاریا ہک بناون ہار
صورت آپو اپنی بھانڈے ہوئے تیار (1)
مٹی ہک پیاریا بھانڈے لکھ کروڑ
نوشہ اصل پچھان کے بھرم دلے دا توڑ

ایک اور خوبصورت مثال ملاحظہ کیجئے:

باطن ایک ظاہر انیک　　　ایک انیک پھر ایک ہی ایک (2)
کھنڈ ہک کھڈونے لکھ　　　نوشہ کھنڈ نظر وچ رکھ
صورت آپو اپنی ہوئے　　　کھنڈ کھڈاونے کہے سب کوئے
ظاہر بین ظاہر کوں ویکھن　　　باطن بین باطن توں بھیکھن (3)
باطن ظاہر ہک خدائے　　　نوشہ اس وچ شک نہ کائے

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام کثرت دراصل وحدت میں سے ہے۔ اور آخر کار یہ کثرت وحدت میں ضم ہو جائیگی۔ کیونکہ وحدت کے بغیر اور کچھ بھی نہیں ہے۔ کائنات کے مختلف مظاہر ہر روز اس فطری عمل کی حقیقت کو ہمارے سامنے لاتے ہیں تاکہ اس باریک نقطہ کا ادراک ہو سکے۔ چنانچہ حضرت نوشہ صاحبؒ ثقافتی اور گھریلو مثالوں سے اس نکتے کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں:

دیوے نال دل ہویا دیوا　　　کیف وحدت دے کیتا کھیوا(4)
جاتا ہک پچھاتا ہک　　　ڈٹھا ہک تاں لگی سِک

1- گنج شریف ص455
2- ایضاً ص346
3- ایضاً
4- ایضاً ص450

ہکو باطن ہکو ظاہر　　ہکو اندر ہکو باہر
ہک ہک رل بوٹے ہوئے　　ہکو لکھے ہکو دھوئے
ہکسے بیجوں رکھ پیار　　ڈالی پتر پھل پھُل ہزار
اوڑک اوہو بیج دا بیج
نوشہ آکھے سو وکھ وتیج

خالق اور خلق بظاہر دو مختلف وجود ہیں۔ لیکن وحدۃ الوجودی صوفیاء کے نزدیک ظاہری وجود کی کوئی اہمیت نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خلق، خالق اور خالق خلق کے بغیر نہیں ہے۔ صوفیاء کے اس عقیدے کی بنیاد کُنتُ کَنزًا مَخفیاً ہے۔ اسی عقیدے کے تحت بابا فریدالدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں:

فریدا خالق خلق مانہہ خلق وسے رب مانہہ
مندا کس نوں آکھیئے جاں تس بن کوئی نانہہ [1]

نوشہ صاحبؒ نے اسی مضمون کو بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھتے:

نوشہ ظاہر حق ہے باطن خالق ہے
کیا ظہورا خلق ہو خلق خالق نہیں دوئے [2]

نوشہ خالق ہک ہے دویا ناہیں کوئے
فرق خالق تے خلق وچ توں کہہ کیکر ہوئے [3]

پنجابی کے صوفی شعراء شروع سے ہی وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک خداوند تعالیٰ کے وجود کے علاوہ کسی اور وجود کو تسلیم کرنا شرک ہے اور شرک کا

1- آکھیا بابا فرید نے ص220 (محمد آصف خاں کا خیال ہے کہ یہ اشلوک گرو ارجن کا ہے)
2- گنج شریف ص143
3- ایضاً ص456

ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وحدت پرست کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ اسی لیے نوشہ صاحبؒ اکتا کو بہشت اور دوئی کو دوزخ قرار دیتے ہیں۔

اکتا بہشت پیاریا دوزخ بھرم دوئی
نوشہ آپ بھلائے کے دُبتا خلق پئی [1]

نوشہ وحدت پائیاں پایا بہت آرام
غیر نہ کوئی جانیا، جاتی وحدت عام [2]

جس من وحدت وسدی اوہ کافر کدے نہ ہوئے
نوشہ وحدت والیاں غیر نہ جاتا کوئے [3]

دبتا دوزخ ساڑواں وحدت بہشت آرام
جیہناں مرشد پایا دوزخ تنہاں حرام [4]
وحدت دے وچ آئیکے نوشہ بہشت پئے
مرشد وہم گوائیا وہم خیال گئے

فلسفہ وحدت الوجود سے متعلق حضرت نوشہ صاحبؒ کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔ اس بات کا ثبوت ہمیں ان کے اشعار سے ملتا ہے:

جامی، سعدی، عربی، رومی دم وحدت وچ مارے
لا الٰہ الا ھو فرمایا نوشہ مرشد پیارے [5]

1- گنج شریف ص456
2- ایضاً ص455
3- ایضاً ص456
4- ایضاً ص457
5- ایضاً ص452

وحدت الوجودی صوفیاء وحدت الوجود کو وسیع سمندر اور سالک کو اس وسیع سمندر کا ایک قطرہ گردانتے ہیں۔ جو اپنی فنا کے بعد سمندر میں مل کر سمندر ہی بن جاتا ہے۔ مرزا غالب کا مصرعہ ہے:

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے

یا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اوہو دیوے اوہو لوے
کل دریا سمندر وچ پوے(1)

جب ایک سالک فنافی اللہ کی منزل سے گزر کر بقا باللہ کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو اس وقت وہ وحدت کے رنگ میں وہی صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں وہ سما جاتا ہے۔ اس وقت اس کی زبان بند ہو جاتی ہے اور اس کا دل خواہشات اور آرزوؤں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسکی زبان خالق کی منشاء کے بغیر ایک لفظ بھی ادا نہیں کرتی۔ گویا اسکی زبان، خدا کی زبان بن جاتی ہے۔ صوفیاء کا یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اُس فرمان کے مطابق ہے جو حدیث قدسی ہے۔ صحیح بخاری اور مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''جب میں کسی بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کا پکڑتا ہے۔ اس کے پیر بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔''(2)

1- گنج شریف ص 468

2- فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِی یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِی یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِی یَمْشِی بِھَا (بخاری ومشکوٰۃ)

چنانچہ جو واصل حق ہو جاتا ہے وہ حق ہی حق بن جاتا ہے۔ جس طرح لوہا آگ میں پگھل کر آگ ہی بن جاتا ہے۔ اس مقام پر اس کا ہر فعل اور ہر قول اللہ کا قول وفعل بن جاتا ہے۔ یہ کیفیت خالصتاً حال کی متقاضی ہے قال کی نہیں۔ کیونکہ ان بھیدوں کو صرف صاحب حال صوفیاء ہی سمجھ سکتے ہیں اس لیے کوئی دوسرا شخص قطعاً ادراک نہیں کر سکتا۔ اس حقیقت کے ادراک کے عکوس صاحب حال صوفیاء کے کلام میں نظر آتے ہیں۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے تصوف کی جملہ منازل طے ہوئی تھیں، اس لیے انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے وحدت الوجود کی معرفت کو نہایت دلچسپ انداز میں اپنے مریدین اور قارئین تک پہنچانے کی کوشس کی ہے۔ مثلاً

میں وحدت دا ساگر ٹھٹھکاں آپ وچ موجاں ماناں
آپے اچا نیواں تھیواں آپ نوں آپے تاناں(1)
آپے پیراں ، آپے سمتاں سبھ میرا آنا جاناں
وحدت وچ نہ کثرت نوشہ میں ہر ہر وچ سماناں

فلسفہ وحدت الوجود کا اس قدر واضح اور بے باکانہ اظہار پنجابی شاعری میں سب سے پہلے نوشہ گنج بخش نے ہی کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

میرا انت کسے نہ پایا — ماپے کہن اساں ایہہ جایا(2)
کہن استاد ایہہ اساں پڑھایا — کہن کھڈاوے اساں کھڈایا
کہن مربی اساں سکھایا — نہ میں آیا نہ میں جایا
آپے آپنا روپ وٹایا — اوتھوں ایتھے کھیڈن آیا
میں سوامی سبھ میری مایا — آپے بھار ہے اپنا چایا
آپے بھاری پکڑ چوایا — آپے کہیا آپ سنایا

1- گنج شریف ص 454

2- ایضاً ص 452

ان ہویا ، ہویا سمجھایا   آپے اپنے بھرم بھلایا
جو دیسے سو ایویں چھایا   غمی خوشی ہک رنگ اٹھایا
جمن مرن ساگر لہرایا   جتھوں اٹھیا پھیر سمایا
آپے ستا آپ جگایا   سفنا ڈٹھا جو پر گھٹایا
آپے ڈٹھا آپ وکھایا
نوشہ آپ نوں آپ بھرمایا

نوشہ صاحبؒ کے اس واضح اظہار کے انداز نے بعد میں آنے والے صوفی شعراء کو بے حد متاثر کیا اور انہوں نے ان کی تقلید کو قابل فخر جانا۔ چنانچہ سید بلھے شاہؒ نے اس بیباکانہ انداز کو اپناتے ہوئے اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ہے:

نہ میں آدم ہوا جایا   نہ میں اپنا نام دھرایا
اول آخر آپ نوں جانا   نہ کوئی دوجا ہور پچھانا (1)
میتھوں ودھ نہ کوئی سیانا   بلھا ! اوہ کھڑا ہے کون
بھلیا کیہ جاناں میں کون

O

اربع عناصر محل بنایو وچ وڑ بیٹھا آپے
آپے کڑیاں آپے نینگر آپے بنیا ایں ماپے
آپے مریں تے آپے جیویں آپے کریں سیاپے
بلھیا جو قدرت رب دی آپے آپ سنجھاپے

مسلمان صوفیائے کرام کا فلسفہ وحدت الوجود بیان کرنے کا انداز اس قدر دلچسپ اور مؤثر تھا کہ ہندو ویدانتی یوگی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہاں تک کے ویدانتی سوامی تیرتھ رام بھی مسلم خیالات و نظریات سے بے حد متاثر ہوا۔

-1   کلام بلھے شاہؒ: مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد۔ پیکجز لاہور، 1978 ص 18

چنانچہ اس کے کلام میں ہندومت کی بجائے مسلم عقائد جھلکتے دکھائی دیتے ہیں۔

جام شراب وحدت والا   پی پی ہر دم متوالا (1)
پی میں واری لا کے ڈیک   اللہ شہ رگ تھیں نزدیک
سُن لے سُن لے رام دہائی   بے انتا کیوں انت نہ پائی
ذات پات نوں لا نہ ڈیک   اللہ شہ رگ تھیں نزدیک

توبہ

بقول حضرت داتا گنج بخشؒ "اچھی طرح سمجھ لو کہ راہروان طریقہ حق کا پہلا قدم توبہ ہے۔"(2)

قرآن حکیم میں ایمان والوں کو توبہ کا حکم دیا گیا ہے:

وَتُوبُو اَلی اللّٰہِ جَمِیْعاً اَیُّہَ الْمُومِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

(ترجمہ: اے ایمان والو! تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ)

قرآن پاک کا یہ فرمان بھی دیکھیے:

"اِن اللّٰہ یُحِبّ التّوابین ویُحِبُّ الْمُتطھرِین"

(یعنی ۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔)

قرآن پاک کے علاوہ احادیث میں بھی توبہ سے متعلق حضور اکرم ﷺ کے فرامین موجود ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث نبویؐ ہے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے

-1   علی عباس جلالپوری: وحدت الوجود تے پنجابی شاعری؛ پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1977ء ص 182

-2   کشف المحجوب، اردو ترجمہ ص 147

ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا۔ التائب من الذنب مکن لا ذنبہ لہٗ۔ یعنی توبہ کرنے والا اس شخص جیسا ہو جاتا ہے جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے توبہ کے تین درجے بیان کئے ہیں:

"توبہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ مخالف حکم عمل پر افسوس کرے۔ دوسرے ترک کرتے ہوئے منفعل ہو۔ تیسرے عہد کرے کہ پھر ایسا نہ کرے گا۔"(1)

مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے ان تمام افعال پر افسوس کرے جو اس نے خدا اور رسولؐ کے احکام کے خلاف کئے ہوں۔ دوسرے ان افعال کو ترک کردے اور تیسرے ان سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لے اور پھر ان گناہوں کی طرف رجوع نہ کرے، جن کے متعلق اس نے توبہ کی ہے۔ بقول حضرت ابوبکر واسطیؒ:

"خالص توبہ کا یہ مطلب ہے کہ انسان کے ظاہر اور باطن میں گناہ کا ذرا بھی اثر نہ رہے۔"(2)

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی روایت موجب حضورﷺ کا فرمان ہے:

"جو شخص گناہ کرے اور پھر اٹھ کر وضو کرے۔ دو رکعت نفل ادا کرے اور وہیں اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کرے۔ پس بموجب وعدۂ خداوندی اس پر بخشش و مغفرت واجب ہے کہ اس کو بخش دے گا۔"(3)

انسان کو جس طرح زندگی پر اعتبار نہیں اسی طرح موت پر اختیار نہیں۔ اس لیے اپنے گناہوں پر توبہ کرنے کے لیے ذرا بھی تاخیر سے کام نہیں لینا چاہیے۔ حضرت

1- کشف المحجوب ص147

2- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ عبدالعزیز چشتی لاہور 1976ء ص 203

3- ایضاً ص214

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا:

"جو شخص توبہ کرنے میں تاخیر کرتا ہے۔ سمجھو وہ ہلاک ہو گیا۔"(1)

توبہ کا عمل ایک طرف انسان کی انفرادی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے تو دوسری جانب اسکی انفرادی زندگی کی تبدیلی معاشرتی زندگی میں انقلاب برپا کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ کیونکہ انسان گناہ کا مرتکب ہوتے وقت اکثر حقوق العباد سے غافل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو پھر وہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھتا ہے۔ یوں اسکی زندگی دینی اور دنیاوی اعتبار سے سنور جاتی ہے۔

دیگر صوفیائے کرام کی مانند حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے اس اہم پہلو کی طرف بھر پور توجہ دی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق جب انسان توبہ کر کے گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے تو یہ اسکے حق میں بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے۔ باالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جانے کے بعد نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بظاہر یہ ناممکنات میں نظر آتا ہے۔ لیکن جب گناہ ضائع ہو جاتے ہیں تو نامہ اعمال کو پاک صاف کر دیا جاتا ہے۔ یہی نیکی ہے۔ نوشہ صاحبؒ مومن کے لیے اس ربی عطا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

توبہ کرے گناہوں جاں بندہ جھوٹھی کرے نہ بازی
پچھلیاں بدیاں نیکیاں کر لکھن ویکھ غریب نوازی (2)

توبہ کا مطلب برے افعال سے زبانی رک جانا نہیں بلکہ برائی سے عملی طور پر باز رہنا اور نیکی پر قائم رہنا ہے۔ اگر کوئی شخص زبانی توبہ کرے اور عملی طور پر گناہوں میں ملوث رہے یا عبادت و ریاضت میں مصروف رہے، مگر حقوق العباد اور حقوق اللہ کا

1- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ ص 211

2- گنج شریف ص 381

خیال نہ رکھے تو پھر اسکی توبہ اور عبادت بیکار اور بے فائدہ ہے:

کجھ نہ ہووے رکھیاں روزے سے ہزار
لقمہ چھڈ حرام دا نوشہ کہے پکار (1)

نوشہ صاحبؒ کے نزدیک انسان کی توبہ اس وقت قبول ہوتی ہے جب وہ رزق حلال کھائے۔ زبان سے جھوٹ نہ بولے۔ دل و جان سے حضور اکرم ﷺ کو اپنا راہبر اور راہنما تسلیم کرے اور اسوہ حسنہ کو اپنی عملی زندگی کا نمونہ بنائے۔

کھائیے حق حلال سچ کہیے جھوٹھ چھڈیئے حرام نہ چاکھیے (2)
سچے مرشد پاک محمدؐ اتے ہو تن صدقے پت راکھیے

توبہ کے روحانی اور مذہبی پہلو کے ساتھ ساتھ معاشرتی پہلو یہ ہیں۔

برائی کوئی کرے بُرا اسدا ناؤں
نوشہ آکھے بھلیا بُری بُرے دی تھاؤں (3)

مِٹھا بولن ہار ہے نوشہ سب دا یار
مندا بولن جگت وچ سبھسے کرے بیزار (4)

دنیا کی بے ثباتی

انسان اپنی پیدائش سے لے کر آج تک جس خوف و وہم سے پیچھا نہیں چھڑا سکا وہ موت ہے۔ اس خوف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے بلاشبہ موت کا

1- گنج شریف ص 382
2- ایضاً ص 383
3- ایضاً ص 378
4- ایضاً ص 382

وقت معین ہے۔ لیکن انسان اس معینہ وقت سے بے خبر ہے۔ انسان کی یہ بے خبری اس کے سر پر ہر وقت خوف کی تلوار لٹکائے رکھتی ہے۔ مختلف ادیان کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جملہ مذاہب کے پیغامات کی بنیاد موت کے تصور پر قائم ہے۔ اسی لیے ہر مذہب انسان کو زندگی میں نیک اعمال کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ تاکہ موت کے بعد جزا اور سزا کے سلسلے میں جزاء کا مستحق قرار پائے۔ اگرچہ ہر مذہب کی تعلیم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ لیکن ہر صوفی نے موت کو برحق تسلیم کیا ہے۔ جس سے کسی ذی روح کو مفر نہیں۔ اس لیے صوفیائے کرام نے ہدایت کی ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر موت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ دنیا میں عظیم لوگوں کے مزارات، یادگاریں اور مقابر مقامِ عبرت ہیں۔ جو موت کی صداقت کے نشان ہیں اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے موت اور موت کے بعد زندگی کے لیے کچھ کر لینے کے پیغام کی علامات ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے موت کی حقیقت کو قبول کرنے کے مختلف طریقے اپنائے۔ جیسے گوتم بدھ، شوپنہار اور ہارٹ مان نے کہا کہ یہ دنیا ''دار المحن'' ہے یعنی دکھوں کا گھر ہے اور موت کے بغیر ان دکھوں سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ ان کے خیال کے مطابق انسان کو دکھوں میں مبتلا کرنے والے اس کے اپنے اہل و عیال ہیں۔ اس لیے انسان کو شادی کے بندھن میں نہیں بندھنا چاہیئے۔ یوں نہ اس کے اولاد ہوگی اور نہ ہی وہ دنیاوی جھمیلوں میں گرفتار ہوگا۔ اس کے مقابلے میں ہندو یوگیوں نے موت کو یاد رکھنے کا یہ طریقہ اپنایا ہے کہ وہ مردے کی کھوپڑی میں بھکشا لیتے تھے۔ تاکہ اپنے انجام سے باخبر رہیں۔ اسی طرح زمانہ قدیم میں ایران میں لوگ کھانے پینے کے لیے کھوپڑی استعمال کرتے تھے۔ جیسے عمر خیام کا یہ مصرع زبان زد عام ہے:

وز کلّہٗ اُو جامِ شراب است مرا

لیکن اسلام نے دنیاوی لالچ اور دنیاداری سے نفرت کرنے اور عاقبت سنوارنے کے لیے جو نیک اعمال کرنے کا درس دیا ہے وہ سب ہی مذاہب سے جداگانہ

اور منفرد ہے۔ اس درس میں موت کا خوف نہیں ہے بلکہ موت کو ایک اٹل حقیقت سمجھ کر اسے قبول کرنے ، اس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنے اور موت کی جگہ اپنے خالق حقیقی سے محبت کرنے اور صرف اسی سے ڈرنے کا تصور دیا گیا ہے۔ ہمارے صوفیائے کرام نے قدم قدم پر جہاں موت کو یاد رکھنے کی تلقین کی ہے وہاں انسان کو مقام انسانیت سے گرنے کی کہیں بھی نصیحت نہیں کی۔ چنانچہ مسلم صوفیاء نے نہ صرف زندہ انسانوں کی توقیر میں اضافہ کیا بلکہ مرنے کے بعد بھی ان کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مسلمان صوفی نے موت کو یاد رکھنے کے بہانے ہندو یوگیوں کی طرح کبھی بھی انسانی کھوپڑی میں نہ تو بھیک مانگی اور نہ ہی اس میں کبھی کھانا کھایا۔ بلکہ مسلمان صوفیاء نے انسان کی توہین تو ایک طرف اپنی دھرتی کی مٹی کو برا کہنے سے بھی منع کر دیا اور بتایا کہ اس مٹی سے ہمارا خمیر تیار ہوا ہے۔ جب ہم زندہ ہوتے ہیں تو زمین کا فرش ہمارے قدموں میں بچھتا چلا جاتا ہے اور زمین ہمارے قدم لیتی ہے۔ لیکن جب مر جاتے ہیں تو یہی مٹی ہماری اُس حالت کو اپنی آغوش میں چھپا لیتی ہے جسے انسانی آنکھ دیکھتے ہوئے بھی خوف کھائے۔ اسی صورتحال کے حوالے سے یہاں مثال کے لیے بابا فریدؒ کے صرف دو شلوک پیش کیے جاتے ہیں:

جند ووہٹی مرن ور لے جاسی پرناء
اپن ہتھیں جول کے کیں گل لگے ڈھاء (1)

فریدا خاک نہ نندیئے خاکو جیڈ نہ کوء
جیوندیاں پیراں تلے مویاں اُپر ہوء (2)

پنجابی صوفی شعراء نے دنیا سے اس انداز سے بے اعتنائی برتنے کا پیغام نہیں

1- آکھیا بابا فرید نے ص 142
2- ایضاً ص 160

دیا کہ انسان دنیا میں آنے کا مطلب ہی نہ سمجھ سکے۔ کیونکہ وہ دنیا سے کنارہ کشی کو جائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ دنیا میں رہ کر دنیا سے کنارہ کش ہونے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ صرف جائز خواہشات کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں اور فطری ضرورت سے زیادہ دنیاوی دولت اور جائیداد سے متنفر ہیں۔ مثلاً

فریدا کوٹھے منڈپ ماڑیاں اسار دے گئے
کوڑا سودا کر گئے گوریں آء پئے (1)

دنیا کی بے ثباتی کے متعلق بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

کندھی اُتے رُکھڑا کچرک بنھے دھیر
فریدا کچے بھانڈے رکھیئے کچرک تائیں نیر (2)

ویکھ فریدا جو تھیا داڑھی ہوئی بھور
اگوں نیڑا آیا پچھا رہیا دور (3)

بڈھا ہویوں شیخ فریدا کنبن لگی دیہہ
جے سو ورھیاں جیوناں بھی تن ہوسی کھیہہ (4)

شاہ حسینؒ آکھدے نیں:

سر تے موت کھڑی پکارے من لوچے باغ بہاراں نوں (5)
کہے حسین فقیر نمانا کوئی مڑ سمجھاوٗ ایہناں یاراں نوں

1- آکھیا بابا فرید نے ص 189
2- ایضاً ص 241
3- ایضاً ص 152
4- ایضاً ص 184
5- کافیاں شاہ حسین ص 62

کوئی دم جیوندیاں روشنائی مویاں دی خبر نہ کائی
چونہہ جنیاں رل ڈولی چائی ساہورڑے پہنچائی
سس نناناں دیندیاں طعنے داج وہونی آئی
قبر نمانی وچ گھیاں بنھ چلایا ڈاڈھے دیاں وہیاں
رہیاں ہول ہوائیں
کہے حسین فقیر نمانا ، دنیا چھوڑ ضروری جانا
رب ڈاہڈے قلم چلائی (1)

دنیا کی بے ثباتی ، پنجابی شاعری کی بھرپور روایت رہی ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے اس روایت کو اور زیادہ پختہ بنیاد فراہم کی ہے۔ ان کا انداز اس قدر دلچسپ، اچھوتا اور منفرد ہے کہ پڑھنے والا ان کا ہم خیال بن جاتا ہے۔ ان کے بیان کئے ہوئے حقائق کا معترف ہو جاتا ہے اور ان کی صداقتوں پر ایمان لے آتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کے متعلق حضرت نوشہ صاحبؒ بیان کرتے ہیں:

مرسی جو کوئی جمیا مرنوں مول نہ لگ
نوشہ ویلا موت دا ذرا نہ پوسی چک (2)
انت اوڑک مر جاوناں دم دا نہیں وساہ
نوشہ مریئے کیوں نہ مرشد سندے راہ
دنیا جاندی ویکھ کے کیوں کریئے ارمان
نہ کوئی رہیا نہ رہے گا نوشہ ایس جہان (3)
اگے پچھے مرنا رہناں ناہیں اِتھ
جاں اوہ ویلا پہنچسی پلک نہ پوسی وِتھ

1- کافیاں شاہ حسین ص 85
2- گنج شریف ص 561
3- ایضاً ص 562

نت نہیں ایتھے ہوونا چھڈنا ہے جہان
ایہہ جگ ڈٹھا پیاریا دو دم دی گزران

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ موت سے قطعاً مفر نہیں۔ دنیا میں انسان بے شک پختہ انتظامات کر لے، سلطنت اور جائیداد بنا لے، دنیا جہان کے اطباء جمع کر لے پھر بھی وہ موت سے نہیں بچ سکتا۔ دنیا میں فرعون، قارون، ارسطو، بقراط، سقراط، افلاطون، جالینوس اور ابونصر جیسے حکیم، دانشور اور فلاسفر دنیا کی بے ثباتی یعنی موت کا کوئی تدارک نہ کر سکے۔ ان مشاہیر کی موت دراصل کھلم کھلا اعلان ہے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے اور ''کُل نَفسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت'' ایسا فرمان ہے جسکی تنسیخ ناممکن ہے۔

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں اس موضوع پر بھی بہت کچھ بیان کیا ہے۔ یہاں طوالت سے اجتناب برتتے ہوئے نوشہ صاحبؒ کے چند اشعار پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے یہ اشعار جہاں دنیا کی بے ثباتی کو بیان کرتے ہیں وہاں تلمیحات کی خوبصورت مثالیں بھی ہمارے سامنے لاتے ہیں:

امر نوی نہ منیا قارون تخت نگھاریا
ڈوبیا فرعون توں نمرود پولیں ماریا (1)

دِق نال ارسطو مویا گئی نہ حکمت پیش
آوندا روگ بچھاتوس ناہیں نوشہ کہے درویش (2)
وڈا حکیم بقراط سیانا ، مویا اوکھا ہوئے
کھنگھدے کھنگھدے پھیر پاٹا اوکھد چلی نہ کوئے

1- گنج شریف، ص 527
2- ایضاً ص 558

جالینوس جیہا وید نہ کوئی پیٹ چلیندے مویا
ویہندا پانی اوکھد بدھاً پیٹ دا کجھ نہ ہویا
افلاطون وُبہتروں وڈا مار لیا ادھرنگے
پیش نہ گئی سیانپ کائی پھاتا موت دے ڈنگے
ابو نصر سودائی ہویا حکمت چلی نہ کائی
نوشہ کہے فقیر قادر دا موت نے عقل گوائی

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی موت کے بعد اسکے عزیز واقارب یوں روتے ہیں جیسے اس نے کبھی واپس نہیں آنا۔ واقعی حقیقت ہے کہ مرنے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے مگر رونے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے بھی ایک دن مرنا ضرور ہے۔ پھر رونے سے مرنے والے زندہ نہیں ہو جاتے۔ اسلیے کسی کی موت پر رونے سے بہتر ہے کہ صبر، ہمت اور برداشت سے کام لیا جائے اور آخرت کی فکر کی جائے:

مویاں نوں سبھ روندے روندے بھی مرجان
جگت جنجالیں رُجھیا پُٹھے جیہناں پچھان (1)
نہ کوئی مویا نہ مرے غافل مرے اجان
نوشہ پچھے رووناں موڑے ناہیں آن

نوشہ صاحبؒ دنیا کی بے ثباتی بتاتے ہوئے آخرت کی فکر کا درس یوں دیتے ہیں:

جیون مرن حکم پچھان
چلن سرا ایہہ دنیا جان (2)
نہ کر خودی وڈیائیاں دنیادار کہائے
آوندا کفنی پایو جاسیں کفی پائے

1- گنج شریف ص560

2- ایضاً ص552

نہ کر مان تکبری وڈا نہ سردائے
مُٹھی میٹیں آیوں مُٹھی میٹیں جائے

اس سلسلے میں حدیث نبویؐ ہے کہ ''اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَطَالِبھَا کِلَابَ ''یعنی دنیا ایک مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ حضرت نوشہ صاحبؒ نے اس حدیث کی روشنی میں دنیاوی آلائشوں سے علیحدہ رہنے کا درس دیا ہے:

دنی دار جیوں کُتے کاوَں   لبھن گند مردار دی تھاوَں (1)
کاں اکٹھے ہو کے کھاون   کاں کاں کر ہم جنس بلاون
ہِک دوئے نوں بھونکن کُتے   لڑن گند مرداراں اُتے
ونڈ کھاون سو کاں کہاون   لڑن جو کُتے ناں دھراون
اوہ بھلیائی اوہ بریائی   دنیا داراں دی کیہ وڈیائی
نیکاں لعنت بداں کیا کہیئے   دنیا داراں توں پاسے رہیئے

نوشہ کہے پکار پکار
بھٹھ دنیا بھٹھ دنیا دار

اخلاقی شاعری

انسانی سماج کا اہم ستون اخلاق ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انسانی سماج کی بنیاد ہی اخلاق پر قائم ہے۔ اگر ہم کسی بھی مذہب کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ مذہب انسانی اخلاق کو سنوارتا ہے۔ اسے ایسے اخلاقی ضابطے فراہم کرتا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جس قدر انبیاء کرام مبعوث فرمائے سب نے ہی اخلاق سنوارنے کا درس و پیغام دیا ہے۔

1- گنج شریف ص90

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''مجھے لوگوں کے اخلاق سنوارنے کے لیے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔'' بہت سی احادیث حضور اکرم ﷺ کے اخلاق اور اخلاقی سبق کو ظاہر کرتی ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک کے دریافت کرنے پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بہترین مخلوق وہ ہے جو اخلاق حمیدہ کی مالک ہے۔ لہذا واضح ہوا کہ بہترین خصلت انسان کا اچھا اخلاق ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے سنا کہ حضرت حارثؒ کہتے تھے کہ میں نے تین چیزوں کو تین چیزوں کے ساتھ کامل کیا۔ خوبروئی کو ساتھ حفاظت کے، خوش کلامی کو سچائی کے ساتھ اور امانت کو ساتھ ایفائے عہد کے۔''(1)

بقول حضرت ذوالنون مصریؒ ''دنیا میں بدترین وہ شخص ہے جو بد اخلاق ہے۔''(2) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جو یہ حکم دیا کہ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیئے۔ میں نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں آپؐ پر مکمل کر دی ہیں۔ یہاں کپڑے پاک رکھنے سے مراد ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھا بنایئے اور باطنی نعمتوں سے مراد اخلاق کی نیکی ہے۔(3) سرکار دو عالم ﷺ نے صرف اخلاق کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ خود اخلاق کا بہترین عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ اس امر کی واضح دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ واضح ارشاد ہے۔

''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِسْوَۃٌ حَسَنَہ''

کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ کا اخلاق قرآن مجید تھا۔ اس ارشاد سے صاف عیاں ہے کہ دین اسلام کی بنیاد اخلاق کی اعلیٰ اور ارفع اقدار پر رکھی

1- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ ص 607
2- ایضاً ص 607
3- ایضاً

گئی ہے۔ جس دین اسلام کا پیغام حضور اکرم ﷺ نے دیا اس پیغام کو اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام نے عوام تک پہنچایا اور لوگوں کے سامنے اخلاق محمدیؐ کا بہترین عملی نمونہ پیش کیا۔ انہوں نے جہاں سماج میں پروان چڑھنے والی اخلاقی قدروں کی توڑ پھوڑ کا سد باب کیا وہاں لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت بھی کی۔ ہمارے پنجابی صوفی شعراء نے اپنے کلام کے ذریعے ان ہی اعلیٰ اقدار کا پرچار کیا۔

بابا فریدؒ فرماتے ہیں:

فریدا جے تیں مارن مکیاں تنہاں نہ ماریں گھُم
اپنے گھر جائیے پیر تنہاں دے چم(1)

فریدا بُرے دا کر بھلا غصہ نہ من ہنڈاہ
اگے مول نہ آوسی دوزخ سندی بھاہ(2)

شاہ حسینؒ فرماتے ہیں:

رہیئے وو نال سجن دے رہیے وو
لکھ لکھ بدیاں سو سو طعنے سبھو سر تے سہیئے وو(3)

سلطان باہو کہتے ہیں:

ج: جیوندیاں مر رہنا ہووے تاں دیس فقیری لیئے ہو
جے کوئی سٹے گدڑ گوڑا وانگ اروڑی سہیئے ہو
جے کوئی کڈھے گالاں مہنے اسنوں جی جی کہیئے ہو
گلہ الاہمہ بھنڈی خواری یار دے پاروں سہیئے ہو(4)

1- آکھیا بابا فرید نے ص 150
2- ایضاً ص 223
3- کافیاں شاہ حسین ص 30
4- ابیات سلطان باہو ص 261

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے بھی اپنے کلام میں نیک اخلاق اپنانے پر بہت زور دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ زبان سے اچھے الفاظ نکالنے چاہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:"قُولُو لِلنّاسِ حسنَا" یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو اسی میں عزت ہے۔ اچھے اخلاق سے دشمن کو بھی تابع بنایا جا سکتا ہے:

مٹھا بولن ہار ہے نوشہ سب دا یار
مندا بولن جگت وچ سب سے کرے بیزار (1)

حضرت نوشہ صاحبؒ اچھے اخلاق والے لوگوں کی یہ پہچان بتاتے ہیں:

مِٹھا بولن پردہ پاون نال مسکینی جالن
نار پرائی مول نہ تکن نہیوں نردھن نال پالن (2)

نوشہ صاحب نے اخلاق کو انفرادی ضرورت ہی نہیں بتایا بلکہ اجتماعی اور معاشرتی ضرورت سمجھ کر اسے اپنی شاعری کا موضوع بنایا:

اللہ پاک فرمایا سن پیارے سچیار
رحمت چاہیں رحم کر نوشہ کہے پکار (3)

O

قتل مومن دا کفر ہے گالی دین گناہ
حضرت ایہہ فرمایا کہے فقیر نوشاہ (4)

O

1- گنج شریف ص382
2- ایضاً ص383
3- ایضاً ص384
4- ایضاً ص255

قتل مومن دا کفر ہے اس وچ شک نہ کائے
نوشہ، رب نہ بھاوندا قاتل بخشیا جائے
دغا کرے جو دوستاں یا کیتا گن وسرائے
یا مارے کسے وساہ دے اوہ بہشت نہ جائے (1)

O

ہاں جی ہاں جی آکھیئے نت رہیے مرشد پاس
نوشہ وچ جہان دے رل مل کریئے واس (2)

نوشہ صاحبؒ کے خیال کے مطابق اچھا اخلاق یہ ہے کہ بندہ اچھے اخلاق کا عملی مظاہرہ کرے۔ خودی تکبر کو ترک کرکے لوگوں کی بے لوث خدمت کرے۔ اس کا یہ وصف بندگی متصور ہوگا۔

خدمت بندگی والیاں غافلاں وڈیائی
نوشہ چھڈ تکبری خادم ہوکے جی (3)

سب سے بہتر اخلاق سچائی ہے اور سب سے بُرا اخلاق جھوٹ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جھوٹ ہی ہر برائی کی جڑ ہے۔ اس لیے بزرگوں نے ہمیشہ جھوٹ سے دور رہنے کا درس دیا ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے بھی اپنی شاعری میں جھوٹ سے دامن بچانے کی بار بار تلقین کی ہے:

نوشہ جھوٹھ نہ بولیئے کریئے سچ کلام
برکت ناہیں جھوٹھیاں ہوون بے آرام (4)

1- گنج شریف ص379
2- ایضاً ص318
3- ایضاً ص401
4- ایضاً ص379

جھوٹھ پتھ نہ اپڑے توڑ
نوشہ جھوٹھ کوٹھے دی دوڑ

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں نہ صرف اخلاق کا ہی درس دیا ہے بلکہ اپنے دور کی سماجی اور اخلاقی برائیوں کو بے باکانہ انداز میں بے نقاب کیا ہے۔

چلمی ، ناسی ، پوستی ، بھنگی ، شرابی
آکھے نوشہ قادری ایہناں سدا خرابی[1]
جس جھگے وڑے کنجری ڈوم اتے شراب
نوشہ آکھے اجکل اوہ جھگا ہووے خراب

آخر میں فرماتے ہیں:

بدکلاماں سُنے نہ آکھے جو مرشد دا بیلی
اپنے دین دا واقف ہووے تس بنت اللہ بیلی

صبر و رضا

تصوف کے مرغزار میں صبر و رضا کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسکی واضح اہمیت موجود ہے۔ صبر کیا ہے؟ اس کے متعلق قرآن پاک کی روشنی میں بزرگان دین نے نہایت صراحت سے بیان کیا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

"یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُو اسْتَعِیْنُوْا بَاالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" [2]

یعنی۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے اللہ سے مدد طلب کرو۔

حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ صدمے کی صورت میں صبر کرنا بہتر ہے۔

1- گنج شریف ص515

2- القرآن پارہ 2 سورۃ البقرا آیت 153

حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں کہ صبر تین طرح کا ہوتا ہے:

"ایک صبر خدا کے لیے ہے اور وہ ادا کرنا احکام الٰہی و باز رہنا موانعات سے۔ اور دوسرا صبر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے یعنی تقدیر الٰہی پر صابر شاکر رہنا اور تیسرا اوپر خدا کے ہے اور وہ اسکے وعدۂ روزی و فراخی اور کفایت و مددگاری اور ثواب اُخروی پر صبر سے انتظار کرنا ہے۔"[1]

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے کہ صبر ایمان کے جسم کا سر ہے۔[2]

حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک، تھوڑا تھوڑا کڑوا گھونٹ بغیر منہ بنائے پینا صبر ہے۔"[3] جبکہ بقول حضرت ذوالنون مصریؒ "صبر کا معنی مخالفت سے دور رہنا ہے اور غم وغصہ کو آرام کے ساتھ برداشت کرنا اور میدان معیشت میں بحالت فقر و تنگدستی، تونگری کا اظہار کرنا ہے۔"[4] غور کرنے سے صبر کا یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ غربت اور تنگی میں بھی حالات کا مسکراتے ہوئے مقابلہ کرنا اور زبان پر شکوہ شکایت نہ لانا، صبر ہے۔

حضرت رابعہ بصریؒ کے خیال موجب رضا کا مطلب ہے کہ انسان مصیبت میں بھی اسی طرح خوش رہے جس طرح نعمت سے خوش رہتا ہے۔ حضرت ابوعلی دقاقؒ کے نزدیک رضا یہ ہے کہ بندہ، خدا کے حکم اور اس کی مرضی پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ تقدیر کے لکھے ہوئے پر یعنی قضاو قدر پر صبر کرے۔ خدا کے کاموں میں چوں و چرا نہ کرے اور اسکے احکامات کے سامنے بغیر حیل و حجت کے سر جھکا دے۔ تدبیر کی بجائے تقدیر کو مقدم سمجھے۔ اور اپنے دل سے خواہشات کو ختم کر دے۔ قرآن

1- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ ص611

2- ایضاً

3- ایضاً

4- ایضاً

پاک نے صبر اور رضا کا بہترین اجر بتایا ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں:

"جو شخص رضا سے آراستہ و پیراستہ ہے اور کشادہ پیشانی سے ہر اک کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے بہت بڑا مرتبہ بزرگی کا عطا ہوتا ہے۔[1]

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے صبر و رضا کے موضوع کو براہ راست قرآن سے اخذ کیا ہے۔ بلکہ قرآن پاک کی آیات کا براہ راست ترجمہ پیش کیا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے۔

مدد منگو تسیں مومنو بندگی صبر دے نال
اللہ ہے نال صابراں ہر ویلے ہر حال[2]
جو کٹھے راہ خدائے دے موئے آکھو ناں
سدا سدا اوہ جیوندے ناہیں خبر اساں
صبر کیتا جیہناں خوف وچ یا وچ بھکھ نقصان
گھاٹا مال یا آدمیاں یا وچ میوے دھان
اوہناں بشارت رب دی ہادی اوہناں خدا
نوشہ یادی اوسدا جس دتا ایہہ سمجھا
سچا آپ خدا

نوشہ صاحبؒ صبر کو درویش کی کمان قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر کمان اچھی ہو تو اس سے نکلا ہوا تیر ہدف پر لگے گا۔ اسی طرح اگر درویش صحیح معنوں میں صبر سے کام لے تو اسکی زبان سے نکلا ہوا کلمہ ٹھیک نشانے پر بیٹھتا ہے۔ یعنی ہر کلمہ سچ ہوتا ہے:

1- غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ ص614
2- گنج شریف ص350

صبر کمان درویش دی نوشہ صبر کمائے
صابر سندے صبر دا ہووے نہ تیر خطائے[1]

رضا کیا ہے؟ نوشہ صاحبؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مرشد کہے توں سن سچیار	سچا سو جس سچی سرکار[2]
سچی کار خاوند دی یاد	رب رضا تے ہون دل شاد
رب رضا تے راضی جو کوئے	اللہ اس تے راضی ہوئے
مورکھ چاہے موڑیا لیکھ	مڑے ناہیں جو لکھیا الیکھ
کویں مڑے جو چاہے رب	اوکھا کرے مورکھ نوں لب
قسمت کھاوے غنی فقیر	کارن طمع دے ہو زہیر
قلم ربانی سرتے وہے	مورکھ مفت وچ اوکھا رہے
چاہے بندے کجھ نہ ہوئے	جو رب چاہوے ہووے سوئے
مڑے ناہیں جو لکھیا دھنی	چویا ددھ نہ پوندا تھنی
جو لکھیا سو ہوون ہار	موڑیا چاہے مورکھ گوار
سالکاں منی رب رضائے	نوشہ واہ جو کرے خدائے

درویش وہ ہوتا ہے جو اللہ کی رضا پر راضی ہوتا ہے:

منن رب رضا نوں درویش خدا دے
خوشی گزارن رات دن خوش رہن رضا تے[3]
چاہ نہ رکھن اپنی درویش الٰہی
اوسے گل نوں چاہندے جو مولیٰ چاہی

1- گنج شریف ص352
2- ایضاً ص405
3- ایضاً ص406

جو تقدیرے لکھیا سوہووے ہووے
پیر پیغمبر اولیئے کوئی لیکھ نہ دھووے
قادر اگے کسے دی نہ قدرت چلّے
بن قادر دے حکم دے اک برگ نہ ہلّے

راضی بہ رضا رہنے کا بے حد ثواب اجر ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں، ان کے لیے سب سے بہتر اجر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ان سے محبت کرنے لگتا ہے۔ ان کا مقام بہشت بن جاتا ہے اور آخر کار ان لوگوں کو خداوند کریم کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ خداوند کریم کے اس قدر نزدیک ہو جاتے ہیں کہ خدا کی مرضی کے بغیر زبان نہیں کھولتے۔ لہذا جب کبھی وہ زبان سے کوئی لفظ نکالتے ہیں۔ تو وہ فوراً پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بولنے سے قبل ہی رب کی رضا حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر اسی کے حکم سے زبان کھولتے ہیں:

راضی رب تس مرد تے جو منے رب رضائے
راضی اوہ خدا تھوں اس تھوں آپ خدائے (1)
راضی رہن خدا تے بہشتی مرد خدا
آکھے نوشہ قادری وڈا بہشت رضا
اوہ فقیراں بھاوندا جو کجھ بھاوے رب
نوشہ مرد فقیر نوں ہور نہ کوئی لب
راضی رہن رضا تے جیہناں ویکھیا آپ ہی آپ
ہووے بھانا رب دا کیہا پن کیہا پاپ
راضی رہن رضا تے سو راضی رہن ہمیش
نوشہ راضی کون ہے راضی مرد درویش

1- گنج شریف ص 408

جس وچ خوشی خدائے دی تس وچ خوش درویش
نوشہ مرد درویش نوں ات بدھ خوشی ہمیش
نوشہ چاہیا رب دا چاہن مرد فقیر
اوہناں ایہہ نہ چاہیا جو مڑ جاوے تقدیر
جو درویشاں چاہنا چاہے اللہ سوئے
نوشہ چاہ جو رب دی درویشاں اوہو ہوئے

فقر اور درویشی

اکثر صوفیائے کرام نے حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان ''الفقر وفخری'' سے فقر اور درویشی کی تعلیم حاصل کی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فقر کو تاج قرار دیا ہے۔ اس لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ فقر کیا ہے؟ فقر اختیار کرنے والے کو فقیر کہا جاتا ہے، تصوف کی دنیا میں فقیر سے مراد بھیک مانگنے والا بھکاری نہیں ہے بلکہ ایک نہایت پروقار شخصیت کا نام ہے۔ فقیر کا وقار خدا کی ذات ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقر کو پانا ہر کسی کے لیے آسان نہیں۔ بقول حضرت غوث الاعظمؒ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

''اگر تو میرے ساتھ ہم نشینی چاہے تو تمہیں چاہیے کہ فقر اختیار کرو۔ یعنی میرے پرتو کے عکس سے پرہیز کرو جو تمہاری ذات میں ہے، اور اپنی ذات کو فنا کر دو۔ یعنی میرے ہی محتاج بنو۔ میرے ہم رنگ ہو کر مجھ سے اتحاد و یگانگت کر چکو تو میرے لیے میرے محتاج ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ تم ''میں'' ہو جاؤ۔ بالکل معشوق ہو جاؤ تو فقیر کا فقر پورا ہوگا۔ جب فقیر کا فقر کامل ہو جائے تو فقیر کا آئینہ اس سے صاف ہو جاتا ہے کیونکہ اس فقر کا نمائندہ یا دکھانے والا میں ہی ہوں۔''(1)

1- رسالہ غوث الاعظم اردو ترجمہ ص 141

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ فقر اور فقیر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فقیر وہی ہے جو خدائے عزوجل سے حاجت مانگے۔ حاجت مانگے سے فقیر کے دل میں آگ بھڑکتی ہے۔ تاکہ ماسوا خدا کو جلا دے اور فقر کی تکمیل میں جلتا رہے۔"(1)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

"فقیر اسے کہتے ہیں جسے قربِ ربانی، نفس کی سلطانی، ناظر عیانی، نظرِ لامکاں اور روحانی مرتبہ حاصل ہو اور اگر لاہوت و لامکان میں آ کر دونوں جہان کی طرفوں کو دیکھے تو اسے رائی کے دانے کے اور مچھر کے پر کے برابر دکھائی دے۔"(2)

حضرت نوشہ گنج بخشؒ فقر اور فقیری کے ان تمام رموز اسرار سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں فقر اور فقیری کے متعلق وضاحت سے بیان کیا ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ فقر ایک ایسا عمل ہے جو صرف اولیائے کرام اور درویشوں کا ہی حصہ نہیں ہے بلکہ پیغمبروں اور انبیاء نے بھی فقر اختیار کیا:

کیتا فقر پیغمبراں کر کر یاد خدا
نوشہ مرد فقیر سو جو منّے رب رضا(3)

فقر کا درجہ بہت بلند ہے۔ فقر اختیار کرنے والا صرف خداوند کریم کا طلبگار اور محتاج بن جاتا ہے۔ دنیاوی سہارے اسے بے معنی اور ہیچ لگتے ہیں۔ ایک فقیر پر جب یہ راز منکشف ہو جاتا ہے کہ اول و آخر رب ہی رب ہے۔ وہی ہر قسم کی ضروریات

1- رسالہ غوث الاعظم اردو ترجمہ ص 72
2- سلطان باہوؒ: عقل بیدار، اردو ترجمہ، اللہ والے کی قومی دکان لاہور 1977ء ص 71
3- گنج شریف ص 307

و احتیاجات کو پورا کرتا ہے تو پھر اس کے تمام دنیاوی سہارے خود بخود ٹوٹ جاتے ہیں نوشہ صاحب فرماتے ہیں:

رب فقیر نوں پالدا وچ اپنے سائے
جتھے وہم نہ اپڑے اوتھے رزق پہنچائے(1)

فقر کا درجہ کس قدر بلند ہے؟ فقر کا افادی پہلو کیا ہے۔ اس کے متعلق نوشہ صاحب کا ارشاد ہے:

فقر نشانی بہشت دی نہ کجھ خوف نہ غم
نوشہ مرد فقیر دا رہے سکھالا دم(2)
بہشت فقیری پیاریا جس وچ خوف نہ غم
آکھے نوشہ قادری فقر شہانا کم

ایک فقیر کا کن صفات سے متصف ہونا لازمی ہے۔ اس کے متعلق نوشہ صاحبؒ کا بیان ہے:

مرشد سچے مہر نگاہے کاٹھاں کیتا ہریا
مہر نظر کر مرشد سچے سکھنیاں نوں بھریا(3)
بے نیازی دے تخت بہایا تاج درویشی دھریا
مرشد سچے مہر نگاہے کاٹھا کیتا ہریا
صبر جلوس قناعت خزینہ سکّہ صدق دا لایا
خطبہ اللہ اللہ پڑھیا دم دم حکم سوایا

1- گنج شریف ص 308
2- ایضاً ص 309
3- ایضاً ص 307

غصہ حرص تکبر شہوت حسد بغض دلگیری
شہر بدر کر چوراں ٹھگاں عملاں دتی امیری
لئی فقیری گئی دلگیری بے غم چھتر جھلریا
نوشہ کہے فقیر قادر دا فقروں جنم سدھریا

فقیر اور دنیا دار ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو نوشہ صاحبؒ نے دلچسپ انداز میں یوں پیش کیا ہے:

بُجّی مرد فقیر دی چوے جُمل جہان
پگڑی دنیا دار دی سن سر رُلے میدان (1)

o

جو بادشاہی لقب ہے سو فقرا وڈا نام
قادر دے فقراں نوں سب جھک جھک کرن سلام (2)

فقیر کا اخلاق کردار اور حسن سلوک کیسا ہونا چاہیے۔ اس کے متعلق نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

مہر مسکینی خادمی دینداری دا راہ
ایہہ نشان فقیر دے کہے فقیر نوشاہ (3)
چور زناہی بھوہرواں نیت کھوٹی نت
کھوٹ نہ کم فقیر دا نوشہ رکھیں چت

1- گنج شریف ص 315
2- ایضاً ص 313
3- ایضاً ص 315

ناہیوں کم فقیر دا ظلم زور زناہ
مہر محبت بندگی ایہہ فقیری راہ

فقیر حقیقت میں واصل حق ہوتا ہے اس لیے اسکی نگاہ میں تلوار کی کاٹ اور بجلی کی چمک سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اسی امر کا اعتراف علامہ اقبالؒ نے یوں کیا ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نوشہ صاحبؒ جسے فقیر کہتے ہیں علامہ اقبال کے نزدیک وہی مرد مومن ہے۔

نوشہ گنج بخشؒ نے نگاہ فقیر کے اثر کو یوں بیان کیا ہے:

مارے مرد فقیر دے مردے لکھ امیر
نوشہ سٹ فقیر دی جھل نہ سکن بیر (1)

نوشہ صاحبؒ فقیری اور درویشی کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک فقیر یا درویش ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ کیونکہ دونوں کا ایک ہی کام، ایک ہی عمل اور ایک ہی پہچان ہے۔ بلاشبہ فقیر دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس لیے وہ دنیا داروں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن نوشہ صاحبؒ اس درویشی کے قائل نہیں جو انسان کو انسان سے دور لے جائے اور لوگوں سے بیزار کر دے۔ ان کے نزدیک درویش وہ ہے جو انسانیت کی خدمت کو اپنا شعار بناتا ہے۔ اچھے اخلاق کا مالک ہے دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ نیکی کا پرچار اور برائی سے نفرت سکھاتا ہے۔ کیونکہ درویش یا فقیر خدا سے لو لگانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کو بھی اسی راہ پر چلانے اور ترغیب دینے میں ماہر ہوتا ہے۔ اس لیے نوشہ صاحبؒ جب درویش یا فقیر کی بات کرتے ہیں تو روحانی پہلو کے ساتھ ساتھ سماجی پہلو بھی پیش نظر رکھنا درویش یا فقیر کا فرض خیال کرتے ہیں۔ سب سے پہلے نوشہ صاحبؒ کا وہ شعر ملاحظہ کریں جو ان کے ان نظریات

1- گنج شریف ص 313

وافکار کا غماز ہے۔ پھر وہ شعر دیکھئے جس میں وہ درویشی کو معاشرے کی ضرورت سمجھتے ہیں اور درویش کی ذمہ داری بھی۔

درویشی دے رکن ترے حال، قال، اعمال
حال صدق ، اقرار قال ،حکم منن اعمال (1)

O

نوشہ خدمت بندگی ، مہر صبر یقین
پنجے کم درویشی دے کرے جو مرد مسکین (2)

فقر اور درویشی کا عملی پہلو کیا ہے؟ اور ان سے سماج کیسے سنورتا ہے؟ نوشہ صاحبؒ کی شاعری میں اسکی خاص اہمیت ہے اور یہ اہمیت قاری پر خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ نوشہ صاحب فرماتے ہیں:

بندہ اوہ فقیر ہے جو رہے امید دے در
نوشہ مرد فقیر نوں نہ کجھ لوبھ نہ ڈر (3)

O

دنیاداراں جھوٹھیاں جھوٹھے بول مخول
نوشہ مرد درویش دے سچ سچاویں قول (4)
نوشہ پنتھ درویش دا بے غم بے وسواس
جتھے ویری کوئی نہ تتھے اوہناں واس

O

1- گنج شریف ص 325
2- ایضاً
3- ایضاً ص 385
4- ایضاً ص 320

نہ ایہہ ویری کسے دے کرن نہ کسے ویر
اوہناں ویری کوئی نہ جتھے کتھے خیر
درویشی گُل خیر پیارے درویشی گُل خیر
نہ درویشاں بغض بخیلی نہ درویشاں وَیر (1)

نوشہ صاحبؒ نے بلاشبہ اپنے کلام کے ذریعے تصوف کی تعلیم دی ہے۔ لیکن ادبی شان اور فن شاعری کو کہیں بھی مجروح ہونے نہیں دیا:

رُکھاں سیہا وڈ کپ دھرتی سیہا تول
سہن درویش خدائے دے نوشہ بول کبول (2)

نوشہ صاحبؒ کے خیال میں درویش یا فقیر ہی اصل میں مومن ہے۔ جو ایک طرف اللہ سے لو لگاتا ہے دوسری طرف رب کی مخلوق کو رب کیساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن دنیا دار باطن کی آنکھ سے محروم ہوتا ہے۔ اس لیے وہ درویشی کی رمز کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ لیکن بعض بد بخت اپنی کم عقلی اور جہالت کے باعث درویشوں کو بُرا کہتے ہیں۔ ایسے ہی بُرے اور بدقماش لوگوں کے بارے میں نوشہ صاحبؒ بعض اوقات جذباتی ہو جاتے ہیں:

مندا کہے درویش نوں جس مندائی ذات
گوڑی لگے کھنڈ تس کوڑا جیہندا وات (3)
جانے نیچ فقیر نوں ہووے جو جنم دا نیچ
کُھلے اوکھی پٹ دی گئی گنڈھ جاں پیچ

1- گنج شریف ص 320
2- ایضاً ص 325
3- ایضاً ص 310

درویشاں اندیشہ ناہیں بادشاہاں سر دھوکے
درویشی درویشاں ملی بادشاہاں تخت جھروکے [1]
درویشی دا قدر پچھانے سو درویش الٰہی
درویشی نوں اُتم جانے نیچ جانے بادشاہی
دنیا گند نجاست ڈھیری ہن چوہڑے کیں چاہی
الفقر و فخری حضرت فرمایا نوشہ کہے نگاہی

آخر میں اس موضوع کو یوں سمیٹتے ہیں:

خُلق درویشی، لطف درویشی، خدمت بھی درویشی
مالوں، جانوں، دلوں، زبانوں، بھلیائی درویشی [2]
درویشی اخلاص پیارے درویشی اخلاص
میں میں چھوڑے مانا توڑے سوئی بندہ خاص
میری میری کوڑ دی ڈھیری کوڑوں لکھ وناس
ہو رنگ سدا درویشاں طمع نہ کجھ ہراس

ذکرفکر

ذکرفکر ایک درویش کی غذا ہے۔ اسے روحانی طور پر جس قدر بلندیاں حاصل ہوتی ہیں وہ سب کی سب ذکرفکر کے باعث ہیں۔ ذکر سے مراد اللہ کی یاد میں ڈوبے رہنا ہے اور فکر سے مراد انسان کا کائنات میں آنے کا مقصد تلاش کرنا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے چالیس سال ہمارے سامنے ہیں۔ آپ ﷺ کئی کئی دن تک غار حرا میں ذکرفکر میں مصروف رہتے ہیں۔ ذکرفکر حکم خداوندی ہے اور سنتِ رسول ﷺ

-1 گنج شریف ص322
-2 ایضاً ص232

بھی ہے۔ اس کے بغیر تصوف کی کوئی منزل بھی طے نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" [1]

یعنی۔ جو لوگ ہمیں ملنے یا ہم تک پہنچنے کو شش کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنی طرف آنے والی راہ دکھا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے۔

"وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" [2]

اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو۔ تا کہ تم فلاح پا جاؤ

"یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً" [3]

اے ایمان والو! اللہ کو یاد کرو بہت زیادہ یاد کرو۔

"وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعاً وَّخِیْفَۃً وَّ دُوْنَ الْجَھْرِ" [4]

اپنے پروردگار کو یاد کرو۔ اپنے دل میں عاجزی کیساتھ، ڈر کیساتھ، نیچی آواز کے ساتھ۔

انسانی زندگی کا مقصد، دین اور دنیا کی بھلائی اور بہتری تب ہی ہو سکتی ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے ذکرفکر میں پورے خلوص کیساتھ ڈوبا رہے۔ ذکرفکر کا بنیادی مقصد دل کے رنگ محل کو غیر خدا کی محبت سے خالی کر کے اسے اللہ تعالیٰ کی یاد کی مہک سے آباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکرفکر میں ڈوبا ہوا سالک ربی رحمت کا طلبگار ہوتا ہے۔ علامہ محمد ذوقی نے ذکر کی نہایت خوبصورت تعریف کی ہے:

"ہر وہ چیز جس کے توسل سے یادِ حق ہو خواہ اسم ہو یا رسم، فصل ہو یا

-1 القرآن 29/69
-2 ایضاً 8/45
-3 ایضاً پارہ22 سورۃ الاحزاب۔ 41
-4 ایضاً پارہ9 سورۃ اعراف آیت 205

جسم، کلمہ ہو یا نماز، تلاوت قرآن یا درود شریف یا ادعیہ یا کیفیات یا کوئی اور چیز جس سے مطلوب کی یاد ہو اور طالب و مطلوب میں رابطہ پیدا ہو یا بڑھے اصطلاح تصوف میں ذکر کے نام سے موسوم ہے۔ (1)

قرآن مجید میں جہاں مومنین کو ذکر میں مصروف رہنے کا حکم موجود ہے وہاں ذکر کرنے والوں کا مرتبہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن کا ذکر کرتا ہے:

" اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ " (2)

" وَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ " (3)

ذکر دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہونے اور رابطہ قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ذکر کرنے کے بہت سے طریقے ہیں تصوف کے مختلف سلسلوں میں مختلف طریقے مروج ہیں۔ علامہ شاہ محمد ذوقی نے ان سلسلوں کے حوالے سے ذکر کی یہ بارہ اقسام بیان کی ہیں:

1- **ذکر قلبی:** یہ ذکر زبان کی بجائے دل سے کیا جاتا ہے۔ اسے ذکر ملکوتی کہتے ہیں۔

2- **ذکر لسانی یا ناسوتی:** یہ ذکر زبان سے کیا جاتا ہے۔

3- **ذکر روحی:** یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ اسے جبروتی اور مشاہدہ بھی کہا جاتا ہے۔

4- **ذکر نفسی:** اس ذکر میں عقلی تصور کیساتھ اصل مقصود کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسے فکر بھی کہتے ہیں۔

5- **ذکر لاہوتی:** اس ذکر کے دوران میں سالک کے دل پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات

1- شاہ محمد ذوقی: سرِّ دلبراں؛ کراچی 1388 / 1968ء ص 169
2- القرآن پارہ 4 سورۃ آل عمران آیت 191
3- القرآن پارہ 2 سورۃ البقرۃ آیت 152

چمکتے ہیں۔ اس لیے اسے ذکر سرّی اور معائنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

6- **ذکر نفی اثبات:** صرف لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کا ورد کرنا۔

7- **ذکر اسم ذات:** صرف اِلا اللّٰہ کا ورد کرنا اور دل کی ضرب کیساتھ اِلا اللّٰہ کہنا۔

8- **ذکر جبروتی:** ھُو ھُو کا ذکر کرنا۔

9- **ذکر مریضہ:** ذکر کے دوران مریض جیسی آواز نکالنا۔ تا کہ ذکر میں سوز پیدا ہو جائے۔ سلسلہ سہروردیہ کے پیروکار یہی ذکر اکثر کرتے ہیں۔

10- **ذکر محزونہ:** غمناک آواز میں ذکر کرنا۔ عام طور پر قادریہ حضرات یہ ذکر کرتے ہیں۔

11- **ذکر عشقیہ:** ذوق وشوق کے غلبے کیساتھ ذکر کرنا۔ یہ ذکر چشتیہ سلسلے کی خوبی ہے۔

12- **ذکر رابطہ:** اپنے مرشد کے ساتھ رابطہ قائم رکھنا۔ حاضر و غائب اسکی موجودگی میں ادب کیساتھ اور عدم میں تصور کے ساتھ ذکر کرنا۔ اس خیال سے کہ اس کا مرشد دیکھ رہا ہے۔

ان میں سے ذکر نفی اثبات، ذکر اسم ذات، ذکر عشقیہ اور ذکر رابطہ سلسلہ نوشاہیہ کے بزرگوں میں زیادہ مروج ہیں۔ نوشہ گنج بخشؒ نے اپنی شاعری میں جو ذکر پر بڑا زور دیا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس میں ان چار طریقوں کی چاشنی موجود ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ سے پتا چلتا ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے ساری ساری رات کھڑے رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پیروں پر ورم آ جاتا تھا۔ پھر بھی آپؐ اللہ کی یاد میں محو رہتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ نے بھی حضور اکرم ﷺ کی تقلید کی اور ساری ساری رات عبادت کیا کرتے تھے۔ اکثر اولیاء اللہ کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ اپنے دور کے عظیم صوفی اور درویش تھے اس لیے وہ ذکر فکر کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں

کئی ایک مجاہدے کیے۔ وہ ساندر کے ویرانے میں کئی کئی دن تک اکیلے ربی فکر ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ اس لیے ذکر فکر کی حقیقت ان پر آشکار تھی۔ انہوں نے اپنی شاعری میں انسان کو ہر وقت ربی یاد میں مصروف رہنے کا درس دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان کو ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مگن رہنا چاہیے۔ کیونکہ یاد کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طلب کرنا بے معنی ہے۔ انسان کی زندگی کس قدر طویل یا مختصر ہے کسی کو خبر نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ جتنی زندگی ہے اسے ربی یاد میں گزارا جائے۔ کیونکہ جو دم غافل سو دم کافر ہوتا ہے۔ انسان کی تخلیق کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُم اور قَالُو بَلٰی کے میثاق کے مطابق یادالٰہی کو زندگی کا مقصد بنائے نوشہ صاحبؒ کہتے ہیں:

جے تئیں طلب خدائے دی آٹھ پہر کر یاد
یاد بناں جو طلب ہے نوشہ سو برباد (1)
جو دم آوے یاد وچ اوہ غنیمت دم
نوشہ یاد کر رب دی جو آیوں ایسے کم (2)
صفت صاحب دی بولیے جاں جاں چلے زبان
ایتھے وت نہ آونا دم غنیمت جان
بندگی کریئے حق دی ہور کسے دی ناں
اوہو لائق منّنے جو سب وچ عیاں (3)

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو غفلت چھوڑ کر ربی یاد میں مگن رہنا سودمند ہے۔ کیونکہ دنیا میں انسان صرف ایک ہی مرتبہ آتا ہے۔ موت کے بعد اس کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ اگر کچھ باقی رہتا ہے تو حق کی یاد ہی باقی رہتی ہے۔

1- گنج شریف ص 363
2- ایضاً ص 477
3- ایضاً ص 385

اللہ تعالیٰ نے انسان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہ رنگا رنگ کھانوں سے لذت لیتا اور لطف اندوز ہوتا ہے۔ لطف اندوز ہونے والی زبان اگر وہ ان نعمتوں کے عطا کرنے والے کا شکر ادا نہ کرتے ایسی زبان کو کاٹ دینا ہی بہتر ہے:

غافل غفلت چھڈ دے نوشہ آکھے ایہہ
پھیر نہیں ایتھے آونا جاں مٹی ہوسی دیہہ (1)
یاد نہ کرے داتار دی کھاون نوں تیار
نوشہ کہے اس جبھ نوں نالوں کٹ اُتار

نوشہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر شئے رب کی یاد میں مصروف ہے۔ جیسے درخت کے پتے اللہ کی یاد میں مگن رہ کر سرسبز رہتے ہیں۔ اسی طرح جو بندہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مگن رہتا ہے وہ ہمیشہ شاد و آباد رہتا ہے۔ کیونکہ اسے ربی یاد سے دلی سکون میسر آتا ہے:

ہر ہر برگ درخت دے کردے یاد خدائے
نوشہ یادی رب دا ہریا رہے سدائے (2)

اللہ تعالیٰ نے آرام کرنے کے لیے رات بنائی ہے۔ ساری خلقت دن بھر کام کرنے کے بعد رات کو آرام کرتی ہے۔ لیکن صوفی رات کو رب کی یاد کے لیے بہترین وقت سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کو نیند کی بجائے رب کی یاد میں آرام حاصل ہوتا ہے:

سنجھ پئی دن گزریا چاہے خلق آرام
نوشہ یاد کر رب دی جو ایہہ آرام دا کام (3)

ہر جاندار شئے رب کی یاد میں مصروف رہتی اور جو بے جان شئے ہے وہ

1- گنج شریف ص 473
2- ایضاً ص 476
3- ایضاً ص 477

خاموش ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے فارغ ہے اسے زندہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ پتھر ہے جسکی زبان ذکر کے لیے کھل نہیں سکتی۔

یاد بناں جو آدمی سو سِل پتھر وَٹ
نوشہ حق دی یاد وچ پل پل ساہ پلٹ [1]

یوں تو نوشہ صاحبؒ نے ذکر فکر کے متعلق بے شمار شعر کہے ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لیے یہاں صرف ایک شعر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

بندگیوں رب پایئے بندے بندگیوں رب پایئے [2]
مرشد سچا پار لنگھاوے من مرشد سنگ لایئے

مسئلہ تناسخ اور ہندومت کا ردّ

ہندو مذہب اور تہذیب کے پیچھے انسانی عقل کا صدیوں کا سفر ہے۔ اس مذہب کی بنیاد عقلیات اور تخلیات پر ہے۔ جبکہ اسلام ایک الہامی مذہب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کے کسی پہلو میں تشنگی یا کمی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلے میں ہندو مذہب اور تہذیب میں اس قدر الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں کہ قدم قدم پر قول و فعل ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے نظر آتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ نے لوگوں کو ہندو مذہب کے ان نقائص سے واقف کرایا ہے تاکہ وہ غلط راستہ چھوڑ کر سچے رب کے صراط المستقیم پر گامزن ہوسکیں۔ نوشہ صاحبؒ کی نظم ''ہندواہار'' کے چند شعر دیکھیں۔ جن میں ایک طرف ہندو معاشرے کی واضح تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے دوسری طرف ان کی رسومات و رواج خود ان کا مذاق اڑاتے دکھائی دیتے ہیں:

1- گنج شریف ص475
2- ایضاً ص474

ہندو ڈر دا مٹیوں مٹی تے سڑ دا
مٹی ہوئے سواہ تھوں پھر مٹی پڑدا [1]
سو مٹی گھمیار لے پھڑ بھانڈے گھڑدا
گتاں گئو دے گوشت دا اُتے چلھے چڑھدا
جتی گئو کے چم دی پیریں ہندو پاون
گاترا کر تروار دا گل سینے لاون
دُدھ گئو تر پیونا گوہا چوکے پاون
پوچھ سترائی گئو دی لے چوری بناون
پانی پیون بوکیوں بوکے نال نہاون
چرم منڈی وچ بیٹھ کے ہک ہک چم گناون
گئوئیں چھکڑے واہندے آر بلداں لاون
گئو رت ہتھ لگدی ان دھوتے کھاون

ہندومت میں کچھ ایسی رسومات آج بھی موجود ہیں جن کو انسان نفسیاتی طور پر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ لیکن عقل فکر رکھنے کے باوجود ہندو ان رسومات کو مذہب کا حصہ بنائے ہوئے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ ان بری اور غلط رسومات کا ذکر کرتے ہوئے ہندوؤں کی معاشرتی زندگی پر زبردست طنز کرتے ہیں:

گوہا نال گئو تر گھولن تس نوں کہن پوتر
ڈھیری کرن تے موہنہ چڑاون تاں راضی ہون وڈتر [2]
دُکھ لکاون نہ رل کھاون ہک دوئے دے متر
نوشہ کہے فقیر محمدیؐ چھتریاں سر چھتر

1- گنج شریف ص613
2- ایضاً ص380

ڈاکٹر لاجونتی رام کرشنا نے ''پنجابی صوفی شاعر'' میں تصوف کے موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے جہاں اور بہت سی اغلاط کا ارتکاب کیا ہے وہاں یہ بھی غلط بیان کیا ہے کہ مسلمان صوفیاء نے مسئلہ آواگون کو تسلیم کر لیا تھا۔ ڈاکٹر لاجونتی کے اس بیان کی اساس سوائے تعصب کے اور کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان صوفیائے کرام نے کبھی بھی مسئلہ تناسخ کو تسلیم نہیں کیا۔

مسلمان صوفیائے کرام نے اس دنیا کو ہمیشہ عارضی قیام گاہ یا سرائے کہا ہے جہاں مسافر ایک دو دن قیام کرنے کے بعد اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ وہ اس دنیا میں ہی اگلے جہان کی فکر کرے۔ مسلمان صوفیاء نے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ تمام مخلوقات میں صرف انسان بہترین مخلوق یا احسن تقویم ہے۔ اس لیے کائنات کی ہر مخلوق سے زیادہ انسان کی قدرومنزلت ہے۔ مگر انسان کی موت کے بعد اس کا مختلف جانوروں کی شکل میں دوبارہ جنم لینا صرف انسانی ذہن کی تخلیق ہے۔ جس میں انسان کی بے حد توہین و تذلیل ہے جو کسی صورت بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ ڈاکٹر لاجونتی نے اپنے نظریات کی تائید کے لیے سید بلھے شاہؒ کو ویدانتی صوفی کہا ہے۔ حالانکہ بلھے شاہ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتے ہیں:

ایتھے آونا دوجی ناہیں
اٹھ جاگ گھراڑے مار ناہیں
ایہہ سون تیرے درکار ناہیں[1]

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے ہندومت کے اس نظریے کی پرزور مخالفت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ انسان دنیا میں صرف ایک ہی مرتبہ آتا ہے۔ موت کے بعد دوبارہ جنم لے کر اس دنیا میں نہیں آتا۔ کیونکہ موت کے بعد اسکی ایک اور زندگی شروع ہو جاتی ہے جسے برزخ کی زندگی کہا جاتا ہے۔ انسان کے نیک اعمال اور برے اعمال کا حساب

1- کلام بلھے شاہؒ، ص 4

کتاب قیامت کے دن ہوگا۔ پھر اسکے اعمال کے مطابق اسے جزا اور سزا ملے گی۔

حضرت نوشہ صاحبؒ مسئلہ تناسخ کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نہ اسیں آئے نہ اسیں چلے آواگون بھرم دی
مرشد آواگون مٹائی کیتی نظر کرم دی[1]
پڑھ کلمہ جوناں توں چھٹے لدھی واٹ پرم دی
نوشہ کہے فقیر الہی وار سنوار جرم دی

غافل غفلت چھڈ دے نوشہ آکھے ایہہ
پھیر نہیں ایتھے آونا جاں مٹی ہوسی کھیہہ[2]

دم دم رب سنبھالیئے غفلت دیئے ٹال
ایتھے پھیر نہیں آونا نوشہ رب سنبھال[3]

ہندومت کے یہ نظریات نہ تو کسی منطق کا نتیجہ ہیں اور نہ ہی کسی مذہب سے اخذ کئے گئے ہیں۔ صرف سنی سنائی روایات اور من گھڑت کہانیوں پر مشتمل ہیں۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، اسی طرح ہندومت کے ان نظریات کے بھی پاؤں نہیں ہیں۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی صحبت سے پرہیز اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

نوشہ ہندو چور نیں گلاں لین چرا
ایہناں نہ آون پاس دے ایہناں پاس نہ جا[4]

1- گنج شریف ص 389
2- ایضاً ص 473
3- ایضاً ص 476
4- ایضاً ص 614

مول نہ ایہناں نال مل ملن نہ دے سچیار
ایہہ سبھ گل دے چور نیں بھٹھ ایہناں دا پیار

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان غیر منطقی اور غیر فطری نظریات سے محفوظ رہنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ کلمہ طیبہ پر مکمل طور پر ایمان قائم کیا جائے۔ کیونکہ کلمہ ہی ایک ایسی بڑی نعمت ہے کہ انسان کو دین اور دنیا کے عذاب سے نجات دلاتی ہے:

مرد فقیر جس کلمہ پڑھیا سو جوناں تھوں چُھٹا
مکت ہویا جس کلمہ پڑھیا جوناں بھوگن تھوں چھٹا(1)
ایہی کلمہ نربندھن ہویا کلمیوں بندھن ٹُٹا
نام برابر وست نہ کوئی نام بناں سب بُٹا
نوشہ کلمہ نام سچاواں نامی کدی نہ کُھٹا
کلمہ پڑھے سو جون نہ پاوے پہنچے دھر درگاہ
کلمہ آونوں جاونوں رکھے کہے فقیر نوشاہ

حاصل کلام یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے اپنی صوفیانہ شاعری کی بنیاد ان صوفیانہ خیالات پر استوار کی جو خالصتاً اسلامی تصوف کی پیداوار تھے۔ انہوں نے اپنے صوفیانہ کلام کے ذریعے بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ سے شروع ہونے والی صوفیانہ ادبی روایت کو اس قدر مستحکم بنا دیا کہ ان کے بعد آنے والے صوفی شعراء بھی ویدانت اور بھگتی لہر سے متاثر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک پنجابی صوفیانہ شاعری اسلامی تعلیمات کا وہ نقشہ پیش کرتی چلی آ رہی ہے جو آنے والی نسلوں کو فکر کی صحیح سمتیں متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتا رہے گا۔



1- گنج شریف ص389

باب 4

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پنجابی شاعری

فنی مطالعہ

اسلوب کسے کہتے ہیں

ہر انسان کے بات کہنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ اسی انداز کی وجہ سے ہم اسکی آواز دور سے سن کر بن دیکھے اُسے پہچان لیتے ہیں۔ یہی کلیہ تحریر پر صادق آتا ہے۔ ہر ادیب کا اندازِ تحریر اُسے اپنے ہم عصر اور ماقبل ادباء سے مختلف ومنفرد مقام عطا کرتا ہے۔ شاید اسی لئے نیومن نے کہا تھا۔

"Every spirit builds its own house" (1)

بظاہر تو اسی کو اسلوب سمجھا جاتا ہے لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اسلوب کی اصطلاح اپنے اندر وسیع مطالب و مفاہیم کا سمندر لئے ہوئے ہے۔ کیونکہ نقادوں کے نزدیک اسلوب، تکنیک، ہیئت، زبان اور بیان کی تمام صورتوں پر حاوی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن کی رائے ہے:

"اس میں موضوع انتخاب، احساس کی شدت، ادبی خلوص، طرز فکر اور تاثیر سبھی منزلیں آتی ہیں۔ تاثیر سے لے کر اظہار تک ان میں سے کسی ایک کو علیحدہ کر دیجئے، انداز بیان کی نشو ونما اور ترتیب کا شیرازہ بکھر جائیگا۔ یہی مفہوم اور طرز بیان نفس مضمون اور اسٹائل کا سنگم ہے۔"(2)

1- Hadsin: An Introdution to the Study of Literature. P-28

2- ڈاکٹر محمد حسن: ادبی تنقید؛ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ 1954ء ص19

جہاں تک ادبی خلوص کا تعلق ہے، وہ ہر شاعر اور ادیب کے پاس ہوتا ہے لیکن طرز فکر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ادیب کا اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے ، اشیاء کا مشاہدہ کرنے، پرکھنے اور پھر احساس کو دوسروں تک پہنچانے کا ڈھنگ مختلف ہوتا ہے۔ ادب میں یہی خصائص ایک فنکار کے اسلوب کو دوسرے فنکار کے اسلوب سے جدا کرتے ہیں۔ انگریزی زبان میں اسلوب کو Style کہتے ہیں۔ شاعر کے اسلوب بیان کو Poetic Style کا نام دیا جاتا ہے اور نثر نگار کے اسلوب نگارش کو Prose Style کہتے ہیں۔ سٹائل یا اسلوب کی بحث چھیڑنے سے قبل اسکی باریکیوں پر غور کرنا بے حد ضروری ہے۔ سٹائل کیا ہے؟ اس کے متعلق مختلف لوگوں کے مختلف اقوال و نظریات ہیں۔ اس سلسلے میں معروف لکھاری Joseph T. Shipley کہتا ہے:

"Style is a term of literary criticism, vievwed as specific by some and as generic by others, used to name or discribe the manners as quality of an expresson"(1)

Pater کے خیال میں سٹائل سے مراد:

"The finer accommodation of Speech to the vision within"(2)

آرنلڈ نے سٹائل کی وضاحت کے لئے Words worth کی شاعری کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

"When Wordsworth has style, Nature hersef seems ...... to take the Pen out of his hand to write for him with her own bare, sheer penetrating powers."(3)

1- Joseph, T. Shipley: Dictionary of world Literary Terms, Britain 1970 P.314
2- Ibid
3- Ibid

اس ضمن میں کسی حد تک Stenddal کی رائے وزنی معلوم ہوتی ہے:

"Style consists in adding to a given thought all the circumstances calculated to produce the whole effect that the thought ought to produce"(1)

شوپنہار کے نزدیک سٹائل ذہن کا چہرہ مہرہ ہے:

"The Style is the Physiognomy of the mind"(2)

نیومن نے بھی ایسی ہی بات کہی ہے:

"Style is a thinking out into language." (3)

ہڈسن نے سٹائل کی تعریف نہایت خوبصورت اور واضح انداز میں یوں کی ہے:

"The chose of the words, the turn of the phrases the structure of the sentences their peculiar rythm and candance these are all curiously instinct with the individuality."(4)

ہڈسن کی اس تعریف سے اسلوب کے کئی عناصر سامنے آتے ہیں لیکن ڈاکٹر سید عبداللہ اسلوب کے تین عناصر بیان کرتے ہیں:

(i) پیرائیہ بیان Technique of Expression یعنی افکار و خیالات کو پیش کرنے کا ڈھنگ جو کسی ملک میں مروج ہو۔

(ii) انفرادیت Indeviduality یعنی وہ انفرادی خصوصیات جو ہر شخص کے پیرائیہ بیان کو دوسروں سے الگ اور ممتاز کرتی ہیں۔(5)

-1 Dictionary of world Literary Terms P.314
-2 Ibid
-3 Ibid
-4 An Introduction to the Study of Literature - P.27
-5 ڈاکٹر سید عبداللہ: اشارات تنقید، مکتبہ خیابان ادب لاہور 1966ء ص 371

(iii) عظیم الشان اور لاجواب پہلوئے بیان:

Absoluteness and Uniqueness of Style

یعنی پیرائیہ بیان کے وہ عظیم الشان پہلو جن سے امتیاز مطلق قائم ہوتا ہے۔ یعنی ایسی خصوصیات جن کا جواب ناممکن ہوتا ہے۔ (1)

اسلوب اور شخصیت

عام طور پر مذکورہ تینوں خوبیوں میں سے کسی ایک خوبی کی موجودگی کو بھی سٹائل کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلوب یا سٹائل اس قدر چھوٹا لفظ نہیں ہے کہ تین خوبیوں کی بجائے کسی ایک خوبی پر اس کا اطلاق کر دیا جائے۔ یا کسی ایک خوبی کو دیکھ کر اُسے سٹائل کہہ دیا جائے۔ حقیقتاً سٹائل اُسے کہتے ہیں کہ جس میں فنکار کے فن میں خارجی عناصر کے ساتھ ساتھ داخلی عناصر بھی شامل ہوں۔ یعنی سٹائل میں بیان کے داخلی اور خارجی دونوں عناصر موجود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی فن پارے کے ذریعے ماحول کی عکاسی ہوتی ہے تو اُسکی روح یا تاثیر کو جلا بخشنے والی کیفیت اصل میں فنکار کی داخلی کیفیت ہوتی ہے اسی خوبی کو مشہور فرانسیسی مفکر بوفاں نے Style is the man himself کہا ہے۔ (2)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا میں سٹائل یا اسلوب کی تعریف نہایت دلچسپ انداز میں کی گئی ہے:

> "Style involves the selection and organization of the features of language for expressive effects, and Includes all uses of sound patterns, words, figures of speach, images and syntactic forms."(3)

1- سید عبداللہ ڈاکٹر: اشارات تنقید؛ مکتبہ خیابان ادب لاہور 1966ء ص 371

2- Dictionary of world Literatry Terms P.315

3- Encyclopaedia of Britannica. Vol 21 , P. 332

سٹائل یا اسلوب کے متعلق اگر ان تمام تعریفوں کا جائزہ لیں تو یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلوب کسی فن پارے کو پیش کرنے کا وہ سلیقہ ہے جس میں خارجی خوبیوں کے ساتھ ساتھ مصنف کی باطنی شخصیت کا پرتو بھی ہوتا ہے۔ یوں فن کا رشتہ ایک طرف مصنف کی ذہنی کیفیت (انفرادی شخصیت) کے ساتھ جڑا ہوا ہوتا ہے اور دوسری طرف فن کی تمام اقدار اور روایات اُسے عظیم فن پارہ بناتی ہیں۔ یہ ادبی رویے ہی دراصل ادیب کی سوچ کو نکھارنے کا سبب بنتے ہیں۔ اور یہ تمام خوبیاں مل کر ہی اُس کے اسلوب کو جنم دیتی ہیں۔ اشیاء کو پرکھنے اور محسوس کرنے کی کیفیت تمام ادیبوں کے پاس یکساں نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر ادیب کے بیان کرنے کی کیفیت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ادیب کا اسلوب دوسرے ادیب سے مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر ادیب کی تحریر میں الفاظ کے استعمال کا رنگ ڈھنگ جداگانہ ہوتا ہے۔ ادیب کی کامیابی کا انحصار داخلی، خارجی عناصر اور ادبی روایات کے پس منظر کے ساتھ الفاظ کے استعمال کے ایسے انداز پر ہوتا ہے جس سے ادیب اپنے وہ تاثرات دوسروں تک پہنچا سکے جو دوران مطالعہ خود اُس پر طاری ہوئے تھے۔ یعنی پڑھنے والا بھی فن پارے کو پڑھتے ہوئے اُن ہی کیفیات میں سے گزرے جن سے ادیب گزرا تھا اور قاری کی نگاہوں کے سامنے وہی تصویر گھوم جائے جو ادیب نے دیکھی تھی اور جسے وہ بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہی دراصل کسی ادیب کا منفرد سٹائل ہوتا ہے۔

نوشہ گنج بخشؒ کا اسلوب

ہر ادیب اپنی تحریر میں اپنے خیالات و جذبات کو بیان کرنے کے لئے اپنے مزاج کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ چنانچہ ان الفاظ کے ذریعے جہاں ادیب کے مزاج کا پتا چلتا ہے وہاں اُسکی سوچ اور محسوس کرنے والی کیفیت کے ساتھ ساتھ

اُس کے علاقے کی زبان، روزمرہ اور محاورے کا بھی سراغ ملتا ہے۔ کیونکہ کسی فن پارہ میں ادیب کے مزاج اور اسکی ظاہری اور باطنی شخصیت کا عکس ضرور موجود ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اُس کے عہد کی زبان بھی مکمل تناظر کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو اُن کی عظیم شخصیت کا صوفیانہ پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی شاعری کا اچھوتا اور منفرد اسلوب بیان ہماری توجہ کا مرکز بنتا ہے۔ اس منفرد اسلوب بیان کی وجہ سے وہ نہ صرف اپنے ہم عصر بلکہ اپنے سے قبل کے صوفی شعراء سے بھی نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو زبان استعمال کی ہے وہ ان کی انفرادیت کا باعث ہے۔

زبان کی اہمیت

کسی شاعر کی تخلیق کا جائزہ لینے کے لئے اسکی مستعمل زبان (Diction) کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے۔ بلکہ زبان ہی تجزیے کی بنیاد ہوتی ہے۔ زبان کا وجود الفاظ سے ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے St. John کے اس جملے کو ادب کی دنیا میں بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ "In the beginning was the word"[(1)] ہمیں قرآن پاک میں یہ تصور "کن فیکون" میں نظر آتا ہے۔ اس لئے زبان کے متعلق ہڈسن کا یہ بیان دُرست ہے:

> "While the many use language as they find it, the man of genius uses it indead, but subgects it with all to his own purposes and moulds it according to his own peculiarities" (2)

1- Dictionary of world Literary Terms P.314

2- An Introduction to the Study of Literature - P.28

اسی لئے تجربہ کار، سنجیدہ محقق اور نقاد کسی ادیب کی زبان سے ہی اُس کی شخصیت اور اس کے زمانے کا کھوج لگاتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کا کلام پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ کلام کسی ایسی ہستی کا ہے جس کا تصوف کے متعلق وسیع علم ہے اور جس کا تعلق گجرات کے مغربی علاقے تحصیل پھالیہ سے ہے۔ کیونکہ اُن کی خاص زبان، الفاظ، تشبیہات، استعارات اور علامات کے استعمال سے اُس علاقے کی نشاندہی ہوتی ہے اور اُن کا منفرد اسلوب بیان جنم لیتا ہے۔

نوشہ صاحبؒ کی شاعری کی زبان

نوشہ صاحبؒ نے اپنی پنجابی شاعری میں وہی زبان استعمال کی ہے جو اُن کے علاقے میں اُن کے زمانے میں مروج تھی۔ ضلع گجرات کی سب سے بڑی تحصیل پھالیہ ہے اس کے مشرق میں گجرات شہر، مغرب میں سرگودھا کی تحصیل بھلوال، شمال کی طرف ضلع جہلم اور جنوب میں پنجاب کا مشہور دریا چناب ہے۔ یہی دریا تحصیل پھالیہ اور تحصیل گوجرانوالہ کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا ہے۔ شمالی پہاڑ کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے آباد لوگ پوٹھوہاری لہجے سے بخوبی واقف ہیں اور مشرقی جانب رہنے والے لوگ گجرات کی بولی (جو سیالکوٹ اور گوجرانوالہ سے متاثر ہے) بولتے اور سمجھتے ہیں۔ مغرب میں آباد لوگ سرگودھا کے لہجے یعنی لہبے کی بولی اچھی طرح جانتے اور خوبصورت طریقے سے بولتے ہیں۔ تحصیل پھالیہ کا علاقہ ان تمام علاقوں کے درمیان یوں گھرا ہوا ہے جیسے ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے درمیان ہتھیلی ہوتی ہے۔ اس لئے تحصیل پھالیہ کے لوگ اپنے اردگرد بولی جانے والی بولیوں کو سمجھتے، بولتے اور اُن پر عبور رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ تمام بولیاں مل کر تحصیل پھالیہ کی مقامی بولی یا لہجے کو جنم دیتی ہیں۔ دیکھنے میں یہ لہجہ مخصوص اور آسان نظر آتا ہے لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ بڑا وسیع بھرپور اور میٹھا لہجہ ہے، جو تحصیل پھالیہ کے قصبات ساہنپال، رنمل، نوشہرہ

تارڑاں ، پاہڑیانوالی ، جانو چک، مانو چک، چھموں سہنا ، شماری ، عیدل، بھچر، آ کی ، پانڈوال، میانوال ، رتو مکئے آل، بوسال ، سکھا ، مسیور ، پکا موئی ، مانگٹ ، ہیلاں ، قادر آباد اور میانہ گوندل سے آگے منڈی بہاء الدین تک اچھی طرح سمجھا اور بولا جاتا ہے اور یہی لہجہ ان کی مادری زبان کا لہجہ ہے۔

اس علاقے کے لوگ بڑی (یے) کا زیادہ استعمال کرتے ہیں اور زبان بولتے ہوئے اس پر خاص زور دیتے ہیں۔ خاص طور پر جب کسی ڈھور ڈنگر کو بلاتے یا کسی بے جان شئے کا نام لیتے ہیں، اُس وقت یائے مجہول کا زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً نہر سے نہرے، زور سے زورے، کیکر سے ککرے، کنک سے کنکے، کماد سے کمادے، بہشت سے بہشتے ، بھ سے سبھے ، خدا سے خدائے ، بھلا سے بھلائے ، دل سے دلے ، کھوہ سے کھوہے ، رنگ سے رنگے ، کھڑ سے کھڑوے ، کاہ سے کاہے، وغیرہ۔ اسی طرح یائے معروف یعنی چھوٹی (ی) کا استعمال بھی عام کرتے ہیں۔ بعض الفاظ کو یائے معروف کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ مثلاً کنڈھا سے کدھی (کنارہ) ، تھیا سے تھئی یا تھیسی۔ چھوڑ سے چھوڑی وغیرہ وغیرہ۔ یوں ہی چھوٹی (ی) کے ساتھ (س) کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں، جو اس علاقہ کی خاص پہچان ہے۔ مثلاً دینا سے دیسی، وسرنا سے وسری ، رکھنا سے رکھسی ، چھوڑنا سے چھوڑیسی، کرنا سے کریسی، سدنا سے سدیسی، کھانا سے کھاسی ، تولن سے تولسی، ہونا سے ہوسی ، جانا سے جاسی ، آنا سے آسی ، آکھنا سے آکھسی اور فعل ماضی میں ان کی اشکال یوں بنتی ہیں۔ آکھیوس ، سدیوس ، کھادیوس، تولیوس وغیرہ

اس کے علاوہ اس علاقہ کے لوگ اپنی عام گفتگو میں حرف ''ڑ'' بھی بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ بعض اوقات لفظ کے آخری حرف سے پہلے ''ڑ'' کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس طرح اسم سے اسم تصغیر بنا لیتے ہیں۔ مثلاً سدھا سے سدھڑا، چھوٹا سے چھوٹڑا، لسا سے لسڑا ، سوہاگہ سے سوہاگڑا ، کوجھا سے کوجھڑا ، مٹی سے مٹڑی ، جھوٹی سے

جھوٹڑی ، کالا کا کالڑا ، وغیرہ وغیرہ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں کے لوگ بے شک یائے مجہول، یائے معروف اور ''ڑ'' کا بہت استعمال کرتے ہیں، اس کے باوجود یہاں کی بولی سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ بلکہ اس لہجے سے پنجابی زبان میں مخصوص حسن اور نزاکت پیدا ہو جاتی ہے۔

جغرافیائی حالات سے الگ کچھ مقامی اور ثقافتی اثر کی بنا پر تحصیل پھالیہ کی زبان اردگرد کی تحصیلوں کے مقابلے میں قدرے موٹی زبان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر لہندی لہجے کا اثر ہونے کے باوجود اس میں جھنگ سے ملتان تک کی سرائیکی لہجے کی کوملتا کم دکھائی دیتی ہے۔ تاہم اس زبان کی مٹھاس اور خوبصورتی سے انکار ممکن نہیں۔ اس کی مٹھاس اور حسن کی چمک دمک ہمیں احمد یار مرالوی اور شیخوپورہ کے سید وارث شاہ کے کلام میں بخوبی جھلکتی نظر آتی ہے۔ سید وارث شاہ اپنے شاہکار قصہ ہیر رانجھا میں جٹ کو جٹیٹا، رانجھے کو رنجھیٹا لکھتے ہیں اس اعتبار سے ہم اسے وارث شاہی زبان بھی کہہ سکتے ہیں۔

نوشہ صاحبؒ کی پنجابی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے جہاں اُن کے کلام معجز نظام کی بے شمار خوبیاں نظر آتی ہیں وہاں یہ خوبی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے کہ انہوں نے کم سے کم الفاظ استعمال کئے ہیں اور ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو اپنے اندر وسیع معنی رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنے کلام میں پوٹھوہاری لہجے کے بھی بہت سے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ لیکن اُن الفاظ کو اس خوبصورتی اور فنکاری سے استعمال کیا ہے کہ ان کی غیریت اور اجنبیت کا احساس تک نہیں ہوتا بلکہ وہ نوشہ صاحبؒ کی ہی زبان کا حصہ بن گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اُن کے دو شعر دیکھئے۔

اُس بن اُس دا بھیت نہ کوئی جاندا
اوہو دل تے آئے جو کجھ آندا(1)

1- گنج شریف ص 151

ایہہ رسالہ آکھیا نوشہ بالاں دی سکھیائی کان
مصحف پڑھن پڑھاؤن والے سوکھے مصحف پڑھن پڑھان(1)

ان اشعار میں لفظ آئے ، آندا ، کان خالص پوٹھوہاری لہجے کے الفاظ ہیں۔

نوشہ صاحبؒ کی ایک اور صفت یہ ہے کہ انہوں نے شعری ضرورت کی خاطر بعض الفاظ خود گھڑ لئے ہیں اور کچھ الفاظ کی ساخت میں کمی وبیشی کرلی ہے۔ نمونے کے طور پر یہاں دو شعر درج کئے جاتے ہیں۔

چاہاں مستی نام   کارج ہون تمام (2)

....

چوہڑا لنگھے راہ جس گندی دیوے باس
نوشہ عطری لنگھیاں عطر دی آوے ہولاس (3)

ان اشعار میں کار (بمعنی کام) سے کارج اور ہلے (بمعنی جھونکے) سے ہولاس جیسے الفاظ نوشہ صاحبؒ کی ذہنی اختراع کا ثمرہ ہیں۔ کمال کی بات یہ ہے کہ قاری کو شعر پڑھتے ہی مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

عربی فارسی الفاظ کا استعمال

عہد مغلیہ میں مدارس کے تعلیمی نصاب میں مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی ، فارسی کی تعلیم لازمی تھی اور حکومت کی سرکاری زبان بھی فارسی ہی تھی۔ جو شخص عربی اور فارسی کا ماہر ہوتا تھا اُسے عالم فاضل سمجھا جاتا تھا۔ فارسی زبان میں مہارت حاصل کرنا کتنی بڑی خوبی سمجھی جاتی تھی اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے

1- گنج شریف ص 272
2- ایضاً ص 158
3- ایضاً ص 552

کہ مغلیہ عہد کے بعد سکھوں کے دورِ حکومت میں فارسی ہی سرکاری زبان رہی۔ جبکہ ان کی مذہبی زبان پنجابی تھی۔ ہندو مسلم اور سکھ بلاتفریق فارسی زبان کا علم حاصل کرتے تھے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے سکھ دور کے فارسی جاننے والے علماء میں سے حکیم عزیز الدین، فقیر نورالدین، مصر بیلی رام ، دیوان امرناتھ اکبری ، دیوان دینا ناتھ ، دیوان گنگارام وغیرہ کے نام گنوائے ہیں۔(1) اسی دور کی عمدۃ التواریخ کے مصنف منشی سوہن لال، مجمع التواریخ کے مصنف پنڈت کاچر کے علاوہ منشی دیارام درا اور کرنیل مہاں سنگھ بلند مرتبہ فارسی دان اور عالم تھے۔ پنجاب کے جملہ مدارس کا نظام دراصل وہی تھا جو مغلیہ عہد میں ترتیب دیا گیا تھا۔ اُسے درس نظامی کہا جاتا تھا۔ مغلیہ عہد کے نصاب میں فارسی کی کتب گلستان ، بوستان، دیوان حافظ ، چہار مقالہ، مثنوی مولانا روم، منطق الطیر ، یوسف زلیخا جامی ، خمسہ نظامی ، اخلاق جلالی اور اخلاق محسنی کے علاوہ اور بہت سی کتابیں شامل تھیں۔ ان میں سے بعض کتب کا ذکر مغلیہ عہد کے آخری اور سکھوں کے ابتدائی دور کے پنجابی شاعر سید وارث شاہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف قصہ ہیر رانجھا میں کیا ہے:

تعلیل میزان تے صرف بہائی صرف میر بھی یاد پکاری آنیں
قاضی کتب تے کنزالانواع باراں مسعودیاں جلد سواری آنیں
خانی نال مجموعہ سلطانیاں دے اتے حیرۃ الفقہ بزرواری آنیں
فتاویٰ برہنہ تے منظوم شاہنامہ نال زُبدیاں حفظ کراری آنیں
معارج النبوۃ خلاصیاں تے روضہ نال اخلاق پیاری آنیں
گلستان بوستان اتے بہار دانش ، طوطی نامہ تے رازق باری آنیں
منشآت نصاب تے ابو الفضل شاہنامہ تے واحد باری آنیں
قران السعدین دیوان حافظ شیریں خسرواں لکھ سواری آنیں (2)

1- سید عبداللہ ڈاکٹر: ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ؛ مجلس ترقی ادب لاہور 1966ء ص 187
2- وارث شاہ: ہیر، مرتبہ عبدالعزیز بارایٹ لا ، پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1964ء ص 17

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اُس زمانے کے علماء عربی اور فارسی کے ماہر ہوتے تھے۔ لہٰذا نوشہ صاحبؒ نے ان زبانوں کا باقاعدہ علم حاصل کیا۔ کیونکہ دین اسلام کی تبلیغ کے لئے ان زبانوں کا جاننا ناگزیر تھا۔ آپ کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔ جسکی شہادت آپ کے کلام سے ملتی ہے۔ لطائف گل شاہی کے حوالے کے مطابق آپ نے حالت جذب میں یہ شعر فرمائے۔

منادی ست در کوچہ میفروش — کہ امروز در ہر کہ یا بند ہوش [1]
گریبانش گیرند و دامن کشند — کشاکش بدیوان مستاں برند

آپ کے کلام میں فارسی کے بے شمار الفاظ کا استعمال اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ آپ اس زبان پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے اشعار میں عربی آیات کا بھی خوب استعمال کیا ہے اور نہایت فنکاری سے اُن کو شعر کا جزو لاینفک بنا دیا ہے۔ جس کی مثال دیگر شعراء کے ہاں بہت کم ملتی ہے:

مرد شہید نت جیں ہے اساں قرآنوں جاتا
لَا تَقُوْلُو لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتَا
کُٹھے ویکھے ظاہروں کس کیتا اوہناں دا خون
بَل اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْن [2]

نوشہ صاحبؒ نے بعض اشعار میں اپنے نام کو بطور قافیہ استعمال کیا ہے اور اُسکے ساتھ قافیہ ملانے کے لئے پوری عربی آیت کوشعر کا حصہ بنا دیا ہے۔ خاص طور پر کلمہ طیبہ کے استعمال سے شعر کو زینت بخشی ہے:

1- گل محمد نوشاہی، لطائف گل شاہی (قلمی) تصنیف 1153ھ مملوکہ کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات ص 334
2- گنج شریف ص 298

نت بولے نال یقین دے ڈولے نہیں نوشاہ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه [1]

O

پاک مرشد وچ ویکھیا پاک دیدار نوشاہ
اِيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه [2]

ان کے علاوہ چند ایسے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ جن میں قرآنی آیات کا نہایت حسین استعمال ہے۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ آیا وچ قرآن
سچیاراں دی ریس کیہ نوشہ کرے بیان [3]

O

فَلَا يَقْرَبُو الْمَسْجِدَ الْحَرَام آیا وچ قرآن
اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ نوشہ کرے بیان [4]

O

نوشہ کہے مرد فقیر
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر [5]

O

تجھ بن اور نہ پائے غیر
نت نت بِيَدِكَ الْخَيْر [6]

ان اشعار سے صاف عیاں ہے کہ نوشہ صاحبؒ قرآن پاک کے احکامات کا

1- گنج شریف ص 252
2- ایضاً ص 537
3- ایضاً ص 289
4- ایضاً ص 615
5- ایضاً ص 94
6- ایضاً ص 95

کس قدر ادراک رکھتے تھے اور عربی زبان پر کس قدر دسترس اُنہیں حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہایت سلیقہ مندی سے قرآنی آیات کو اپنے اشعار میں سمویا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے فارسی الفاظ کو بھی اپنی شاعری میں اس خوبصورتی اور سلیقے سے استعمال کیا ہے کہ وہ پنجابی کے علاوہ کسی دوسری زبان کے الفاظ محسوس نہیں ہوتے۔ ملاحظہ کیجئے چند اشعار:

مرشد نام ناموس دا داتا　　　مرشد دے تل پتا نہ ماتا[1]
جو مرشد دا فرمانبردار　　　تس دا حکم چلے چودھار
جو مرشد توں جامہ وارے　　　مرشد تس دے کم سنوارے
صبر شکر جو شیوہ کرے　　　تس دا بیڑا وہلا ترے

ان اشعار میں مرشد، ناموس، فرمانبردار، جامہ، شیوہ، وغیرہ فارسی الفاظ ہیں۔ مگر شعر پڑھتے وقت ان کی اجنبیت کا قطعاً احساس نہیں ہوتا۔

محاورے اور آکھان

عام طور پر محاورہ کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ جب کوئی فعل اپنے اسم کے ساتھ مل کر حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہو اور اہل زبان کی بول چال کے مطابق ہو تو اُسے محاورہ کہتے ہیں۔ محاورے کے استعمال سے زبان میں حسن، بلاغت اور فصاحت پیدا ہوتی ہے اور کلام کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں آکھان میں گرائمر کی پابندیوں کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ آکھان (ضرب المثل) چند الفاظ کا ایسا باوزن جملہ ہوتا ہے جو حیاتی کے ان گنت تجربات کے بعد نتیجے کے طور پر وجود میں آتا ہے۔ آکھان میں حکمت اور دانائی کی بات ہوتی ہے۔ یعنی کوزے میں دریا بند ہوتا ہے۔ محاورے اور آکھان کے استعمال سے کلام میں جہاں ادبی حُسن پیدا

1- گنج شریف　ص 237

ہوتا ہے وہاں ان کو کلام میں استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

حضرت نوشہ گنج بخش کے کلام میں بے شمار محاورے اور آکھان ایسے دکھائی دیتے ہیں جن کی بنا پر کلام کا حُسن دوبالا ہوگیا ہے اور اُس میں جاذبیت اور دلنشینی پیدا ہوگئی ہے۔

ے کھنجی بھالے اوڑ نوں کنک بھالے برسات
سادھاں بھاوے چاناں چوراں کالی رات[1]

ے وَیر کرے بزوَیر نال خود وَیر ہو ڈُھکے
ٹھگاں نے چن نوں مونہہ اپنا ٹھکے[2]

ے وڈھے مُڈھ درخت دا اوہ آپے سُکے
چھنج پئی درویش دی کدی نہ چکے[3]

ے دوکھی مرد درویش دا کرے نکماں وَیر
ایتھے اوتھے اوسدا مونہہ کالا نیلے پیر[4]

ے جو دکھیاراں نوں دُکھ دیوے تے دُکھ پاوے سوئی
نوشہ ہن کیہ کرسی کوئی جاں مونہوں لتھی لوئی[5]

ے سچا مرشد پایا لیبے مبارکباد
چندی ہوئی سجناں تن من ہویا شاد[6]

1- گنج شریف　ص 554　　2- ایضاً　ص 261
3- ایضاً　ص 262　　4- ایضاً　ص 320
5- ایضاً　ص 360　　6- ایضاً　ص 205

ظاہر باطن کرے آراستہ مرشد کہیئے سوئے
انھے دے ہتھ دیوا بلدا عالم بنے نہ کوئی(1)

ان اشعار میں نوشہ صاحبؒ نے چن اُتے تھکاں سٹنا، چھنج پینا، مونہہ کالا نیلے پیر، مونہوں لوئی لہنا، چندی ہونا، انھے دے ہتھ دیوا ہونا جیسے محاورے اور آکھان استعمال کئے ہیں۔

نوشہ صاحبؒ کا اندازہ بیان

نوشہ صاحبؒ اس اعتبار سے منفرد شاعر ہیں کہ انہوں نے اپنے کلام میں نہ تو کوئی قصہ بیان کیا ہے اور نہ ہی قصوں کے کرداروں کو تشبیہات، تلمیحات اور علامات کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ تو سیدھے سادھے صوفی شاعر تھے۔ شاعری کرنے سے اُن کا مقصد اپنے فنی کمالات دکھانا نہیں تھا بلکہ لوگوں کو اشعار کے ذریعے دین کی تبلیغ اور صراط مستقیم کی جانب راہنمائی کرنا تھا۔ اس لئے انہوں نے عشقیہ قصوں اور کرداروں کا سہارا نہیں لیا۔ بلکہ سیدھے سادھے انداز میں سیدھی باتیں کی ہیں، جن میں خلوص ہے اور پیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی باتیں براہ راست دل پر اثر کرتی ہیں اور پڑھنے والے کے دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہیں۔ یہ صفات نوشہ صاحبؒ کے ہم عصر شعراء کے ہاں مفقود ہیں۔ مثلاً آپ کے ہم عصر شعراء میں حافظ برخوردار (جنم 1030ھ) اور پیلو نے مرزا صاحباں کا قصہ مجازی رنگ میں لکھا اور قصہ گو شاعر ہونے کا ثبوت دیا۔ حافظ برخوردار کے قصہ مرزا صاحباں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحباں کا واقعہ آپ کے دور میں ہوا اور آپ کی دعا سے مرزا خان پیدا ہوا تھا۔ لیکن آپ نے اپنی شاعری میں اس قصے کو بھی جگہ نہیں دی اور نہ ہی اس سے قبل کے عشقیہ قصوں سے کوئی اثر قبول کیا۔ کیونکہ یہ آپ کا شعبہ نہ تھا۔ آپ تو صوفی اور درویش منش تھے۔ آپ نے صرف

1- گنج شریف ص220

دین اسلام کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا تھا۔ اور جب کبھی وضاحت کے لئے تلمیحات کے سہارے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے قرآنی آیات کو تلمیحات کے طور پر استعمال کیا۔ مثلاً

امروی نہ منیا قارون دھرت لنگھاریا
ڈوبیا فرعون نوں نمرود پولیں ماریا(1)

صنائع بدائع

فارسی شاعری کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ فارسی گو شاعر اپنے کلام میں اپنی علمیت اور قابلیت کے اظہار کے لئے مختلف صنعتیں استعمال کرتے تھے۔ خاص طور قدیم مراثی میں مختلف صنعتیں ملتی ہیں۔ بقول عبدالسلام ندوی فارسی میں اسکی بنیاد سلمان ساوجی (2) نے رکھی تھی۔ اس کے بعد خواجہ حافظ اور دیگر استاد شعراء نے اسے خوب رواج دیا۔ جس کے نتیجے میں فارسی غزل کے حسن میں نکھار پیدا ہوا۔ اس روایت کی تقلید میں اردو شاعری میں بھی مختلف صنعتیں مروج ہوئیں۔ خاص طور پر دبستان لکھنو میں ان کا خاص اہتمام کیا گیا اور غزل میں مختلف اقسام کی صنعتیں استعمال کی گئیں۔ مثلاً خواجہ حیدر علی آتش کے ایک شعر میں صنعت حسن تعلیل ملاحظہ کیجئے:

میرے طرح سے مہہ و مہر بھی ہیں آوارہ
کسی حبیب کی یہ بھی ہیں جستجو کرتے

حضرت نوشہ گنج بخشؒ قادر الکلام شاعر تھے اور وہ مختلف صنعتوں کے پر عبور رکھتے تھے۔ ان کی اردو مثنوی گنج الاسرار میں بھی بعض مقامات پر صنعتوں کا دلکش استعمال ملتا ہے۔ مثلاً صنعت تشبیہ کا استعمال دیکھئے:

1- گنج شریف ص527
2- عبدالسلام ندوی: شعر الہند، حصہ دوم معارف اعظم گڑھ 1949ء ص412

جیوں کر پیر کرے تلقین — لاگ رہے جیوں جل میں مین (1)
تمیں کلمے ار چودہ حرف — جیوں سورج پگھلاوے برف (2)

فارسی ایک طویل عرصے تک پنجاب کی علمی ، ادبی اور سرکاری زبان رہی ہے۔ اسلئے اس کا پنجابی زبان وادب پر گہرا اثر ہوا چنانچہ پنجابی شاعروں نے بھی فارسی کے زیر اثر اپنے کلام میں صنعت تجنیس، تجنیس تام، تجنیس ترصیع، صنعت تضاد، صنعت مقلوب، صنعت مراعاۃ النظیر ،صنعت لف ونشر مرتب وغیر مرتب، صنعت حسن تعلیل اور صنعت ابہام وغیرہ کو بطریق احسن استعمال کیا۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صنعت کے استعمال کے بغیر کلام میں حسن پیدا نہیں ہوتا یا ان کے بغیر شاعری ممکن نہین۔ ایسی بات ہرگز نہیں۔ اصل بات تو جذبے کی صداقت اور الفاظ کو استعمال کرنے کا ڈھنگ ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے پنجابی کلام میں ان صنعتوں کا استعمال اگرچہ کوئی زیادہ نہیں پھر بھی لفظوں کے انتخاب اور استعمال کا وہ سلیقہ موجود ہے جس سے کلام معجز نظام بنتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے شعوری کوشش سے ان کے استعمال سے پرہیز کیا ہے۔ اگرچہ انہیں ان صنعتوں کے استعمال پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اس بات کا ثبوت ان کے اردو اور پنجابی کلام سے ملتا ہے۔ جس میں صنعت مراعاۃ لنظیر، صنعت تجنیس، صنعت تلمیح، صنعت تشبیہہ کا خوبصورت استعمال موجود ہے۔ لیکن مجموعی اعتبار سے دیکھیں تو یہ حقیقت کھلتی ہے کہ آپ نے ان تکلفات سے دور رہ کر جو نہایت کامیاب شاعری کی ہے، وہی آپ کی امتیازی حیثیت کا سبب ہے۔ آپ نے ضائع بدائع پر عبور رکھنے کے باوجود انہیں پنجابی شاعری میں بہت کم استعمال کیا۔ شاید اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کا مخاطب طبقہ گاؤں کے سیدھے سادھے ان پڑھ لوگ تھے۔ اگر اُن کے سامنے دقیق انداز میں گفتگو کی جاتی تو شاید اسے سمجھ نہ سکتے۔ نوشہ صاحبؒ کو سیدھے

1- گنج الاسرار، ص 33
2- ایضاً ص 37

سادے انداز میں اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا ڈھنگ آتا تھا۔ آپ نے کسی دربار سے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا کہ صلہ وستائش کیلئے فن شاعری کے کمالات دکھاتے۔ آپ ہمیشہ ان باتوں سے بے نیاز رہے۔ نہ کسی حاکم سے محبت، نہ کسی کا خوف آپ کے پیغام کی ترسیل میں مانع رہا۔ اس لئے آپ نے اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کے لئے کبھی ان تکلفات کا سہارا نہ لیا۔ آپ نے جو کچھ محسوس کیا، اُسے نہایت سادہ اوردلکش انداز میں بیان کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ از دل خیزد بر دل ریزد کی مثال آپ کے کلام پر صادق آتی ہے۔ آپ کا یہی کمال قابل ستائش ہے کہ آپ نے سادگی میں حسن پیدا کیا۔ تاہم آپ کے کلام سے چند ایک صنعتیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ جن کا آپ کے کلام میں وجود آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

مراعاۃ النظیر

صنعت مراعاۃ النظیر سے مراد ہے کہ کلام میں کچھ ایسی چیزوں کا ذکر کیا جائے جو آپس میں مناسبت رکھتی ہوں مگر یہ مناسبت تضاد کی شکار نہ ہو۔ جیسے اردو کا ایک شعر ہے۔

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیرو تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

اس شعر میں شاعر نے کوہکن، جوئے شیر، تیشہ اور سنگ گراں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن کی آپس میں مناسبت ہے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ کا ایک شعر اسی صنعت مراعاۃ النظیر میں دیکھئے۔

موئے نوں نہ مارئیے مت اوہ بھی مارے آہ
نوشہ لوہا گالسی ، موئی کھل دا ساہ (1)

1- گنج بخش ص 515

پرانے زمانے میں لوہا گرم کرنے کے لئے لوہا کوئلوں کی بھٹی میں رکھتے تھے اور کوئلوں کو دہکانے کے لئے خشک کھال کی مشک سے ہوا دیتے تھے جسے دھونکنی کہتے تھے۔ دھونکنے سے نکلنے والی ہوا کوئلوں کو انگارے بناتی تھی جن پر لوہا سرخ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس شعر میں کھل، ساہ، لوہا، گالسی صنعت مراعاۃ النظیر پیدا کر رہے ہیں۔

صنعت تلمیح

صنعت تلمیح سے مراد ہے کہ کلام میں کچھ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن میں قرآن، احادیث یا کسی مشہور تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہو۔ یہ صنائع معنوی کی ایک قسم ہے۔ شعر میں اس کے استعمال کا یہ فائدہ ہے کہ شاعر کو کوئی واقعہ بار بار دہرانا نہیں پڑتا۔ وہ ایک دو الفاظ میں مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کر دیتا ہے، جن سے شعر میں بلاغت پیدا ہو جاتی ہے۔ تلمیح کے استعمال کے لئے شاعر کا مطالعہ وسیع ہونا شرط ہے اور اسے مادری زبان کے ساتھ ساتھ دیگر متعلقہ زبانوں پر بھی عبور حاصل ہو۔ یہ مطالعہ اُسے شاعری میں تلمیحات استعمال کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں نہایت دلکش تلمیحات دکھائی دیتی ہیں۔

قرآن پاک میں ایک مشہور واقع درج ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ جلائی تھی۔ پھر اُس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھلانگ لگانے کے لئے کہا تھا۔ اُن کا دین سچا اور عزم پختہ تھا۔ اس لئے بے خطر آگ میں چھلانگ لگا دی اور نمرود کی جھوٹی خدائی کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آگ گلزار بن گئی۔ حضرت یونسؑ کی اُمت نے اُن کا جینا دوبھر کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا اور اپنے پیٹ میں پناہ دی۔ پھر وہ مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت نکل آئے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حسد کی بنا پر انہیں کنوئیں میں دھکیل دیا۔ پھر اللہ کی حکمت نے انہیں کنوئیں سے نکالا اور وہ عزیز مصر بن

گئے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی والا واقعہ بے حد مشہور ہے۔ جب قوم خدا کے حکم کی حدود پار کر گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا طوفان آیا کہ اُن کی کشتی کے سوا سب کچھ غرق ہو گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو لوگوں نے سولی پر لٹکا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو زندہ سلامت آسمان پر اٹھا لیا۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو مارنے کے لئے کیا کیا نہ جتن کئے۔ دیوؤں کی ایک ٹولی نے حضرت سلیمانؑ کو دُکھ دینے کی کوششیں کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر بلا سے محفوظ رکھا اور قدم قدم پر اُن کی مدد کی۔ قرآن پاک میں یہ سب واقعات پوری صحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ اپنے دور کے عظیم صوفی، مبلغ دین اور عالم تھے۔ اس لئے قرآن پاک کے یہ تمام واقعات اور فرمان انہیں یاد تھے۔ انہوں نے اپنے کلام میں ان واقعات کو موقع محل کے مطابق تلمیحات کے طور پر استعمال کیا ہے کہ پڑھنے والا ایک طرف اُن کی علمیت کا قائل ہو جاتا ہے تو دوسری طرف اُن کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے ایک ایک مصرعے میں بڑے بڑے واقعات کو بطریق احسن سمویا ہے۔ سات شعروں کی ایک نظم دیکھئے جن میں مندرجہ بالا واقعات تلمیحات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔

صاحب ایہہ فرمایا وچ قرآن — آکھ محمد مصطفیٰ جو کجھ مجھ فرمان
دے خوشخبری مومناں روز قیامت تیک — مدد اللہ دی تساں نوں فتح تساں نزدیک
تساں رکھوالا حق ہے حافظ رب رحیم — رکھ لیا جس اگ تھوں حضرت ابراہیمؑ
یونسؑ نوں جس رکھیا مچھی سندے پیٹ — یوسفؑ کھوہے رکھیا خرقہ نال لپیٹ
نوحؑ طوفانوں رکھیا کر جہاز اسوار — عیسیٰؑ قوم تھوں رکھیا سدیا اُپر وار
موسیٰؑ رکھیا فرعون تھوں دیواں تھیں سلیمانؑ — فتح دتی پیغمبراں تابع کیتا جہان
تھوڑے بوہتے اوسدے، جس بھاوے تس دیہہ — ہمت مول نہ ہاریئے نوشہ آکھے ایہہ (1)

اس مختصر سی نظم کے چار مصرعوں میں سات تلمیحات استعمال کرنا صرف نوشہ صاحب کا ہی

1- گنج شریف ص 299

حصہ ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر میں فرعون کے ساتھ ساتھ قارون کے حشر کو بھی بیان کیا ہے اور اُس سے یہ اخلاقی سبق ظاہر کیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اُس کا انجام برا ہوگا۔

امر وی نہ منیا قارون دھرت نگھاریا
ڈوبیا فرعون نوں نمرود پولیس ماریا[1]

تشبیہات کا استعمال

جب ایک چیز دوسری چیز کی مانند قرار دی جاتی ہے اور دونوں چیزوں میں ایک یا ایک سے زیادہ صفات مشترک ہوتی ہیں تو اُسے تشبیہ کہتے ہیں۔ علماء نے تشبیہ کو شاعری کا سنگار کہا ہے۔ کیونکہ اس سے شاعری میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ تاثیر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ تشبیہ کی عمارت کے پانچ ستون یا ارکان ہوتے ہیں۔ (۱) مشبہ (۲) مشبہ بہ (۳) وجہ شبہ (۴) غرض تشبیہ (۵) حروف تشبیہ ۔ ان میں سے مشبہ اور مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ یا اطراف تشبیہ کہتے ہیں۔ تشبیہ کی باراں مشہور اقسام یہ ہیں: (1) تشبیہ جمع (2) تشبیہ تسوید (3) تشبیہ قریب (4) تشبیہ بعید (5) تشبیہ ملفوف (6) تشبیہ مفروق (7) تشبیہ مرسل (8) تشبیہ موکد (9) تشبیہ مجمل (10) تشبیہ اضمار (11) تشبیہ منفصل (12) تشبیہ مقبول

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ہمیں نہایت خوبصورت تشبیہات دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً:

صاحب ہووے مہربان تاں درویشاں سنگ میلے
ستھر بیٹھے ستھرے جیوں شینہہ وچ بیلے[2]

1- گنج شریف ص 326
2- ایضاً

ذیل کے شعر میں ماتھے کو لوح محفوظ سے تشبیہ دی ہے:

جو متھے دا لکھیا تس نوں پڑھے نہ کوئے
نوشہ لوح محفوظ دا کون جو واقف ہوئے[1]

ان اشعار میں دیکھیے نوشہ صاحبؒ نے نہایت فنکاری سے جسم کو باجے سے تشبیہ دے کر بیان میں حسن پیدا کیا ہے:

تن رباب تے ناڑیں تاراں عشق ٹھنگوراں لاوے
واجے دے وس بولن ناہیں بولے جو بلاوے
مونہہ موڑے تاں کن مروڑے بھانویں کیویں ہلاوے
نوشہ کہے فقیر قادر دا قدرت دے جس گاوے[2]

نوشہ صاحبؒ نے مرشد کے حوالے سے بعض مقامات پر بے حد اچھوتی اور منفرد تشبیہات استعمال کی ہیں۔ جو اُن کے کائنات کے وسیع مطالعے اور سلجھے ہوئے ذوق کی نمائندگی کرتی ہیں۔

مولا جس نوں ملیا چاہے مرشد تس نوں میلے
مرشد ملیاں دھوپن میلاں جیوں برکھا لاہے تیلے[3]

o

نوشہ دبھتا گرہن ہے عشق مرشد دا چن
جے تیئں مرشد منیاں تاں ہور نہ کوئی من[4]

o

1- گنج شریف ص346
2- ایضاً ص360
3- ایضاً ص208
4- ایضاً ص212

پتر جویں درخت دے ڈھٹھے ہون ہک تھاں
وا چلے اڈ جان سبھ رہے نہ ککھ دا ناں (1)
تویں مرشد دے ڈھیاں رہے نہ ہک گناہ
میں مرشد دے واریا کہے فقیر نوشاہ

تشبیہہ کی کچھ مزید نادر مثالیں دیکھئے:

بے مرشد دی سنگت کھوٹی جیوں کجل دی کوٹھی
سے موڑھ کو لگ کمینے جو غفلت دی پوٹھی (2)

o

بن باطن ظاہر بے معنی جیوں بے مغز بادام
علم اوہ جو دل تے لگے نہیں تاں کیسے کام (3)

o

کلمہ پل صراطوں پل وچ پار لنگھائے
بجلی سندی لشک جیوں تیوں نوشہ لنگھ جائے (4)

ہندی الفاظ کا استعمال

مثنوی گنج الاسرار کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو ہندی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اسکی شہادت گنج الاسرار کے بہت سے اردو اشعار سے ملتی ہے۔ جن میں آپ نے ہندی کے ان گنت الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن یہ الفاظ نہایت سلیقے

1- گنج شریف ص 217
2- ایضاً ص 546
3- ایضاً ص 220
4- ایضاً ص 374

سے استعمال کئے گئے ہیں کہ قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ یہ ہندی زبان کے الفاظ ہیں۔ آپ نے ہندی الفاظ کو مفہوم کے اعتبار سے اس قدر دلکش انداز میں استعمال کیا ہے کہ اگر اُن کی جگہ کسی اور زبان کا لفظ استعمال کیا جائے تو غیر مناسب اور بے جوڑ معلوم ہوگا اور شعری حسن زائل ہو جائیگا۔ بلکہ شعری تاثیر متاثر ہوگی۔ اس دعوے کی دلیل کے طور پر مثنوی گنج الاسرار سے چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

توں کیا جانے میرے کام — کون آیت ار کون ہرنام (1)
جے چاہیں بے رنگی بھیکھ — ستگور کا توں چہرہ ویکھ
محض خدا رسولؐ کی خاطر — یہ نسخہ میں کیا ساطر (2)
جیوں کر پیر کرے تلقین — لاگ رہے جیوں جل میں مین (3)
اچھا جاپ ہے جس نے کینا — مکت پرابت اُس نے لینا
ایڑا پنگلا پون کوں پیوے — دس سوں چاڑھ باندھ سکھ جیوے
چار بھانت یہ بارش جان — ایک سیں ایک لطیف پچھان (4)

ان اشعار میں ہرنام، بھیکھ، ستگور، ساطر، جل، مین، اچھا جاپ، مکت پرابت، ایڑا پنگلا، پون کوں، پیوے، بھانت سب ہندی الفاظ ہیں۔ اسی طرح آپ کی پنجابی شاعری میں ہندی الفاظ کا خوبصورت استعمال ملتا ہے۔ چنانچہ ذیل کے اشعار سے نوشہ صاحبؒ کے فنی کمال کی نشاندہی ہوتی ہے۔

وَن دَن وچ چھپے ناہیں نوشہ ہک نرَون
جیو رکھ سل تارے انبر اگن پَون جل دھن

1- گنج الاسرار ص 31
2- ایضاً
3- ایضاً ص 32
4- ایضاً ص 35

نر دتوں سب وَنّ پوتے نردنوں ہروَن
نوشہ ہوندے ون پوتے مڑ بھی اوہ نروَن (1)

قرآنی آیات کے تراجم

نوشہ صاحبؒ اپنے دور کے بلند مرتبہ اور سچے مبلغ تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی شاعری سے صرف تبلیغ کا کام لیا۔ چنانچہ عوام کو دینی مسائل سے آگاہ کرنے کے لیے آپ نے قرآن پاک کے احکامات کو نظم کے روپ میں پیش کیا، تاکہ پڑھنے اور سننے والے ان قرآنی احکامات کو اپنی مادری زبان میں سن کر سمجھیں۔ پھر دل و جان سے اُن کو قبول کریں اور صدق دل سے اُن پر عمل بھی کریں۔ ان کی اس کاوش سے جہاں دین کی تبلیغ کا فریضہ ادا ہوا وہاں زبان و ادب کی خدمت کا حق بھی ادا ہوتا گیا۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَقُولُو لِمَنْ يُّقْتَلُو فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَل اَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّاتَشْعُرُوْن "(2)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ جیتے ہیں۔ لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔

نوشہ صاحبؒ نے قرآن کے اس مضمون کو یوں شعری روپ دیا ہے۔

جو کٹھے راہ خدائے دے موئے آکھو ناں
سدا سدا اوہ جیوندے ناہیں خبر تساں (3)

O

1- گنج شریف ص 438
2- القرآن پارہ 2 سورۃ البقرۃ آیت 154
3- گنج شریف ص 350

اس سورۃ کا اگلا حصہ اس طرح ہے:

" وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ" (1)

ترجمہ: ہم تمہیں کو ضرور آزمائیں گے۔ ڈر، خوف اور بھوک، مال اور جان اور پھلوں میں گھاٹے سے لیکن صبر کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔

نوشہ صاحبؒ نے اس مضمون کو یوں منظوم کیا ہے:

صبر کیتا جنہاں خوف وچ یا وچ بھکھ نقصان
گھاٹا مال یا آدمیاں یا وچ میوے دھان (2)
اوہناں بشارت رب دی ہادی اوہناں خدا
نوشہ یادی اوسدا جس دتا ایہہ سمجھا

قرآن پاک کا ارشاد ہے:

" وَاِنْ يَّكُنْ مِنكُمْ مِّائَةٌ يَغْلِبُو اَلفاً مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا " (3)

ترجمہ: اگر تم سو بندے (مسلمان) بھی ہو تو ہزار کافروں پر بھاری رہو گے۔

نوشہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ مختصر مگر جامع انداز میں یوں کیا ہے:

مؤمن صابر ہووے سَے تے کافر ہووے ہزار
آیا حکم قرآن وچ جو کافراں دیسن مار (4)

1- القرآن پارہ 2 سورۃ البقرۃ آیت 155
2- گنج شریف ص 350
3- القرآن پارہ 10 سورۃ انفال
4- گنج شریف ص 351

قرآن مجید کی اس آیت کا اگلا حصہ اس طرح ہے:

" اَنْ یَّکُنْ مِنکُمْ عِشرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوا مِأتَیْنِ " [1]

ترجمہ: اگر تم مومن بیس صبر والے ہو گے تو دو سو پر غالب رہو گے۔

اس بارے نوشہ صاحبؒ کا شعر ہے:

ہک صابر دس کافراں مارے مار چلائے
آیا وچ قرآن دے نوشہ دے سنائے [2]

قرآن پاک کا فرمان ہے:

"نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤمِنِیْنَ"

ترجمہ: اللہ کی طرف سے فتح و نصرت ہمارے قریب ہے اور خوشخبری ہے مومنوں کیلئے۔

نوشہ صاحبؒ نے اس مضمون کو یوں شعر کے قالب میں ڈھالا ہے:

صاحب ایہہ فرمایا وچ حضرت قرآن
آکھ محمد مصطفیٰ جو کجھ مجھ فرمان [3]
دے خوشخبری مومناں روز قیامت تیک
مدد اللہ دی تساں نوں فتح تساں نزدیک

قرآن پاک کا فرمان ہے:

" اَطِیْعُو اللّٰهَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" [4]

ترجمہ: اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے اولی الامر (حاکم) کی۔

1- القرآن پارہ 10 سورۃ انفال آیت 155
2- گنج شریف ص 351
3- ایضاً ص 299
4- القرآن پارہ 5 سورۃ النساء آیت 59

نوشہ صاحبؒ کا منظوم ترجمہ ہے:

من فقیرا حکم رب رسول دا
حکم مرشد دا من ایہہ مدعا مول دا [1]

اولی الامر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللہ ایہہ فرمایا وچ قرآن دے
نوشہ مَن سے جو اہل ایمان دے [2]
مرشد صاحب امر ہے امر مرشد دامن
آکھے نوشہ قادری دھن مرشد جی دھن

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ مومنین سے مخاطب ہیں:

" یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَعِیْنُو بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْن " [3]

نوشہ صاحبؒ نے شعروں میں اسے یوں پیش کیا ہے:

مدد منگو تسیں مومنو بندگی صبر دے نال
اللہ ہے نال صابراں ہر ویلے ہر حال [4]

احادیث کے تراجم

قرآن پاک کے احکامات کے بعد سب سے زیادہ اہمیت رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو دی جاتی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان ہی قرآن پاک کی تفسیر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین نے دین اسلام کی وضاحت و صراحت کے لئے قرآن

1- گنج شریف ص 242
2- ایضاً
3- القرآن پارہ 2 آیت 153
4- گنج شریف ص 350

پاک کے بعد سب سے معتبر سہارا اور حوالہ احادیث کو ہی سمجھا ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے بھی جہاں قرآن پاک کی تعلیمات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے وہاں کئی ایک احادیث سے بھی اپنے فکر کے نکھار کے لئے روشنی حاصل کی ہے۔ چنانچہ اُن کے کلام میں بہت سی احادیث کا بیان ملتا ہے۔ یہاں ہم نمونے کے طور پر چند ایک حوالے اور اشعار پیش کرتے ہیں تا کہ نوشہ صاحبؒ کی ترجمہ نگاری کا فن نکھر کر سامنے آ سکے۔

حدیث ہے:

"لایُؤمِن اَحد کم حتی اکون احب الیه من والده ولده
والنّاس اجمعین"[1]

منظوم ترجمہ:

جس پیارا میں پتروں پیوؤں ودھ وی جس
سو مومن درگاہ دا حضرت آکھیا تس [2]

کمال یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے ایک ایک مصرعے میں ایک ایک حدیث بیان کر دی ہے۔

حدیث: "اَلدّنیا جیفة و طالبها کلاب"

منظوم ترجمہ:

دنیا جیفہ طالب کُتے سنو وو دنیا دارو
فقر فخر حضرت فرمایا درویشو سچیارو [3]

حدیث: "ولَوَدِدتُ اَنّی قُتِلتُ، فَقَاتَلتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحیِیتُ ثُمَّ قُتِلتُ ثُمَّ اَحیِیتُ ثُمَّ قُتِلتُ" [4]

1- ابن ماجہ، مقدمہ 9۔ نسائی: ایمان 19، بخاری: ایمان 8، مسلم: ایمان 70
2- گنج شریف ص 370
3- ایضاً ص 582
4- نسائی: جہاد 30، مسند امام احمد بن حنبل 473، 496، 503

منظوم ترجمہ:

جنگ کرن دا اجر گھنیرا حضرت نے فرمایا
کائی عبادت جنگ جیہی ناہیں وچ حدیثاں آیا[1]
بھی فرمایا آپ حضرت نے سُن پیارے سچیارا
لکھ کروڑ صلوٰۃ سلاماں ہووس وارو وارا
جے شہید ہوواں وچ جنگے تے پھر رب جواوے
مڑ بھی جنگ کراں کفاراں ایہہ میرا دل بھاوے

حدیث: "قال رسول اللہ ﷺ رِزْقِی تَحتَ ظِلِّ رُمحِی" [2]

منظوم ترجمہ:

نوشہ کہے توں سن سچیارا ایہہ کتابیں آیا
رزق میرا نیزے دی چھاویں حضرت نے فرمایا[3]

اسی طرح آپ نے بے شمار احادیث کو شعری روپ میں پیش کیا ہے۔ لیکن یہاں طوالت سے بچنے کے لئے صرف چند اشعار کے حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ گنج شریف میں ان گنت امثلہ موجود ہیں۔ اس کے علاوہ نوشہ صاحبؒ نے ایمان کی صفات کو بھی نظم کے سانچوں میں ڈھالا ہے۔ کیونکہ ایمان کی بنیاد توحید اور رسالت ہے۔ پھر صفاتِ ایمان کا ذکر آتا ہے۔ جب تک کوئی مسلمان ایمان کی صفات دل و جان سے تسلیم نہیں کرتا ہے۔ اُس کا ایمان پختہ نہیں ہوتا۔ ان صفات کے بیان کو ایمان مفصل کہا جاتا ہے۔

ایمان مفصل: " آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰئِکَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ

1- گنج شریف ص 297
2- بخاری شریف: الجہاد۔ 88
3- گنج شریف ص 295

خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ"

نوشہ صاحبؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

منیا اللہ ہک کر خاوند خود مختار | پاک محمدؐ منیا نبیاں دا سردار (1)
منے سبھ فرشتے درگاہ دے مقبول | سبھ کتاباں منیاں منے سبھ رسول
روز قیامت آونا اس وچ ناہیں بھول | نیکی بدی اللہ ولوں ایہو دونوں قول
مار اٹھاون سچ ہے روز قیامت دے | نوشہ مرشد منیاں من قبول پے

ایمان مجمل کو بھی نوشہ صاحبؒ نے منظوم کیا ہے:

ایمان مجمل: آمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ

منظوم ترجمہ:

اللہ اونویں منیا جیویں اسم صفات
منے حکم اللہ دے نوشہ بھئے نجات (2)

خوبصورت قوافی

شعر کے آخر میں اور ردیف سے پہلے جو ہم آواز الفاظ استعمال ہوتے ہیں اُن کو قافیہ کہتے ہیں جس شعر میں ردیف نہیں ہوتی اُس میں قافیہ آخر میں آتا ہے۔ اگرچہ بعض نقادوں نے شعر میں قافیہ کو ضروری خیال نہیں کیا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ قافیہ کے استعمال سے شعر میں حسن اور تاثر پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے مناسب قافیہ کے استعمال کو ایک فنی کمال سمجھا جاتا ہے۔ انوکھے، منفرد اور مشکل قوافی استعمال کرنا ہر شاعر کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس کے لئے شاعر کے پاس جہاں الفاظ کا وسیع ذخیرہ ہونا چاہیے، وہاں اُن الفاظ کے مفاہیم اور صوتی آہنگ کے مطابق اشعار

1- گنج شریف ص241
2- ایضاً ص242

میں اُن کے استعمال کا سلیقہ ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ تب ہی شاعر معیاری شعر کہہ سکتا ہے۔ ہمیں یہ تمام خوبیاں نوشہ صاحبؒ کی شاعری میں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہیں۔ آپ اپنے کلام میں خوبصورت، انوکھے اور منفرد قوافی استعمال کرنے میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کی بہترین قافیہ پیمائی سے جہاں شعر کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے وہاں اُن کا صوتی آہنگ پڑھنے والے کے دل و دماغ پر عجب سا سرور چھوڑتا ہے۔ مثلاً چند اشعار دیکھئے:

بہشت کمائی بھلے دی بُرے دی دوزخ کھٹ
کیتا پاوے اپنا کیہ سید کیہ جٹ (1)
بہشتیں موجاں مان سن ہر فرقے دے نیک
دوزخ بداں نصیب ہے بُرا بدی دا سیک
جیہڑا قائم شرح تے سوئی مرد فقیر
آکھے نوشہ قادری غیر شرع بے پیر
فقہ باجھ فقیری ناقص سُن پارے سچیار
باجھ فقیری فقہ معطل نوشہ کہے پکار
جے سَے وسے دین دے راہے تیر تفنگ
جو ہووے سو آ گلا نوشہ مڑے نہ انگ
جے جگ وسے میگھلا تیر تفنگ تروار
حکم بناں کجھ ہوئے نہ نوشہ کہے پکار (2)

فن شاعری میں "ڑ" کا قافیہ مشکل ترین قافیہ شمار ہوتا ہے۔ اشعار میں اس قافیے کو نبھانا بے حد دشوار کام ہے۔ ایسے قوافی صرف وہی شاعر استعمال کرسکتا ہے جسے

1- گنج شریف ص266
2- ایضاً ص270

فن شاعری پر مکمل عبور حاصل ہو۔ گنج شریف میں کئی ایک مقامات پر ہمیں ایسے قافیے دکھائی دیتے ہیں جو بے حد مشکل اور خاصے تنگ قوافی ہیں۔ لیکن نوشہ صاحبؒ نے اپنی طبع رواں کے باعث اُن کو اشعار میں خوب نبھایا ہے۔ مثلاً:

عدم بہشت تے ایہہ دم دوزخ ، دوزخ اندر ساڑے
آس ہراسیں ایتھے پھاتھے اُڈدے پنکھی تاڑے (1)
عدم دیس وچ وسدے آہے ہوون چائے اجاڑے
نوشہ ایس دنیا دے آون کیڈے پاڑن پاڑے

O

رمل طب نجوم بے حاصل شدنی کوئی نہ موڑے
حکم باجھ کجھ ہووے ناہیں لکھ نہ کوئی توڑے (2)
فالاں تُون تویت نہ جانے جو مرشد سنگ جوڑے
نوشہ ہوئے تقدیر دا لکھیا جے سے کوئی موڑیا لوڑے

''اڑنون'' کا قافیہ ''ڑ'' کے قافیہ سے بھی مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ لیکن نوشہ صاحبؒ نے اسے بھی بطریق احسن نبھایا ہے۔ ایک شعر نمونے کے طور پر دیکھئے:

چھوٹی رات کہانی وڈھی انگن چھوٹا تے تانی وڈھی
جھہ نہ وڈی بانی وڈھی نوشہ گل ربانی وڈھی

اس شعر میں تانی اور ربانی جیسے قافیے قابل تعریف ہیں۔

ماحول کی عکاسی

شاعر جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے، وہ ماحول اُسکی سوچ اور فکر پر ضرور

1- گنج شریف ص583
2- ایضاً ص130

اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شاعر کے کلام میں اُس کے عہد کے ماحول کے لوگوں کا ذکر، ثقافت، تہذیب اور بودوباش کی جھلکیاں محض ماحول کے زیر اثر ہوتی ہیں۔ تہذیب وتمدن کی یہ جھلکیاں ایک طرف تو اُس کے ثقافتی ماحول کی نشاندہی کرتی ہیں تو دوسری طرف شاعر کی اپنی تہذیب وثقافت کے ساتھ انمٹ فکری محبت کو ظاہر کرتی ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں اُن کے ماحول، ثقافت، تہذیب وتمدن کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ ایک چومصرعہ دیکھئے۔ جس میں گاؤں کی بودوباش سے تشبیہات لے کر اپنے صوفیانہ خیالات کو نظمایا ہے:

سُستی چھوڑ دین کمایو ، دنیا رڑھ آخر دی
رات دینہہ دا کالا دھولا جوگ واہن نوں پھردی (1)
عُمرا رُت بیائی والی واہ قدرت قادر دی
جیٹھی کنک تنہاں دی نوشہ جہاں کیتی پوکھی سردی

اُس زمانے کے گاؤں کے لوگوں کا ذریعہ معاش، آپس کے تعلقات اور زندگی گزارنے کے طریقے یوں بیان کئے ہیں:

دیوا بنے کمہار تھوں تیلی کڈھے تیل
تل کپاہ کم راہکاں کم جوگت دا میل (2)

پرانے زمانے میں مسافروں کے لئے رات گزارنا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ کیونکہ اُن کے قیام کے لئے جگہ جگہ سرائے بنی ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ عوام مسافروں کو اپنے گھروں میں رکھنا اور اُن کی خدمت کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ اس کی عکاسی

1- گنج شریف ص269
2- ایضاً ص393

نوشہ صاحبؒ کے اشعار میں یوں دکھائی دیتی ہے:

سورج گیا گھر اپنے سبھناں گھر سمھالیا
آہلنا ڈھونڈیا پنکھیاں اوتھے واسا آلیا
ٹرنا چھڈیا پاندھیاں وستیں آسرا بھالیا
ہویا ویلا شام دا گھر گھر دیوا بالیا
وقت آیا بسرام دا نوشہ اللہ والیا
دن گزریا آرام نال جیوں خالق تیوں جالیا
رات وہائی نوشہ، رب اگے سرنوالیا (1)

نوشہ صاحبؒ خود بھی درویش تھے اور درویشوں کے قدر دان تھے اور لوگوں کو ہمیشہ درویشی کی تعلیم دیتے تھے۔ مگر ہر زمانے میں کچھ نام نہاد پیر اور مُلّاں ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ سادہ لوح لوگوں کو لوٹتے اور بیوقوف بناتے تھے۔ نوشہ صاحبؒ ایسے جاہل، جعلساز اور دین کے نام نہاد ٹھیکیداروں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے ایسے لوگوں کو بے نقاب کیا ہے تاکہ مخلوق اُن کے فریب سے محفوظ رہ سکے۔ چنانچہ آپ اپنے دور کے جعلساز مُلّاؤں اور پیروں کے خلاف یوں آواز بلند کرتے ہیں:

مُلّاں لوک کرن مُلّائی — حجت کر اوہناں خلق وکھائی (2)
شیخاں لے مشائخی چائی — اوہناں بدعت ہور چلائی
مُڈھوں داڑھی مچھ منائی — اپنی خوبی آپ گوائی
لے فقیراں ٹوپی پائی — بھنگ تمباکو وچ نہیں فقرائی
اندر باہر جنہاں صفائی — دونویں جگ تنہاں دوہائی
نوشہ کہے فقیر گدائی — مرشد سانوں گل سمجھائی

1- گنج شریف ص296
2- ایضاً ص196

نوشہ صاحبؒ نے ایسے پیروں فقیروں کے رویے کو سخت ناپسند کیا ہے جو خود تو کسی قابل نہیں ہوتے اور صرف اپنے بزرگوں کے نام کی کمائی کھاتے ہیں اور لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے کی بجائے بدعت اور گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

پیر زادیاں راہ نہ کوئی بھُلے سدھے راہوں
دادے بابے دا ناں ویچن رہن دُور درگاہوں (1)
جاں خانے دی سار نہ ہووے تاں کیہ حاصل خانقاہوں
نوشہ کہے نہ کہے حقیقت جو کو رہے نہ چاہوں

مغل شہنشاہ اکبر نے ہندوؤں کو قریب لانے کے لئے مذہب کا جو حلیہ بگاڑا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ بقول ملک حسن علی:

''بادشاہ اسلامی عقائد و ارکان کا بھی، حشر ونشر، معجزات، عالم تکوین، دیدار الٰہی، ثواب وعذاب وغیرہ مسائل میں اسلام کے تمسخر اور استہزاء سے کام لیتا اور بھرے دربار میں اہل دربار سے ان مسائل پر بحث کرتا۔ یہ رنگ گہرا ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کی زبان سے نبوت کبریٰ کے متعلق گستاخانہ کلمات نکلنے شروع ہوگئے۔''(2)

بقول ملا عبدالقادر بدایونی، کفار کی خوشنودی کی خاطر اکبر کو حضورﷺ کا نام لینا بھی گراں گزرتا تھا۔ (3) علماء خطبہ لکھنے سے گریز کرتے تھے اور خطبے میں حضور اکرمﷺ کا اسم مبارک لینے سے کتراتے تھے۔ وہ صرف اللہ اور بادشاہی القابات کا ذکر کرنا ہی

1- گنج شریف ص 394
2- ملک حسن علی: تعلیمات مجددیہ شرقپور 1965ء ص42
3- عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ جلد 2 ص 215

کافی سمجھتے تھے۔ (1) حضور اکرم ﷺ کی نبوت پر کھلم کھلا اعتراض کرتے تھے۔ اور کسی کو دیوان خانے میں نماز ادا کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ نماز، روزہ اور حج پہلے ہی ساقط قرار دیئے جا چکے تھے۔ (2) مورخین کے خیال میں اکبر کے گمراہ ہونے اور دین اسلام کو مذاق کا نشانہ بنانے کی تمام تر ذمہ داری اُس زمانے کے اُن علماء پر عائد ہوتی ہے، جو شاہی دربار میں محض اپنی برتری ثابت کرنے اور ایک دوسرے کی تضحیک اور توہین کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ شیخ محمد اکرام اُس عہد کے علماء کے کردار کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اگر معاملہ ذاتی فضیلت جتانے اور ایک دوسرے کی تکفیر وتذلیل تک رہتا تب بھی شاید اکبر دین اسلام سے بدظن نہ ہوتا۔ لیکن علماء نے اہم مسائل پر اس قدر اختلاف کیا کہ بادشاہ حیران رہ گیا۔ ایک عالم ایک چیز کو حرام کہتا تھا۔ دوسرا اسکے حلال ہونے کا فتویٰ دیتا تھا۔ بادشاہ نہ صرف دونوں سے بدظن ہوگیا بلکہ حلال وحرام کی تعین ہی اس کے دماغ میں نہ رہی۔ اس منزل پر پہلا قدم ملا مبارک نے دکھایا اور وہ بھی ایک نازک ذاتی مسئلے پر۔ تفصیل اُسکی یہ ہے کہ بادشاہ کی چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ عبادت خانہ کے مباحثوں میں تعداد ازواج پر گفتگو ہوئی تو بادشاہ کو بھی خیال ہوا کہ کسی حرم کو رخصت کئے بغیر کسی طرح شرع کی پابندی ہو جائے۔ ایک دو نے متعہ کا راستہ دکھایا۔ دوسروں نے اُسکی حنفی فقہ کی رو سے مخالفت کی۔ اس پر ملا مبارک نے کہا اگر ایک مالکی قاضی اس کے حق میں اپنے اصول کی رو سے فتویٰ دے دے تو ایک حنفی کے لئے بھی متعہ جائز ہے۔ بادشاہ کو اور کیا

1- منتخب التواریخ جلد 2 ص 269

2- ایضاً ص 251

چاہیئے تھا۔ دربار سے حنفی قاضی کو رخصت کیا اور اسکی جگہ مالکی قاضی حسین عرب مکی کی تعیناتی ہوئی جس نے فوراً حسب الطلب فتویٰ دے دیا۔'' (1)

اکبر کے حواری ابو الفضل اور فیضی نے اکبر کو امام، مجتہد اور نبی بنانے میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اکبر نے خاموشی سے یہ تمام عہدے قبول کر لئے اور اپنے نئے دین کا نام دین الٰہی رکھا۔ فیضی نے اپنے ایک شعر میں اکبر کی نبوت کو اس طرح تسلیم کیا ہے:

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد
یک نبی رفت و پس او دگرے پیدا شد (2)

شاہی محل میں آتشکدہ بنایا گیا۔ علاوہ ازیں ہندوآنہ رسومات کا آغاز ہوا۔ تمام مذاہب کے اصول ملا کر ایک نیا مذہب ''دین الٰہی'' تشکیل دیا گیا۔ جس کا کلمہ تھا ''لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ'' السلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر کے کلمات کو رواج دیا گیا۔ بادشاہ مندروں میں جا کر اپنے ماتھے پر تلک لگواتا تھا اور جنجو پہنتا تھا۔ بتوں کے سامنے ماتھا ٹیکتا تھا۔ جب بادشاہ کی یہ حالت ہو تو پھر رعایا کا گمراہ ہونا کوئی حیرانی کی بات نہ تھی۔ اکبر کی موت کے بعد اسکے بیٹے جہانگیر نے بھی اسی ڈگر پر چلنا مناسب سمجھا:

''اکبر کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے باپ کی طرح اسی مزاج کا تھا۔ اس کے عہد میں اکبری بدعات اور لا مذہبیاں جاری رہیں۔ تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر نے اکبر کے خلاف شرع قوانین کو بجائے موقوف کرنے کے بدستور قائم رکھا۔ اکبر نے سجدے کو رواج دیا تھا۔ جہانگیر اہلِ دربار کی اس سجدہ ریزی میں

1- شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر؛ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1958ء ص 85

2- تعلیمات مجددیہ ص 42

سعادت سمجھتا تھا۔"[1]

جہانگیر کے بعد شاہجہان کے دور میں اس فتنے پر قابو پانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پون صدی میں جس خاص اہتمام سے کفر اور اسلام کی کھچڑی پک چکی تھی اُسے زائل کرنے کے لئے بہت سا وقت درکار تھا۔ یہ کام کوہِ وستون سے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ اکبر کے بعد جہانگیری عہد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دین الٰہی کے بُرے اثرات زائل کرنے میں بے حد محنت کی مگر جب اکبر و جہانگیری عہد کے الحادی اثرات نے شاہجہانی عہد کو متاثر کرنا شروع کیا تو حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے الحادی اثرات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انہوں نے جہاں تبلیغ کے ذریعے دین اسلام کے اصل خدوخال کو سامنے لانے میں کوششیں کی وہاں اپنی شاعری کے ذریعے اُن لوگوں کے خلاف آواز بھی بلند کی جو دین اسلام کی اصلی شکل مسخ کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہر طبقے کے اُن لوگوں کو بے نقاب کیا جو دین اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے ذمہ دار تھے۔ آپ کی اس نظم میں اُس زمانے کے ماحول کی کمال عکاسی ملتی ہے:

نوشہ کہے سنو سچیارو کیہا ویلا آیا
مومن مرد نہ دسے کوئی سبھسے راہ بھلایا
دین اسلام دا چھڈ طریقہ بدعت نوں اُٹھ لگے
کرن نہ حضرتؐ دا فرمودہ تاہئیں ڈھاہ ورگے
جو اسلام تے قائم ہووے اُسنوں عیب لگاون
شرع چھڈ لگے بے دینی سرخود کار کماون
رلا کربلا پیا اجیہا سمجھ کجھ نہ آوے
ہندوواں مسلماناں رل مل بھرے خودی دے کھارے

1- تعلیمات مجددیہ ص46

کفر اسلام رل کھچڑی ہوئے مومن کوئی نہ دِسے
رل مل گئے طریقے سبھسے فہم نہ کیتا کسے
درویشاں درویشی چھڈی جوگ کماون چایا
چھڈ توحید الحاد نوں لگے دین دا طور بھلایا
جیہڑے واسطے حضرتؐ آئے سو کوئی کردا ناہیں
کلمہ بھرن تے کرن منافقی تنہاں ساڑن بھائیں
علماواں ابلاغ بھلایا پڑھن نہ حق دے کارن
بادشاہاں نوں دولت مُٹھا پیر کوہاڑا مارن
امر معروف نہی منکر دا اتے جہاد ونجایا
اگلا راہ محمدیؐ چھٹا ہن ہور راہ چلایا
مغز چھوڑ چھلاں نوں لگن سے حیوان کہاون
اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ داسے رتبہ پاون
چھڈے راہ پیغمبر والا تے راہ مخالف چلے
سو منزل نہ پہنچے ہرگز آپے کھاوے کھلے[1]

نوشہ صاحبؒ نے اپنی اس نظم میں صرف اُس ماحول کی ہی عکاسی نہیں کی بلکہ گمراہ ہونے والے لوگوں کو حق سچ کا راستہ دکھانے کا جتن کیا ہے۔ اس نظم کے آخر میں لکھتے ہیں:

مرشد سچے ایہہ فرمایا راہ حضرتؐ دے چلو
جو کجھ کردے آہے حضرت اوہ طریقہ ملو
ہکو آکھو ہکو منوں ہک دے ہوؤ خواہیں
اول آخر ظاہر باطن ہک بن ہور کو ناہیں

1- گنج شریف ص598

کلمہ حق دا ہکو کلمہ کہے فقیر نوشاہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (1)

چند نئے فنی کمالات

تکنیکی اعتبار سے دیکھا جائے تو نوشہ صاحبؒ کی شاعری میں کچھ نئے فنی کمالات بھی نظر آتے ہیں ان فنی کمالات کی بنا پر آپ اپنے ہم عصر شاعروں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

1-اَٹ: اٹ اصل میں اس نظم کو کہتے ہیں جس میں قافیہ مصرع کے درمیان آتا ہے۔نوشہ صاحبؒ سے قبل کے شعراء اور ہم عصر شعراء کے ہاں اس صنف کا شاید کوئی وجود نہیں۔مگر نوشہ صاحبؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اَٹ دراصل دو مصرعوں کی ایسی نظم ہوتی ہے جس کا قافیہ مصرع کے آخر میں آنے کی بجائے مصرع کے درمیان میں آتا ہے۔ بظاہر یہ عجیب سی صنف لگتی ہے لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ نظم اپنے تأثر کے اعتبار سے کسی اور صنف سے کم نہیں ہے۔ ایسی تمام اصناف شعری جن میں قافیہ مصرع کے آخر میں آتا ہے اپنے خاص صوتی آہنگ کی بنا پر پڑھنے سننے والے کو بہت جلد متاثر کر لیتی ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں قافیہ اور ردیف سے معرا نظمیں قارئین کو دیر سے متاثر کرتی ہیں۔ چنانچہ ایسی نظم لکھنا بے حد دشوار کام ہے۔جس میں قافیہ بھی نہ ہو مگر تاثیر سے لبریز ہو۔اگر کوئی شاعر کوئی ایسی نظم لکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جس سے قاری متاثر ہو اور ردیف قافیے کا اُسے خیال تک نہ آئے، تو وہ شاہکار بن جاتی ہے اور شاعر کے مکمل فنکار ہونے میں ذرا بھی شک نہیں رہتا۔ بلکہ اُس کے فن کو تسلیم کرتے ہی بن پڑتی ہے۔نوشہ صاحبؒ نے ایسی بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔جن سے اُن کے پختہ فنکار ہونے کی شہادت ملتی ہے اور اُن کے فنی کمالات کا اعتراف کرنا پڑتا

1- گنج شریف ص 599

ہے۔صنف اَٹ کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

مرشد مرشد آکھ ، ایہو مرشد آکھدا (1)
نوشہ سچی ساکھ ، سچے مرشد پاک دی
ہکو مرشد من ، ہر ہر دی خادمی (2)
شک غیر دا بھن ، ہکو سائیں جان کے
مرداں خوف نہ غم ، نامرداں نت دکھڑے (3)
رکھ سکھالا دم ، آکھے نوشہ قادری
ہونا ہو سو ہوئے ، انہونا نہ ہووسی (4)
موڑے ناہیں کوئے ، پیر پیغمبر اولیئے

اَٹ کی صنف صرف نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ہی دکھائی دیتی ہے۔اُن کے بعد کسی شاعر کے کلام میں یہ صنف دکھائی نہیں دیتی۔ ہوسکتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے یہ صنف خود ہی ایجاد کی ہو۔اس صنف میں کامیاب طبع آزمائی کرنا بے حد دشوار ہے۔شاید اسی لئے شعراء نے اس صنف کو نہیں اپنایا۔البتہ نوشہ صاحبؒ کے بعد چند ایک واروں میں کہیں کہیں اس صنف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر نادر شاہ کی وار میں۔

2-مانجھ: یہ ایک چومصرعہ نما نظم ہے۔جس میں چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔کبھی کبھی ردیف بھی ہوتی ہے۔لیکن عام طور پر ردیف نہیں ہوتی۔ اس نظم کا کمال یہ ہے کہ اگر اس کے چاروں مصرعوں کو الگ الگ پڑھیں تو ہر مصرع اپنی جگہ مکمل مضمون

1- گنج شریف ص 214
2- ایضاً ص 215
3- ایضاً ص 245
4- ایضاً ص 245

ادا کرتا ہے اور اگر چاروں مصرعے اکٹھے پڑھے جائیں تو پھر بھی مجموعی تاثر ایک جیسا اور ایک ہی مضمون بیان کرتے ہوں۔ باالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس نظم میں فکر اور فن آپس میں باہوں میں باہیں ڈالے چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک مشکل صنف ہے لیکن نوشہ صاحبؒ نے ان گنت ''مانجھ'' نظمیں لکھی ہیں۔ جو اُن کے اعلیٰ ذہنی صلاحیت اور رفعتِ تخیل کی عکاس ہیں۔ نمونے کے طور پر یہ نظمیں دیکھئے:

ہوون ہار نہ مٹے بھورا مورکھ کیوں کرلاوے [1]
کڑکن، کلپن، رووَن ہسن، ایہہ بھی لیکھ کراوے
پیر پیغمبر پہنچ نہ اوتھے لیکھا کون مٹاوے
نوشہ کہے فقیر مولیٰ دا واہ جو مولا بھاوے

o

مرشد ہوئے لطف ملدا مرشد ہوئے لطیفہ
مونہہ مرشد دا مُصحف سچا ایہو صحیح صحیفہ
دم دم مرشد پاک صلاحیئے ہور نہ اساں وظیفہ
نوشہ مرشد سچا ملیا حق دا پاک خلیفہ [2]

o

اساں کلمے دا آسرا کہے فقیر نوشاہ
نوشہ کلمہ آکھ لے ساہ دا نہیں وساہ
جے تیں کلمہ آکھیا تاں اگلا غم نہ کھا
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ [3]

1- گنج شریف ص245
2- ایضاً ص229
3- ایضاً ص482

مولا سچا مرشد سچا جو سچا تس پایا [1]
اول آخر ظاہر باطن سچے سچ دھیایا
سچ دھیائے سو حق پائے حق سچ سمایا
نوشہ تنہاں دے پیریں لگا جنہاں حق نوں سیس نوایا

o

پنجابی غزل کے پہلے شاعر

پنجابی زبان میں غزل کی ابتداء کب ہوئی اور پہلا غزل گو کون تھا؟ اس کے متعلق مختلف آرا سامنے آتی ہیں۔ کسی نے شاہ مراد [2] (جنم اور وفات بارھویں صدی ہجری [3]) کسی نے میاں محمد بخش [4] (مصنف سیف الملوک) اور کسی نے نواب غلام حسین عرف گاموں خاں [5] کو پہلا غزل گو ظاہر کیا ہے۔ کسی کی رائے ہے کہ سید وارث شاہؒ، میاں محمد بخشؒ، نواب گاموں خان، موسیٰ لدھیانوی اور مولوی دلپذیر نے غزلیات لکھیں۔ [6] لیکن نوشہ گنج بخشؒ کی شاعری سامنے آنے پر مذکورہ تمام آراء غلط ثابت ہوئیں۔ کیونکہ اُن میں سے کوئی ایک بھی شاعر نوشہ گنج بخشؒ کے دور کا نہیں ہے۔ اور نہ ہی اُن سے پہلے کا کوئی شاعر ہے۔ حضرت نوشہ صاحبؒ نے جہاں اَٹ اور مانجھ جیسی نئی شعری اصناف کو پنجابی شاعری سے روشناس کرایا ہے وہاں انہوں نے غزل کی صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اِس صنف کو غزل کا نام نہیں دیا۔

1- گنج شریف ص335
2- عارف عبدالمتین: پرکھ پڑچول؛ جدید ناشرین اردو بازار لاہور 1979ء (دیباچہ)
3- مولا بخش کشتہ: پنجابی شاعراں دا تذکرہ؛ کشتہ اینڈ سنز ٹمپل روڈ لاہور 1960ء ص152
4- اقبال صلاح الدین: (مرتب) لعلاں دی پنڈ؛ عزیز بکڈپو اردو بازار لاہور 1973ء ص121
5- ایضاً
6- پروین شاہ دین: مشمولہ مضمون لعلاں دی پنڈ ص131

لیکن حقیقت میں وہ غزل ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ نوشہ صاحبؒ عربی، فارسی کے عالم تھے اور فارسی ادب کا گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ اُن کے سامنے فارسی غزل کے اعلیٰ نمونے موجود تھے۔ اس لئے انہوں نے فارسی غزل کی تقلید میں پنجابی میں خوبصورت غزلیات لکھیں۔ غزل کی خواہ کوئی بھی تعریف کی جائے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ غزل کا دامن بے حد وسیع ہو چکا ہے۔ اس کے موضوعات میں بوقلمونی پیدا ہو چکی ہے۔ اب غزل کی تعریف کو الفاظ میں مقید نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے نوشہ صاحبؒ کی مندرجہ ذیل نظم کو بھی غزل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے فارسی شاعری سے صرف غزل کی ہئیت مستعار لی ہے، لیکن اسکے مضامین یکسر مختلف ہیں۔ یوں انہوں نے آج سے تقریباً تین سو سال قبل غزل کے دامن کو وسعت بخشنے کی کوشش کی ہے۔ آپ کی ایک غزل دیکھئے جس میں مطلع اور مقطع کا اہتمام بھی ہے:

سچا آپ خدا ہے سچی سچ خدائی   سب خلقت درکار ہے بیکار نہ کائی[1]
جیں ول ویکھیں نظر بھر نہیں حکمتوں خالی   رتناں اندر ہے نہیں جو گُن وچ رائی
اوتھے دم نہ ماریئے سر سجدے دھریئے   چوں چرا دی تھاں نہیں بندے چترائی
من دیاں لہراں میٹ لے پھر اگے چلیں   حیلے کِتے نہ میٹیئن لہراں دریائی
پیش نہ جاوے اپنا کجھ اپنے اگے   قادر اگے عاجزی کیہی وڈیائی
کم نہ اُس دے لکھیئن اوہ کتھوں لکھیں   عقل نہ پاوے گُن نوں ایہو دانائی
فکر نہ کریئے ذات دا ویکھاں کیہ ہوسی   گلاں چھڈ نکمیاں کر نیک کمائی
اللہ ہک پچھان لے نال اسماں صفتاں   من لے حکم درگاہ دے جیوں حکم ہویائی
من محمد مصطفےٰ ﷺ سچا پیغمبر   نوشہ مرشد منیاں من ہوئی صفائی

1- گنج شریف ص354

لمبی بحر کی یہ غزل دیکھئے جو ہر اعتبار سے غزل کے مزاج پر پوری اترتی ہے:

ہک پل سُکھ نہ آوے تدھ بن ہک پل سُکھ نہ آوے
پل پل دوروں آہیں بھراں سے غوطے جی کھاوے

تیرے ویکھن نوں جی ترسندا اوکھا ملن نماناں مندا
کیہ کجھ کرے نمانا بندہ جے صاحب ایویں بھاوے

پھاتھا وچ وچھوڑا جانی نگل گئی دوسلو کانی
جھب پڑھے کوئی آسانی کویں جند نکل جاوے

نوشہ کہے فقیر الٰہی بیا جیو اوّلی پھاہی
ایہہ گل لیکھیں لکھی آہی، جوں بھی سُکھ نہ پاوے[1]

اس کے علاوہ غزل میں کئی شعر ایسے بھی ہیں جن کا ہر ایک شعر ہم قافیہ اور ہم ردیف ہے۔ لیکن ان غزلیات کے مضامین زیادہ تر رب، رسول ﷺ اور مرشد کی صفت وثناء سے متعلق ہیں۔ اس سلسلے میں یادعنوان کی ایک غزل خاصے کی چیز ہے جس کے بیس اشعار ہیں۔ اس غزل میں وحدت الوجود کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار دیکھئے:

واہ وا صاحب سچا توں باقی ہور سب فنا[2]
صفت نادمہانا مرشد وحدت بے اوڑک دریا

ایک انیک سپنے وچ ہویا سپنے جمیاں سپنے مویا
جاگے ہور نہ کوئی ڈٹھا ہور ہووے تاں ویکھے ہا

1- گنج شریف ص359
2- ایضاً ص435

نہ کجھ ہویا نہ کجھ ہووے سپنا ہسے سپنا رووے
سپنا اندر کل ورتارا جل تھل سپنا ورت رہیا

واہ خدا واہ دا خدائی آکھ نہ سکاں تل وڈیائی
ڈھائی اکھر پریم دے نوشہ مرشد دتے آپ پڑھا

ایک اور غزل دیکھئے جن میں مرشد کے عشق کے حوالے سے ربی یاد کا پیغام دیا ہے:

ہوراں محنت روزے چلّے ، نفلاں جوگ ورتارا[1]
کیتا مرشد پاک اساڈا کلّے نال چھٹکارا

زہد ریاضت زاہد کردے کرن عبادت عابد
مہر محبت ذکر کلّے دا ایہو اساں سہارا

ہوراں محنت کرکے پایا اساں ملایوس آپے
راہاں دی تس حاجت ناہیں جس دا راہ نیارا

رنڈی پیہنا کتنا کردی ستی سیج سہاگن
مرشد جس دا قدرت والا سو کیوں پھرے آوارا

ہکناں ذاتاں تے وڈیائی ہکناں تکیہ عملاں
اساں مرشد دا عشق کتا پاسا ساڈا بھارا

کوئی کہے میں شیخ قریشی کوئی کہے میں سید
کوئی کہے میں اہل حکومت میرا وڈ پیارا

1- گنج شریف ص 500

کوئی کہے میں وڈا تونگر دولت دنیا مالوں
زمیندار کہاوے کوئی سوداگر ونجارا

یاد بناں اساں ہور نہ جاتا ، جاتا ہکّو خاوند
پیر پیغمبر اس دے یادی نوشہ کون وچارا

غزل کے ان نمونوں سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو غزل کی صنف پر مکمل عبور حاصل تھا۔ لیکن اُن کا شاعری کرنے کا مقصد توحید باری تعالیٰ کا پرچار اور لوگوں کو صراط مستقیم دکھانا تھا۔ اسلئے انہوں نے غزل کی ہیئت میں کہے ہوئے اشعار پر غزل کا عنوان لکھنے کے بجائے یاد، نادیا یادشہانا کے عنوانات لکھ دیئے۔ نیز یہ کہنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ نوشہ صاحبؒ سے پہلے غزل موجود تھی۔ کیونکہ نوشہ صاحبؒ سے پہلے حضرت بابا فریدؒ اور شاہ حسینؒ کے کلام میں کہیں بھی غزل کا سراغ نہیں ملتا۔ اگر نوشہ صاحبؒ کے ہم عصر شعراء حضرت سلطان باہوؒ اور عبداللہ عبدی کے کلام کو دیکھیں تو اُن کی شاعری میں غزل کا کہیں کوئی نشان نہیں۔ چنانچہ یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے پہلی مرتبہ پنجابی شاعری کو غزل جیسی خوبصورت صنف سے متعارف کرایا۔

کافی

پنجابی شاعری کی معروف اور مقبول صنف کافی ہے۔ جسے صوفی شعراء نے اپنے دلی جذبات اور صوفیانہ خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ پنجابی میں کافی لکھنے والے سب سے پہلے اور بڑے شاعر شاہ حسینؒ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ شاہ حسینؒ کی کافیاں آج بھی اُسی طرح مقبول ہیں جس طرح اُن کے اپنے زمانے میں تھیں۔ نوشہ گنج بخشؒ پنجابی کافی کے دوسرے بڑے شاعر نظر آتے ہیں۔ اُن کی کافیوں میں تقریباً وہی مضامین بیان ہوئے ہیں جو اُن کی عام شاعری میں موجود ہیں۔ شاہ حسینؒ کی کافیوں میں عاجزی، انکساری، محبوب حقیقی کے ہجر کی تڑپ اور وصال کی چاہت جیسے

مضامین موجود ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کی کافیوں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ اس صنف میں شاہ حسینؒ سے متاثر ہیں۔ انہوں نے کافی لکھنے کا انداز بلاشبہ شاہ حسینؒ سے حاصل کیا ہے جبکہ مضامین اُن کے اپنے ہیں۔ البتہ الفاظ کا اشتراک کہیں کہیں ایک جیسا ہے۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے شاہ حسینؒ اور نوشہ صاحبؒ کی کافیوں کا موازنہ ضروری ہے۔ شاہ حسینؒ کی کافی ہے:

اک دن تینوں سپنا تھیسن گلیاں بابل والیاں وو [1]
اُڈ گئے بھور پھلاں دے کولوں سن پتراں سن ڈالیاں وو
جت تن لگے سو تن جانے ہور گلاں کرن سکھالیاں وو
رہ وے قاضی دل نہیوں راضی گلاں ہویاں ہوون والیاں وو
سوئی راتیں لیکھے پوسن جو نال صاحب دے جالیاں وو
ناؤں حسین تے ذات جولاہا گالیاں دیندیاں تانیاں والیاں وو

شاہ حسینؒ کی ایک اور کافی ہے:

نی سیو مینوں ڈھول ملے تاں جاپے [2]
برہوں بلائے گتھی تن اندر میں آپے ہوئی آپے
سکن دُور نہ تھیوے دل توں ویکھن نوں من تاپے
کہے حسین سہاگن سوئی جاں شوہ آپ سنجھاپے

ایک اور کافی میں فرماتے ہیں:

نی تینوں رب نہ بھلے ، دعا فقیراں دی ایہا [3]
رب نہ بھلی ہور سب کجھ بھلی ، رب نہ بھلن جیہا

1- کافیاں شاہ حسین؛ مجلس شاہ حسین لاہور 1976ء ص 24
2- ایضاً ص 27
3- ایضاً ص 40

ہجر اور دُکھ کے احساس کی ایک کافی کے کچھ بول یوں ہیں:

راتیں درد دہیں درماندی ، مرن اساڈا واجبی وو [1]
لٹاں کھول گلے وچ پائیاں میں بیراگن آودی وو
جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی کوک نہ سکاں ماری لاج دی وو
کہے حسین فقیر سائیں دا رات دہیں میں جاگدی وو

اس کے مقابلے میں نوشہ گنج بخش کی کافی کا مزاج دیکھئے:

رب سمھال پیاریا وو توں رب سمھال پیاریا وو [2]
جو دم خوشیاں نال وہاوے سو دم بھال پیاریا وو
سدا سدا رہ خوشیاں کردا غم دکھ ٹال پیاریا وو
ایہہ دنیا بے دید نموہی چلے نہ نال پیاریا وو
چلے نال کلمہ حضرت دا کرے نہال پیاریا وو
نوشہ مرشد توں بل جائے جیں دتا حال پیاریا وو

شاہ حسینؒ کی کافیوں میں حقیقت ازلی سے ملاپ کی بجائے ہجر و فراق کا درد اور وصال کی تمنا ہے۔ یہی تمنا اور آرزو اُن کو ہر وقت بے چین رکھتی ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں نوشہ صاحبؒ کی کافیوں میں خاص ٹھہراؤ ، اطمینان، سکون اور حقیقت ازلی کو پالینے کی سرمدی کیفیت موجود ہے۔ جو پڑھنے اور سننے والے کو اپنے تاثراتی سحر مین جکڑے رکھتی ہے۔ ایک کافی کے بول یوں ہیں۔

ہر ہر حالوں لدھا ، لدھا ہر ہر قالوں [3]
حال ، قال تھوں باہر ناہیں لدھا اہل کمالوں

1- کافیاں شاہ حسین ،مجلس شاہ حسین لاہور 1976ء ص 24
2- گنج شریف ص 227,28
3- ایضاً ص 328

کامل اوہ جر ہر وچ ویکھے صدقوں وہم خیالوں
دسے مرشد دے چھٹے نوشہ اسیں جواب سوالوں

عام طور پر کافی میں کوئی ایک خیال نہایت دلکش انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ جسے پڑھنے یا سننے کے بعد اُس خیال یا موضوع کے متعلق کوئی تشنگی نہیں رہتی۔ ورنہ وہ کافی کہلانے کی حقدار نہیں۔ کیونکہ کافی کا مطلب ہی یہی ہے کہ اُس کے سننے سے مکمل تسکین و اطمینان حاصل ہو جائے۔ اس لئے ہر شاعر کافی نہیں لکھ سکتا۔ کافی لکھنے کے لئے وسیع علم، گہرا مطالعہ، پختہ تجربہ اور فن شاعری پر عبور حاصل ہونا بے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ شاعر کیلئے موسیقی کے علم سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ نوشہ صاحبؒ کی کافیوں کا مطالعہ اس بات کا غماز ہے کہ یہ تمام خوبیاں ان میں بھر پور انداز میں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ جس خیال کو پیش کرنا چاہتے ہیں اُسے نہایت سلیقے اور قرینے سے کافی کے قالب میں سموتے ہیں کہ پڑھنے اور سننے والے پر انہماک اور وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ کافی سے بے حد لطف اندوز ہوتا ہے۔ آپ کی ایک ایسی کافی کا ایک حصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جس میں نہایت منطقی انداز میں توکل الی اللہ کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کافی کا آپ نے عنوان ''صدق نامہ'' تجویز کیا ہے:

سچی آس اساسا   اساں سچی آس اساسا[1]
سچی آس اساسا
سیل سلا وچ کیڑا پایا   اس دا رزق اوتھے پہنچایا
اس صاحب نوں ہردا آہر   شک نہیں وچ ماسا
سچی آس اساسا
کونجاں سو کوہیں اڈ جاون   انڈے بچے نال نہ لیاون

1- گنج شریف ص 345

اوہ کتھوں چگن کون چگاوے   ایہہ وڈا دھرواسا
سچی آس اساسا
مچھی ہووے وچ دریاوے   انڈے پانی اندر پاوے
بچے اُس دے ملن نہ اسنوں   سبھسے اپنا واسا
سچی آس اساسا
مائی بابا پتر دھیاں   جورو چاکر خاوند میاں
کوئی کسے تے دھریا ناہیں   دل نوں دے دلاسا
سچی آس اساسا
ہر ہر رزق سنبھالے رازق   آپے خلقے آپے خالق
نوشہ خاوند ہکو سبھناں   کون عام کون خاصا
سچی آس اساسا، اساں سچی آس اساسا، سچی آس اساسا

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں انسان کو زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے اور پھر اُس کے ذریعے خالق حقیقی تک پہنچنے کا درس موجود ہے۔ اس مضمون کو آپ نے مختلف انداز اور طریقوں سے بیان کیا ہے اور بالآخر اسی بات پر زور دیا ہے کہ انسان بندگی، عبادت و ریاضت سے بلند درجات حاصل کرتا ہے۔ بندگی میں ہی اُسکی معراج ہے اور بندگی کے ذریعے ہی انسان اپنے خالق و مالک کو ہر وقت یاد رکھ سکتا ہے اور اُس کا شکر ادا کر سکتا ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کوئی بندہ میرے طرف ایک قدم چلتا ہے تو میں دس قدم اُسکی طرف بڑھتا ہوں۔ جب کوئی بندہ سچے دل سے مجھے پکارتا ہے تو میں اُسکی ضرور سنتا ہوں اور مجھے بندے کی عاجزی اور انکساری بے حد پسند ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ پیغمبران خدا مقبول اور معصوم ہونے کے باوجود ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مصروف رہتے تھے اور آخری سانس تک حق بندی ادا کرتے رہتے تھے۔ بااین ہمہ یہ کہتے ہوئے دُنیا سے رخصت ہوئے۔ ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' نوشہ صاحبؒ

ایک سچے انسان، پرہیز گار صوفی اور درویش تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے دین کی تبلیغ اور لوگوں کو صراط المستقیم دکھانے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے کلام میں بندگی، عبادت اور ریاضت پر زور دیا۔ نوشہ صاحبؒ کی کافیاں ان کے مشن ونظریات وعقائد کی مکمل ترجمان ہیں۔ انہوں نے کافی کے مضمون اور مزاج کے مطابق اُس کا عنوان قائم کیا ہے اور ساتھ ہی کافی کے راگ کی بھی نشاندہی کی ہے۔ راگ گوری میں ایک کافی ملاحظہ ہو:

بندے کر لے یاد الٰہی
جس تھوں شاہ پت شاہ اکھاون تس دی سچی بادشاہی [1]
پیر پیغمبراں یاد کمیتی ہک پل غافل ناہے
بندے سوئی کار کماون جو خود خاوند چاہے
یادی جیہا ہور نہ کوئی جو یادی سو جانے
یاد برابر راج نہ دولت یادی موجاں مانے
یاد کرندے سچے بندے غافل مندے گندے
دنیا دار دُکھی دکھیارے یادی سکھ وسندے
یاد الٰہی سچ دی واہی سچ تے سچ گواہی
نوشہ کہے فقیر الٰہی کر لے یاد الٰہی

بحور کا استعمال

عام مشاہدے کی بات ہے کہ شاعر اپنی موزونیٔ طبع کے باعث روانی میں شعر کہہ جاتا ہے۔ اُسے وزن اور بحر پر عبور حاصل نہیں ہوتا۔ وہ صرف شعر کہہ سکتا ہے۔ شعر کی تقطیع نہیں کر سکتا۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ علم عروض بے حد مشکل ہے۔ جسے

1- گنج شریف ص 447

سیکھنا اور سکھانا دونوں مشکل کام ہیں۔ اس علم کو سیکھنے کے لئے بہت زیادہ مطالعے، تجربے اور مشق ومہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انگریزی دور سے قبل ہندوستان کے اکثر مدارس میں دیگر علوم کے ساتھ علم عروض کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس لئے ان مدارس میں تربیت پانے والے شعراء اس علم وفن سے بخوبی آگاہ ہوتے تھے۔ چنانچہ صوفیائے کرام کے کلام میں بحور میں تنوع اس امر کی دلیل ہے۔ نوشہ گنج بخشؒ صرف موزونی طبع کی بنا پر ہی شعر نہیں کہتے تھے بلکہ آپ وزن، بحر اور علم عروض کی تمام باریکیوں سے کماحقہ آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام محض چند ایک بحور کے استعمال تک محدود نہیں ہے بلکہ آپ نے متنوع اقسام کی بحور میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ بلاشبہ پنجابی شاعری کی بحریں، عربی، فارسی اور اردو بحور سے مختلف ہیں۔[1] پنجابی میں پنگل اور ماتروں کا نظام مروج ہے۔ جبکہ عربی بحور میں مخصوص ارکان مستعمل ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ آپ پنجابی بحروں کا بخوبی علم رکھتے تھے اور اس کے علاوہ عربی بحروں پر بھی عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے عربی بحروں میں پنجابی شاعری کی ہے۔ اُس دور میں یہ ایک نیا تجربہ تھا جس میں آپ مکمل طور پر کامیاب نظر آتے ہیں۔ آپ نے پنجابی، عربی اور ہندی کی مجموعی طور پر 34 بحریں استعمال کی ہیں۔ سب سے پہلے ہم ان اشعار پر نظر ڈالیں گے جو عربی بحروں میں کہے گئے ہیں۔ تاکہ واضح ہو سکے کہ نوشہ صاحبؒ اس فن میں کہاں تک عبور رکھتے تھے۔

عربی بحور میں سے آپ نے زیادہ تر شعر بحر متدارک میں کہے ہیں۔ اس بحر کو بحر غریب بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی مزید کئی اقسام اور شاخیں بن جاتی ہیں۔ لیکن نوشہ صاحبؒ نے اس بحر کی ایک قسم متدارک مثمن مقطوع میں زیادہ تر شعر کہے ہیں۔ بحر متدارک مثمن مقطوع کی بنیاد اصل میں بحر متدارک مثمن سالم ہی ہے۔ جس میں فعلن ''رکن'' سولہ مرتبہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی شعر کے ہر مصرعے میں فعلن آٹھ

بار آتا ہے مگر جب اس کی صورت متدارک مثمن مقطوع بن جاتی ہے تو شعر میں آٹھ بار ''فاعلن'' کا رُکن آتا ہے یعنی فاعلن ہر مصرع میں چار مرتبہ آئے گا اور جہاں فعلن کے ارکان کے ساتھ فاعلن استعمال ہوگا، وہاں اُسے بحر متدارک ہی کہتے ہیں۔
حضرت نوشہ صاحبؒ کی ایک نظم اتفاق پروان خالصتاً اسی بحر میں ہے اور اسکی تقطیع بحر متدارک مثمن مقطوع کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ جیسے

مُلّاں سیّد جٹ تَرے رل کے باغ گئے
میوہ کھادا لٹ کے کھا کے بہہ رہے

اس کا وزن یوں ہے:

فِعْلُن فِعْلُن فَاعِلُن فِعْلُن فِعْلُن فِعْ

اسکی تقطیع یوں کی جاسکتی ہے:

<u>مصرع اولیٰ:</u>	فعلن	فلعن	فاعلن	فعلن	فعلن	فع
	مُلّا	سیّد	جٹ تَرے	رل کے	باغگ	اے
<u>مصرع ثانی:</u>	فعلن	فعلن	فاعلن	فعلن	فعلن	فع
	میوا	کھادا	لٹ ک اے	کھا کے	بہ رہ	اے

اسی طرح نظم ''اخلاق پروان'' میں فعلن چھ مرتبہ اور فعل ایک بار استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے:

درویشی اخلاص پیارے درویشی اخلاص
میں میں چھوڑے مانا توڑے سوئی بندہ خاص

اس شعر کی تقطیع یوں کی جاسکتی ہے:

فعلن	فعلن	فعلن	فعلن	فعلن	فعلن	فعل
دروے	شی اخ	لاصپ	آرے	دروے	شی اخ	لاص
مے مے	چھوڑے	مانا	توڑے	سوای	بندہ	خاص

نظم ''دنیا دارا چاری'' کا پہلا شعر ملاحظہ ہو۔

نوشہ ویکھ تماشا ایس جہان دا
قدرت دا بناؤ صاحب سلطان دا

اس شعر کی تقطیع یوں کی جاسکتی ہے:

فعلن	فعلن	فعلن	فعلن	فاعلن
نوشہ	دیکھت	ماشا	اے سج	ہان دا
قدرت	دا بن	اوصا	حب سل	طان دا

بعض مقامات پر حضرت نوشہ صاحبؒ نے بحر متدارک مثمن مقطوع میں بہت کم ارکان استعمال کر کے چھوٹی بحر استعمال کی ہے:

سچا ہک خدا جس دا سب بنا

ایہدے تقطیع وچ صرف دو رُکن آوندے نیں:

فِعْلُن	فَاْعِلُن
سچا	ہک خدا
جس دا	سب بنا

آپ نے اپنے کلام میں جو عربی بحریں استعمال کی ہیں۔ اُن میں سے دوسری اہم ''بحر رمل مسدس محذوف'' ہے۔ اس کے ارکان فاعلاتن، فاعلاتن فاعلن ہیں۔ مثلاً

رب دے دربار کر لے عاجزی
عاجزی کر یار کر لے عاجزی

تقطیع:	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن
	رب دے در	بار کر لے	عاجزی
	عاجزی کر	یار کر لے	عاجزی

جہاں تک آپ کے کلام میں مقامی بحور کے استعمال کا تعلق ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کو ''وار'' کی بحر بہت پسند ہے۔ اس لئے آپ نے بہت سی نظمیں وار کی بحر میں لکھی ہیں۔ پنجابی میں وار ایک عوامی یا لوک صنف ہے۔ جو کسی بہادر کی بہادری کی تعریف وتوصیف کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن نوشہ صاحبؒ نے اس بحر میں نہ تو کسی بہادر شخص کی بہادری کی تعریف کی ہے اور نہ ہی کسی دنیا دار کا قصیدہ لکھا ہے۔ بلکہ انہوں نے اس رواں دواں، ناچتی گاتی بحر سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام لیا ہے۔ اور اس بحر میں انہوں نے ایسی خوبصورت منظومات تخلیق کی ہیں جن میں رب، رسولؐ اور مرشد کی مدح، نعت اور منقبت بیان کی ہے اور اُن کے احکامات کی پیروی کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اُن کی اس بحر میں لکھی ہوئی ایک نظم بزوبر پروان میں سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

بندے خالق یاد کر جس خلق اُپائی — من محمد مصطفیٰ سچیار خدائی(1)
کلمہ آکھ رسولؐ دا ہو مومن خاصا — اللہ اتے رسول تے دھر سچ بھرواسا
سچے حکم اللہ دے منے سو تریا — اوہو سچا آکھیئے جیں کلمہ بھریا
سچا مرشد پاک ہے جس بول سچاویں — مرشد دے سچیار سے جو اللہ ناویں
مال دُنی دار نوں وڈیائی ماناں — نکلیں پیریں چلیا تاں پچھوں تاناں
تس صاحب نوں یاد کر جو نت نت ساتھی — ساتھ نہ چلے مال دھن تن گھوڑے ہاتھی
دنیا خواب خیال ہے اس جی نہ لاویں — سانبھ لئیں درویش دی تاں سوجھی پاویں

آپ اس بحر کے مزاج سے بخوبی واقف تھے۔ اسلئے آپ نے اسے جنگی مقاصد کیلئے استعمال کیا ہے۔ مگر آپ نے کسی بہادر کی تعریف لکھنے کی بجائے اسلام کی خاطر جان قربان کرنے والے شہیدوں اور غازیوں کا مجموعی ذکر کرتے ہوئے اپنے تبلیغی مشن کو آگے بڑھایا ہے۔ آپ کی ایک نظم ''بادشہانا'' کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

1- گنج شریف ص 260,61

غازی ولی خدائے دا حضرتؐ فرمایا — اوہ بہشتی ہویا جیں جنگ کمایا(1)
اول کلمہ فرض ہے پھر جنگ کماون — جہاں جنگ کمایا سے بہشتیں جاون
گھوڑے تے ہتھیار نال آیا پیغمبر — دین اسلام چلایا کر سچ اڈنبر
مارے گڑھ کفار دے بُت سبھے توڑے — چڑھدے لہندے چار کونٹ دوڑائے گھوڑے
کلمہ پاک پڑھایا کفر شرک گوایا — سدھے راہوں گھتھیاں نوں راہ لگایا
نوشہ کلمہ آکھیئے تے جنگ کمائیے — کلمہ تے ہتھیار نال نت نت مونہہ لائیے

حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے وار کی کئی ایک اور بحور کے علاوہ لوک گیتوں میں سے ڈھولا اور دوہڑے کی بحروں میں بھی اشعار کہے ہیں۔ نمونے کے طور پر ڈھولے کی بحر میں ایک شعر دیکھئے:

کھائیے حق حلال سچ کہیئے جھوٹ چھڈیئے حرام نہ چا کھیئے(2)
سچے مرشد پاک محمدؐ اُتے ہوتن صدقے پت راکھیئے

اسی طرح دوہڑے کی بحر کا نمونہ دیکھیئے:

اساں اوٹ محمدؐ صاحب دی گڑھ کوٹ کلمہ دے آوڑے(3)
پاک محمدؐ رسول نے جی جھنڈے عرش مجید تے خوب جڑے
باجھ مریداں پیر نہ سوہن پتاں باجھ نہ ماپے(4)
نوشہ نال مل طالب سنجھاپن مرشد طالباں نال سنجھاپے
نوشہ مرشد دے ملے دکھ نہ رہندا کوئے
آون ہو سگار تھا جاون سوہنا ہوئے(5)

1- گنج شریف ص289
2- ایضاً ص383
3- ایضاً ص186
4- ایضاً ص209
5- ایضاً

ھو جیئے جانیئے نوشہ شیر فقیر [1]

ایہہ مردار نہ کھاوندے توڑے ہون زہیر

طویل بحر میں ہر ایک شاعر شعر کہہ لیتا ہے لیکن چھوٹی بحر میں شعر کہنا بے حد دشوار کام ہے۔ کیونکہ طویل بحر کے مقابلہ میں جہاں اُس کا کنوس بہت چھوٹا ہوتا ہے وہاں الفاظ کے انتخاب میں بے حد احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ لہٰذا کم سے کم الفاظ اور سخت زمین میں اپنے خیالات کی ترسیل دشوار مرحلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ چھوٹی بحر میں شعر لکھنے کے لئے جہاں وزن اور بحر سے واقفیت بے حد ضروری بے حد ہے وہاں الفاظ کے لغوی معنی کے علاوہ اُن کے اندر چھپے ہوئے اصطلاحی معنوں کے ساتھ ساتھ اُن کے پس منظر سے بھی شناسائی ناگزیر ہے۔ تب ہی ایک شاعر بہترین شعر کہہ سکتا ہے اور دریا کو کوزے میں بند کر سکتا ہے۔ چھوٹی بحر میں روانی کیساتھ وہی شاعر شعر کہہ سکتا ہے جسے اس فن پر عبور حاصل ہو۔ نوشہ صاحبؒ نے بہت نظمیں چھوٹی بحر میں لکھی ہیں۔ اُن کے یہ چھوٹے چھوٹے مصرعے اپنے اندر وسیع لغوی اور اصطلاحی معنوں کے علاوہ بے حد تاثراتی خوبی بھی رکھتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کو چھوٹی بحر میں شعر کہنے کی کس قدر مہارت حاصل تھی، اس کا اندازہ اُن کے درج ذیل اشعار سے لگایا جا سکتا ہے:

راہ فقیری مل   سدھے راہے چل [2]
ایہہ گل رکھیں چت   رہنا ناہیں نت
اساں منیا رب رسول   سب کیتے حکم قبول
پڑھ کلمہ پایا دین   اس اُتے اساں یقین

اسی طرح ''ٹک'' کے عنوان سے آپ کی تریسٹھ اشعار کی چھوٹی بحر میں ایک نظم بہترین نمونے کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ جس سے چند اشعار یوں ہیں:

1- گنج شریف ص 313

2- ایضاً ص 269

نوشہ کہے پکار   سن پیارے سچیار [1]
دنیا سندی چاہ   پل پل ودھدی جاہ
مرشد دی سن مت   اندر جھاتی گھت
نبھے نہ ہور کجھ نال   دم دم رب سنبھال
اول آخر اوہ   باطن ظاہر اوہ
اوتھے اتھے اوہ   جتھے کتھے اوہ
مالوں دے زکوۃ   ہووے ترت نجاۃ
فانی ہور تمام   دنیا کوڑ مقام
چلن دا کر ساز   پڑھ لے پنج نماز
روزے رکھ تریہہ   ایہو سدھی لیہہ
کر کے حج ادا   کلمہ آکھ سدا
دل تے رکھ یقین   جو ثابت ہووے دین

نوشہ صاحبؒ نے چھوٹی بحر کے علاوہ سخت زمینوں میں بھی کامیاب شاعری کی ہے۔ اُن کی ایک نظم موج لہر ملاحظہ کیجئے۔

توں کہہ لے مرد فقیرا آئے واہ وا   توں کر لے مرد فقیرا آئے واہ وا
اساں پایا صاحب سکھیرا آئے واہ وا   مونہہ داڑھی سر تے چیرا آئے واہ وا
اوہ آئے دھیرا دھیرا آئے واہ وا   کہہ نوشہ گنیں گوہیرا آئے واہ وا
کہہ توں گھر گھمبیرا آئے واہ وا [2]

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں رواں دواں بحروں کی بھی کمی نہیں۔ آپ کے کلام میں بہت سی نظمیں ایسی ہیں۔ جن میں بہتے ہوئے دریا کی سی روانی ہے۔ اس روانی وسلاست

1- گنج شریف ص 158,59

2- ایضاً ص 366

سے جہاں شاعر کے مزاج کا پتا چلتا ہے، وہاں صوتی اعتبار سے موسیقی کی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ جو قاری پر جادوئی اثر کرتی ہے۔ مثلاً:

کُتے دا کم بھونکنا بدی کرے بد گو   چپ کم فقیر دا، اگوں اللہ کرے سو ہو [1]
چوہڑا لنگھے راہ جس گندی دیوے باس   نوشہ عطری لنگھیاں عطر دی آئے ہولاس
منڈیاں نوں قدر کیہ بھلیاں دی نوشاہ   کُتا ویکھ فقیر نوں بھونکے واہو واہ

اس سے بڑھ کر رواں دواں بحر کی اور کیا خوبصورت مثال ہو سکتی ہے:

درویشی کل خیر پیارے درویشی کل خیر [2]
ناں درویشاں بغض بخیلی نہ درویشاں ویر
مرد درویش اس دنیا اندر آئے کرنے سیر
درویشاں حق یک پچھاتا جاتا ناہیں غیر
نوشہ کہے فقیر قادر دا درویشی کل خیر
درویشی کل خیر پیارے درویشی کل خیر

وزن بحر اور الفاظ کے انتخاب نے نوشہ صاحبؒ کے کلام میں موسقیت پیدا کر دی ہے۔

موسیقی کا عنصر

موسیقی اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور عمدہ شاعری کی صفات اُس وقت کھل کر سامنے آتی ہیں جب موسیقی کے کومل کومل سُر اور اُن کے اندر چھپی ہوئی نزاکتیں اور بھرپور تاثر پیدا کرنے والی خوبیاں واضح انداز میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک اعلیٰ شاعر کے عمدہ کلام کی یہی خوبی شمار کی جاتی ہے کہ اُس کا کلام موسیقی کے

1- گنج شریف ص 552
2- ایضاً ص 321

فن پر یوں پورا اترے کہ اُسے آسانی سے گایا جا سکے۔ پنجابی شاعری کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اُس نے بزرگوں، صوفیوں اور شاعروں کے دامن میں پرورش پائی ہے جو ایک طرف بلند مرتبہ شاعر تو دوسری طرف علم موسیقی کے ماہر تھے۔ انہوں نے موسیقی کے علم کی باریکیوں کو بطریق احسن سمجھا پھر اُس میں کئی ایک قابل قدر اضافے بھی کیے۔

پنجاب میں موسیقی کے فن کو مغل شہنشاہ اکبر کے دور (1556ء تا 1605ء) میں عروج حاصل ہوا۔ اسکی بڑی وجہ شاہی دربار کی سرپرستی تھی۔ اکبر کے دربار میں ایرانی، ترکی، تورانی، کشمیری اور مقامی ہندو موسیقاروں کا ہجوم تھا۔ اُن میں خواتین بھی شامل تھیں۔ ان موسیقاروں کو سات گروہوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر روز ایک گروہ بادشاہ کے دربار میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اکبر بادشاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خود بھی موسیقی کا ماہر تھا۔ وہ کئی ایک ساز خود بھی نہایت مہارت کیساتھ بجا لیتا تھا۔ اُس کے نورتنوں میں عبدالرحیم خان خاناں کے علاوہ مان سنگھ، راجہ بھگوان داس، بیجو باورا اور تان سین جیسے ماہرین موسیقی موجود تھے جو اس فن پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ شہنشاہ اکبر کی اس سرپرستی سے موسیقی کے فن کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور عوامی سطح پر بھی اس فن کو پذیرائی حاصل ہوئی۔ پنجابی کے دوسرے بڑے شاعر شاہ حسینؒ اسی دور میں ہوئے ہیں۔ وہ بھی موسیقی کے فن سے کماحقہ آگاہ تھے۔ بادشاہ اکبر کے عہد میں موسیقی کے فن کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ حسینؒ (1539ء تا 1599ء) جیسا درویش اور صوفی جب اس آیت ''دنیا کھیل تماشے کے علاوہ کچھ نہیں'' کے اندرونی معانی سے شناسا ہوتا ہے تو اُس پر مجذوبی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مسجد سے نکلتا ہے تو موسیقی کی دنیا میں پناہ لیتا ہے۔ شاہ حسینؒ پنجابی زبان کے ایسے پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے پنجابی شاعری کو کافی کی صنف سے نہ صرف متعارف کرایا بلکہ کافی کو مختلف راگ اور راگنیوں کے سروں میں لکھا۔ اُن سے پہلے راگوں کے بول عام طور پر ہندی میں لکھے جاتے تھے۔ لیکن شاہ حسینؒ نے راگوں کے بول اور خیال ہندی کی

بجائے پنجابی زبان میں لکھے اور مختلف راگوں میں کافیاں لکھ کر یہ ثابت کر دکھایا کہ پنجابی زبان ان راگوں اور خیالوں کو اپنے اندر سمونے اور بیان کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اُن کے بعد عظیم صوفی شاعر حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے شاہ حسینؒ کے اس فن میں مزید اضافہ کیا۔ نوشہ صاحبؒ کو موسیقی سے رغبت اور محبت تھی۔ آپ کے سوانح سے پتا چلتا ہے کہ آپ کو قوالی سننے کا بے حد شوق تھا۔ ہندال نامی قوال آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور خاص طور پر طویل سفر میں آپ کے ہمراہ ہوتا تھا۔ اسی لئے آج بھی قادریہ سلسلے کی واحد شاخ نوشاہیہ میں سماع کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے اور بانیٔ سلسلہ کے اس طریق کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت نوشہ صاحبؒ موسیقی کی جملہ باریکیوں سے بخوبی آگاہ تھے اور مختلف راگ اور راگنیوں کا علم رکھتے تھے۔ آپ نے ان راگ راگنیوں میں ہی کافیاں لکھی ہیں۔ کمال یہ ہے کہ آپ نے راگوں کے بولوں کی زبان ایسی استعمال کی ہے جو آپ کے دور میں عوام کی زبان تھی۔

گنج شریف میں آپ کا کلام مندرجہ ذیل راگوں میں موجود ہے:

1- راگ سارنگ	2- رگ سوہنی یا سوہی
3- راگ تلنگ یا تیلنگی	4- راگ گوجری
5- راگ اساوری	6- راگ کیدارا
7- راگ گوری یا گوڑی	8- راگ رام کلی
9- راگ بلاول	10- راگ بُرج

اب ان راگوں کا حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام سے تعلق ظاہر کرکے ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ حضرت نوشہ صاحبؒ اس فن میں کس قدر کمال دسترس رکھتے تھے۔

1- سارنگ   ماہرین موسیقی نے سارنگ راگ کو راگ میگھ کی راگنی بتایا ہے۔[1]

1- منشی محمد اکرم، امام خان نائک: معدن الموسیقی لکھنؤ 1925ء ص 168

بعض موسیقاروں نے دعویٰ کیا ہے کہ سارنگ کسی راگ کی راگنی نہیں ہے۔[1] اس کی بارہ اقسام ہیں۔ سِدھ، بندرابنی، بڑہنس، ملرہون، سانونت، دھوریا (دوھولیا)، سورٹھی یا سونہیر، سجانک، مدھ مات یا مدھ مادھ، گوپر ہاری اور سنہاری۔[2] اس راگنی کی تاثیر یہ ہے کہ اسے سن کر انسان تو ایک طرف جانور بھی حیران پریشان ہو جاتے ہیں اور اُن پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔[3] کامیاب کافی وہی ہوتی ہے جو راگ کے مزاج کے مطابق لکھی گئی ہو۔ نوشہ صاحبؒ کی ایک کافی کے چند مصرعے دیکھئے جو پڑھنے سننے والے پر محویت کا عالم طاری کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان میں جو سوچ اور احساس پیش کیا گیا ہے اُس کی سچائی بے حد متاثر کرتی ہے:

چھڈ غافل دا سنگ فقیرا، چھڈ غافل دا سنگ[4]
جیں دے ملے کو متیں آون، پوے یا دوچ بھنگ
بے مرشد دی سنگت کھوٹی جیوں کجل دی کوٹھی
سے موڈھ کو لگ کمینے جو غفلت دی پوٹھی
سچیاراں نت باغ بہاراں مرشد سندے رنگ
نوشہ کہے فقیر قادر دا چھڈ غافل دا سنگ

2- سوہنی یا سُوہی   اِسے میگھ راگ کی راگنی بتایا جاتا ہے۔[5] سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ دھا۔ نی اس کے سُر ہیں۔[6] جیسے راگ ملہار کی یہ خوبی ہے کہ اُس کے گانے سے بارش برسنے لگتی ہے، اسی طرح سوہی گانے سے بارش بند ہو جاتی

1- حاجی محمد مردان علی خان: غنچہ راگ، نولکشور لکھنؤ 1879ء ص 55
2- ایضاً ص 40
3- معدن الموسیقی ص 110
4- گنج شریف ص 546
5- معدن الموسیقی ص 137
6- ایضاً

ہے۔[1] اس کے گانے کا وقت رات کا پچھلا پہر ہے۔[2] یوں اس راگنی کا تاثر کوچ کا نقارہ بن جاتا ہے کہ رات بیت چکی ہے۔ تھوڑی دیر میں دن طلوع ہونے والا ہے۔ رات کا وقت نیک لوگوں کے لئے غنیمت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور گزری ہوئی عمر کو گزری ہوئی رات سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ اس لئے وہ رات کو ختم ہونے سے قبل اپنے آپ کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ جیون رات گزر چکی ہے۔ ہر انسان اپنی آرام گاہ (یعنی سرائے) میں سے نکل کر پھر اپنے کام کاج کی طرف چل پڑے گا۔ اس لئے جتنی رات باقی ہے اُس میں زیادہ سے زیادہ عبادت کر لے۔ کیونکہ گزری ہوئی رات پھر ہاتھ نہیں آئے گی۔ حضرت نوشہ صاحبؒ کی ایک کافی دیکھئے جس کے بول مذکورہ مضمون یا خیال کو بھرپور انداز میں پیش کرتے ہیں:

سن درویش مسافر بھائی ایہہ دنیا پردیس[3]
پردیسی نوں اللہ بیلی جال آئی پردیس
مرشد سچ گزران وسائی گزری ہتھ نہ آوے
ایتھے نت نہ رہنا ہوسی جویں کویں لنگھ جاوے
گھوڑے ہاتھی کوئی نہ ساتھی، ساتھی نیک کمائی
عملاں دے ونجارے بندے توں کیوں عمر گوائی
ایہہ جیون سفنہ کر جانیں آوے سمجھ تداہیں
جو گزری سو دیکھ پیارے پلک برابر ناہیں
جو گزری سو ہتھ نہ آوے رہندی لیکھے لائیے
کلمہ بھریئے نیکی کریئے صاحب دے گُن گائیے

1- معدن الموسیقی ص 110
2- منشی ہادی حسین بنارسی: ترانہ موسیقار سلیمانی پریس بنارس 1927ء ص 25
3- گنج شریف ص 578,79

مرشد کامل مہر نگاہے مہر نظر کر تارے
نوشہ کہے فقیر قادر دا مرشد جنم سوارے

3- تلنگ — پنجاب کے موسیقاروں کا یہ پسندیدہ راگ ہے۔ بعض داناؤں نے اسے راگ ہنڈول کی راگنی[1]، بعض نے میگھ راگ کی راگنی ظاہر کیا ہے اور سمپورن لکھا ہے۔[2] اس کے یہ سُر بتائے ہیں۔ سا۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا[3] اس میں رکھب (رے) کا سُر نہیں ہوتا۔ اس راگ کے گانے کا بہترین وقت آدھی رات ہے۔ بعض موسیقار اسے آدھا دن گزرنے یعنی دوپہر کے وقت گاتے ہیں۔ بعض اساتذہ نے اس کا وقت دن چڑھنے سے پہلے یعنی سحری بتایا ہے۔[4] اس راگ میں عام طور پر دعا اور التجا کا رنگ اُبھرتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کی ایک ایسی ہی کافی دیکھئے جو اس راگ کے مزاج عین مطابق ہے:

مہر تیری من بھالے سائیاں[5]
مہر تیری من بھالے
مہر تیری بن جالن اوکھا یک پل کوئی نہ جالے
بخشن آویں ڈھل نہ لاویں تیری بخشش دے راہ نرالے
مہر تیری دا ہکو ماسہ لکھ مناں غم ٹالے
نوشہ کہے فقیر قادر دا اے قادر قدرت والے

4- گوجری — تلنگ کی مانند اس کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ راگ

1- معدن الموسیقی ص 135
2- ترانہ موسیقار ص 58
3- معدن الموسیقی ص 135
4- ترانہ موسیقار ص 59
5- گنج شریف ص 355

ہنڈول یا میگھ کی راگنی ہے۔ اسے سمپورن گایا جاتا ہے۔ اِس کا سرگم یوں ہے۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا۔ ما۔ گا۔ رے۔ یہ راگنی دو پہر، سہ پہر یا صبح صادق اور سویرے کو گائی جاسکتی ہے۔[1] یہ راگنی بیان کیے گئے کسی وقت بھی گائی جائے اُس کا مزاج، اعتماد شکر اور بھروسہ کرنے کا ہے۔ نوشہ گنج بخش کے مجموعہ کلام گنج شریف میں سے ایک کافی دیکھئے جو گوجری راگ کے مزاج سے ہم آہنگ ہے۔

سچی آس اساسا اساں آس اساسا[2]
سچی آس اساسا
واہ جماعت درویشائی، جتھوں لذت پائی حقانی
مرشد سچے سنگ رلایا کیتا بے وسواسا
سچی آس اساسا
چیتا چتھوں کرامت ہوویں کیوں نہ جوگ سنجوگ دی جوویں
دم دم نال رزق اساڈا اسیں ویکھن آئے تماسا
سچی آس اساسا
سر سر رزق سنبھالے رازق آپے خلقے آپے خالق
نوشہ خاوند ہکو سھناں کون عام کون خاصا
سچی آس اساسا

5- اساوری — معدن الموسیقی کے مصنف کے مطابق اساوری راگ میگھ کی راگنی ہے اور سمپورن گائی جاتی ہے۔ لیکن ترانۂ موسیقار کے مصنف نے اِسے سری راگ کی راگنی لکھا ہے۔ اسی طرح غنچہ راگ کے مصنف نے بھی اسے سری راگ کی راگنی بتایا

1- ترانۂ موسیقار ص 58
2- گنج شریف ص 344

ہے۔[1] جبکہ سنگیت ودیابندی کا خالق اِسے بھیرویں کی ایک راگنی لکھتا ہے۔[2] معدن الموسیقی میں اس کے سر "سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی" لکھے ہیں۔[3] اس کے مقابلے میں ترانہ موسیقار میں اس کا سرگم یہ بتایا گیا ہے۔

نی ۔ دھا ۔ سا ۔ ما ۔ پا ۔ گا ۔ دھا ۔ نی
ساماپا ۔ گا ۔ سا ۔ دھا ۔ نی ۔ ما پا[4]

اساوری کی تجسیم یوں بیان کی جاتی ہے ایک ایسی دوشیزہ، جس نے اپنے قبیلے کا روایتی لباس پہنا ہوا ہے اور محبوب کے کئے ہوئے وعدے کے مطابق اُس سے ملنے کا انتظار کر رہی ہے۔ محبوب کے نہ آنے کی وجہ سے اُداس اور غمگین ہے اور انتظار کی گھڑیاں بیتانے کے لئے اُن سانپوں سے کھیل رہی ہے جو اُس سے ہمدردی جتانے کے لئے وہاں جمع ہوگئے ہیں۔ اساوری ٹھاٹھ کے ساتھ جونپوری، گندھاری، کھٹ سندھو، بھیروی، کاؤشیکا، درباری کانڑا، زیلف اور دیشی راگ اور راگنیاں منسوب ہیں۔ اساوری کے سارے سر اُترے ہوئے استعمال ہوتے ہیں۔ صرف رکھب سُر چڑھا ہوا استعمال ہوتا ہے۔ گندھار اور نکھاد اروہی میں استعمال نہیں ہوتے۔[5] اس راگنی کا تاثر سننے والے کو رندانہ سرمستی سے سرشار کرتا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے نوشہ صاحبؒ اساوری کی گہرائی اور گیرائی سے بخوبی آگاہ تھے۔ اساوری میں اُن کی لکھی ہوئی ایک کافی کے بول اس امر کا بیّن ثبوت ہیں:

1- غنچہ راگ ص 58
2- محمد بخش: سنگیت ودیابندی رشید پبلشرز لاہور س ن ص 168
3- معدن الموسیقی ص 137
4- ترانہ موسیقار ص 42
5- سنگیت ودیابندی ص 168

الله ولوں تنگ دھڑنگ ، دھڑتے [1]

آپ جہاں دا رب بھنڈاری لنگر تنہاں دا چلّے

باطن لکھاں لکھ خزانے ظاہر ہتھ نہ پلّے

من پردھان عقل دے روشن دِس ال ولّے

اندر حق نال رتّے متّے باہر اک اکلّے

بیٹھے ہون سندا بدھ وِس پھر دے کملے جھلّے

لوبھ کام کرودھ ہنکاروں موہ نہ اوہناں اُتھلّے

جو اوہ کرن سو الله کردا پتھر لال اُگلّے

نوشہ کہے فقیر الله دا سب الله دے تجلّے

6- کیدارا اسے کیداری بھی کہا جاتا ہے۔ بعض اساتذہ نے اِسے سری راگ کی راگنی لکھا ہے۔[2] لیکن زیادہ داناؤں کا خیال ہے کہ یہ دیپک راگ کی راگنی ہے۔[3] اس کا سرگم، سا۔ گا۔ ما۔ پا۔ ہے۔[4] اس کے گانے کا وقت نصف رات ہے۔[5] اسکی ترکیب بلاول، پوربی اور ککیہ ہے۔ اسکی مزید پانچ قسمیں ہیں۔ سدھ کیدارا، سیام کیدارا، نٹ کیدارا، ملتا کیدارا اور مارو کیدارا[6] اُس کا تاثر متین، نرم اور عجز والا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کی ایک کافی کے یہ بول کیدارا کے مزاج کی خوبصورت

1- گنج شریف ص309
2- معدن الموسیقی ص168
3- ترانہ موسیقار ص53 ۔ غنچہ راگ ص38
4- معدن الموسیقی ص168
5- ایضاً
6- غنچہ راگ ص38

نمائندگی کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

خود ہی نور خدا خاوند خود ہی نور خدائے [1]

عاجزی درکار اوتھے خودی کم نہ آئے

بندگی کر بندیا لے پاک نام خدائے

7- گوری (گوڑی) ترانہ موسیقار، معدن الموسیقی اور غنچہ راگ میں اسے مالکونس کی راگنی بتایا ہے۔ یہ راگنی دن کے پچھلے پہر یا رات کے پہلے پہر میں گائی جاتی ہے۔ ترکیب، گوجری، جے جے ونتی، اساوری اور سورٹھ کیساتھ ملتی ہے۔[2] گوری کی دو مشہور قسمیں سدھ گوری اور چیتی گوری ہیں۔[3] اس کے تاثر میں حقیقت کا رنگ غالب ہوتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کی ایک کافی کا یہ مکھڑا دیکھئے۔

درویشی اخلاص پیارے درویشی اخلاص [4]

میں میں چھوڑے مانا توڑے سوئی بندہ خاص

میری میری کوڑ دی ڈھیری کوڑوں لکھ وناس

ہکو رنگ سدا درویشاں طمع نہ کجھ ہراس

آپ کی ایک اور کافی کا مکھڑا دیکھئے:

بندے ایہہ جگ بندی خانہ [5]

ایتھے آ کے سکھ نہ پایا، سکھ بھالے دیوانہ

ایک اور کافی کے شروع کے بول یوں ہیں:

1- گنج شریف ص527
2- غنچہ راگ ص30
3- ایضاً
4- گنج شریف ص332
5- ایضاً ص414

بندے کر لے یاد الٰہی

جس تھوں شاہ پت شاہ اکھاون۔تس دی سچی بادشاہی [1]

8- رام کلی یہ راگ ہنڈول کی راگنی اوڈھو ہے۔[2] یہ رات کے آخری پہر یا صبح سویرے گائی جاتی ہے۔[3] بندھن یہ ہے۔سا۔رے۔گا۔ما۔پا۔دھا۔نی۔[4] رام کلی (دھرپد) چوتال تین قسم کی ہوتی ہے۔[5] گنج شریف میں نوشہ صاحبؒ کی ایک کافی اس راگنی میں موجود ہے۔جس کا مکھڑا یوں ہے:

درویشی دا خیر دے داتا درویشی دا خیر [6]

وحدت وچ بسیرا ہووے اٹھ جاوے من تھوں غیر

9- بلاول اسے برادر برادری یا بلاول بھی کہا جاتا ہے۔یہ ہنڈول کی ایک راگنی ہے۔[7] اس کا سرگم، سا۔رے۔گا۔ما۔پا۔ ہے۔[8] یہ راگنی دن طلوع ہونے کے سمے گائی جاتی ہے۔اسکی چودہ اقسام ہیں۔[9]

1- سدھ بلاول 2- گلب بلاول 3- ایبا بلاول 4- سکل بلاول

5- کماچی بلاول 6- جے جے ونتی 7- سنکر بلاول 8- کچیلی بلاول

9- ایمن بلاول 10- کامودی بلاول 11- مدھرسیا بلاول 12- سکیا بلاول

13- بھاگ بلاول 14- سوہا بلاول

1- گنج شریف ص474
2- معدن الموسیقی ص134
3- ترانہ موسیقار ص30
4- ایضاً ص50
5- ٹھاکر نواب علی خاں: معارف النغمات؛ حصہ دوم ادارہ فروغ فن لاہور 1977ء ص114
6- گنج شریف ص534
7- ترانہ، موسیقار ص49
8- ایضاً ص52
9- غنچہ راگ ص36

اس میں خوشی کا تاثر ملتا ہے۔نوشہ صاحبؒ کی ایک کافی راگ بلاول میں ہے جس کے بول ہیں۔

مرشد ملے سوتریا پیارے مرشد ملے سوتریا [1]
من وحدت سنگ بھریا
مرشد سچے مہر نگاہے کاٹھاں کیتا ہریا
مہر نظر کر سچے مرشد سکھدیاں نوں بھریا
نوشہ کہے فقیر قادر دا فقروں جنم سدھریا

10- برج یہ راگ سمپورن ہے اور خاص طور پر پوربی ٹھاٹھ میں گایا جاتا ہے۔مزاج کے اعتبار سے شوخ ہے۔رات کے پچھلے پہر میں گایا جاتا ہے۔اس کے سُر، سا نی سا۔را سا نی دھا۔ سانی دھا پا۔ می گی دھا می۔ گی را سا۔ ہیں۔[2] نوشہ صاحبؒ کی ایک کافی کے چار مصرعے دیکھئے جو برج راگ کے مزاج سے میل کھاتے ہیں:

سائیں ہک سبھسے تائیں بھل نہ جائیں پیاریا [3]
سب دا داتا ہکو جاتا، سبھسے سائیں تاریا
روپ اروپ سروپا ہو ہو سبھنیں تھائیں دھاریا
نوشہ مرشد بھیت سمجھایا گو روگو سائیں واریا

اس جملہ تجزیے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ نوشہ صاحبؒ نہ صرف بلند مرتبہ صوفی شاعر تھے۔بلکہ وہ شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی کے علم سے بھی کماحقہ واقف تھے۔انھوں نے منفرد سوچ اور فنی مہارت کی بنا پر مختلف راگوں میں میں پنجابی

1- گنج شریف ص306
2- معارف النغمات حصہ دوم ص361
3- گنج شریف ص148

کافیاں لکھ کر ثابت کر دیا کہ پنجابی زبان میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو راگ کے خیال جا مکھڑے کے لئے لازمی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے زبان اور موسیقی پر عبور حاصل ہونا شرط ہے۔ یہ تمام خوبیاں ہمیں نوشہ صاحبؒ کے ہم عصر شعراء کے ہاں خال خال نظر آتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ سے لے کر خواجہ غلام فریدؒ تک کوئی شاعر موسیقی کے حوالے سے اپنے پنجابی کلام وہ کمال پیدا نہیں کر سکا جو نوشہ صاحبؒ کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ البتہ نوشہ صاحبؒ کے بعد بُلھے شاہ یا پھر تین صدیوں بعد خواجہ غلام فرید کی بعض کافیوں میں یہ خوبی دکھائی دیتی ہے۔

الختصر یہ کہ حضرت نوشہ گنج بخش کا کلام زبان و بیان کے اعتبار سے پنجابی ادب میں منفرد مقام کا حامل ہے۔ انہوں نے پنجابی کلام کے ذریعے شاہ جہانی دور کی پنجابی زبان کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ کلام میں نادر اور مقامی تشبیہات، عوامی آکھان اور محاورے جہاں نوشہ صاحبؒ کے سماجی و تہذیبی شعور کو ظاہر کرتے ہیں وہاں اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ فطری رشتے کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہئیت اور نئی اصطلاحات کے حوالے سے بھی نوشہ صاحبؒ نے کئی ایک نئے تجربات کئے ہیں۔ خاص طور پر اٹ، مانجھ اور غزل جیسی اصاف سخن کو انہوں نے متعارف کرایا۔ عربی، فارسی اور ہندی الفاظ کے استعمال سے پنجابی زبان کو لسانی اعتبار سے جو وسعت بخشی ہے وہ بے حد قابل ستائش ہے۔ نوشہ صاحبؒ کا کلام عوام کے سامنے آنے سے پنجابی ادب کے کئی ایک گوشے روشن ہوئے ہیں۔ اغلب ہے کہ آپ کے یہ کارنامے آنے والے دور میں تحقیق کی نئی راہیں کھول دیں۔ عربی بحروں میں پنجابی شعر کہنا، زبان میں سادگی، بھرپور تاثر، جوش شگفتگی، اور روانی جیسی خوبیاں اُن کے کلام کو منفرد بناتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نوشہ گنج بخشؒ قادریہ سلسلے کے بزرگوں میں اعلیٰ، ارفع اور منفرد مقام رکھتے ہیں اسی طرح وہ پنجابی ادب میں بھی اعلیٰ وارفع اور منفرد مقام کے مالک ہیں۔



باب 5

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی پنجابی نثر

پنجابی نثر اور مواعظ نوشہؒ

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جو زبان جتنی قدیم ہوگی اُس کا ادب بھی اتنا ہی قدیم ہوگا۔ پنجابی زبان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس دھرتی میں اس کی جڑیں گہری اور قدیم ہیں۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے لے کر آج تک تقریباً آٹھ سو سال کا طویل عرصہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ کیونکہ اس عرصے میں تخلیق ہونے والا پنجابی ادب تحریری صورت میں موجود ہے۔ ادب کی اصطلاح میں نظم اور نثر دونوں شامل ہیں۔

پنجابی زبان کی ابتداء کے متعلق جدید تحقیق نے یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ اس کا تعلق داروڑی قبیلے کی زبانوں سے ہے۔ اس حوالے سے اس زبان کی کم از کم عمر پانچ ہزار برس مقرر کی جا سکتی ہے۔ مگر اُس وقت پنجابی زبان دوسری زبانوں کے اندر سفر کر رہی تھی۔ اُسکی علیحدہ شکل وصورت 712ء میں محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملہ کے بعد نظر آنے لگی، جب ہندوستان میں مسلم ریاست کے خدوخال واضح ہوئے۔ اس سے قبل بھی عرب کے تاجر ہندوستان آتے تھے۔ لیکن محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملے کے بعد تاجروں کے ہمراہ علماء وصوفیا بھی یہاں آنے لگے۔ انہوں نے ہندوستان کے ظلمت کدے میں اسلام کی شمع روشن کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس ضمن میں افغانستان سے آنے والے صوفیائے کرام کی خدمات خاص طور پر قابل قدر ہیں۔

انہوں نے دین اسلام کی تبلیغ میں بے حد محنت و مشقت سے کام لیا۔ اسلامی تبلیغ کا یہ سلسلہ نویں و دسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا اور گیارہویں صدی عیسوی میں باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ اس صدی کے بزرگان دین میں سے حضرت اسماعیل نے تقریباً 1005ء کے نزدیک لاہور کے گرد و نواح کو تبلیغ کے لئے منتخب کیا اور ہزارہا لوگوں کے سینے اسلام کی روشنی سے منور کئے۔ ان کے بعد ملتان کے علاقے میں تقریباً 1070ء میں اسماعیلیہ فرقے کے اٹھارہویں امام سیدنا مستنصر باللہ المعروف ست گورنور نے یہاں تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کے بعد شاہ شمس سبزواری (1165ء تا 1276ء) پیر شہاب الدین، حسن کبیر حسن دریائی اور پیر تاج الدین نے اس سلسلے کو مزید وسعت دی۔ ان بزرگوں نے لوگوں کو پندونصائح کے لئے زبانی ہدایات کے ساتھ ساتھ اپنی شاعری سے بھی کام لیا۔ اُن کے کلام کو گنان کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ گنان لوہانکا رسم الخط میں بتائے جاتے ہیں۔ ان بزرگان دین کا زمانہ تقریباً 1467ء تک بنتا ہے۔ اس طرح نویں صدی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی تک کا ادبی سرمایہ نظم کی صورت میں موجود ہے۔ اس بات سے یہ اندازہ لگانا درست نہ ہوگا کہ اُس زمانے میں نثر کا وجود نہ تھا یا نثر گفتگو کے لئے استعمال نہ ہوتی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زبان ہمیشہ اُسی وقت شاعری کے سانچوں میں ڈھلتی ہے جب نثری اعتبار سے پختہ تر ہو جاتی ہے۔ زبان کو عوام آپس میں گفتگو کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی باتیں سمجھتے ہیں اور سمجھاتے ہیں اور آپس میں لین دین اور روز مرہ کی ضروریات و احتیاجات زبان کے ذریعے پوری کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے نثر کا وجود نظم سے قدیم تر بنتا ہے۔ لیکن دیگر جملہ السنہ کی مانند پنجابی زبان میں بھی قدیم ترین ادبی نمونے نثر کی بجائے نظم میں موجود ہیں۔ اسی لئے نثر کی تخلیق کا صحیح اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ البتہ یہ بات پورے وثوق کیساتھ کہی جا سکتی ہے کہ پنجاب میں جن صوفیائے کرام نے دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا، خواہ وہ مقامی تھے یا بیرونی

ممالک سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے، انہوں نے یہاں کی مقامی زبان سیکھی اور پھر اُس میں تبلیغ کی۔ پنجابی زبان کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آج سے ایک ہزار برس قبل پنجاب میں وہی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی جو آج کل ہم بولتے، سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ البتہ ہزار برس کے سفر میں کئی قدیم الفاظ متروک ہو چکے ہیں اور دیگر زبانوں کے کئی ایک نئے الفاظ داخل ہوگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم پنجابی پڑھتے ہوئے بعض دفعہ دقت پیش آتی ہے۔ لیکن یہ کوئی اچنبھے والی بات نہیں۔ زبانوں کے سلسلے میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ زندہ زبانوں کو ہمیشہ ان مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ورنہ زبان کا ارتقاء رُک جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے صوفیاء نے اپنے مشن کی تکمیل کے لئے پنجابی نثر کا ضرور سہارا لیا ہوگا۔ اگرچہ اُس دور کی پنجابی نثر تحریری صورت میں ہمارے پاس موجود نہیں۔ البتہ اُس دور کی صوفیانہ شاعری سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اُس زمانے میں پنجابی نثر کی زبان کیسی ہوگی؟ پنجابی زبان کے سب سے پہلے شاعر بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہیں، جن کا کلام شلوکوں کی صورت میں دستیاب ہے۔ اُن کے کچھ عرصہ پہلے حاجی بابا رتن کا نام آتا ہے۔ اُن کا صرف ایک نعتیہ شعر ملتا ہے:

رُوپا محمدؐ سونا خدائی دوہوں وچ دنیا غوطہ کھائی
حاجی بابا رتن ایسی کہیں ہتے نیارا رہیں

حاجی بابا رتنؒ کے مقابلے میں بابا فریدؒ کی زبان صاف اور آج کی زبان جیسی ہے:

رُکھی سکی کھاءِ کے ٹھنڈا پانی پی
فریدا ویکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جی (1)

بابا فریدؒ کے کلام میں مستعمل پنجابی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دور تک پنجابی زبان نے اپ بھرنش اور برج بھاشا سے رشتہ توڑ کر اپنا الگ روپ اختیار کر لیا تھا

1- آکھیا بابا فرید نے ص 172

اور یہ عوام کی بول چال کی زبان بن چکی تھی۔ اس میں روزمرہ اور محاورے پیدا ہو چکے تھے۔ روزمرہ تو تب ہی وجود میں آتا ہے جب لوگ آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ اسی طرح برسوں کے تجربات و مشاہدات کے بعد محاورے اور آکھان وجود میں آتے ہیں۔ بابا فریدؒ کے کلام میں رنگ برنگے محاورے اس امر کے شاہد ہیں کہ اُس زمانے میں پنجابی زبان ایک مکمل اور پختہ زبان کا درجہ حاصل کر چکی تھی۔ صرف ایک شلوک دیکھئے:

فریدا جے توں عقل لطیف ہیں کالے لکھ نہ لیکھ
اپنے گریوان میں سر نیواں کر کے دیکھ

اس شلوک میں محاورہ ''گریبان میں جھانکنا'' استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بابا فریدؒ کے خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مریدِ خاص امیر خسرو (1253ء۔ 1325ء) کے پنجابی میں دوہے، لطیفے اور پہیلیاں مشہور ہیں۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے امیر خسرو کی تقریباً چالیس بجھارتوں کا ذکر کیا ہے۔[1] ان بجھارتوں کی ساخت بالکل شعر یا مصرعے جیسی ہے۔ لیکن کہیں کہیں نثر کا سا انداز بھی ہے۔ تاہم اُن کو نثر کے مکمل نمونے نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً چند بجھارتیں دیکھئے:

1- پاروں آیا لشکری، جاندا جاندا کر گیا مشکری
2- نکا جیہا ویہڑکا، دو سنگیاں مارے
3- چونے گچ حویلی، بوہا کوئی نہ
4- عجب ڈٹھی اک کڑی، راجے پگ لہائے

بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ صاف زبان امیر خسرو کی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اُن کے خیال کے مطابق یہ بجھارتیں اُن کی نہیں بلکہ اُن سے منسوب کی گئی ہیں۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں بابا فریدؒ کی پنجابی زبان بھی دیکھی ہے جو بے حد صاف اور

1- موہن سنگھ دیوانہ، ڈاکٹر: پنجابی زبان دی مختصر تاریخ ص 28

عام فہم ہے جبکہ بابا فریدؒ کا زمانہ امیر خسرو سے پہلے کا ہے۔ اسلئے ان بجھارتوں کی زبان کا اس قدر صاف ہونا کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے۔

پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں بابا نانک (1449ء۔ 1539ء) سامنے آتے ہیں۔ وہ ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن مسلمان صوفیاء سے بے حد متاثر تھے۔ اس لئے انہوں نے بت پرستی کی بجائے وحدت کا راستہ اختیار کیا اور بابا فریدؒ کا کلام (اُس دور کے بابا فریدؒ کی درگاہ کے گدی نشین) ابراہیم فرید ثانیؒ کی اجازت سے گرنتھ میں شامل کیا۔ شیخ فرید ثانیؒ اور بابا نانک جی کے مابین جو سوال و جواب ہوئے وہ اُن کے بعض عقیدت مندوں نے گوشٹوں کے روپ میں محفوظ کر لئے۔ موہن سنگھ دیوانہ نے اپنی تاریخ میں ان سوالات و جوابات کو نقل کیا ہے۔ زبان کا اندازہ لگانے کے لئے اُن میں سے چند سطریں نمونے کے طور پر پیش ہیں:

سوال نانک جی: پڑھتے پڑھتے دند گھسے کسے نہ کیتی ہو
جواب شیخ فرید ثانی: اکو حرف پریم دا پڑھے سو پنڈت ہو
سوال نانک جی: صاحب دیاں دو حداں، کس نوں پکڑاں کس نوں چھڈاں
جواب شیخ فرید ثانی: صاحب کی دو حد، سچ نوں پکڑ کوڑ نوں چھڈ

نانک جی نے ہندو گھرانے میں تربیت پائی تھی اس لئے اُن کی اپنی زبان پر سنسکرت اور بھاشا کا خاصا اثر تھا۔ اُن کے بعد اُن کے عقیدت مندوں نے ان کی جنم ساکھیاں تحریر کیں۔ اُن میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اس پر زیادہ اثر برج بھاشا کا ہے۔ لہٰذا اُن کی تحریریں پنجابی نظم و نثر کے اعلیٰ نمونے بننے کی بجائے سنسکرت اور برج بھاشا کے نمونے بن گئیں۔ اُن میں بعض شلوک تو بالکل ہی سنسکرت اور برج بھاشا کے لگتے ہیں۔ اُن میں پنجابی، عربی اور فارسی کے الفاظ کا استعمال آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ سکھ مذہب کے پانچویں گورو ارجن نے 1601ء کے قریب گرنتھ مرتب کیا۔ انہوں نے بھی برج بھاشا زبان کو اپنایا۔ بلکہ اپنی شاعری کے ذریعہ اس رنگ کو مزید گہرا

اور پختہ کیا۔ اس لئے اُن کے بعد دیگر گورو صاحبان نے بھی اُن کی تقلید کو قابل فخر سمجھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں نوشہ گنج بخشؒ جیسی عظیم ہستی نظر آتی ہے جس نے نظم ونثر ہر دو حوالوں سے قابل ذکر ادب تخلیق کیا۔

گذشتہ اوراق میں ہم نے نوشہ صاحبؒ کی پنجابی شاعری کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اب ہم یہاں اس سارے پس منظر میں ان کی پنجابی نثر کا جائزہ لیں گے۔

بابا فریدؒ سے لے کر نوشہ گنج بخشؒ کے دور تک کے پنجابی ادب پر نظر ڈالیں تو بلاشبہ شاعری کے قابل فخر مجموعے دکھائی دیتے ہیں۔ اُس شاعری کی پختگی کو دیکھ کر اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اُس دور میں پنجابی نثر اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ موجود ہوگی۔ جس کی شہادت امیر خسرو کی پہیلیوں سے ملتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہیلیاں دراصل نثری نمونے تھے۔ ان کو دلچسپ بنانے کے لئے موزوں مصرعوں کا روپ دیا گیا۔ حالانکہ اِن میں بہت سی ایسی ،بجھارتیں ہیں جن میں نہ تو مصرعے کا سا وزن ہے اور نہ ہی اُن میں شعری حسن ہے۔ اس کے باوجود ہم اُن کو رواں نثر کی خوبصورت مثالیں قرار نہیں دے سکتے ہیں۔ یہی حال گورو صاحبان کی گوشٹوں کا ہے جن میں سنسکرت ، ہندی اور برج بھاشا کے الفاظ کی بلاجواز بھر مار ہے چنانچہ انہیں بھی پنجابی نثر کے اعلیٰ نمونے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے باوجود یہ تمام باتیں اس امر کی شہادت ضرور بن سکتی ہیں کہ بابا فریدؒ سے لے کر نوشہ گنج بخشؒ کے دور تک پنجابی زبان خصوصاً نثر اس قابل ضرور ہوگی کہ اس میں کچھ نہ کچھ تحریر ضرور کیا گیا ہوگا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کیا لکھا گیا ہوگا اور اُس کا معیار کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں اُس وقت تک کوئی بات وثوق سے کہنا مشکل ہے جب تک اُس دور کی نثر کا کوئی پختہ نمونہ نہیں مل جاتا۔

اس تمام تر پس منظر میں نوشہ گنج بخشؒ کے مواعظ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اب تک کی تحقیق کے مطابق نوشہ صاحبؒ کے یہ مواعظ

پنجابی نثر کا قدیم ترین نمونہ ہیں۔

ان مواعظ کا فکری اور لسانی تجزیہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ اُن کے مواعظ کا مختصر فکری تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ پھر اُس کے بعد لسانی حوالے سے ان مواعظ سے متعلق گفتگو ہوگی۔

مواعظ کا فکری تجزیہ

جدید تحقیق کے مطابق اب تک نوشہ صاحبؒ کے چھ وعظوں کا سراغ مل چکا ہے۔ بظاہر دیکھنے میں یہ وعظ الگ الگ نظر آتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے پتا چلتا ہے اُن تمام وعظوں میں فطری ربط موجود ہے اور یہ سچے موتیوں کی مانند ایک ہی ہار میں پروئے ہوئے معلوم پڑتے ہیں۔ کسی بھی تحریر کا فکری جائزہ لینے کے لئے دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ پہلے یہ کہ اس تحریر سے مصنف کا کیا مقصد ہے؟ دوسرے یہ کہ مصنف نے اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے کون سے لسانی نظام کا سہارا لیا ہے۔ کیونکہ افکار و احساس کے اظہار کے لئے زبان یا الفاظ ہی بہترین وسیلہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان الفاظ کے استعمال سے واضح ہو جاتا ہے کہ مصنف اپنے افکار و جذبات دوسروں تک پہنچانے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے۔

نوشہ صاحبؒ کے مواعظ کے فکری پہلو پر غور کرتے ہوئے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ ان مواعظ کے ذریعہ اپنے صوفیانہ نظریات اور مبلغانہ افکار کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ ان مواعظ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان کے ذریعے نوشہ صاحبؒ دین اسلام کے سچے اصولوں کو خدا کی مخلوق تک پہنچانا چاہتے ہیں تا کہ لوگ ان اصولوں سے نہ صرف آگاہ ہو جائیں بلکہ اُن پر مکمل طور پر عمل پیرا بھی ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے نوشہ صاحبؒ نے کوئی فلسفیانہ یا ناصحانہ انداز نہیں اپنایا اور نہ ہی شریعت کے دقیق مسائل زیر بحث لائے ہیں۔ انہوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں کو

نہایت سادہ الفاظ اور عام فہم انداز میں لوگوں کے سامنے اس طرح پیش کیا ہے کہ اُن کے مقصد کی سچائی پڑھنے اور سننے والوں پر اپنے آپ ہی واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ وعظ کے آغاز میں نہ تو طویل تمہید باندھتے ہیں اور نہ ہی کسی اور طریقے سے قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتے ہیں۔ بلکہ جو بات وہ بیان کرنا چاہتے ہیں براہ راست آغاز اسی بات سے کرتے ہیں جو وہ بیان کرنا چاہتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ اُس بات کی وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں۔ جیسے اُن کے پہلے وعظ کا موضوع توحید خداوندی ہے۔ چنانچہ وہ وعظ کا آغاز ہی اس بات سے کرتے ہیں کہ:

''بابا۔ سائیں والیاں فرمایا ہے۔ جو سائیں خود مختار ہے۔ جو مندا ہے سو بندہ ہے۔''(1)

نثر کے اس مختصر سے ٹکڑے میں نوشہ صاحبؒ اسلامی فلسفہ حیات کی دو اہم باتیں نہایت سادہ انداز میں بیان کر گئے ہیں۔ پہلی بات اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کی اور دوسری بات انسان کے بندہ ہونے کی ہے۔ ان دو باتوں کو بنیاد بناتے ہوئے آپ آگے چل کر ایک مومن اور ایک کافر کی زندگی کا فرق واضح کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ایک کافر کی زندگی کا خاتمہ کیسے ہوتا ہے اور اُس کا انجام کس قدر عبرت ناک اور دردناک ہوگا، جبکہ اس کے مقابلے میں توحید باری تعالیٰ تسلیم کرنے والے ایک مومن کا انجام خیر پر ہوگا۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لا کر صراط مستقیم اختیار کرتے ہیں، نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھتے ہیں اُن کے لئے خوشیاں اور کامیابی ہے۔ یہی لوگ نیک نصیب ہوں گے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

''مومناں دی جند خوشی نال سوکھی سکھالی نکل کے اپنے اصلی دیس مقام نوں جا پہنچدی اے۔ کیوں جو اوہ تاں دنیا دی صحبت دے عاشق مشتاق ناہیں۔ ہتھوں پندھاں توں چھٹ پوندے ہین۔ پردیسوں مڑ دیس

1- مواعظ نوشہ پیر۔ تاج بکڈپو، لاہور 1973ء ص 37

پہنچدے ہین۔ وطن دی خوشی نال پل ڈھل لاوندے ناہیں۔ تاں تے مومناں دی روح واسطے ملائیک تسبیحاں کردے عرشوں اُتر کے آ گا لیندے ہین تے بہشت لے جاوندے ہین۔ واہ واہ طالع بخت تنہاں دے جہناں نوں ایڈا آدر ملدا ہے''(1)

نوشہ صاحبؒ نے اپنے ان مواعظ میں قرآن مجید میں درج مختلف انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کے واقعات بیان کئے ہیں اور اُن کی روشنی میں نیکی اور بدی میں تمیز واضح کی ہے تا کہ لوگ قدیم اُمم کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہدایت کا راستہ اپنائیں اور اللہ والوں کو خواہ مخواہ تنگ کرنے کی بجائے اُن کی صحبت سے فیضیاب ہوں اور اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کریں۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص نیکی کی طرف راغب نہیں ہوتا، اُسے واضح انداز میں فرماتے ہیں:

''جو کوئی نت مندائی کردا ہے تس دے ہاؤں تے وساری دا کٹ ہوئیکے ودھدے ودھدے بجھ جاوندا ہے تے ہاؤں کالا کر دیندا ہے۔ پر کٹ گھناں تاں لوہ تے جمدا ہے تے ایویں لوہ وانگن جیندا ہاؤں ہووندا ہے تس تے کٹ بہوں ہووندا ہے تے جاں ہاؤں کالا ہویا تاں سائیں دی سمہالوں گھتھا تے بالن بھاہ دا ہویا۔ انت پچھتاوسی تے ڈھکھ ڈھکھ بلسی سڑسی۔ پھر کسے پر ویلا اجو کا نہ لبھسی۔''(2)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص بار بار برائی کرتا ہے وہ برائی کا عادی ہو جاتا ہے اور پھر وہ بدی کرتے ہوئے شرمندگی بھی محسوس نہیں کرتا، اُس کے دل پر قدرت کی طرف سے کالا داغ بن جاتا ہے، جو دھیرے دھیرے پختہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ داغ مزید پکا ہو جاتا ہے تو پھر سمجھو کہ دل مردہ ہوگیا۔ کیونکہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا

1- مواعظ نوشہ ص 28،29

2- ایضاً 42،43

ہے۔ ایسے دل کا مالک شخص کبھی بھی نیکی کی طرف نہیں پلٹتا۔ قرآن پاک میں ایسے ہی لوگوں کا آخری ٹھکانہ دوزخ کی آگ بتایا گیا ہے۔ جہاں سے نجات ناممکن ہے۔ اس لئے اس دنیا کی زندگی کو غنیمت جان کر برائی کے راستے کو چھوڑ کر صراط مستقیم اختیار کرنا چاہیے۔ اسی میں اُسکی فلاح مضمر ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے اپنے ان مواعظ میں سادہ انداز سے تجویز دی ہے اور ہدایت کی ہے کہ بھٹکے ہوئے لوگ سیدھی راہ اختیار کر سکتے ہیں اس کے لئے انہیں برائی چھوڑ کر نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا ہوگی۔ وہ فرماتے ہیں:

''پر ایہہ واٹ سائیں والیاں نال ملیاں سچے ساتھ رلیاں، سچیاں گلاں سنیاں سمجھیاں، سچیاں دے آکھے لگ ٹریاں چلیاں لبھدی ہے۔ ایویں سکھالی ناہیں لبھدی۔''(1)

دیکھنے میں تو یہ راستہ آسان نظر آتا ہے۔ مگر جس قدر یہ آسان دکھائی دیتا ہے اُسی قدر اُس پر چلنا دشوار ہے۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان جس قدر جلد برائی کی طرف مائل ہوتا ہے اُسی قدر مشکل سے نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ کیونکہ برائی کی لذت اور پھل کا مزہ اُسے فوراً حاصل ہو جاتا ہے جبکہ نیکی کے پھل کے حصول میں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ یقین کر لیا جائے کہ برائی کی لذت عارضی ہے اور نیکی کے عوض ملنے والا پھل ہمیشہ رہنے والا اور ابدی ذائقے والا ہے، پھر انسان نیکی کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔

نوشہ صاحبؒ کے نزدیک تمام برائیوں کی جڑ جھوٹ ہے۔ انہوں نے اپنے وعظوں میں اسی بات پر زیادہ زور دیا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف جھوٹ کی بیماری سے چھٹکارا حاصل کر لے تو پھر سمجھو کہ وہ ہر برائی سے محفوظ ہو گیا۔ نوشہ صاحبؒ نے اپنی بات کو دلچسپ بنانے کے لئے موقع محل کے مطابق شعر بھی استعمال کئے ہیں جس سے ان کی تحریر میں ادبی حسن پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً تیسرے وعظ کے آخر میں یہ مصرعے درج ہیں:

1- مواعظ نوشہ۔ تیسرا وعظ ص 47،48

کیہ لیسیں سچیا کوڑ تھوں کیہ لیسیں سچیا کوڑ تھوں
کجھ چانن ہوئے نہ دھوڑ تھوں کیہ لیسیں سچیا کوڑ تھوں
جو دِسے سو ٹھر ہے نہیں دن سائیں ہور دِھر ہے نہیں
اِتھے رہنا کجھ چر ہے نہیں کیہ لیسیں سچیا کوڑ تھوں(1)

شہنشاہ اکبر کے عہد سلطنت میں دین الٰہی کی بنیاد رکھے جانے کی وجہ سے اسلام کا جس طرح تمسخر اڑایا گیا، وہ سب پر عیاں ہے۔ اُس نے جہاں اسلام کے دیگر ارکان کو ساقط کیا وہاں اسلام کے بنیادی رکن کلمہ طیبہ میں بھی تبدیلی پیدا کی۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے اکبر خلیفۃ اللہ کو رواج دیا گیا۔ السلامُ علیکم کی بجائے اللہ اکبر جیسا مہمل جملہ دربار میں عام کیا گیا۔ اکبر کے اس نئے دین کی مخالفت اسکی زندگی میں ہی شروع ہوگئی تھی۔ اکبر کے اس نام نہاد دین کی بنیاد چونکہ ذاتی اغراض ومقاصد اور شاہی جاہ وجلال پر رکھی گئی تھی اس لئے اسکی موت کے فوراً بعد اُسکی بنیادیں ہل گئیں۔ جہانگیر کے دربار میں اکبر کے دور کی بہت سی رسومات کو ترک کر دیا گیا۔ لیکن بادشاہ کو سجدہ کرنے کا رواج بدستور قائم رہا۔ اکبر کے مقابلے میں جہانگیر دینی معاملات کے متعلق سُدھ بُدھ رکھتا تھا، اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ شروع میں تو اُس نے مجدد الف ثانیؒ کی مخالفت کی بلکہ اُن کو قید میں بھی ڈال دیا۔ لیکن آخر کار اُسے صداقت کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ مگر دین اسلام کے متعلق جو شکوک وشبہات، غلط عقائد، غلط رسومات اور بدعات راہ پا چکی تھیں، اُن کی روک تھام سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ چنانچہ جہانگیر کے عہد میں مجدد صاحبؒ نے حکومتی سطح پر یہ خدمت انجام دی اور اُن کے بعد شاہ جہان کے عہد حکومت میں نوشہ گنج بخشؒ نے عوام کو ان لادینی نظریات سے نجات دلا کر انہیں رب رسولؐ کے سیدھے راستے پر لانے کے لئے ان تھک کوششیں کی۔ اس کام کے لئے انہوں نے وعظ و

1- مواعظ نوشہ۔ تیسرا وعظ ص 50

نصیحت کا جو تبلیغی سلسلہ شروع کیا، اُس میں اُن کے مواعظ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ان مواعظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اس کام میں بہت سی دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ قدم قدم پر اکھڑ مزاج جاہل اور ضدی لوگوں سے واسطہ پڑا۔ لیکن انہوں نے نہایت عمدہ اخلاق، دھیمے لہجے اور میٹھی زبان میں اُن کو سمجھایا:

'' بابا سائیں تے سائیں والیاں نال ڈنگیائی بھلی ناہیں۔ جو آ کڑسی، سوا کھڑسی، کسے وڈیائی تے بھلیئے ناہیں۔ پڑھ کلمہ سچ دا۔
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ''(1)

اس کے لئے نوشہ صاحبؒ قرآن پاک کے واقعات بیان کر کے لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈراتے ہیں، کہ جو شخص حق سچ کی مخالفت کرے گا اللہ کے عذاب سے کبھی نہیں بچ سکے گا۔ قرآن پاک میں مذکور حضرت صالح علیہ السّلام کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' بابا! جاں حضرت صالح پیغمبر علیہ السلام نے ثمود تے قوم اوسدی نوں کفر تھوں ہٹکیا سی تاں اوہناں وڈیائی دے غرور نال اوہناں نوں کجھ نہ جاتا تے کہیا نہ منیا تے ویر پئے۔ تاں کھجاون لگے تے دکھان لگے۔ ڈاچی پیغمبر دی سواری والی نوں پانی پیونوں جھلیو نیں تے کوہ کھاون دی صلاح کیتو نیں، جو آپے پیغمبر اوکھا ہوسی۔ پر جاں اونٹھنی پکڑ کے کوہ کے ونڈ لیو نیں تاں اللہ تعالیٰ کفر تے ظلم دی شامت اوہناں اُتے چھوٹیاں وڈیاں نے رناں نے منساں برابر غضب تے قہر کیتا تے عذاب گھلیا۔ ''(2)

ان وعظوں میں نوشہ صاحبؒ نے جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا درس سمویا

1- مواعظ نوشہ (چوتھا وعظ) ص 52
2- ایضاً ص 51

ہے وہاں حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھا ہے۔ کیونکہ جب تک حقوق العباد پورے نہ کئے جائیں اُس وقت تک کسی پُرامن، نیک اور صحت مند معاشرے کی تشکیل دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ چنانچہ خدا کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے، دُکھی لوگوں کی خدمت کرنے، بھوکے ننگے لوگوں کی بے لوث مدد کرنے، تکبر اور غرور سے بچنے، کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرنے مہمان کی خاطر و مدارت کرنے اور علم حاصل کرنے کے علاوہ ہمیشہ صبر اور تقویٰ کا دامن تھامنے کا درس ان مواعظ کے موضوعات ہیں۔ مثال کے طور پر چھٹے وعظ کا یہ حصہ دیکھئے:

'' سبھ وڈیائیاں تھوں وڈی وڈیائی سائیں دا ہک جانن ہے۔ سائیں دے پیاریاں نال پیار کرن ہے۔ اوہناں دا آکھا سچ ہے۔ آکھے لگا سو چھٹا۔ سوکھالا ہویا۔ جمن، مرن جیون، حال سوہنے کیتُس، سُکھ سُکھ پائیُس، دھوکھا جھورا گوائیُس۔ تاں تے سبھسے نال نروییر رہنا۔ مندا کسے نہ کہنا۔ دسورا کدیں نہ پینا۔ جے کوئی سائیں نہ کرے تُساں نوں دکھاوے تاں دکھی نہ ہووناں۔ اپنے آپ وچ فضل الٰہی نال ڈاڈھے رہناں۔ سائیں دا دتا ہس ہس سہناں۔ پڑھن نال ونہوار رکھنا۔ روگیاں دی ٹہل کرنی۔ بھکھیاں دا قُوت پاوَناں۔ ننگیاں نوں کجناں۔ سبھسے دا بھلا بھالناں۔ سکھاں جالناں، راج دھن وڈیائی دُکھاں دا مُول ہے۔ لب لوہب نہ کرنا۔ چاوڑتوں پرے رہنا۔ آپ نوں نیواں جھکا جاناں۔ لوک نیوندے ویکھ کے آکڑ نہیں رہنا۔ وڈا بول نہیں بولناں۔ کسے نال ودھیکی نہیں کرنی۔ روپ بھیس فقیری دا نہیں چھڈنا۔ بھنڈار پک دا رہے۔ ادھار نہیں چاوناں۔ آیا ونڈ کھاوناں۔ ڈاڈھے ہینے نال اکو جیہا رہناں۔ سائیں دا جان کے پل پل ساہ گراہ سائیں تھوں منگناں۔ سائیں تھوں وڈا کسے نوں نہ مناں۔ ننگنے نہیں

ہووناں۔ ننگے پاس نہیں کھڑوناں۔ آئے دا آدر کرنا۔ کوئی ہووے اپنی وڈیائی نہیں بھالنی۔ وڈیاں دی وڈیائی بھالنی۔ میں میں نہیں کرنی۔ سائیں سائیں آکھنا۔ واہ مرشد جیو فقرِ مایقین است۔ ذکر ما کلمہ طیب۔ عبادتِ ما صلوٰت خمس۔ علمِ ما قرآن مجید۔ کسب ما قناعت۔"

ان مواعظ میں انسانی زندگی اور زندگی سے تعلق رکھنے والے عناصر کا ذکر بھی موجود ہے اور انسان کو زندگی میں میسر آنے والی نعمتوں کا بڑے پیارے انداز میں ذکر کر کے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تمام نعمتیں اور راحتیں قدرت کی طرف سے عطا ہوئی ہیں، لیکن ان سے صرف استفادہ کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان کا شکر ادا کرنا انسان پر فرض ہے۔ اگر انسان یہ یاد رکھے کہ روز قیامت اس نے ان تمام نعمتوں کا حساب کتاب بھی دینا ہے تو وہ کبھی بھی کفر کی ذلتوں میں نہیں گرے گا۔ یہاں پہلے وعظ میں سے چند سطور پیش کی جا رہی ہیں۔ جن سے نوشہ صاحبؒ کا تبلیغی مقصد پوری طرح واضح ہے:

"بابا! کوئی رات دل ویکھو جو کویں سارے جہان نوں کلو بہر لیندی ہے تے سکھ سواندی ہے۔ تے دن دلوں ویکھو جو روشنائی کر کے سبھسے نوں کم دھندے لاوندا ہے۔ تے بھوئیں ول ویکھو جو کویں قدرت نال وچھائی بکھیری ہے تے چشمے نہراں کھوہ کیویں پیدا کیتے ہین تے پانی وی پاک منزہ کڈھیا ہے تے جیہڑا ڈنگراں ڈھوراں، وہتراں، مرہواں، ماہنواں، پنکھیاں دا اَن گھاہ، ساگ، پھل، پھول اگایا ہے۔ پر بابا جو کجھ سائیں بنایا ہے۔ سوتاں تساڈے بھلے، نفع، فائدے واسطے کیتا ہے۔ تے تساڈے وہتراں کان بنایا ہے۔ ایہہ احسان سائیں دے جانو تے منو۔ نہ تے جاں ڈاھڈا ہول وڈا قیامت دا آوسی۔ تداں کجھ ہوئے سنگسی۔ وڈے میدان وچ سبھ کوئی

آ کھڑ ووسی مرکے جیوسی۔ کیتے دا پھل لے کھاوسی۔ تس ویلے ہتھ کجھ نہ آوسی۔ کیتا اگے آوسی۔ جہاں دوڑ دوڑ بھلیائیاں کیتیاں ہین سے خوشی ہوسن تے جہاں دوڑ دوڑ مندیائیاں کیتیاں ہین سے افسوس کرسن۔"(1)

مطلب یہ ہے کہ ان مواعظ کا فکری پہلو نہ صرف مذہبی حوالے سے اہمیت کا حامل ہے بلکہ سماجی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے متعلق ایسے فکر انگیز نکات بیان فرمائے جو ہر مسلمان کے لئے دینی اور دنیاوی اعتبار سے سکون و اطمینان کا پیغام ہونے کے ساتھ ساتھ پُر امن معاشرے کی تشکیل کا سبب بن سکتے ہیں۔

مواعظ نوشہ کی لسانی، ادبی اور تاریخی اہمیت

نوشہ صاحبؒ کے ان مواعظ کی اہمیت تین حوالوں سے مسلمہ ہے یعنی لسانی، ادبی اور تاریخی اعتبار سے۔

لسانی پہلو: علم لسانیات بظاہر دیکھنے میں جس قدر مشکل اور خشک دکھائی دیتا ہے اسی قدر بباطن دلچسپ ہے۔ اس کے لئے اُس زبان کی شدھ بدھ ہونا لازم ہے جس زبان کا تجزیہ کیا جانا ضروری ہے۔ جب بھی کسی تخلیق کا لسانی تجزیہ کرنا مقصود ہو تو سب سے پہلے اس تخلیق میں استعمال کی گئی زبان کے لسانی نظام کا تجزیہ کیا جائے۔ تاکہ اس حقیقت کا علم ہو سکے کہ تخلیق کار نے تخلیق میں کیا کیا خوبیاں یکجا کر دی ہیں۔ اس کے بغیر نہ تو کسی تحریر کی خوبیاں اور خامیاں کھل کر سامنے آ سکتی ہیں اور نہ لسانی حوالے سے اُس کا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ لسانی حوالے سے کسی تخلیق کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ تخلیق کار کا کس ماحول اور علاقے

1- مواعظ نوشہ ص 37-35

سے تعلق ہے۔ تاکہ پتا چل سکے کہ اُس نے اپنے اردگرد کے ماحول سے کس قدر اثر قبول کیا ہے اور اپنی انفرادی کوششوں سے ماحول کو کتنا متاثر کیا ہے۔ اگر ہم ان مذکورہ اصولوں کی روشنی میں نوشہ صاحبؒ کے مواعظ کا جائزہ لیں تو پہلی بات جو کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے اپنے ان مواعظ میں نیم لہندا بولی اپنائی ہے۔ اُن کی بولی کو ہم نے ''نیم لہندا'' اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے صرف مستقبل کے صیغے کے لئے مرکزی بولی میں ''ہووے گا'' کی بجائے ''ہوسی'' لفظ استعمال کیا ہے۔ اسی طرح مرکزی بولی کے لفظ اک کی بجائے ''ہک'' استعمال کیا گیا ہے۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں یہ بات واضح کی ہے کہ نوشہ صاحبؒ گجرات کی تحصیل پھالیہ کے رہنے والے تھے اور اُن کے آباؤ اجداد پنن وال پنڈ دادن خان کے باشندے تھے۔ یہ سارا علاقہ ایک طرف پوٹھوہاری اور دوسری طرف پہاڑی بولیوں کے زیر اثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مواعظ کی زبان میں ان دونوں علاقوں کی بولیوں کے اثرات موجود ہیں۔ پوٹھوہاری (جسے لہندی بھی کیا جا سکتا ہے) کا اثر الفاظ کے اعتبار سے کہیں کہیں گہرا اور نمایاں ہے۔ مثلاً کرلیا ہیس۔ آکھیوس یا ڈھوس۔ اکٹھے کی بجائے ہکٹھے وغیرہ۔ لیکن اس کے باوجود نوشہ صاحبؒ کی زبان کو مکمل پوٹھوہاری نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی اُسے مکمل لہندی بولی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سرگودھا، جھنگ، ملتان اور ڈیرہ غازیخان کی لہندا بولیوں اور نوشہ صاحبؒ کے وعظوں میں استعمال کی گئی زبان لہندا نما بولی میں بہت زیادہ فرق ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے ان مواعظ میں کہیں کہیں بھاشا کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے انت، دھیرج، سکھر، ناہیں، سبھسے وغیرہ۔ یہ الفاظ صرف نوشہ صاحبؒ نے ہی استعمال نہیں کئے بلکہ اُن سے پہلے اکثر شعراء و ادبا کے ہاں ان الفاظ کا استعمال عام ملتا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ اُس زمانے میں عام مروج تھے۔ عام بولے اور لکھے جاتے تھے۔ جس طرح بابا فرید گنج شکرؒ، بابا نانک جی اور شاہ حسین کے ہاں کئی ایک شہادتیں موجود ہیں۔ بابا فرید کا یہ شعر دیکھئے:

اِک پھکا نہ گا لائیں، سبھس میں سچا دھنی [1]
ہیاؤ نہ کہیں ٹھاہیں، مانک سبھس امولویں

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ''سو اللہ سبھسے دا ہکو سانجھا ہے۔''[2] یا ''تے دن ولوں ویکھو جو رشنائی کر کے سبھسے نوں کم دھندے لاوندا ہے۔''[3] اسی طرح ان مواعظ میں استعمال کئے گئے الفاظ ''ناہیں'' اور ''وہائے گیا'' اکبر کے عہد حکومت کے قابل ذکر شاعر شاہ حسینؒ کے کلام میں بھی نظر آتے ہیں۔

ع ایویں گئی وہائے کوئی دم یاد نہ کیتا [4]

O

ع کہے حسین فقیر سائیں دا میں ناہیں سبھ توں [5]

اسی طرح پربت، سائیں، اسارن، سنائیکے، واٹ، آہر، وست، وغیرہ الفاظ آپ سے پہلے بھی صوفیاء نے بھی انہی معانی میں استعمال کئے ہیں۔ جن معانی میں نوشہ صاحبؒ نے انھیں استعمال کیا۔ اس طرح ان الفاظ کے استعمال کی بنا پر نوشہ صاحب کا فکری اور لسانی رشتہ اپنے دور سے پہلے صوفی شعراء کے ساتھ بنتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں چند صوفی شعراء کے کلام سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں استعمال کئے ہوئے الفاظ نوشہ صاحبؒ کے مواعظ کی زبان سے ملتے جلتے ہیں:

1- آکھیا بابا فریدؒ نے ص278

2- مواعظ نوشہ ص32

3- ایضاً ص35

4- کافیاں شاہ حسینؒ ص31

5- ایضاً ص21

اُٹھ فریدا ستیا صبح نماز گزار
جو سر سائیں نہ نیویں سو سر کپ اتار [1]
کوٹھے منڈپ ماڑیاں اسار دے گئے
کُوڑا سودا کر گئے گوریں جا پئے [2]

شاہ حسینؒ فرماتے ہیں:

ع بھے صاحب دے پربت ڈردے میں ہاں کون وچاری [3]
ع کہے حسین سنائیکے اساں خاک دے نال سماونا [4]
ع بولیئے سچ دھرم جھوٹھ نہ بولیئے
جو گورو سے واٹ مریداں جو لیئے [5]

سلطان باہوؒ:

شوق دا دیوا بال ہنیرے متاں لبھی وست کھڑائی ہو [6]

اسی طرح ''ہاؤں'' کا لفظ پنجابی شاعری میں دل کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

فریدا جنگل جنگل کیا بھویں ون کنڈا موڑیں [7]
وسے رب ہیالیئے جنگل کیا ڈھونڈیں

نوشہ صاحبؒ نے اسی لفظ کو اپنے وعظ میں استعمال کیا ہے:

''بابا جو کوئی نت منداتی کردا ہے تس دے ہاؤں تے وساری داکٹ

1- آکھیا بابا فریدؒ نے ص 216
2- ایضاً ص 189
3- کافیاں شاہ حسینؒ، ص 80
4- ایضاً ص 33
5- آکھیا بابا فریدؒ نے ص 288
6- ابیات سلطان باہوؒ ص 110
7- آکھیا بابا فرید نے ص 162

ہوئیکے ودھدے ودھدے بجھ جاندا ہے۔'' اسی طرح لفظ واٹ بمعنی راستہ کا استعمال ملاحظہ کیجئے:

''بابا! جے توں واٹ سچی، سدھی، سولی، سوکھی سائیں والیاں دی
ملیں تاں کدی نہ تھُڑیں تے کدی نہ تھڑئیں''[1]

لسانی خوبیاں: نوشہ صاحبؒ کے یہ مواعظ خطابی نثر کے زمرے میں آتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے لوگوں کو صراط المستقیم دکھانے کے لئے تحریر کئے ہیں۔ گوکہ انہوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ان مواعظ کا معیار عوام کی ذہنی سطح کے مطابق ہوتا کہ سننے والے اُن سے مکمل طور پر استفادہ کرسکیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان مواعظ میں ادبی رنگ نمایاں ہے۔ چنانچہ ان مواعظ کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ جس علاقے میں نوشہ صاحبؒ نے زندگی بسر کی، وہاں کی زبان عام پنجابی سے قدرے کرخت اور موٹی ہے اور لوگ یہ زبان بولتے وقت سخت لہجہ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جب نوشہ صاحبؒ روزمرہ کے لہجے سے ہٹ کر یہ کہتے ہیں۔ ''بابا! سائیں والیاں فرمایا ہے'' تو اُن کے لہجے میں اس قدر مٹھاس محسوس ہوتی ہے کہ سننے والوں کی پوری توجہ اُن کی جانب مبذول ہو جاتی ہے۔ وہ رب کو سائیں، رب کے پاک اور نیک بندوں کو سائیں والے اور ایک عام بندے کے لیے عزت اور احترام کا لفظ ''بابا'' استعمال کرتے ہیں تو اُن کے مواعظ میں خاص حلیمی اور نرمی پیدا ہو جاتی ہے جو اُن کے سارے بیان کو شریں اور دلکش بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے وعظوں کے وہ حصے جن میں قیامت کے واقعات اور اللہ تعالیٰ کی قہاری اور جباری کا ذکر ہے دلکش ہیں اور سننے والے اُن کو بڑی توجہ اور غور سے سنتے ہیں اور اپنے گناہوں پر پشیمان ہوکر آخرت کی بھلائی کے لئے سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ ایک وعظ میں قیامت کی ہولناکی کو یوں بیان کرتے ہیں:

1- مواعظ نوشہ ص 47

'' بابا ہک پھوکا اسرافیل دا بناوٹ ہے ڈھان والا ، جیوندیاں دے مارن والا تے دوجا پھوکا ڈھٹھے اسارن والا تے موئے جوان والا۔ ایہہ وی سبھ حکم نال ہے۔''(1)

اسی طرح اپنے مقصد کی وضاحت کے لئے قرآنی تلمیحات کے استعمال سے خوبصورت کام لیا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے منکرین کو عذاب الٰہی اور جلال ربانی سے ڈرایا ہے۔ پھر خود ہی ان واقعات اور تلمیحات کے بیان کا مقصد بتاتے ہیں:

'' ایہہ گلاں سُنیاں سچیاں نوں دھیرج ہوندی ہے۔ جو سائیں سچا سچیاں دی واہر کردا آیا ہے۔''(2)

ان نثری مواعظ میں صرف آخرت کے عذاب اور سزا کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ اس کے پس منظر میں اپنے سماج کی منفی اقدار کے خاتمے اور مثبت پہلو کو اجاگر کرنے کا مقصد مضمر ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے تقریباً ہر وعظ میں یہی انداز اپنایا ہے۔ ان مواعظ کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ نے الفاظ کے استعمال میں نہایت کفایت شعاری سے کام لیا ہے۔ لیکن اس اختصار کے باوجود کسی بھی وعظ میں تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ آپ کی ان تحریروں میں جہاں بھاشا وغیرہ کے الفاظ نظر آتے ہیں وہاں عربی، فارسی زبانوں کے بھی الفاظ اُس زمانے کی لسانی روایت کے مطابق استعمال کئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ علاقائی الفاظ بھی اپنے ٹھیٹھ اور اصلی لہجے میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لئے ہیں۔ ان مواعظ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو الفاظ کے انتخاب اور اُن کے استعمال پر خاص قدرت حاصل تھی۔ اس لئے جہاں جہاں انہوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر جملوں میں ادبی حسن پیدا کیا ہے، وہاں بے اختیار داد

1- مواعظ نوشہ ص 30

2- ایضاً ص 34

دینے کو جی چاہتا ہے۔ ساندر بار کے ٹھیٹ لہجے میں کہیں کہیں ان وعظوں میں شاعرانہ حسن جھلکتا محسوس ہوتا ہے۔ خاص طور پر اُس وقت یہ کیفیت نہایت دلکش اور پر لطف بن جاتی ہے جب وہ نثر میں قافیہ پیمائی شروع کر دیتے ہیں۔ تیسرے وعظ میں سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

'' بابا! جے توں واٹ سچی ، سدھی ، سوَلی، سوکھی سائیں والیاں دی ملیں تے کدی نہ تھڑیں تے کدی نہ تھڑیں پر ایہہ واٹ سائیں والیاں نال ملیاں ، سچے ساتھ رلیاں ، سچیاں گلاں سنیاں سمجھیاں ، سچیاں دے آکھے لگ ٹریاں چلیاں لبھدی ہے۔ ایویں سکھالی ناہیں لبھدی تے ایہہ جو لوک ہور بھلے بھرمی ہوئے کجھی نال بھکدے ڈولدے رولدے پھردے ہین تے دھردے لکھے نال گھتھے ہوئے ہین، بھلایاں بھلے ہین۔ وڈیاں بھُلاں وچ پھاتھے ہوئے ہین۔ ایہناں نوں کائی سار سدھ ناہیں۔ ایہہ ایویں بھکدے آئے تے بھکدے جاوندے ہین.... تے سچی گل ایہو ہے ہور کہانیاں بھلانیاں تے پھلانیاں تگلیاں ہین۔''(1)

ادبی پہلو

اس میں شک نہیں کہ یہ وعظ ایک خاص مقصد کے تحت لکھے گئے تھے اور ان کو ادبی شہ پارے کے طور پر تخلیق کرنا شاید نوشہ صاحبؒ کا مقصد نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی فکر اور نظریات دوسروں تک پہنچانے کے لئے یہ وعظ تخلیق کئے۔ کیونکہ وہ اپنے دور کے عالم فاضل تھے۔ اس لئے اسلامی تبلیغ کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کی خدمت بھی خود بخود ہوتی چلی گئی۔ چنانچہ ان وعظوں میں کئی ادبی خوبیاں پیدا ہوگئی ہیں جن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

1- مواعظ نوشہ ص 47-49

جب کسی تخلیق کو ادبی حوالے سے پرکھا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے تاثر، سلاست اور روانی پر نظر جاتی ہے۔ ان وعظوں میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم دکھائی دیتی ہیں۔ اگرچہ یہ وعظ آج سے تقریباً ساڑھے تین سو سال قبل لکھے گئے۔ لیکن آج بھی ان کے پڑھنے میں قاری کو کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں ہوتا۔ تاثر کا یہ حال ہے کہ وعظ کا پہلا جملہ ہی قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لیتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے اپنا مقصد بیان کرنے کے لئے کسی قسم کی تمہید نہیں باندھی بلکہ نہایت روانی سے مقصد بیان کرتے ہیں اس لیے نثر میں گفتگو کی سی روانی ہے۔ مثال کے طور ایک وعظ کے چند جملے دیکھئے:

'' بابا! جے کوئی پچھے جو اوہ ساعت کداں ہوسی تاں آکھیئے۔ سو اوکھا ویلا گھیا لگیا ہویا ہے۔ کسے نوں خبر ناہیں۔ جویں موت دا ویلا چھپیا ہویا ہے۔ اللہ باجھ ہور کوئی جاندا ناہیں۔''(1)

اردو زبان کے معروف نثر نگار میر امن کے فن کی یہ خوبی ہے کہ اُن کی نثر میں براہ راست بات چیت کا تاثر اُبھرتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو میر امن سے بہت عرصہ پہلے نوشہ صاحبؒ نے اپنے مواعظ میں گفتگو کا انداز اپنایا تھا۔ وہ براہ راست اپنے قارئین سے مخاطب ہوتے ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ میر امن سے قبل پنجابی زبان نہ صرف بات چیت کی مکمل اہلیت رکھتی تھی بلکہ کئی ایک حوالوں سے ادبی زبان کا درجہ بھی حاصل کر چکی تھی۔ نوشہ صاحبؒ کے مواعظ کا ایک ایک جملہ تاثیر سے لبریز ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تحصیل پھالیہ کے علاقہ کی زبان عام زبان کے مقابلہ میں کھردری اور موٹی زبان تھی۔ نوشہ صاحبؒ کا تعلق چونکہ اس علاقہ سے تھا۔ اس لئے اُن کے مواعظ میں اس زبان کا در آنا ایک فطری امر تھا۔ مگر نوشہ صاحبؒ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اُس زبان کو بھی ادبیت عطا کر دی اور اُسے ادبی حسن بخش دیا اس لئے ادبیت اور تاثر کی بنا پر ان کی نثر اعلیٰ درجے کی نثر کی حیثیت اختیار کر گئی۔

1- مواعظ نوشہ ص 38

ان مواعظ کی ایک اور نمایاں خوبی یہ ہے کہ یہ مدعا نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ اردو ادب میں سرسید احمد خان اور مرزا غالب کی نثر کو مدعا نگاری کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن مواعظ نوشہ پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ پنجابی نثر میں یہ خوبی بہت قدیم زمانے سے ہے۔ جسکی ابتداء نوشہ صاحبؒ کے ہاتھوں ہوئی۔

تاریخی اہمیت

نوشہ صاحبؒ کے مواعظ سے قبل پنجابی زبان میں ایسے صاف ستھرے اور عام فہم زبان کے نثری نمونے نہیں ملتے۔ بعض علماء نے امیر خسرو کی پہیلیوں اور گورو صاحبان کی جنم ساکھیوں کو پنجابی نثر کے قدیم نمونے قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ جیسے ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے لکھا ہے کہ بابا نانک دیو جی کی یہ جنم ساکھی اکبر بادشاہ نے سنی تھی:

'' اک دن بابا نانک بیٹھا تھا ار دھیان کیا۔ جب دیکھے تاں پرمیشر کا سمرن کوئی ناہیں کرتا۔ سبھ مایا کوں لپٹائے پڑی ہے۔ تب بابے نانک کہیا اے پرمیشر تجھ کوں کوئی ناہیں جانتا۔ دھیاتا گاتا سبھ مایا مایا کردی ہے۔ توں ان کے سر کیا کریں گا جو تیرا جس ناہیں گاوتے۔''(1)

یہ جنم ساکھی 1539ء سے 1556ء کے درمیانی زمانے میں لکھی گئی ہے۔ اب ذرا امیر خسرو کی بجھارتیں دیکھیں۔

1- چار تھم چلدے جان۔ دو دیوے بلدے جان۔ دو پکھے جھلدے جان۔ اگے بھومیاں سپ لیہدا جاوے۔

2- عجب ڈٹھی اک کڑی راجے پگ لہائے۔

3- بجھ میرا بجھکا، تینوں باندر لڑے کا۔

1- پنجابی ادب دی مختصر تاریخ ص 125

4- چونے گچ حویلی بوہا کوئی نہ۔

5- کالو والیاں مجھ چھپائی۔ اکھو والیاں کڈھ وکھائی۔ پنجو والیاں نپ وکھائی۔
نہوں والیاں کوہ وکھائی۔

6- آلا بھریا کوڈیاں وچ تو تک نچے۔

7- نکی جیہی کڑی اوہدی جھولی وچ ونڈ۔ کیوں بھرا پٹیئے کاہدی پائیو ڈنڈ۔

اگر ہم بابا نانک کی جنم ساکھی کا لسانی تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زبان کا جھکاؤ برج بھاشا کی طرف زیادہ ہے۔ اُس میں اگرچہ کہیں کہیں عربی، فارسی اور پنجابی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، لیکن پوری جنم ساکھی میں اُن کی تعداد اتنی کم ہے کہ انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں جملوں کی ساخت پنجابی زبان کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔ جبکہ بابا نانک کے دور اور اُن سے ماقبل دور کی پنجابی زبان بڑی صاف، رواں اور سادہ ہے۔ اس لئے دن جنم ساکھیوں کو پنجابی نثر کے زمرے میں شمار کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ ان سے قبل بابا فریدؒ اور دیگر پنجابی شعراء کی زبان صاف اور عام فہم ہے۔ بابا فریدؒ کے بعض شلوک تو آج کے دور کی پنجابی زبان میں معلوم ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ان جنم ساکھیوں میں سلاست، روانی اور پنجابی ڈکشن ہونا چاہئے تھی۔ ادبی اعتبار سے بھی ان میں کوئی کمال یا ادبی حسن دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے پنجابی نثر کے میدان میں ان کو کوئی مقام دینا مشکل ہے۔

اگر ان جنم ساکھیوں کے مقابلے میں امیر خسرو کی پہیلیوں کی زبان کا جائزہ لیا جائے تو اُن کی زبان بڑی صاف، سلیس اور عام فہم دکھائی دیتی ہے۔ بعض پہلوؤں میں تو آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ان پہیلیوں کو پنجابی نثر کے زمرے میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے لئے ہمیں دو باتیں پیش نظر رکھنا ہوں گی۔ پہلی یہ کہ نثر میں روانی ہونا لازمی ہے۔ تسلسل کے ساتھ لکھی گئی نثر میں ایک فقرہ دوسرے کے ساتھ زنجیر کی کڑیوں کی مانند مربوط ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ نثر میں

گرائمر کی کوئی غلطی نہ ہو۔ جبکہ شعر میں وزن اور بحر کی مجبوری کی وجہ سے الفاظ کی ترتیب تبدیل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اُس میں صرف وزن اور بحر کا خیال رکھا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ شعر اور نثر کو ایک دوسرے سے ممیز کرنے والی چیز وزن اور بحر ہے۔ کیونکہ مصرع یا شعر وزن میں ہوتا ہے۔ جبکہ نثر میں جملہ کسی وزن یا بحر میں نہیں ہوتا۔ امیر خسرو کی یہ پہیلیاں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تخلیقی انداز نثر والا نہیں بلکہ شعر والا ہے۔ کہیں کہیں وزن یا بحر کے ساتھ ساتھ قافیہ پیمائی کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس لئے ان پہیلیوں کو آزاد نظم کہہ سکتے ہیں۔ نثر میں شمار نہیں کر سکتے۔

اس سارے پس منظر میں مواعظ نوشہ کا جائزہ لیں تو ان وعظوں کی زبان میں روانی، سلاست، تاثر اور واضح مطلب جیسی صفات پڑھنے اور سننے والے کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان میں گرائمر و قواعد کی پابندی کی گئی ہے۔ کہیں گفتگو کا انداز اور کہیں خطابی انداز ہے۔ یہ وعظ ایک خاص مقصد کو سامنے رکھ کر لکھے گئے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ شاعر بھی تھے۔ اس لئے اُن کی نثر پر کہیں کہیں شاعرانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ خاص طور پر قافیہ بندی خود بخود پیدا ہوگئی ہے۔ جس سے نثر کے حسن میں اضافے کے ساتھ ساتھ تاثیر بھی دُگنی ہوگئی ہے۔ ایسی خوبیوں سے مزین نثر نوشہ صاحبؒ سے پہلے پوری پنجابی ادب میں کہیں نظر نہیں آتی۔ اس لئے اب تک کی تحقیق کے مطابق ان وعظوں کو شاہ جہان کے عہد میں لکھی جانے والی پنجابی نثر کے اعتبار سے قدیم ترین نمونے قرار دیا جا سکتا ہے۔

پنجابی زبان و ادب کا طالب علم ان مواعظ کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اور ان نثری مواعظ کو سامنے رکھ کر یہ اندازہ لگانا آسان ہو جائیگا کہ پنجابی زبان خصوصاً پنجابی نثر گذشتہ چار صدیوں میں کن کن ارتقائی مراحل سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے اور اس میں کون کون سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔



باب 6

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی اردو شاعری

تحقیقی وتنقیدی مطالعہ

پس منظر

کسی شاعر کے ادبی مقام کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے عام طور پر دو حوالوں سے اُس کے کلام کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ایک فکری اور دوسرے فنی حوالے سے کلام کی پرکھ سے شاعر کا مقام متعین کرنے میں خاصی مدد ملتی ہے۔ فکری اعتبار سے نوشہ صاحبؒ کا اردو کلام سراسر صوفیانہ خیالات کا حامل ہے۔ انہوں نے اپنی اردو شاعری میں وہی مضامین و موضوعات اپنائے ہیں جو پنجابی شاعری میں موجود ہیں۔ اس لئے ہم یہاں اُن کی اردو صوفیانہ شاعری پر زیادہ بحث نہیں کریں گے۔ کیوں کہ اُن کے صوفیانہ نظریات سے متعلق ہم گذشتہ اوراق میں نہایت تفصیل سے بات کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اُن کے کلام کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے صرف اردو کی صوفیانہ شاعری کا تھوڑا سا پس منظر پھر اُس کی روشنی میں نوشہ صاحبؒ کی اردو شاعری کا اختصار سے ذکر کریں گے۔ زیادہ تفصیلی مطالعہ ہم لسانی حوالے سے کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہی ہمارے موضوع کا تقاضا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ سے پہلے بھی مختلف علاقوں میں بہت سے صوفیائے کرام ہوئے ہیں جنہوں نے تبلیغ دین اسلام میں بے حد محنت کی اور اس مشن میں کامیابی حاصل کی۔ تاریخ شاہد ہے کہ 696ھ/ 1296ء میں علاء الدین خلجی نے گجرات پر اپنا تسلط قائم کیا[1] اور اپنا ایک صوبیدار وہاں مقرر کیا۔ مگر تیمور کے دہلی پر حملے کے ساتھ ہی اُس کا تسلط ختم ہوگیا۔ صوبیدار ظفر خان کے بیٹے تاتار خان

1- اقبال صلاح الدین: تاریخ پنجاب عزیز بکڈپو لاہور 1974ء ص 150

نے وہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ 806ھ تک خلجی اور تغلق دور میں دہلی سے لے کر گجرات کے ہر علاقے کے لوگ اُن کی فوج میں سپاہی رہے۔ یوں اُن کے ذریعے دہلی کی زبان گجرات کے علاقے میں پہنچی۔ یہ صورت حال اکبر کے عہد (1556ء تا 1600ء) تک قائم رہی۔[1] بعد میں گجرات کا علاقہ اکبر کی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ یوں دلی کی زبان و ثقافت کا اثر امیر خسرو کے دور سے لے کر اکبر کے آخری دور تک یہاں قائم رہا۔ اگرچہ سیاسی حالات تواتر سے بدلتے رہے، لیکن خلجی خاندان سے لے کر اکبر کے دورِ حکومت تک مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اس سے ہندوستان میں مسلمانوں کو استحکام ضرور حاصل ہوا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان تمام مسلمان حکمرانوں سے دین اسلام کی اشاعت کا وہ کام نہ ہو سکا جو مسلمان صوفیاء نے اپنی شیریں گفتار اور پاکیزہ کردار سے کر دکھایا۔ صوفیاء کا مسلک صلح، امن، محبت اور بھائی چارہ تھا۔ وہ ایسے دلکش انداز میں تبلیغ کرتے تھے کہ لوگ خود بخود اُن کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ انہوں نے اسلام کا پیغام کسی خاص فرد یا طبقے تک محدود نہیں رکھا یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی بلا روک ٹوک اُن کی مجلس سے فیضیاب ہوتا تھا اور نیکیوں سے دامن بھر لیتا تھا۔ صوفیاء کا طریقہ یہ تھا کہ وہ عوام کی زبان میں وعظ و نصیحت کرتے تھے تاکہ عوام اُسے سمجھ سکیں اور اُن پر عمل پیرا ہو سکیں۔ اُس زمانے میں گجرات، دہلی اور دکن میں جو مقامی زبانیں تھیں لسانیات کے ماہرین کے نزدیک اُن کی ترقی یافتہ شکل موجودہ اردو زبان ہے۔[2]

گجرات کے آٹھویں صدی ہجری سے لے کر گیارہویں صدی ہجری کے صوفی شعراء میں سے حضرت قطب عالم (790ھ۔850ھ) اُن کے بیٹے حضرت شاہ عالم (817ھ۔880ھ) احمد آباد کے حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد علوی (910ھ۔998ھ) قاضی محمود دریائی (وفات 941ھ)، حضرت شاہ علی محمد جیوگام دھنی (وفات

1- تاریخ پنجاب ص 191

2- عبدالحق ڈاکٹر: قدیم اردو، کراچی 1961ء ص 167

973ھ)، حضرت شیخ خوب محمد چشتی (وفات 1023ھ) اور گجرات کے سید شاہ ہاشم (وفات 1059ھ) قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں میں چند ایک کا بہت مختصر کلام ملتا ہے۔ جبکہ شاہ علی محمد جیوگام دھنی کا دیوان، جواہر اسرار الہیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اُن کے کلام پر گوجری زبان کا زیادہ اثر ہے۔ وہ صاف اردو نہیں ہے۔ اسی طرح قطب عالم اور شاہ عالم کے اقوال بھی ہندی زبان میں ہیں۔ اور شیخ وجیہہ الدین احمد علوی کے ملفوظات "بحر الحقائق" کی زبان بھی ہندی ہے۔ اُن کو کسی طور بھی اردو نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ سید شاہ ہاشم کے ملفوظات یا اقوال "مقصود المراد" اور شیخ خوب محمد چشتی کا کلام اُس زمانے کی اردو کے بہترین نمونے قرار دیے جا سکتے ہیں۔[1] لہٰذا ہم اُن کو اردو میں شمار کر سکتے ہیں۔ یہ زبان اُس زمانے میں عوام سمجھتے، بولتے لکھتے اور پڑھتے تھے۔ ثبوت کے طور پر یہاں احمد آباد کی ایک مسجد کے ایک کتبہ کے دو شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ جو ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی کتاب قدیم اردو میں درج کیے ہیں:

فنا دُنیں سمجھائیکر باندھے شاجی پال — بانو مسجد کے تائیں ہچیں ملک جلال
تاریخ اس مسیت کی ہوئی سویوں مشہور — مسجد جامع کے بیچ ڈھایا بے نور[2]

اس کتبہ 963ھ کا بتایا جاتا ہے۔

اس جملہ صورت حالات میں اگر دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کی شاعری پر نظر ڈالیں تو یوں لگتا ہے جیسے یہ زبان اردو نہیں ہے بلکہ ہندی، گجراتی، سنسکرت نما برج بھاشا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی زبان بے حد صاف ستھری اور قابل فہم ہے۔ کوئی زبان اُس وقت ہی صاف ستھرا اور عام فہمی کا روپ دھارتی ہے جب وہ صدیوں کا سفر طے کر چکی ہو۔ نوشہ صاحبؒ کی صاف ستھری اور قابل فہم زبان اس امر کی شاہد ہے کہ ہندوستان کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں اردو زبان نے پہلے

1- قدیم اردو ص 168,167

2- ایضاً ص 70

پنجاب میں جنم لیا اور پرورش پائی جو صدیوں کا سفر طے کرتی ہوئی دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں علمی اور ادبی زبان کا روپ اختیار کر گئی۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی زبان کے صاف ستھرا اور عام فہم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو زبان جس قدر پنجابی زبان کے قریب ہے اور کوئی زبان اس قدر قریب نہیں۔ ان دونوں زبانوں کی نہ صرف لغت بلکہ گرائمر بھی بہت حد تک یکساں ہے۔ اسی لئے بعض اوقات چند الفاظ کی تبدیلی اسے اردو سے پنجابی اور پنجابی سے اردو کے جملے بنائے جا سکتے ہیں۔

اس پس منظر میں نوشہ گنج بخشؒ کی اردو شاعری کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اُن کا اردو میں جس قدر زیادہ کلام موجود ہے اُن سے پہلے اردو میں کسی صوفی شاعر کا نہ تو اس قدر زیادہ کلام ہے اور نہ ہی اتنی زیادہ گیرائی اور گہرائی کہیں نظر آتی ہے۔ اس اعتبار سے نوشہ صاحبؒ کو بلاشبہ پہلے صاحب دیوان شاعر قرار دیا جا سکتا ہے۔

O

اردو زبان کی ابتداء اور ارتقاء ایک دلچسپ موضوع ہے۔ لسانیات کے ماہرین و محققین نے اردو کی جنم بھومی سے متعلق مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ دکن، سندھ، دوآبہ، گنگا جمنا اور پنجاب کے حوالے سے اردو کے آغاز کا سہرا مختلف اوقات میں ان علاقوں کے سر باندھا جاتا رہا۔ بعض محققین نے اس کا سلسلہ آریہ سے قبل وادی سندھ کے باشندوں (دراوڑوں) سے جوڑا ہے۔ ہر محقق نے اپنے موقف کی تائید میں جس قدر محنت اور دیانتداری سے دلائل پیش کئے ہیں اُن کی داد نہ دینا انصاف کے خلاف ہوگا۔ لیکن اصل بات جو واقعی قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ اس بحث و تمحیص میں بہت سی نئی چیزیں، سکے، قدیم کتب، مخطوطے اور پتھر کی سلیں سامنے آئی ہیں۔ اُن محققین نے قدیم ترین ماخذات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مختلف لائبریریوں، ذاتی کتب خانوں اور عجائب گھروں کا رُخ کیا۔ صدیوں پرانے خستہ حال قلمی نسخوں

کے شکستہ رسم الخط کو بہزار دقت پڑھا۔ قدیم الفاظ کے معانی تلاش کرنے میں بڑی محنت سے کام کیا۔ جب کسی نے کوئی نئی بات یا انمول موتی تلاش کیا تو کولمبس کی طرح پالیا پالیا کا نعرہ بلند کیا۔

ایک زمانے میں ولی دکنی کو اردو کا پہلا شاعر سمجھا جاتا تھا۔ پھر تحقیق کے بعد قلی قطب شاہ کو پہلا صاحب دیوان شاعر تسلیم کیا گیا۔ قلی قطب شاہ (1580ء تا 1611ء) کے کلام کے متعلق مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

"جہاں تک تحقیق نے رسائی حاصل کی ہے۔ یہ کلام اردو میں سب سے قدیم ہے۔"(1)

لیکن مولوی عبدالحق کے لہجہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں خود بھی اس تحقیق پر یقین نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے صاف لکھا:

"محمد قلی قطب شاہ کے کلام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی کلام اردو کا نہیں ہے۔ اس حد تک پہنچنے کے لئے ضرور ہے کہ اس سے پہلے بہت سے عاشق مزاجوں اور موزوں طبع لوگوں نے صرف شعر کی کوچہ گردی کی ہو اور اپنی مشاقی اور طبع آزمائی سے غزل، مثنوی، قصیدے اور دیگر اصناف سخن کو اس درجہ تک پہنچایا ہو جو ہم محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں دیکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس قابل قدر بزرگوں اور اردو کے سچے محسنوں میں سے کسی کا کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔"(2)

قلی قطب شاہ واقعی قدیم شاعر ہے۔ وہ دکن کا سلطان تھا۔ اس اعتبار سے اُسکے دیوان کا کسی نہ کسی طرح کہیں نہ کہیں محفوظ رہنے کا جواز ملتا ہے۔ لیکن اُس سے قبل کس قدر اردو کے عظیم شعراء گزرے ہوں گے اُن کا کچھ پتا نہیں کیونکہ وہ ہنوز گمنامی

1- قدیم اردو ص 172

2- ایضاً ص 173

کے پردوں کے پیچھے نہاں ہیں۔ اُن کا کلام دستیاب نہ ہونے کا دُکھ مولوی عبدالحق کو بھی ہے۔ جبکہ حافظ محمود شیرانی نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ''پنجاب میں اردو'' لکھنے کا ارادہ کیا تو یہ حقیقت اُن کے ذہن میں تھی:

'' مضمون اگرچہ دلچسپ ہے لیکن اس پر ہماری موجودہ معلومات کی روشنی میں قلم اٹھانا قبل از وقت معلوم ہوتا ہے اور صحیح اطلاعات کی بہم رسائی کے لئے شاید ابھی ایک عرصہ درکار ہوگا۔''(1)

اردو ادب کا لسانیاتی اور شعری مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ بات یقیناً خوشی کا باعث ہوگی کہ قلی قطب شاہ کی عمر سے بڑے اور فکروفن کے میدان میں آگے ایک بزرگ حضرت نوشہ گنج بخشؒ قادری کے اشعار کا مجموعہ مل جانے سے ایک نئے باب کا ضافہ ہوا ہے۔ تحقیق کے لئے نئی جہتیں سامنے آئی ہیں۔ نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد قلی قطب شاہ کا دیوان دیکھا جائے تو قاری کو نوشہ گنج بخشؒ کا کلام فکر، فن اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے زیادہ بھرپور اور صاف نظر آئیگا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود '' گنج شریف کے ماخذ'' قلمی نسخے پر سب سے پہلے قاضی عبدالغنی کوکب مرحوم کی نظر پڑی تو انہوں نے شرافت نوشاہی مرحوم کو یہ نادر مخطوطہ دکھایا اور اُس پر کام کرنے کا مشورہ دیا۔ شرافت نوشاہی نے اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' قاضی عبدالنبی کوکب صاحب کی معرفت مجھے کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور کو دیکھنے کا موقعہ ملا اور وہاں کی بیاضوں اور مخطوطات سے مجھے حضرت نوشہ صاحبؒ کا کافی کلام دستیاب ہوا۔ جسے جمع کرنے میں میرا ایک سال صرف ہوا۔ اُس کے بعد اسکی ترتیب و تدوین میں دو سال صرف ہوئے۔''(2)

1- حافظ محمود شیرانی: پنجاب میں اردو طبع دوم، مقدمہ، ص الف

2- انتخاب گنج شریف ص 59

نوشہ صاحبؒ کے اس کلام کے گہرے مطالعے سے اس کی اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انہی کا کلام نہ ملنے پر مولوی عبدالحق نے افسوس کا اظہار کیا ہو اور حافظ محمود شیرانی نے بھی انہی کے کلام کی دستیابی کی تمنا کی ہو۔

حضرت نوشہ صاحبؒ کا زمانہ شاہ جہاں کا دور حکومت ہے۔ آپ کا تعلق پنجاب سے تھا۔ آپ یہاں ہی پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی اور دفن ہوئے۔ آپ نے ساری زندگی دین اسلام کی تبلیغ اور تصوف کی تعلیم میں بسر کی۔ آپ کے کلام کا مطالعہ حافظ محمود شیرانی مرحوم کے ''پنجاب میں اردو'' کے نظریئے کے لئے مزید مواد، مزید دلائل اور مزید ثبوت فراہم کرتا ہے۔ گنج شریف کے دیباچے میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے حافظ محمود شیرانی کی اس بات کو دہرایا ہے کہ پنجاب میں اردو شاعری دکن کے بعد اور دلی کے معاصر شروع ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

'' گنج شریف کے مل جانے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو شاعری پنجاب میں دکن کے بعد نہیں شروع ہوئی اس کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اس سے بھی پہلے۔ کیونکہ گنج شریف میں محمد قلی قطب شاہ کے کلام کے مقابلے میں زیادہ پختہ اور ترقی یافتہ زبان کے نمونے موجود ہیں۔''(1)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر بولی علاقائی اثرات ضرور قبول کرتی ہے۔ قدیم اردو نے دکن، سندھ اور پنجاب سے بہت کچھ لیا ہے۔ پنجابی زبان کو اردو کی ماں تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے، لیکن اس امر سے انکار کسی صورت بھی ممکن نہیں کہ پنجابی نے قدیم اردو پر بے حد گہرے اور بہت زیادہ اثرات مرتب کئے ہیں۔ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کلام ان اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ اثرات اسمار، افعال، اضمار، املاء، تلفظ، واحد جمع اور تذکیرو تانیث تک پھیلے ہوئے ہیں۔

1- انتخاب گنج شریف ص 13

اردو اور پنجابی میں ''افعال اور اسماء'' کے درمیان جو اشتراک ہے، اُس کے متعلق حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں کھل کر بحث کی ہے۔ اگر نوشہ صاحبؒ کے کلام کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ قدیم ترین اردو آج کی پنجابی زبان سے کس قدر ملتی جلتی ہے۔ مثلاً نفی کے کلمے نہ، نہیں قدیم اردو میں نا نہہ کی املاء اور تلفظ سے لکھے اور بولے جاتے ہیں۔ آج کی پنجابی زبان میں یہ لفظ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔

جو کچھ ہوا دیکھئے سو ہوا سپنے مانہہ
سپنے سویا جا گیا سپنا آوے جانہہ (1)

نوشہ گنج بخشؒ کے کلام گنج شریف کا مطالعہ خالص لسانی نقطہ نظر کے حوالے سے بہت دلچسپ ہے۔

1- نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں اکثر جگہوں پر عوامی لہجے کو ترجیح دی ہے۔ وہ عربی، فارسی کے بلند مرتبہ عالم تھے، لیکن انہوں نے عربی فارسی الفاظ کا تلفظ پنجابی عوام کی بولی کی طرح استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اُن کے مخاطب لوگ دیہاتی عوام تھے۔ یہاں چند الفاظ کے تلفظ پیش کئے جاتے ہیں۔

لفظ	تلفظ	لفظ	تلفظ
سِکھ	شیخ	کتیب	کتاب
آچھا	اچھا	اُودھر	اُدھر
کلگی	کلغی	کمجات	کم ذات
جات پات	ذات پات	گریب	غریب
ایہی	یہی	ایدھر	اِدھر

1- انتخاب گنج شریف ص 285

آجات	آزاد	ناؤ	ناؤں۔ نام
ندان	نادان	باجاری	بازاری
بتیروں	بہتیروں	بیا	دوسر۔ مزید (سرائیکی لہجہ)
متھیائی	مٹھائی	باشا	بادشاہ

2- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ہندی تراکیب میں ''الف'' نفی کے کلمے کے طور آتا ہے۔ اور ''نہ'' کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اَمٹ	نہ مٹنے والا، نہ مرنے والا	اَبھالا	نہ مل سکنے والا
اَبھیے	بے وقوف	اَبھیکھ	بے شکل۔ جس کی کوئی شکل نہ ہو
اَٹل	ناگزیر، جو ٹل نہ سکے	اَدیکھ	جو دیکھا نہ جا سکے
اَروگ	تندرست۔ جسے کوئی روگ نہ ہو	اَریکھ	جسکی حقیقت معلوم نہ ہو سکے
اَسدھ	جو سدھ نہ ہو۔ غلط	اَسوگ	جسے کوئی سوگ نہ ہو
اَکال	غیر فانی	اَلب	جو نہ مل سکے
اَلوبھ	بے لالچ مخلص		

نوشہ صاحبؒ نے اسی حرف نفی یعنی ''الف'' کے ساتھ الفاظ کے الٹ (متضاد) بھی بنائے ہیں۔ مثلاً:

اجانی — جانی کا متضاد، ناواقف نہ جاننے والا
اگیانی — گیانی کا متضاد، جسے گیان نہ ہو یعنی جاہل

3- نوشہ صاحبؒ واحد سے جمع بنانے کا ایک عجیب گر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی واحد کے آگے ''ن'' کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے

واحد	جمع	واحد	جمع
درویش	درویشن	راجہ	راجن

شاہ	شاہن	کشٹ	کشٹن (تکلیف)
لاکھ	لاکھن	پیر	پیرن
ادھیر	ادھیرن (عاجز)	میر	میرن

-4 نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں فارسی افعال کے ساتھ ہندی کے امدادی افعال بھی استعمال کیے ہیں۔ مثلاً گفت ہیں (کہتے ہیں) اسی طرح حرف اضافت ”کا“ کی بعض جگہ جمع بھی ملتی ہے۔ مثلاً اُس کا، کی بجائے اُس کیاں وغیرہ

-5 نوشہ صاحبؒ کے کلام میں استعمال ہونے والے بہت سے مصادر یا تو پنجابی زبان کے ہیں یا پھر اُن پر پنجابی اثرات ہیں۔ جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں مستعمل اردو، موجودہ پنجابی سے کس قدر نزدیک ہے۔ یادرہے یہ زبان اردو کے قدیم نمونوں میں سے ہے۔ اُن مصادر کو دیکھتے ہوئے شیرانی کے نظریہ پنجاب میں اردو کو صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے چند مصادر پیش ہیں۔

مصدر	معنی	مصدر	معنی
آوت	آنا	بتاونا	بتانا
ابارن	رہا کرنا	بھٹکن	بھٹکنا، گمراہ ہونا
بولن	بولنا، گفتگو کرنا	پاون	ڈالنا
جمن	پیدا ہونا، جمنا	دیون	دینا
دیونا	دینا	ڈولن	ڈولنا
سناون	سنانا		

-6 نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بہت سے اسم، فعل اور صفت ایسے ہیں جو آجکل بھی پنجابی زبان میں نہایت فراوانی سے استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے اسم یا فعل پنجاب کے لوگوں کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ اردو کے آغاز میں ایسے اسم اور

فعل وغیرہ بے تکلفی سے استعمال ہوتے تھے۔ ان سے اردو اور پنجابی کے قدیم روابط کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً

فعل	معنی	کچھ مزید اسم صفت	
جرے	برداشت کرے	رُکھ	درخت
بہنا	بیٹھنا	جیاجنت	بال بچے، گھر کے افراد
اٹک جانا	رک جانا	اوہلا	پردہ
دکھاوے	دکھائے	بہاری	جھاڑو
بھاناں	پسند آنا	بھانڈے	برتن
چوے	ٹپکے	بھکھ	بھوک
ڈھاوے	گرائے	بھکھاری	گداگر، بھکاری
روسیں	روٹھ جائیں	پدھر	ہموار سطح
کاڈھ	نکال، تلاش	پندھ	سفر
گاوے گا	گائے گا	سوجاکھا	دیکھنے والا
گھول گھماواں	قربان کردوں	لون	نمک
تاہنگھ	انتظار	چھاں	سایہ
لاہنگے	گزرے	ساہ	سانس
پھڑی	پکڑ لی	کوڈی	کوڑی

-7 نوشہ صاحبؒ کا کلام سترھویں صدی عیسوی اور گیارھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے اردو کے دستیاب قدیم ترین شعری نمونوں میں سے ایک ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے کلام میں بہت سے ایسے الفاظ دکھائی دیتے ہیں جو آج کل متروک اور غیر مانوس ہیں۔ ان الفاظ میں سے مُشتے از خروارے کے طور پر پیش ہیں۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
آپا	اپنا آپ	ایہاں	یہاں
ات سار	اس طرح	پیکھن	دیکھنا
اندھلوں	اندھوں	تہارو	تمہارا
ایٹھ	یہاں	ڈارے	ڈالدے
بو	وہ	کوں	کو
تمر	تم	کت	کہاں، کدھر
تیرو	تیرا	کینا	کیا
جت	جہاں کہاں	ماں، مانہہ	میں
سوں	سے	موہ فقیر	مجھ فقیر، میں فقیر
کا	کچھ	یا کوں	اس کو
ات بدھ	اس طرح	لینا	لیا
ایکسان	یکساں	مو(موہ)	میں
ان رس	بے رس	یا کی	اس کی
ایسو	ایسا	پاچھے	پیچھے

نوشہ صاحبؒ کے کلام کا تقابلی جائزہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس زمانے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ اپنے اردو کلام کے ذریعے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کر رہے تھے، آپ کے علاوہ اور بھی بہت سے شاعر پنجاب اور پنجاب سے باہر خاص طور پر دکن میں اردو شاعری کر رہے تھے۔ لیکن آج اُن میں سے اکثر شعرا کا کلام دستیاب نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ کرنا بے حد دشوار ہے کہ اُن گمنام شعراء میں سے کون کون خالص فکری اور فنی طور پر کس مقام اور حیثیت کا حامل ہے۔ ان حالات میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کا دستیاب ہو جانا

کسی معجزے سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ نوشہ صاحبؒ اور دکنی شعراء کے کلام سے ایک جاندار اور شاندار ادبی روایت کا پتا چلتا ہے۔ ادبی روایت کبھی بھی کسی ایک شخص کی کوششوں سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ بہت سے اشخاص مل کر ادبی فضا قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ اس جاندار ادبی فضا کو پروان چڑھانے میں ان گمنام شعراء کے حصے کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جن کا کلام ہنوز دستیاب نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان گمنام شعراء کے متعلق تعریفی کلمات کہنے کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، نہ ہی اُن کا کسی اور شاعر کے کلام سے تقابلی تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک قدیم زمانے کے کچھ معلوم شاعروں کا تعلق ہے۔ ان میں سے اکثر شاعروں کا زیادہ کلام نہیں ملتا۔ دستیاب کلام کے حوالے سے سب سے زیادہ اور جاندار کلام محمد قلی قطب شاہ (1580ء تا 1611ء) کا ہے۔ جو اردو شاعری کے قدیم نمونوں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی شاعری کے متعلق بحث کرتے ہوئے نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

”کلیات محمد قلی میں سارے اصناف سخن، مثنویاں، قصیدے، مرثیے، غزل، ترجیع بند اور رباعیات سب کچھ شامل ہے۔“(1)

محمد قلی قطب شاہ کے کلام پر یہ ہیئت کے اعتبار سے ہاشمی صاحب کی رائے تھی۔ اب ذرا فکری سطح کا جائزہ دیکھئے۔

”آج کل کے عشقیہ کلام سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ اس کا دیوان بھی وہی گل و بلبل، شاہد و ساقی کی پرانی داستان کا دفتر ہے۔ البتہ اس زمانے کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی زبان وہ نہیں جو داغ اور ذوق کی ہے۔“(2)

1- نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، طبع پنجم مکتبہ ابراہیمیہ دکن 1926ء ص 49

2- ایضاً ص 50

بلاشبہ قلی قطب شاہ کا کلام اپنی قدامت اور طرز ادا کے باوجود دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس کے کلام میں اُس زمانے کی عکاسی، رسم و رواج کی منظرکشی، تہواراں کی تصویرکشی اور مختلف اصناف کی رنگا رنگی موجود ہے۔ سب سے اہم خصوصیت تصوف کی چاشنی ہے:

"خصوصیت سے محمد قلی قطب کا کلام تصوف سے مملو ہے۔ اُس نے خواجہ حافظ کے طرز پر اپنی غزلوں میں تصوف اور عرفان کے مضمون باندھے ہیں۔"(1)

دوسری جانب حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کلام خالصتاً تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور ان کا تصوف خالص اسلامی تصوف ہے۔ وہ کسی فارسی شاعر یا مقامی شاعر سے متاثر دکھائی نہیں دیتے۔ اس کا بیّن ثبوت اُن کا صوفیانہ کلام ہے۔ جس میں اسلامی تصوف کے علاوہ اور کسی قسم کا کوئی مضمون موجود نہیں۔ وہ ایک صوفی اور درویش تھے۔ اُن کا تصوف قال نہیں بلکہ سراسر حال ہے۔ تصوف کے بارے میں ایک عمومی تصور یہ ہے کہ شاعری کے کھیت میں تصوف کا بیج خواجہ میر درد نے بویا تھا۔ میر درد کا اپنا دعویٰ ہے:

پھولے گا اس زبان میں گلزار معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بوگیا

خواجہ میر درد (1133ھ - 1199ھ)(2) قابل احترام صوفی شاعر تھے۔ لیکن معذرت کیساتھ اُن کے اس دعویٰ سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نوشہ صاحبؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ خواجہ میر درد سے تقریباً ایک صدی قبل نوشہ صاحبؒ نے حقیقی معنوں میں زمین شعر میں تصوف کی تخم ریزی کی تھی۔ بلکہ اس میدان میں ایسے

1- دکن میں اردو ص 58

2- رام بابو سکسینہ: تاریخ ادب اردو۔ پنجاب پریس لاہور 1929ء ص 142

ایسے گلہائے رنگا رنگ کھلائے تھے جن کی خوشبو سے آج بھی گلستان تصوف مہک رہا ہے۔ اس نکتے کو بیان کرنے سے خواجہ میر دردؔ کے مرتبے کو کم کرنا ہرگز مقصود نہیں، بلکہ ایک حقیقت کو سامنے لانا مقصود ہے۔ کیونکہ:

کہتے ہیں کہ اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

نوشہ صاحبؒ کا کلام تصوف کے نقطہ نظر سے خواجہ میر درد کے کلام سے بہت ممتاز نظر آتا ہے۔ یہ الگ پہلو ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا انداز قدامت کا حامل ہے جبکہ خواجہ میر درد کی زبان صاف، با محاورہ اور ادبی چاشنی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ دراصل خواجہ میر درد کی زبان نوشہ صاحبؒ کے سو سال بعد کی زبان ہے جو منجھ کر شستہ، رفتہ اور شگفتہ بن چکی تھی۔ خواجہ میر درد کے کلام کی یہ کیفیت ہے تو پھر قلی قطب شاہ اور نوشہ صاحبؒ کے کلام میں موجود تصوف کے مضامین کا تقابلی جائزہ لینا اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔

قلی قطب شاہ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا اور وہ گولکنڈہ کا سلطان تھا۔ جبکہ نوشہ صاحبؒ دیندار، صوفی بزرگ تھے۔ جن کا کسی شاہی دربار یا حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ نوشہ صاحبؒ اور قلی قطب شاہ کی صوفیانہ شاعری میں یہی واضح فرق ہے جو ایک بادشاہ اور فقیر کے تصوف میں ہوسکتا ہے ہم یہاں اپنی سہولت کے لئے قال اور حال کی اصطلاحات سے اسے واضح کر سکتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ہم درویش اللہ کے درویشی جانیں
راجے پرجے کسی کی ہر آن نہ مانیں(1)

قلی قطب شاہ کا شعر ہے:

کفر ریت کیا ہور اسلام ریت
ہر یک ریت میں عشق کا راز ہے

اس شعر کی تعریف میں مولوی عبدالحق مرحوم نے لکھا ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص 36

"یہ شعر اردو کے منتخب اور اچھے اشعار کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔"[1]

نوشہ صاحبؒ نے عشق کے اس راز کو یوں ظاہر کیا ہے:

جیسے لا مکان خدا   تیسے لا مذہب فقراء [2]
ہر مذہب موں پھریں فقیر   ایک جان کر پاویں دھیر
سب مذہب ایک مذہب جانیں   جو جانیں سو تن مانہہ آنیں

قلی قطب شاہ نے حمدیہ اور نعتیہ اشعار بھی کہے ہیں۔ مگر نوشہ صاحبؒ اور اُس کے اشعار میں بہت فرق ہے۔ قلی قطب شاہ کا شعر ہے:

کروں ابتدا حمد کرتار کا
کہ منعم ہے کرتار سنسار کا [3]

اس کے مقابلے میں نوشہ صاحبؒ کے یہ شعر دیکھیے:

اے اللہ رحمٰن رحیم   اے رازق فتاح کریم [4]
تجھ سوں ہوا جیا جنت   لا الـــــہ الا انـــت
پالنہار سنسار کے داتا رب دھنی   عالم کل فقیر ہے توں داتار دھنی [5]

نوشہ صاحبؒ کا زور کلام اور انداز تصوف جاننے کے لیے چند مزید اشعار ملاحظہ کیجئے:

1- قدیم اردو ص 179
2- انتخاب گنج شریف ص 198
3- قدیم اردو ص 193
4- انتخاب گنج شریف ص 63
5- ایضاً ص 66

ہمہ اوست تشبیہہ ہے ہمہ از وست تنزیہہ [1]
ان دونوں میں پایئے نوشہ حق صحیح

O

ہمہ اوست تو حال ہے پیارے قال موں آوے ناہیں [2]
کہن سنن کرنے موں آوے ہمہ ازوست مت باہیں
باطن اوست ازوست وہ ظاہر مرشد بھید چتارا

O

ہمہ اوست کا بیج لگایا ہمہ ازوست ہو پھولا [3]
روپ اروپ آون جاون کا مورکھ بیج موں بھولا
بوٹا ہوا پھول پھل لاگا ، پھر وہ ہے بیج اوتارا

O

ہمہ اوست تو حال ہے ہمہ ازوست ہے قال [4]
نوشہ کہے سُن پیارے اور نہ حال نہ قال

حقیقت یہ ہے کہ نوشہ صاحبؒ کا کلام قلی قطب شاہ کے کلام کے مقابلے میں نہ صرف مضامین تصوف کے اعتبار سے زیادہ صاف اور واضح ہے بلکہ ذخیرہ الفاظ، بیان کرنے کا انداز، تصوف کے مسائل اور فکری انداز، قلی قطب شاہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے نوشہ صاحبؒ کے کلام کی عظمت کا اعتراف ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی یوں کیا ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص 206
2- ایضاً ص 207
3- ایضاً
4- ایضاً ص 208

"گنج شریف میں محمد قلی قطب شاہ کے کلام کے مقابلے میں زیادہ پختہ
اور ترقی یافتہ زبان کے نمونے موجود ہیں۔"(1)

قلی قطب شاہ کے دور کے دیگر شعراء مثلاً عبداللہ قطب شاہ (1023ھ۔ 1083ھ)، تانا شاہ (گولکنڈہ کا آخری سلطان)، ملا وجہی، ابن نشاطی، طبعی وغیرہ کا کلام بھی تصوف کے اعلیٰ مضامین اور فنی نقطہ نظر کے اعتبار سے نوشہ صاحبؒ کے کلام سے میل نہیں کھاتا۔ اسی دکھنی دور کے شعراء میں سے ملا وجہی بلا شبہ ممتاز شاعر ہے۔ مگر ملا وجہی کے کلام میں وہ روانی نظر نہیں آتی جو نوشہ صاحبؒ کے کلام کا نمایاں وصف ہے۔ ملا وجہی کے اشعار دیکھیے:

غرض ایسی باتاں سوں کیا ہے تجھے
نصیباں منے تھا سو اپڑیا مجھے (2)
نہ کوئی عشق کوں لیا نہارا اَہے
کہ یو عشق آپے آنہارا اَہے
جہاں عشق ہے واں ہے حیران سب
اَخل ہور فہم سو بدگمان سب

ان کے مقابلے میں ذرا نوشہ صاحبؒ کے اشعار دیکھئے جو روانی اور وضاحت کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ پُر مغز بھی ہیں:

جو کچھ ہوا دیکھئے سو ہوا سپنے مانہہ (3)
سپنے سویا جا گیا، سپنا آوے جانہہ

1- انتخاب گنج شریف۔ پیش لفظ۔ ص 13
2- قطب مشتری ص 7-70، بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند۔ دانشگاہ پنجاب لاہور جلد 4 ص 103,104
3- انتخاب گنج شریف ص 285

سپنا بھرمن بھٹکنا، سپنا سانت سمانہہ
سپنا سپنا دیکھنا، سپنا سپنا مانہہ

نوشہ گنج بخشؒ کا شمار پنجاب کے بلند درجہ صوفیاء میں ہوتا ہے۔ اُن کا کلام سراسر تصوف کا خزانہ ہے۔ اس لئے اُن کے صوفیانہ کلام کا تقابل قطب شاہی یا عادل شاہی دور کے شاعروں کی مثنویوں، رزمیہ نظموں، مرثیوں یا غزلوں سے عجیب سا لگتا ہے۔ فکر وفن کا واضح فرق نوشہ صاحبؒ کی شاعرانہ عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

جہاں تک نوشہ صاحبؒ کے دور یا اُن سے قبل کے ادوار کے صوفی شعراء اور مشائخ کا تعلق ہے، اُن میں سے چند ایک بزرگ ایسے ہیں جن کا کوئی ایک آدھ شعر کسی تذکرے میں ملتا ہے جسے قدیم شاعری کے نمونے کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے اور اسی نقطہ نظر سے اُن کا ذکر ادبی تاریخوں اور تذکروں میں کیا ہے۔ جیسے بابا فرید گنج شکرؒ (وفات 1265ء) اور سید محمد جونپوری (وفات 1504ء) جیسے اکابرین کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کم لیکن صوفی کی حیثیت سے زیادہ ملتا ہے۔ جبکہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ اپنی صوفیانہ حیثیت کے علاوہ اپنے فکر وفن، کثرت اشعار اور خالص صوفیانہ شاعری کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام کا امتیازی پہلو

1- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بیان ہوئے موضوعات اُن کے دور کے باقی شعراء کے موضوعات سے نسبتاً بہت زیادہ ہیں۔ اُن کا شعری کینوس بہت وسیع ہے۔ وہ قادر الکلام شاعر ہیں۔ انتخاب گنج شریف کے صفحہ پانچ سے دس تک ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ عنوانات پر اشعار لکھتے ہیں۔ جن میں چند ایک عنوانات یہ ہیں:
حمد ساگر، توحید، آدانت، بہروپ، بیرنگ، شان تنزیہہ وتشبیہہ، صفات و

ذات، قدرت، مناجات، فقیر، نعت، علی مرتضیٰ، غوث دیدار، مرشد سیوا، مرشد راہ، گورو سنت، خوف و رجا، محمدی راہ، حال قال، ریا کاری، بندھن، ملکت، وحدت نامہ، زبان، منت شہانا، یاد خدا، ذکر و فکر، نہی عن المنکر، یوگ ودیا، پل صراط، زبان و دل، شاہد و مشہود، فنا، لطائف ستہ، نصیحت، لا قیدیت اور فنا فی اللہ وغیرہ۔

-2 نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بعض مقامات پر عنوانات کے ساتھ ساتھ مختلف راگوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً راگ دھناسری، راگ بلاول، راگ پوری، راگ مارو، راگ گوری، راگ تلنگ وغیرہ۔ یہ خصوصیت ہمیں اردو کے بعض شعرا کے کلام میں بھی نظر آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ راگ کو سامنے رکھ کر شاعر کے لئے شعر کہنا دشوار نہیں ہوتا لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک صوفی شاعر جب شعر کہتا ہے تو اُس کا مقصد صرف شاعری کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ اُس کے پیش نظر اپنے عقائد کا پرچار، دین اسلام کی تبلیغ اور انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔ اس لیے وہ فن سے زیادہ فکری پہلو پر زیادہ زور دیتا ہے۔ لیکن عوام شاعری کو صرف تبلیغی یا دینی مقاصد کے لئے ہی نہیں سنتے بلکہ فنون لطیفہ کے ذریعہ اپنے جذبات کی تسکین کا سامان بھی چاہتے ہیں۔ اگر کوئی صوفی شاعر اپنی اصلاحی، فکری اور تبلیغی شاعری کے لئے عوام کی پسند کا بھی خیال رکھے تو وہ اپنے کلام سے نہ صرف عوام کے لئے روحانی تسکین کا سامان فراہم کرسکتا ہے بلکہ اپنے کلام کے ذریعے مطلوبہ مقاصد بھی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر وہ دیگر شعراء سے امتیاز حاصل کرسکتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کا کلام ان صفات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

-3 نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں بہت سی بحریں استعمال کی ہیں۔ اُن کے ہم عصر شعراء کے کلام میں بحروں میں اس قدر بوقلمونی دکھائی نہیں دیتی۔ بقول

اقبال مجددی ''نوشہ صاحبؒ نے اردو کلام پچیس اوزان میں لکھا ہے۔''(1) ان کے کلام میں عروض کا ہندی طریقہ پنگل استعمال ہوا ہے۔ اس طریقے میں عربی بحروں کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ صرف بول کا خیال رکھا جاتا ہے۔ شعری ضرورت کے تحت بعض اوقات بولوں کو کم یا زیادہ بھی کر لیتے ہیں۔ ہندی عروض کا طریقہ پنگل کا نظام، موسیقی کے راگ اور راگنیوں کے تابع ہے۔ اس لئے اس میں الفاظ کے ساکن یا متحرک ہونے کی بجائے عوامی لہجے اور صوت کا خیال رکھا جاتا ہے۔

نوشہ صاحبؒ کے اردو کلام میں ہمیں ہندی طریقہ عروض نظر آتا ہے۔ پنگل کے نظام کی باریکیوں کو جاننے والے یہ کلام دیکھ کر بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس کلام میں کس قدر سلاست، روانی اور نغمگی موجود ہے۔

-4 نوشہ صاحبؒ کے کلام میں اُس دور کے دیگر صوفی شعراء کی نسبت تصوف کا رنگ زیادہ گہرا ہے۔ انہوں نے تصوف کے مختلف مسائل پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اس بنا پر اگر انہیں اردو شاعری کا پہلا باقاعدہ صوفی شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اُن کے کلام میں تصوف قال نہیں بلکہ سراسر حال ہے۔ وہ زندگی سادہ طریقے سے گزارنے، مذہب پر عمل کرنے، ہر کسی سے محبت کرنے، مرشد کے فرمان پر عمل کرنے، ہر وقت اللہ کو یاد کرنے، کسی کو اذیت نہ پہنچانے، درویشی اپنانے اور آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے محبت کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یوں اُن کی شاعری کا تانا بانا مذہب اور خاص طور پر تصوف کے تارو پود سے ترتیب پاتا ہے۔

نوشہ صاحبؒ تصوف کی ظاہری اور سطحی باتیں نہیں کرتے۔ وہ قارئین کو صوفیانہ اصطلاحات کے معنی سمجھانے کے ساتھ ساتھ اُسکی باریکیوں اور حقائق

-1 انتخاب گنج شریف، دیباچہ ص33

سے بھی آ گاہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر صوفیائے کرام میں مسئلہ جبر وقدر، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود جیسے مسائل میں اختلاف رائے موجود ہے۔ چنانچہ نوشہ گنج بخشؒ ہر مسئلے پر اس انداز سے روشنی ڈالتے ہیں کہ اُن کا کلام پڑھ کر کسی قسم کا ابہام نہیں رہتا۔ ہر پیچیدہ مسئلہ کھل کر سامنے آجاتا ہے اور اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ ان کے چند اشعار دیکھیئے جن میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر دوٹوک اور واضح انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

جب تو ہی باطن تو ہی ظاہر تب کسے جانیں تجھ سے باہر
جہاں تو تہاں تیرے لوک ساگر لہر دویو ایک ہی تھوک
جس میں بسے توں صاحب دھنی
تس کی کون اٹھاوے انی (1)

مزید لکھتے ہیں:

لاکھ کروڑ مانہہ ایک ہی ایک ایک ایک مانہہ ایک انیک
دوجا ہو تو لکھے الکھ تو ہی ایک انیک پرتکھ
تو ہی بول تو ہی بولن ہار توہی بولن ہار اپار
توہی باجا توہی بجنتر توہی راگ توہی تار تو جنتر
توہی سمجھے توہی سمجھائے سمجھ بوجھ پھر تو ہی بتائے
تو درپن جگ دیکھن ہار
جیسا روپ تیسا دیدار
جیسے سمجھ تیسا تجھے جانے
جیسا تو تیسا کون پچھانے (2)

1- انتخاب گنج شریف ص 196
2- ایضاً ص 197

ہمہ اوست اور ہمہ از اُوست کے متعلق ایک اور مثال دیکھیئے:

ہمہ اوست تشبیہہ ہے ہمہ از وست تنزیہہ (1)
ان دونوں میں پایئے نوشہ حق صحیح

پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ہمہ اوست کا بیج لگایا ہمہ ازوست ہو پھولا
روپ اروپ آون جاون کا مورکھ بیج موں بھولا
بوٹا ہوا پھول پھل لاگا پھر وہ ہے بیج اوتارا (2)

5- اردو زبان کی پیدائش، ارتقاء اور جنم بھومی کی بحث میں نوشہ گنج بخشؒ کی اردو شاعری (انتخاب گنج شریف) کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے گنج شریف کے آغاز میں سچی بات کہی ہے۔

"گنج شریف کے مل جانے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو شاعری پنجاب میں دکن کے بعد نہیں شروع ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ اس سے بھی پہلے۔" (3)

آگے چل کر سید صاحب فرماتے ہیں۔

"جہاں تک زبان کی پختگی اور تصنیف کا تعلق ہے اردو کا اولین گھر خطہ پنجاب تھا اور اب گنج شریف نے اس حقیقت کی ایسی توثیق کر دی ہے جس کی تردید نہیں ہوسکتی۔" (4)

6- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں عربی سے اردو میں تراجم کے حیرت انگیز نمونے بھی

1- گنج شریف ص 206
2- ایضاً ص 207
3- ایضاً ص 13
4- ایضاً ص 14

ملتے ہیں۔ اُن کا کلام تلمیحات سے لبریز ہے۔ وہ آیات و احادیث کا اس انداز سے ترجمہ کرتے ہیں کہ اُس میں ترجمہ کے جملہ لوازم نظر آتے ہیں۔ مثلاً قرآن پاک کی ایک آیت ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

ترجمہ: اللہ کسی کو اسکی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نوشہ صاحبؒ نے اس کا منظوم ترجمہ یوں کیا ہے:

سب کوئی ویسا کرے جیسے لائق ہوئے
رب رحیم کریم سے نوشہ دُکھے نہ کوئے

ایک اور شعر ملاحظہ فرمایئے:

دے ہدایت آپ ہی آپے کرے گمراہ
سب کچھ اس کے آسرے کہے فقیر نوشاہ

اب کلام ربانی دیکھئے:

مَنْ یَّھْدِی اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَاھَادِیَ لَہٗ o

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بعض عربی ٹکڑوں کا ترجمہ اس قدر فصیح اور بلیغ ہے کہ پڑھنے والا تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً

اَلآنَ کَمَا کَانَ کا ترجمہ: جیوں کا توں (یعنی جیسا ہے ویسا تھا)

7- نوشہ صاحبؒ کا کلام ترکیب سازی کے لحاظ سے خاص انفرادیت کا حامل ہے۔ کلام کے مطالعے سے پتا چل جاتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ عربی، فارسی اور ہندی کے زبردست، عالم تھے۔ انہوں نے مختلف انداز سے الفاظ کی تراکیب بنائی ہیں:

(الف) ہندی الفاظ کے ساتھ ''ہارا'' لفظ کا اضافہ کر کے مثلاً

پالن ہارا (پالنے والا) بجھاون ہارا (بجھاون والا)

راکھن ہارا (رکھنے والا) کرن ہارا (کرنے والا)
کھیلن ہارا (کھیلنے والا) سنبھالن ہارا (سنبھالنے والا)

(ب) ہندی الفاظ کے ساتھ ''ہار'' لفظ کا اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً

بلاون ہار (بلانے والا) دیکھن ہار (دیکھنے والا)
دین ہار (دینے والا) دیون ہار (دینے والا)
راکھن ہار (رکھنے والا) کراون ہار (کروانے والا)
کرن ہار (کرنے والا) وغیرہ

(ج) ہندی الفاظ کے ساتھ ''ہاری'' لفظ کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً

دھن ہاری (دولت والا۔ امیر، دولت مند)
میلن ہاری (ملانے والا)

(د) فارسی زبان میں اسم کے ساتھ فعل امر کے اضافے کے ساتھ اسم فاعل ترکیبی بن جاتا ہے۔ مثلاً:

کارکن (کام کرنے والا) نعت خواں (نعت پڑھنے والا)
دوروں بین (اندر دیکھنے والا) تخت نشین (تخت پر بیٹھنے والا) وغیرہ

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں ہمیں اسی اصول کے تحت ہندی اسم کے ساتھ ہندی فعل امر ملا کر ترکیب سازی کی روایت ملتی ہے۔ مثلاً

رکھیال (حفاظت کرنے والا، رکھیا کرنے والا)
من مکھ (کشف قلوب کرنے والا)
پکھ پال (حمایت کرنے والا)

(لا) بعض جگہ نوشہ صاحبؒ نے ہندی اسم اور فارسی فعل امر کے ملاپ سے اسم فعل ترکیبی بنائے ہیں۔ مثلاً

سکھ ساز (تسلی دینے والا)

سیس نواز (عاجزی کرنے والا)

(و) عربی فارسی میں ''ی'' کے اضافے سے اضافت کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

جانی (جان کی) مالی (مال کی) حالی (حال سے متعلق)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں انکی مثالیں بھی موجود ہیں۔ حوالے کے لئے چند امثلہ پیش ہیں۔

یادی (یاد کرنے والا۔ ذاکر)

بخشی (بخشنے والا۔ فوج کی تنخواہ تقسیم کرنے والا)

خراباتی (شراب پینے والا)

خیری (بھلائی چاہنے والا) وغیرہ وغیرہ

علاوہ ازیں کچھ اور تراکیب بھی دیکھئے جو درج بالا طریقوں کے تحت نہیں بلکہ ان سے مختلف طریقے سے بنی ہیں۔ مثلاً

غنمن کار (کافر کا مال لوٹنے والا)

نام دھاری (نام والا)

یاد کرنتا (یاد کرنے والا)

بے انتا (لاتعداد)

ان مثالوں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اردو میں عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ ہندی الفاظ کی آمیزش یا ملاپ کوئی نیا تجربہ نہیں ہے بلکہ صدیوں پرانی روایت ہے۔ مذکورہ بالا امثلہ سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ الفاظ کی ترکیب سازی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور یہ خوبی انہیں اس دور کے دیگر اردو شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔

8- نوشہ صاحبؒ کے کلام میں خالص فنی نقطہ نظر سے بہت سی جدتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً پہلے مصرع کے شروع میں ایک یا ایک سے زیادہ ایسے لفظ لائے جاتے ہیں جو بعد کے اشعار کے پہلے مصرعوں میں ویسے ہی موجود ہوتے ہیں۔ اسے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک قسم کی ردیف ہوتی ہے جو ہر شعر کے پہلے مصرعے کے شروع میں استعمال ہوتی ہے۔ نوشہ صاحبؒ کا یہ انداز بلاشبہ انفرادی ہے۔ اس ضمن میں عبور حاصل کرنا کوئی آسان نہیں۔ تاہم نوشہ صاحبؒ اس فن پر عبور رکھتے تھے۔ مثلاً گنج شریف کے ص 81 پر ''سرگن نرگن'' کے عنوان سے نظم درج ہے جس کے ہر شعر کے پہلے مصرعے کی ابتداء میں سرگن کا لفظ موجود ہے۔ جو نہ صرف صوتی آہنگ کی بنا پر اچھا لگتا ہے بلکہ شعر میں موسیقی کے عنصر کو بڑھاتا ہے اور نوشہ صاحبؒ کی بے پناہ شعری صلاحیتوں اور مجددانہ ریاضتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس نظم کے کچھ شعر نمونے کے طور پر حاضر ہیں:

سُرگن ہوئے اور ہوون ہارا — سوچھم ہوا ستھول پیارا [1]
سُرگن لیہیئے سُرگن کہیے — نرگن ناں لیہیئے نہ کہیئے
سُرگن نیڑے سُرگن دور — نرگن ناں نیڑے دور
سُرگن مانہہ سب ذات صفات — نام نشان مکان کی بات
سُرگن مانہہ بھگت اور سکت — نرگن مانہہ نہ ہوا جگت
سُرگن مانہہ بھیکھ اور ریکھ — نرگن مانہہ الکھ ایکھ
سُرگن مانہہ دیکھن سنن بولن — نرگن مانہہ ناں تھہرن ناں ڈولن

اسی طرح نظم اندر ظہور میں ''اندر ہی'' اور نظم مہر پروان میں ''مہر مرشد کی'' کا استعمال اسی شعری صلاحیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ نظم اندر ظہور میں سے کچھ شعر:

1- انتخاب گنج شریف ص 81

اندر ہی موں عاجزی اندر گربھ ابھمان (1)
اندر ہی موں ہونماں اندر بسے گیان
اندر ہی موں لوبھ ہے اندر ہی موں کام
اندر ہی موں یاد ہے اندر ہی موں نام
اندر ہی موں کچھ نہیں اندر مُجھ سا کون
اندر جل تھال پانچ تت چار جگ چوداں بھون
اندر ہی اشراف ہے اندر نیچ کمین
باہر توسب ایک ساں نوشہ کہے مسکین

نظم مہر پروان میں سے چند اشعار:

مہر مرشد کی جنم سنورے — مہر مرشد کی پار اتارے (2)
مہر مرشد کی سکھ بساوے — جنم جنم کے دُکھ گنواوے
مہر مرشد کی راہ لگائے — مہر مرشد کی تخت بٹھائے
مہر مرشد کی اس اسوارے — ناؤ کی سنگت لوہا تارے

9- نوشہ صاحبؒ کے کلام کو اس اعتبار سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اُن کے کلام میں قدیم الفاظ کا ذخیرہ بے حد وسیع ہے۔ مغل بادشاہ شاہ جہان سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے بہت سے الفاظ آج گنج شریف کے روپ میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ پروفیسر اقبال مجددی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ:

''جہانگیری عہد کے لسانی ادب کے بے شمار الفاظ پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعہ منظر عام پر آ رہے ہیں۔''(3)

1- انتخاب گنج شریف ص 215
2- ایضاً ص 225
3- ایضاً ص 31

حقیقت یہ ہے کہ جہانگیری عہد کی ادبی زبان شاہ جہان کے دور میں پہنچ کر مزید نکھر گئی تھی۔ اور یہ زبان نوشہ صاحبؒ کی شاعری کے ذریعے محفوظ ہوگئی۔

10- اسے نوشہ صاحبؒ کی کرامت کہیں یا اردو زبان کی جاندار روایت کا نام دیں کہ نوشہ صاحبؒ کے اردو دیوان میں بہت سے اشعار اپنی قدامت کے باوجود آج کل کی اردو زبان سے بہت قریب ہیں۔ بعض اوقات اسے پڑھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو صدیوں پہلے آجکل کی زبان کیسے سنائی دیتی تھی:

کون گنے تیرے سب نام
آگے ختم سے ہوئے تمام (1)

جب پیر پیغمبر عاجز ہوئے
تب نوشہ کیا صفت تیری کہے (2)

رب رؤف رحیم رحمان
بندے اپنے پر مہربان (3)

دل مرشد کے ناؤں پر کیجئے صد قربان (4)
مرشد مرشد رات دن بولے پڑی زبان

شہسوار مرشد کہیں ، شیعہ کہیں امام (5)
نوشہ مرشد کے ملے پایا دین اسلام

1- انتخاب گنج شریف ص 68
2- ایضاً ص 69
3- ایضاً ص 99
4- ایضاً ص 113
5- ایضاً ص 114

جو مرشد کرامات دکھائے
نوشہ اس کے راہ نہ جائے[1]

O

اُس بن اور نہ کوئی دوجا[2]
نوشہ کرے اُسی کی پوجا
ذاتاں کہاں سوں آئیاں
یہ آپے آپ بنائیاں

ان کے علاوہ ہندی راگوں میں لکھے گئے شعروں میں لہجہ بھی ہندی ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً

وہ دیوے تو کوئی نہ برجے
اس کے خوف سوں ہر کولرجے[3]

11- گنج شریف میں نوشہ صاحبؒ کا کلام بے شک تصوف کے مسائل سے مملو ہے۔ پھر بھی اُس دور کے بعض مشاہیر کا تذکرہ اُن کے کلام میں موجود ہے۔ یوں انکی شاعری اپنے معاصرین کے متعلق بھی معلومات دیتی ہے۔ گنج شریف کے مطالعے سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اُن کا زمانہ موسیقی کے عروج کا دور تھا۔ علاوہ ازیں اُس دور کے صوفیائے کرام کا تبلیغی انداز کیا تھا۔ اُس زمانے میں کن کن مشہور ہستیوں کا عام چرچا تھا۔ کون کون سے لوک گیت، دوہے، بیت مشہور تھے۔ نوشہ صاحبؒ نے اُن کا صرف ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اُن کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے۔ مثلاً:

1- انتخاب گنج شریف ص139
2- ایضاً ص298
3- ایضاً ص76

گورو گرنتھ اور دھرم کرم ساکھی سکھی پنتھ
نوشہ سب جھوٹی سپنا بن پاک محمدؐ کنتھ[1]

12- نوشہ صاحبؒ کی اردو شاعری میں ایک ایسی خوبی بھی ملتی ہے۔ جسے بلاخوف تردید یوں کہا جا سکتا ہے کہ اردو شاعری میں اگر کسی شاعر نے مذہبی حوالے اور منطق کی رو سے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کو باطل ثابت کیا ہے تو وہ صرف نوشہ گنج بخشؒ ہیں۔ وہ نہ صرف دعویٰ کرتے ہیں بلکہ دلائل سے ثابت بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے شہادتوں اور مثالوں سے اپنے دعوے کو سچ کر دکھایا ہے۔ مثلاً انہوں نے ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ یا آواگون کو اپنی شاعری میں دلائل سے جس طرح رد کیا ہے قابل ستائش ہے۔ اُن کی نظم ''آواگون'' کے چند شعر دیکھئے:

پھر آوے تو اب کیوں جائے
لکھ چوراسی جون نہیں پائے

جونوں کی ہم بات نہ مانی
بالک ہوئے سو سُنی کہانی

خاوند کے گھر کمی نہ کائے
لاکھ دیہ موں ایک کیوں پائے

جاکو ایک بن اور نہ ہوئے
ایتے جتن کرے ہے سوئے

جیتے روح تیتے ہی تن
بھانت بھانت کے ڈھاوے بن

لاکھ ترنگ دریاؤ سے چھوٹے
وہ تو پھیر نہ بنے جو ٹوٹے

جون جون موں ہم نہ پھریں
وحدت کے دریاؤ میں گھریں

جوناں مانے موڑھ اجان
نوشہ ہم پایا عرفان[2]

اسی فکر کے حوالے سے کچھ اور شعر دیکھئے:

1- انتخاب گنج شریف ص98
2- ایضاً ص305

جب سب موں صاحب ملا تو خویش بیگانہ کون
نوشہ مرشد مہر کر میٹے آواگون (1)
لکھ چوراسی سو پھرے جا کو ایک نہ ٹیک
ایک کہا ایک مانیا نوشہ ایک کا ایک
دوجا ہوئے نہ ایک بن لکھ چوراسی کون
نوشہ ہمیں یقین ہے جو بھرم سے آواگون
کلمہ پڑھا تو کل پڑی جو لکھ چوراسی نانہہ
نوشہ کلمہ پاک بن سب دیکھے بھٹکن مانہہ

13- نوشہ صاحبؒ کے کلام کی بازگشت اُن کے کافی عرصہ بعد بھی بزرگ شعراء کے کلام میں فکری سطح پر سنائی دیتی ہے۔ اور اُن کے بعض اشعار پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس مضمون کو صدیاں پہلے نوشہ صاحبؒ کس خوبی اور حسن کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ مثلاً علامہ اقبال کا بے حد مشہور شعر ہے:

مُسلم کے لئے تو دونوں طرح ہے عید
زندہ رہے تو غازی، مر جائے تو شہید

اس مضمون کو نوشہ صاحبؒ صدیاں قبل یوں بیان کیا تھا:

مرے تو شہید، مارے تو غازی
سچیاروں کی کار جنگ بازی (2)

خواجہ میر درد فرماتے ہیں:

جگ میں آ کر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

1- انتخاب گنج بخش ص 306
2- ایضاً ص 149

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

جو دِیسے سو دِیسے توں
تیرے سوبھی توں ہی توں

علامہ اقبال اپنی شہرہ آفاق نظم "ساقی نامہ" میں لکھتے ہیں:

خودی کو نہ دے سیم و زر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض

اسی مضمون کو نوشہ صاحبؒ نے بہت عرصہ پہلے یوں بیان کیا تھا۔

توں کیوں اپنی سُدھ نہ لے
کوڈی مانگے مانک دے (1)

امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں:

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو (2)

یہی بات نوشہ صاحبؒ کس قدر خوبصورت انداز میں کہتے ہیں:

پل صراط پر جبرائیل رکھے پنکھ پسار
نوشہ مومن تاہ پر پڑھ کلمہ اُترے پار (3)

مذکورہ بالا چند امثلہ نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ایسی بہت سی مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔

14- عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ صوفی شعراء فن سے زیادہ فکر پر توجہ دیتے ہیں۔ لیکن نوشہ صاحبؒ کا کلام فن اور فکر کی دونوں خوبیوں سے آراستہ ہے۔ آپ نے

1- انتخاب گنج شریف ص 256
2- احمد رضا خان بریلوی: حدائق بخشش، کراچی 1979ء، ص 98
3- انتخاب گنج شریف ص 263

اپنی شاعری میں علم بیان سے خوب کام لیا ہے۔آپ نے تشبیہات واستعارات کا استعمال ایسی فنکاری سے کیا ہے کہ اشعار کے زیور میں نگینے جڑ دیئے ہیں۔ یہاں چند ایک مثالیں قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

بندے پر بندے کی آسا
جیسے پانی اور پتاسا[1]

o

نوشہ نرگن ذات ہے سُرگُن ہیں صفات[2]
اُلٹ پلٹ صفات موں جیوں کاتیوں نت ذات

o

مرشد من موں یوں بسے جوں سورج موں جوت
نوشہ مرشد سنگ ہے کہیں ہوت انہوت[3]

o

ماتھا لوح محفوظ ہے مکھدا جیوں قرآن
مہاں مرشد پاک کرے نوشہ کرے بیان[4]

o

مرشد ہے دیدار محل طالب دیکھن ہار
نوشہ مرشد پاک موں دیکھا پاک دیدار[5]

1- انتخاب گنج شریف ص76
2- ایضاً ص82
3- ایضاً ص110
4- ایضاً ص121
5- ایضاً ص125

جیسے سورج چھپ گئے رین اندھاری ہوئے
تیسے یہ تن روح بن رونق بیٹھے کھوئے[1]

o

جیسے کالی رات سوں روشن ہوئے پربھات
تیسے حرف سیاہ سے پایئے نور کی بات[2]

o

من اگیانی جیھبا گیان والی
جیوں مغز سوں بادام خالی[3]

اب استعارے کی چند ایک مثالیں دیکھئے:

وہ چپار جو کلمہ پڑھے
لے ہتھیار گھوڑے پر چڑھے[4]

o

ماس گیا مندر رہا مندر بھی گر جائے
انیت لا کرے گہنے ہو مائی انت سمائے[5]

o

15- نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں عوام کی بھلائی و بہبود کے موضوعات بھی

1- انتخاب گنج شریف ص170
2- ایضاً ص186
3- ایضاً ص211
4- ایضاً ص154
5- ایضاً ص170

بیان کیے ہیں۔ دین اسلام کی تبلیغ بھی کی ہے۔ باطل عقائد کو رد کیا ہے۔ انسانیت، بھائی چارے اور محبت کا درس دیا ہے۔ اُن کی فکر کا تانا بانا مذہب اور تصوف سے تیار ہوا ہے۔ ایسے عظیم افکار پیش کرنے والے دانشور ہمیشہ فکر، عقائد اور نظریات کے پرچار پر زیادہ توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک فن ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن نوشہ صاحبؒ کے کلام کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے فکر اور فن میں توازن برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے افکار و نظریات کے پہلو بہ پہلو نہایت احسن طریق سے صنائع لفظی و معنوی کو اشعار کے سانچوں میں ڈھالا ہے۔ اُن کے ہم عصر شعراء کے کلام میں یہ خوبی خال خال دکھائی دیتی ہے۔ اس لئے پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ صنائع لفظی و معنوی کے استعمال میں اُس دور کا کوئی بھی شاعر نوشہ صاحبؒ کا ہم پلہ نہیں ہے۔

یہاں ہم چند صنائع لفظی و معنوی کا مختصر تعارف پیش کر کے نوشہ صاحبؒ کے کلام سے کچھ مثالیں پیش کریں گے۔ تا کہ فنی نقطہ نظر سے نوشہ صاحبؒ کے کلام کا مرتبہ معلوم ہو سکے۔

صنائع لفظی

صنعتِ تجنیس:

صنائع لفظی میں سب سے زیادہ اہمیت صنعت تجنیس کو حاصل ہے۔ صنعت تجنیس سے مراد ہے کہ کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو تعداد، نقاط اور اعراب میں ایک جیسے ہوں مگر اُن کے معنی الگ الگ ہوں۔ [1]

"صنائع لفظی میں معنی کی بجائے کلام میں دو الفاظ کی موزونیت سے بحث کی جاتی ہے۔ یعنی کلام میں ایسے دو لفظ لائے جائیں جو حروف و

1- شمس بریلوی: کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ، کراچی 1979ء ص 184

حرکات، سکون اور ترتیب میں بالکل ایک جیسے ہوں اور ہم شکل ہوں انہیں تجنیس تام کہتے ہیں۔"[1]

تجنیس تام کی دو قسمیں ہیں:

(i) تجنیس تام متماثل: اس سے مراد یہ ہے کہ

"اگر دونوں لفظ ایک ہی نوع سے ہوں۔ (یعنی حرف ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں اسم ہوں) تو اُسے تجنیس تام متماثل کہتے ہیں۔"[2]

مثلاً مومن کا ایک شعر ہے:

یوسف سے عزیز کو کسی سال
زندانِ عزیز میں پھنسایا

مومن کے اس شعر کے مصرع میں لفظ عزیز پیارے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جبکہ دوسرے مصرع میں عزیز سے مراد مصر کا بادشاہ ہے۔

اس تعریف کی روشنی میں نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے تجنیس تام متماثل کی مثال دیکھئے۔ طوالت سے بچنے کے لئے یہاں ایک ایک یا دو دو شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

بندھن مکت کا بندھن چھوڑ
مرشد ملے سب بندھن توڑ[3]

پہلے مصرعے میں بندھن کا مطلب ہے دستور اور دوسرے مصرع میں بندھن سے مراد قید ہے۔

1- خدیجہ شجاعت علی: ترجمہ سہل حدائق البلاغت لاہور 1966ء ص 107
2- نذیر احمد: اقبال کے صنائع بدائع، آئینہ ادب لاہور 1966ء ص 42
3- انتخاب گنج شریف ص 173

(ii) تجنیس تام مستوفی:

''اگر تجنیس کے دونوں لفظوں کی نوع علیحدہ ہو یعنی ایک لفظ اسم ہو اور دوسرا فعل یا ایک اسم ہو اور دوسرا حرف ، یا ایک فعل ہو اور دوسرا حرف تو یہ تجنیس تام مستوفی کہلاتا ہے۔'' (1)

مثلاً انشا اللہ خان کا شعر ہے:

کہا دل نے مرے دیکھی جو وہ مانگ
کہ ہے یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ

یہاں پہلے مصرعے میں لفاظ ''مانگ'' بطور اسم آیا ہے جبکہ دوسرے مصرع کے آخر میں لفظ مانگ بطور فعل استعمال ہوا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں تجنیس تام مستوفی کی ان گنت مثالیں ملتی ہیں۔ نمونے کے لئے ایک مثال دیکھئے:

دل راج کا دان دیے جاکے جائیں
دیا دیے سماں بن دیے کیا پائیں (2)

اس شعر کے مصرع اولی میں ''دیے'' بطور فعل اور مصرع ثانی میں بطور اسم استعمال ہوا ہے۔

تجنیس مضارع

دو الفاظ متجانس میں سے صرف ایک حرف کا جو قریب المخرج یا متحد المخرج ہوں۔ مختلف ہونا، جیسے بحر اور بہر، لعل اور لال، علم اور حلم، برسوں اور پرسوں وغیرہ (3)
نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اس کی مثال دیکھئے:

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 42
2- انتخاب گنج شریف ص 172
3- اقبال کے صنائع بدائع ص 51

رنگ ڈھنگ اور سکل سوں پاک منزہ (1)
ڈیل ڈول نہیں تاہ ہے اروپ سروپ

تجنیس زائد و ناقص

''دو متجانس الفاظ میں سے ایک دوسرے سے ایک حرف کم یا زیادہ ہونا۔'' (2)

مثلاً ناسخ کا شعر ہے:

یوں نہ باتیں چھپا چھپا کے کرو
مہرباں بات ہے نبات نہیں

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں تجنیس زائد و ناقص کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں صرف تین مثالیں پیش ہیں۔

الکھ روپ اروپ جو سرب روپ ہے سوئے (3)
الکھ روپ کوں وہ لکھے جو روپ روپ موں ہوئے

o

کر کرپا پربھ میل لے ملے سریں سب کاج (4)
میں تو واسن واس ہوں تو مہاراج دھراج

o

انگ انگ موں جا کا رنگ
تا کی یاد کر ہر رنگ ڈھنگ (5)

1- انتخاب گنج شریف ص 83
2- اقبال کے صنائع بدائع ص 53
3- انتخاب گنج شریف ص 83
4- ایضاً ص 87
5- ایضاً ص 91

تجنیسِ لاحق

اس سے مراد یہ ہے کہ

''دو متجانس الفاظ میں ایک ایسے حرف کا مختلف ہونا جو قریب المخرج یا متحد المخرج نہ ہو۔ جیسے نور اور نار۔ خاک اور خار۔ ذوق اور شوق وغیرہ''[1]

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اسکی مثالیں دیکھئے:

ہے سُکھ ساز غریب نواز ادکھ ابھیکھ اساس اناسا[2]
بڑے بدار غنیمن گار اماں زمان کو دُکھ بنایا

O

جون بلی جوئی بلی، جوت اور جات[3]
نوشہ مرشد سنگ مل طالب سبل ہو جات

تجنیس مرفوع

اس سے مراد ہے کہ

''کسی لفظ کا آخری جز کسی دوسرے لفظ کے جز سے مرکب ہو کر پہلے لفظ کا ہم جنس بن جائے تو اُسے تجنیس مرفوع کہتے ہیں۔''[4]

مثال کے طور پر امانت لکھنوی کا ایک شعر ہے:

سینہ وہ سینہ کہ دیکھے تو تڑپ جائے بشر
ایسے سینے نہیں دیکھے ہیں کسی نے سن بھر

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 54
2- انتخاب گنج شریف ص 84
3- ایضاً ص 110
4- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص 108

اب ذرا نوشہ صاحبؒ کا ایک شعر دیکھئے۔

مومن کلمہ کے پڑھے تن من سو چم لیں
کافر کلمہ نہ پڑھے سوئی ملیچھ ملین[1]

تجنیس مذّیل

اس سے مراد یہ ہے کہ

''دو متجانس الفاظ میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حرف کا زیادہ ہونا۔ مثلاً مانگ سے مانگتی۔''[2]

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے چند مثالیں پیش ہیں:

کان کہے میں سنتا رہا
سنتے سنتے سن ہو رہا[3]

O

کلمہ کہا رسولؐ کا پل موں اُترے پار[4]
کل کل تھی سومٹ گئی اب من بھیو اقرار

تجنیسِ محرّف

کلام میں اگر دو لفظ ترتیب، نوعیت اور شمار میں ایک جیسے ہوں، مگر اعرابِ ثلاثہ میں فرق ہو تو اُسے تجنیسِ محرف کہتے ہیں۔ مثلاً مُحرم

1- انتخاب گنج شریف ص 270
2- اقبال کے صنائع بدائع ص 50
3- انتخاب گنج شریف ص 229
4- ایضاً ص 273

اور مُحرّم''(1)

نوشہ صاحبؒ کا شعر ہے:

نوشہ ادب درویش کا چاہے آپ خدا(2)
دو جگ بھٹکے بے ادب اِت اُت ٹھور نہ پا

علاوہ ازیں صنائع بدائع کی چند اور مثالیں ملاحظہ کیجئے:

صنعت تنسیق الصفات

''کسی چیز یا شخص کا ذکر صفات متواترہ کے ساتھ کرنا یا ایک موصوف کے کئی اوصاف متواتر بیان کرنا۔''

علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اب ذرا نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اسکی مثالیں دیکھئے:

وہ راجا یوگی ، وہی گیا ناسروتا گیان (3)
وہی بھیجک ، وہی بھجیا ، وہی داتا ، وہی دان

O

بے نشان بے عیب ، بے مکاں بے انتہ (4)
ذوالجلال کرپال بے زوال ، بے شبہ

1- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص 108
2- انتخاب گنج شریف ص 261
3- ایضاً ص 72
4- ایضاً ص 83

تو صاحب بے انت بے حاجت بے نیاز داتا کرتار(1)
ہم بندے کیا کریں بڑائی ظاہر باطن تیرا پیار

صنعتِ ترافق

''کسی شعر کے دونوں مصرعوں کا یا کسی قطعہ رباعی مسدس کے چار مصرعوں کا اس طرح سے لانا کہ جس مصرعے کو چاہیں مصرعہ اول یا دوم یا سوم یا چہارم کرلیں اور معنوں میں یا سلاست میں اور روانی میں کوئی فرق نہ آئے۔''

مثلاً ناسخ کا شعر ہے۔

آیا نہیں وہ ماہ مہینے گزر گئے(2)
رویا میں اس قدر کہ سفینے گزر گئے

نوشہ صاحبؒ کے اردو کلام میں اس صنعت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ یہ خوبی جہاں شاعر کے اس صنعت میں مہارت کو ظاہر کرتی ہے وہاں شاعر کے پختہ شعور اور تخیل کی بلندی کا بھی پتا دیتی ہے۔ یہاں حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں سے کچھ شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ نوشہ صاحبؒ کو اُس فن پر کس قدر قدرت حاصل تھی۔

وہ راکھے تو نہ کچھ ڈر — وہ مارے جگ جاوے مر (3)
وہ دیوے تو کوئی نہ برجے — اس کے خوف سوں ہر کو لرجے
وہی رہے جو راکھے مارے — سگل جگت کے کاج سنوارے (4)

1- انتخاب گنج شریف ص 86
2- اقبال کے صنائع بدائع ص 74
3- انتخاب گنج شریف ص 76
4- ایضاً ص 77

سانچا سانچی طلب نت کرے   سرمرشد کے پاؤں پر دھرے [1]

نوشہ دیکھ بہروپیا روپ روپ بن آیا
بدلے ناہیں اصل موں دیکھن موں بدلا [2]

O

دنیا کے سادات سخی عقبےٰ کے سادات فقیر
نوشہ کہے سنو سچیارو ، یوں فرمایا شاہ امیر [3]

صنعت تلمیح

کلام میں کسی مشہور واقعہ ، قصہ ، شخص ، چیز ، آیت قرآنی وغیرہ کی طرف اشارہ کرنا اور اس اشارے کا مطلب کلام کی وضاحت ہو تو اسے اصطلاح میں صنعتِ تلمیح کہتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ چونکہ ایک عالم دین اور مبلغ تھے، اس لئے تاریخ اسلامی پر اُن کی نظر گہری تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں جگہ جگہ تلمیحات استعمال کرکے اپنے مطالب کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے:

سماں پائے آدم چل گیا   ماٹی تھا پھر ماٹی بھیا
سماں پائے لقمان سدھایا   حکمت کا گن کام نہ آیا
سماں پائے سکندر اُٹھ گیا   راج بھاگ ایہاں ہی رہیا [4]

اونچا ہاتھ صلاحیئے نیچے کیسا چین [5]
آکھے نوشہ قادری یوں کہا امام حسینؓ

1- انتخاب گنج شریف ص79
2- ایضاً ص80
3- ایضاً ص267
4- ایضاً ص77
5- ایضاً ص172

صنعت ملمع یا صنعت تلمیع

"ایسی صنعت ہے جس میں شاعر کسی دوسری زبان کے جملے یا مقولے استعمال میں لائے۔ یہ صنعت اپنے برمحل استعمال کے لئے تبحر علمی کی خواہاں ہے۔" [1]

نوشہ صاحبؒ نے اپنی شاعری میں عربی اور فارسی کے مقولے اور جملے بہت کثرت سے استعمال کئے ہیں۔ چند مثالیں دیکھئے:

تجھ سوں ہوا جیا جنت   لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْـتَ [2]

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوحیٰ اِلَیَّ ہوا امیر قرآنی
اللہ اکبر جس کی بڈیائی ، اُس کا کوئی نہ ثانی [3]

نوشہ مرد سچیار کوں کہا بے چون چگون
لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْن [4]

تجھ بن اور نہ پائے غیر
نت نت بِیَدِکَ الْخَیْر [5]

نوشہ صاحبؒ نے عربی کے علاوہ فارسی جملوں کو بھی بطریق احسن اشعار میں استعمال کیا ہے:

دستگیر در ماندگاں   کارسازِ بے چارگاں
داروئے درد منداں   مشکلکشائے حاجتمنداں

1- کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ ص 187
2- انتخاب گنج شریف ص 63
3- ایضاً ص 97
4- ایضاً ص 155
5- ایضاً ص 199

اندھے کوں انکھاں
کوڑھے کوں کایاں (1)

صنعت اشتقاق

"کلام میں دو لفظ ایسے لائے جائیں کہ دونوں ایک ہی مادے سے مشتق ہوں۔"(2)

کچھ نوشہ سانچ کہے سمجھیں تو سمجھائے
سمجھ سمجھ جب سمجھیا تو سمجھا سمجھا نانہہ (3)

O

شرع شریعت شارع عام
شاہ راہا شاہاں شہ گام (4)

صنعت شبہ اشتقاق

"ایسے دو الفاظ کا کلام میں لانا جو بظاہر ایک ہی مادہ سے مشتق معلوم ہوں مگر ذرا تامل کے بعد معلوم ہو جائے کہ دونوں ایک اصل سے نہیں ہیں۔"(5)

مثلاً علامہ اقبال کا ایک شعر ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص 101
2- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص 112
3- انتخاب گنج شریف ص 86
4- ایضاً ص 149
5- اقبال کے صنائع بدائع ص 61

گرچہ بے رونق ہے بازار وجود
کون سے سودے میں ہے مردوں کا سود

بظاہر ایسا لگتا ہے جیسے سودے اور سود کا ایک ہی مادہ ہے حالانکہ ان کا ایک مادہ نہیں ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بہت سے ایسے اشعار موجود ہیں جو صنعت شبہ اشتقاق کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

خوف نہ غم سچیار کوں دھوکہ روگ نہ سوگ (1)
نوشہ مرشد سوں ملے ویگ تیگ اور توگ

کُنْ فَیَکُوْن کا خاوند تو ہے   سب کا پاک خداوند تو ہے (2)

وہی ساکھ ساکھ ہے وہی سکھ وہی سیکھ (3)
نوشہ جو جگ دیکھنا سو اپنے اندر دیکھ

ان اشعار میں تیگ اور توگ، خاوند اور خداوند، ساکھ، سکھ اور سیکھ، بظاہر ایک ہی مادے سے مشتق لگتے ہیں۔ حالانکہ ان سب کے مادے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

صنعت تحت النقاط، بے نقط ونقطہ وفوق النقاط

یہ صنعت دراصل بہت مشکل ہے۔ صنعت تحت النقاط کا مطلب ہے کہ شعر میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے حروف کے تمام نقاط حروف کے نیچے آئیں۔ اردو فارسی اور پنجابی میں اس صنعت کا ہمیشہ رواج رہا ہے۔ مثال کے طور

1- انتخاب گنج شریف، ص 154
2- ایضاً ص 196
3- ایضاً ص 204

پر علامہ اقبال کا یہ شعر دیکھئے:

یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا

نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

اے مجیب واسع حکیم — اے حکیم بصیر علیم [1]
آپ سمجھے آپ سمجھائے — آپ بھول کر آپ گوائے [2]

اسی طرح صنعت فوق النقاط کا مطلب ہے کہ شعر میں نقاط والے جس قدر الفاظ استعمال کئے جائیں اُن سب کے نقاط حروف کے اوپر آئیں۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں یہ خوبی عام ملتی ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے:

قائم مرشد دائم مرشد — دل کوں کرے ملائم مرشد [3]
گھاس ہون کو مرگ کھات — سنگھ مرگ کرے گھات [4]

صنعت غیر منقوطہ سے مراد یہ ہے کہ شعر میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن میں کوئی نقطہ نہ ہو۔ نوشہ صاحبؒ کے اکثر شعروں میں یہ خوبی موجود ہے۔ بعض اشعار کے مصرعے اس صنعت کی خوبصورت مثال کے طور سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ایک شعر دیکھئے جس کا پہلا مصرع بے نقط ہے دوسر نقاط والا ہے۔

لا ولد، لا والد، لا آل — اس کے مرد درویش عیال [5]

اسی طرح صنعت نقطہ میں شعر کا ہر لفظ نقطے والا ہوتا ہے:

1- انتخاب گنج شریف ص 218
2- ایضاً ص 224
3- ایضاً ص 222
4- ایضاً ص 254
5- ایضاً ص 91

نہ تیرا کچھ شبہ نمون — تیری ذات بے چون چگون
جیتی خلق تیتے ہیں نام — تیری تسبیح کریں تمام [1]

صنعت سیاق الاعداد

کلام میں اعداد کا ذکر کرنا، بے شک اُن میں ترتیب ہو یا نہ ہو۔ [2]

مثلاً علامہ اقبال کا شعر ہے:

نایاب نہیں متاع گفتار — صد انوری و ہزار جامی

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے ایسی مثالیں پیش ہیں۔

ایک کریں تیرے نام شمار — ایک لاکھ اسی ہزار
ایک تین سو ساٹھ کر کہیں — نام صفت کا انت نہ لیں [3]
جن کو کہیں نود نہ نام — اسماء الحسنٰی تمام [4]

نوشہ مرشد تین ہیں اول ہادی جان
دوجا وِدیا جو کہے بات پتا ترمان [5]
نوشہ ٹہل درویش کی ایک سوں ہوئے پچاس
دیویں انبرت ددھ کر جوگنوواں کھاویں گھاس [6]

پھر آوے تو اب کیوں جائے — لکھ چوراسی جون نہیں پائے [7]

1- انتخاب گنج شریف ص 68
2- اقبال کے صنائع بدائع ص 77
3- انتخاب گنج شریف ص 68
4- ایضاً ص 69
5- ایضاً ص 123
6- ایضاً ص 265
7- ایضاً ص 305

صنعت سجع یا مسمط

اس سے مراد یہ ہے کہ:

''غزل یا قصیدہ میں دو دو یا تین تین فقرہائے ہم وزن ایک طرح کے مذکور کریں اور چوتھا قافیہ اصل غزل یا قصیدہ کا ہو۔ اس قسم کی غزل یا قصیدہ شاعر کی قوت طبع اور قادر الکلامی کا ایک بڑا ثبوت ہوتا ہے۔''(1)

علامہ اقبال کا ایک شعر اسکی خوبصورت مثال ہے۔

تری خاک میں ہے اگر شرر   تو خیالِ فقرو غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر   ہے مدار قوّتِ حیدری

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا کلام اس مشکل مگر خوبصورت فنی خوبی سے خالی نہیں ہے۔ بلکہ یہ خوبی اپنی تمام خوبصورتی کے ساتھ قاری کے سامنے آتی ہے۔ جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

صاحب ستار ، پاک پروردگار، نراکار، نرادھار، نر بھنگ نر بان ہے
نربھو نرویر، سب سکھ سدا خیر، اوس خوشی ہے بے نشان بے مکان ہے (2)

O

دُشت موں نہ آ، موہے دُشت ہو دکھا، اشثٹ، آشثٹ، وہی پا جس نام سبحان ہے
کہیں میر، کہیں پیر، کہیں نوشہ، کہیں فقیر، کہیں بھیڑ، کہیں دھیر، کہیں وہ کہیں جان ہے (3)

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 78
2- انتخاب گنج شریف ص 70
3- ایضاً ص 70

ایک اور مثال دیکھئے:

تاج کی راج کی لاج رکھوں   نر تو کٹکوں سے گھوں نہ گھوں
کھینچ پھڑنگ نسنگ اکنگ ہے   اڑ ہک دلوں سے رہوں نہ رہوں (1)

صنعت ردالعجز علی الابتداء

عروض کے علم کے مطابق شعر کے پہلے مصرعے (مصرعہ اولی) کے پہلے آدھے حصے کو ''صدر'' کہتے ہیں۔ دوسرے آدھے حصے کو ''عروض'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح شعر کے دوسرے مصرعے (مصرعہ ثانی) کے پہلے آدھے حصے کو ''ابتداء'' اور دوسرے آدھے حصے کو ''عجز'' کہا جاتا ہے۔ درمیان میں آنے والے الفاظ حشو کہلاتے ہیں۔ اگر مصرعہ ثانی کے آخری حصہ عجز میں آنے والے الفاظ اُسی مصرعے کے پہلے آدھے یعنی ''ابتداء'' میں بھی لائے جائیں تو اس کو صفت ردالعجز علی الابتداء کہا جاتا ہے۔ مثلاً اردو کا یہ شعر دیکھئے جو اس تعریف کو واضح کر دیتا ہے:

یک بیک گھبرا کے وہ اٹھا پکار
مار تیرے ہاتھ میں ہے اس کو مار

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں ویسے تو بہت سے اشعار اس قسم میں موجود ہیں۔ جن میں یہ صنعت استعمال کی گئی ہے۔ لیکن یہاں نمونے کے طور پر ایک شعر دیکھئے۔

میں نہ کہوں یہ توں کہے کہا تیرا پروان
نوشہ چھایا برچھ کی برچھ آپ بھگوان (2)

1- انتخاب گنج شریف ص 103
2- ایضاً ص 71

صنعت ردّ العروض علی الابتداء

جو لفظ پہلے مصرعے کے دوسرے آدھے حصے یعنی ''عروض'' میں آئے اگر وہی لفظ شعر کے مصرعہ ثانی کے پہلے آدھے یعنی ''ابتداء'' میں آئے تو اسے صنعت رد العروض علی الابتداء کہا جاتا ہے۔[1] مثلاً نوشہ صاحبؒ کا یہ شعر دیکھئے۔

نوشہ مجھ میں یوں چھپا جیوں رنگ پانی مانہہ [2]
رنگ گھلیا پانی ملے بن پانی رنگ مانہہ

اس شعر کے عروض اور ابتداء دونوں میں لفظ ''رنگ'' استعمال ہوا ہے۔

صنعت رد العروض علی الصدر

جو لفظ ''عروض'' میں آئے اگر وہی لفظ صدر میں بھی آئے تو اس کو صنعت رد العروض علی الصدر کہتے ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کا شعر ہے:

بھیکھ بھیکھ موں ایک ہے ایک کیا سب بھیکھ
نوشہ بھیکھی یوں کہے وہی سکھ وہی سیکھ [3]

صنعت لزم مالا یلزم

''کلام میں کسی ایسی بات کو لازم کر لینا جو کلام میں لازم نہ ہو بلکہ از خود لازم کر لی جائے۔''[4]

نوشہ صاحبؒ کے کلام کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اُن کے کلام

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 70
2- انتخاب گنج شریف، ص 71
3- ایضاً ص 86
4- ترجمہ سہل حدائق البلاغت ص 117

میں کثرت سے مختلف صنعتوں کا استعمال ملتا ہے۔ اُن کا سارا کلام مختلف صنعتوں سے مزین ہے۔ جو ان کی قادر الکلامی کی زبردست دلیل ہے۔ نوشہ صاحبؒ شعر برائے شعر نہیں کہتے تھے۔ شعر کہنے سے اُن کا ایک واضح مقصد تھا جبکہ مقصدی، اصلاحی اور فکری شاعری عام طور پر صنائع بدائع سے مبرا ہوتی ہے۔ اگر یہ صنائع لاشعوری طور پر خود بخود شعر کے قالب میں ڈھل جائیں تو شعر معجزہ بن جاتا ہے، شعر کا اثر دگنا ہو جاتا ہے اور کلام دو آتشہ رنگ ہو جاتا ہے۔ یہ خوبی نوشہ صاحبؒ کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے بعض جگہ ہر شعر کی ابتداء میں صرف ایک ہی لفظ استعمال کیا ہے۔ گماں ہوتا ہے کہ انہوں نے شعر کے آغاز میں ردیف استعمال کی ہے اور شعر گوئی کی ایک نئی طرح ڈالی ہے۔

ہر شعر کے شروع میں ردیف کا بار بار استعمال ایک ایسی جدت ہے جو ہنوز شاید کسی دوسرے شاعر کے حصے میں نہیں آئی۔ اس لئے اسے نوشہ صاحبؒ کی جدت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً

سُرگن ہوئے اور ہوون ہارا   سو چھم ہوا ستھوں پیارا
سُرگن لیئے سُرگن کہیے   نرگن نہ کہیئے نہ کہیئے
سرگن نیڑے سُرگن دور   نرگن نہ نیڑے نہ دور [1]

ایک اور نظم کے چند اشعار دیکھئے:

اندر پرئ میت ہے اندر ممتا پیر   اندر سوں جھگڑا اٹھے اندر ہی سوں خیر
اندر ہی موں دُکھ ہے اندر ہی موں سُکھ   اندر ہی موں صبر ہے اندر ہی موں بھُکھ
اندر ہی موں بھرم ہے اندر مانہہ یقین   اندر ہی موں دُنی ہے اندر ہی موں دین [2]

1- انتخاب گنج شریف ص 81
2- ایضاً ص 217

مذکورہ اشعار میں شاعر نے ہر شعر کے شروع میں ''سُر گن'' اور ''اندر ہی'' کا استعمال کر کے صنعت لزم و مالا یلزم سے خوب کام لیا ہے۔ یہاں صرف دو مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ ورنہ نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں جگہ جگہ اس صنعت سے کام لیا ہے۔

صنعت لزم مالا یلزم کی ایک قسم یہ ہے کہ ہر مصرعے میں لفظ لفظ پر قافیے کی تکرار سے ترنم پیدا کیا جاتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ نے اس صنعت کو بھی خوب استعمال کیا ہے:

ہے کرپال ، دیال تھال ، اچل ، اٹل ، ابھول ، ابھالا
رب الب ، ابوبھ ، اروگ، اسوگ ابھوگ ، اجل جلالا
دھرت اکاس پتاس ، بناس ،جلوں میں تھلوں میں تو ہیں پرت بالا [1]
دھیان گیان ، بیان پچھان ، سبھنوں میں تو ہیں سبھنوں سے نرالا

صنعت لزم مالا یلزم کی ایک نوعیت اور دیکھئے:

مرشد موں مولا ملا، مرشد ملا من مانہہ
مرشد مولا من وہی جس میں دوسر نانہہ [2]

اس شعر کے پہلے مصرع میں لازم کیا گیا ہے کہ ہر لفظ کا آغاز حرف میم سے ہو۔

صنائع معنوی

صنعت ایہام

اسے صنعت توریہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایہام کا مطلب وہم میں ڈالنا ہے۔ اور توریہ کا مطلب چھپانا ہے۔ لیکن اصطلاح میں اس کے معنی یوں بیان کئے جاتے ہیں۔

'' اصطلاح میں ایہام اس کو کہتے ہیں کہ ایک لفظ کلام میں ایسا لایا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب کے اور دوسرے بعید کے اور

1- انتخاب گنج شریف ص 84
2- ایضاً ص 127

سامع کا گمان قریب کے معنوں کی طرف جائے لیکن شاعر کی مراد معنی بعید ہوں۔'' مثلاً

میکش کو ہوس ایاغ کی ہے
پروانے کو لو چراغ کی ہے [1]

اس شعر میں لفظ ''لو'' میں ایہام ہے۔ کیونکہ ''لو'' کا مطلب شعلہ ہے۔ جو معنیٔ قریب ہیں اور دوسرے معنی شوق یا آرزو ہے۔ جو معنی بعید ہیں۔ شاعر کے نزدیک معنیٔ بعید ہیں۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اسکی مثال دیکھئے۔

اندھ اندھاری گورموں کیسے پایئے لو
جیہا ہودے چاننا جیہا دیا ہو [2]

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ ''دیا'' میں ایہام ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب چراغ ہے جبکہ دوسرا مطلب اللہ تعالیٰ کی میں خرچ کیا ہوا مال ہے۔ یہاں شاعر کی مراد اللہ کی راہ میں دیا ہوا مال ہے۔

صنعت ایرادالمثل

اسے ارسال المثل بھی کہتے ہیں۔ مراد اس سے کلام میں کسی مثل یا ضرب المثل کو باندھنا ہے۔ مثلاً

دہانِ یار سے غنچے کو دعویٰ [3]
مثل سچ ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات (امیر)

نوشہ صاحبؒ نے اپنے کلام میں ضرب المثل اس قدر زیادہ استعمال کی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ نمونے کے طور پر صرف تین شعر پیش ہیں:

1- اقبال کے صنائع بدائع ص 112
2- انتخاب گنج شریف ص 153
3- اقبال کے صنائع بدائع ص 174

دین گوایا دُنی پر دُنی نہ سانجھی ساتھ
پاؤں کوہاڑا ماریا ظالم اپنے ہاتھ (1)

جیسے سکھی رہیں فقیر
تیسے دُکھی رہیں امیر (2)

میٹھا نام نہ کھانڈ کا نوشہ میٹھی کھانڈ
اچرج حق کا نام ہے جامیں یہ مشتانڈ (3)

صنعت مذہب کلامی

اس صنعت سے مراد ہے کہ دلائل سے اپنے کلام کو مدلل اور وزنی بنانا۔ جیسے علامہ اقبال کا شعر ہے:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں چند مثالیں دیکھیے۔

بوٹا ایک گلاب کا رنگ بھانت تس مانہہ
تیسے صاحب ایک ہے روپ ایک سا نانہہ (4)

شمع ہوئی خاموش موں نور شمع جیوں ہوئے
تیوں نینوں کی جوت موں دیکھے جانے سوئے (5)

1- انتخاب گنج شریف ص153
2- ایضاً ص198
3- ایضاً ص242
4- ایضاً ص65
5- ایضاً ص73

بن مرشد نہیں معرفت بن سورج دن نانہہ
نوشہ مرشد یوں کہا مولی مرشد مانہہ (1)

نوشہ گیان اگیان موں اکتا ایکس ہوئے
بھینگا ایک کو دو لکھے دن کو لکھے نہ دوئے (2)

صنعت سوال و جواب

یعنی شعر میں سوال اور جواب لانا۔ یہ صنعت بعض دفعہ ایک ہی مصرع میں مکمل ہو جاتی ہے۔ بعض مرتبہ ایک مصرع میں سوال اور دوسرے مصرع میں جواب ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایک شعر میں سوال اور دوسرے شعر میں جواب ہوتا ہے۔ نوشہ صاحبؒ کے کلام میں کئی ایسے اشعار ملتے ہیں۔ جن میں یہ صنعت بدرجہ اتم موجود ہے۔ خاص طور پر تصوف کے ایسے مسائل و موضوعات جو دیکھنے میں عام اور آسان نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں اُن کو سمجھنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ اس صنعت کے چند اشعار نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے دیکھیے:

کون سچیار، مومن سچیار
کافر کش مرد دیندار (3)

درویشی کیا چیز ہے اندر باہر صاف
سر میں ہوئے غرور نہ جبا نہ ہوئے خلاف (4)

O

1- انتخاب گنج شریف ص152
2- ایضاً ص162
3- ایضاً ص149
4- ایضاً ص160

درویشی کیا چیز ہے کون کوئی درویش
نوشہ وہ درویش ہے جو صاحب سنگ ہمیش (1)

صنعت تصلیف

تصلیف کے معنی ہیں فخر کرنا اور شیخی مارنا۔ لیکن اصطلاح میں اس سے مراد ہے کہ شاعر اپنے حق میں مبالغہ یا تعلّی کرے یا اپنے کلام پر فخر کرے۔ یہ صنعت اردو کے بڑے بڑے تقریباً ہر شاعر کے کلام میں موجود ہے۔ جیسے مراز غالب کا شعر ہے۔

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مری گفتار میں آوے

نوشہ گنج بخشؒ ایک صوفی شاعر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ عاجزی اور انکساری سے کام لیا ہے۔ لیکن انہیں جن زبانوں پر عبور حاصل تھا اور جن سے انہوں نے استفادہ کیا اور اپنی شاعری کو آراستہ کیا اُن کا ذکر ضرور کیا ہے۔ لیکن اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ اُن کے لہجے میں ذرا بھی غرور یا فخر پیدا نہیں ہوا۔ البتہ واضح ہوتا ہے کہ انہیں اپنے ادبی مقام کا علم تھا۔ پھر بھی انہوں نے اسے تصوف کے رنگ میں پیش کیا۔ فرماتے ہیں:

عربی فارسی ہندی ترکی
جو ہم پڑھیں سو بانی ڈھرکی

صنعت تضاد یا طباق

اس کی دو قسمیں ہیں۔ (i) طباق ایجابی (ii) طباق سلبی

(i) طباق ایجابی: اس سے مراد یہ ہے کہ:

1- انتخاب گنج شریف ص160

''کلام میں دو متضاد لفظ لائے جائیں۔ خواہ دونوں اسم ہوں، خواہ فعل ہوں اور خواہ دونوں حرف ہوں۔ خواہ ایک اسم ہو اور دوسرا فعل۔ لیکن یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی ضد ہوں اور دونوں مثبت ہوں۔ یعنی یہ دونوں ایک مصدر سے مشتق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ دونوں کے مصدر جدا ہونگے۔ جیسے آیا گیا، بیٹھا اُٹھا، چڑھا اُترا، سویا جاگا وغیرہ۔''(1)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں یہ خوبی پوری آن بان کے ساتھ موجود ہے۔

حوالے کے طور پر چند شعر ملاحظہ فرمائیے:

ہر ہر موں اس کیا تجلّی — ظاہر باطن ایک ہے اللہ
اندر باہر آپ ہی آپ — آپے چِتا آپ ہی جاپ
آپے مرشد آپ ہی طالب — آپے بینا آپ ہی غالب
کوئی کہے سب کچھ ہے آپ — کیسا پُن اور کیسا پاپ (2)

ان اشعار میں ظاہر باطن، اندر باہر، بینا غالب، اور پُن پاپ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن مثبت ہیں۔

(ii) طباق سلبی: اس سے مراد یہ ہے کہ:

''کلام میں ایک ہی مصدر سے نکلے ہوئے دو فعل ایسے لائے جائیں کہ ان میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہو۔ جیسے اُٹھنا نہ اٹھنا، سونا نہ سونا وغیرہ۔''(3)

نوشہ صاحبؒ کے کلام میں سے اس کی مثالیں دیکھئے:

ہون نہ ہون اکٹھا نہیں پائیے — کیا کریئے کت پچھن جائیے (4)

1- اقبال کے صنائع بدائع ص80
2- انتخاب گنج شریف ص221.220
3- اقبال کے صنائع بدائع ص81
4- انتخاب گنج شریف ص229

دیو پری ، آدم کا حکم مانا　　　جس ناں مانا سوئی پچھتانا[1]

ان اشعار میں ہون نہ ہون ، مانا نہ مانا، ایک ہی مصدر سے مشتق دو فعل ہیں۔ ان میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہے۔

المختصر نوشہ صاحبؒ کا اردو کلام نہ صرف فکری بلکہ فنی اعتبار سے بھی قابل قدر اور سر آنکھوں پر رکھنے کے لائق ہے۔ اردو زبان اس پر جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے۔ کیونکہ اردو صوفیانہ شاعری میں جو خلا تھا اُسے نوشہ صاحبؒ کے کلام نے پورا کیا۔ انہوں نے اس صحرا میں تصوف کے جو رنگا رنگ پھول کھلائے ہیں اُن کی رنگت اور مہک نے صحرا کو گلستان میں بدل دیا ہے۔ اب اردو شاعری کا دامن صوفیانہ شاعری سے خالی نہیں رہا، بلکہ سدا مہکنے والے پھولوں سے بھر گیا ہے۔ آخر میں نوشہ صاحبؒ کے چند ایک ایسے اشعار پیش کئے جاتے ہیں جو معنوی اعتبار سے لافانی اور بے مثل ہیں۔ ان کو سہل ممتنع میں شمار کیا جا سکتا ہے:

جن کی آس اللہ پر تن کی اونچی آس [2]
نوشہ وہ ہی نیچ ہے جس کے دنیا پاس

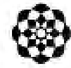
جس کو راکھے آپ خداؤ
تس نہ لاگے تتی باؤ [3]

مکھ موں حق کا نام ہو من موں حق کی یاد
ظاہر باطن کا تبھی نوشہ ہوئے سواد [4]



1- انتخاب گنج شریف　ص 235
2- انتخاب گنج شریف　ص 195
3- ایضاً　ص 235
4- ایضاً　ص 245

ضمیمہ جات



ضمیمہ نمبر 1

و اوستاد او بسعی حضرت شاه وضو میکند بعد از فراغ نماز اوستاد او
از حضرت شاه رخصت شد بعد از رخصت اوستاد از شاگرد پرسید
که چه دیدی او حقیقت سر گذشت پیش اوستاد ظاهر کرد که ایشان تمام
شب همراه ما یکجا بودند آن عزیز را معلوم شد که آنچه مرد [illegible]
آمده گفت معتقد حضرت شاه شد و مزار مدفن آنحضرت شاه سلیمان در
بهلوال که وطن شریف ایشان است شده لیکن چون درینجا مطلب
بیان حضرت شاه حاجی بود پس مذکور حضرت شاه را لازم ست که از دل
و جان پیش پیش از آن که بشارات شده چنان بوقت رخصت شاه
معروف چه صورت حضرت شاه نموده بودند و اکثر بشارت در خورد
سالی رو داده بیان نمودیم مفصل و احوال اشرف مشایخ زمان قدوم
اولیای جهان مخزن اسرار غیبیه و مطلع انوار لاریبیه دانای دقایق عرفان
واقف اسرار یزدان دلیل اهل حقیقت رهنمای سالکان طریقت محرم
حرم جمال مشاهد بزم وصال اعظم اولیای زمانی محی الدین ثانی فرد دین
دنیا با آبروی حضرت شاه حاجی محمد کهوکهر فی الحقیقت ذات شریف ایشان
از قوم کوکهرات و جالپ لیکن از بزرگان ایشان بوقت راج شهروار

تذکرہ نوشاہی مرتبہ حافظ محمد حیات مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر **5171**
کے صفحہ **57** کا عکس جس میں نوشہ صاحب کی ذات کھوکھر جالپ بتائی گئی ہے۔

ضمیمہ نمبر 2

جلال

نوشاہ

عمدہ صورت حضرت شاہ نوشہ ... نور بنا الفرش رات در خورد
سالی رو بداده میان تمام طالب نیز و هم ورد نشا و زاحوال اشرف
مشایخ زمان اقدام اولیا جهان فخر اسرار غیبی مطلع انوار لاریبی دانای
دقایق عرفان واقف اسرار یزدان دلیل اهل حقیقت راه نمای
سالکان طریقت محرم حریم شاهد بزم وصال اعظم اولیا ربانی محی الدین
ثانی در دین و دنیا بار روی حضرت شاه حاجی محمد ککهلو فی الحقیقت
ذات شریف ایشان از قوم کهوکهر جالب است لیکن کسی از بزرگان
ایشان بوقت راج و سرداری بسبب عشق مجازی بر دختر
ککهی فریفته شد و این کسب اختیار کرده بود و قبل ازین یک کس در
قبایل ایشان بزرگ شده آمده اند چنانچه عمک ایشان بابا شیخ
رحیم الدین بسیار عزیز الوجود بودند ایشان برادر خود حضرت
شاه علاء الدین و تسمی حضرت شاه بابت گفته بود که ای برادر
من می بینم که بخانه تو فرزندی شود که بادشاه دین گردد و تا آخر
دنیا و اوقات شیخ عبد الرحیم چو آن بود که اکثر ایشان خارق عادات
رو بداده اگر نویسم کلام طویل میشود چون وفات ایشان نزدیک
رسید وصیت کردند که قبر من در سر زمین خواهند کرد و تکیه
خواهم نمایند یک عناب که هندی بیر میگویند از آن زمین برنگ سبز

سنٹرل لائبریری بہاولپور میں موجود مرأۃ الغفور یہ مرقومہ 1191 ہجری کے صفحہ کا عکس جس میں نوشہ صاحب کی ذات کھوکھر جالپ درج ہے۔
(یہ کتاب ڈاکٹر معین نظامی نے مرتب کر کے شائع کر دی ہے)

ضمیمہ نمبر 3

[illegible]

تذکرہ نوشاہی مرتبہ حافظ محمد حیات کے خطی نسخہ مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر 6188 کے صفحہ 33 کا عکس جس میں واضح الفاظ میں درج کہ جب نوشہ صاحب لاہور تشریف لائے تو بادشاہ وقت شاہ جہاں لاہور میں تھا اور آپ کی ملاقات مسجد فرید بخاری میں شیخ عبدالوہاب سے ہوئی۔

[مسجد فرید بخاری 1015 سے 1020 ہجری کے درمیان تعمیر ہوئی]

ضمیمہ نمبر 4

وقت ولادت حضرت مبکو یدکه برکجا متولد شدند چون زمان مسجد نهاده شنیده

که ازمتتبع امتیع مفصر باید معارج النبوة فی ازضافه تبرجو امین الث فرا ف الاصفیا الی بنسانا

شفاعته و خلفائه نجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم صراط المستقیم بالرطابه و

اللابعته منهم من فضل النبی مجمل الدرایه و بعده آیه سلام سراج معرفته اہل

العبادیه ایدیهم بکرامات لا یعد و لا یحصی لاجل عدم النهایه پس ازدرود

نامعدود بر سید المرسلین و خاتم النبیین احمد مجتبی محمد مصطفی صلی الله علیه

وسلم بر رای عالم آرای شعرا صحاب ابحار حقایق و طلاحان اخبار دقایق

مخفی و محتجب نماند که جزوی چند نامرتب از خلیفه ابتدا شد و در خاتم انتها شد

از بسیاری کینکی اکثر عبارتش ریخته از تصنیف مرزا احمد بیگ لاهوری

که بیک واسطه منسلک این عروه وثقی و حبل متین آن قدوه الواصلین

و زبده الواصلین آن نوشاه دین گردیده چنانچه بعد ازین کیفیتش

مبین خواهد شد در مقام مناسب و سنه یکهزار و یکصد و چهل و شش

از هجرت النبی الامی با حقر از صرفات فقیر محمد حیات بن فضایل بنیاد نماند

تذکرہ نوشاہی مرتبہ حافظ محمد حیات مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر 6188 کے صفحہ 2 کا عکس جس میں اس کا سن تحریر 1146 ہجری درج ہے۔

ضمیمہ نمبر 5

[illegible]

تذکرہ نوشاہی مرتبہ حافظ محمد حیات مرقومہ 1180 ہجری
مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر 6188 کے آخری صفحہ کا عکس

ضمیمہ نمبر 6

بزرگان گفته اند بیت گنج قارون که فرو میرود از قهر هنوز خوانده
باشی که هم از غیرت درویشان است ٭ کرده خویش آید پیش چاه
کنده را چاه در پیش ٭ تمام شد خاتمه ثواقب المناقب مقامات حاجی
بادشاه که صاحب طبع عالی میان محمد ماه برادر زاده غنیمت کنجاهی
تصنیف کرده و دستخط فقیر حقیر پر تقصیر فاتر منش امام بخش معروف
بخلیفه دسوهه بندی ولد معز الدین مرحوم غفر الله ذنوبهم بپاس خاطر حضرت
حاجی حرمین الشریفین شیخ با صفا درویش پیر با صفا صادق سبیل الله
وعارف طریق بالله مقبول درگاه اله میان حاجی شیر شاه سلمه الله
بتاریخ هفتدهم شهر رمضان المبارک المعظم بوقت چاشت تحریر یافت
سنه ۱۲۳۳ هجری المقدس

ہر کہ خواند دعا طمع دارم
زانکہ من بندہ گنہ گارم

تذکرہ نوشاہی مرتبہ حافظ محمد حیات مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نمبر **5171** کے آخری ورق کا عکس۔

ضمیمہ نمبر 7

[illegible]
نسب نامہ حضرت نوشہ صاحب [illegible] حاجی محمد نوشہ اند ولد میان علاء الدین [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
شاہ [illegible] بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم
بن عبد مناف الی حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

H: 78

تذکرہ نوشاہی مذکور کے آخر پر درج نوشہ صاحب کا شجرہ نسب۔

ب الغرض یعنی کیفیت انتظام دیہی موضع پنن وال علاقہ جالپ پرگنہ پنڈدادنخان ضلع جہلم

مسل حقیت موضع پنن وال علاقہ جالپ کی نقل مالکان دیہہ آٹھویں پتی میں صاحب خاں کا نام موجود ہے۔ جونوشہ صاحب کے دادا کے دادا ہیں۔

ضمیمہ نمبر9

مغلیہ سرکار کی طرف سے موضع ٹھٹھہ عثمان اور بادشادہ پور فتا کے بارے میں فرمان کی نقل۔

ضمیمہ نمبر 10

نقل فرد جمع بندی رقبہ متعلقہ وقف دربار حضرت نوشہ گنج بخش

ENGLISH SECTION TODAY June 9, 1976



درگاہ حضرت نوشہ گنج بخش کے سجادہ نشین مقرر ہو گئے

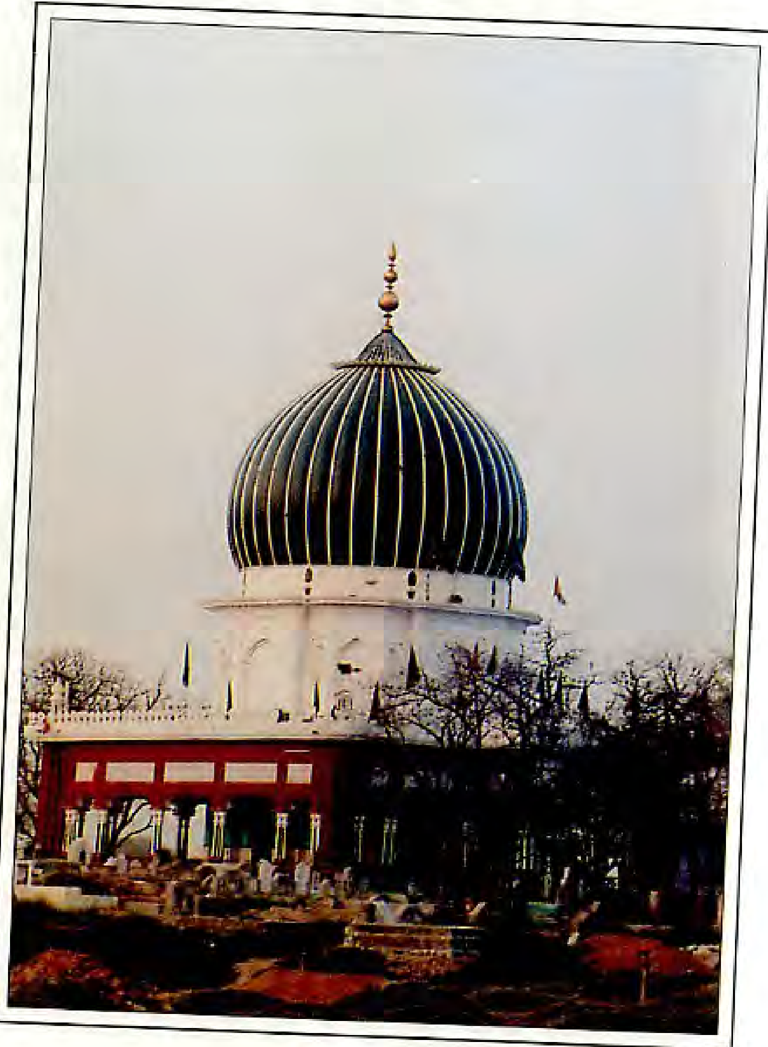
اعلیٰ حضرت شیخ حاجی محمد نوشہ گنج بخش کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کا شمار پاک و ہند کے جلیل القدر اولیائے کرام میں ہوتا ہے آپ کی تبلیغی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے آرنلڈ اپنی مشہور کتاب (پریچنگ آف اسلام) میں لکھتا ہے کہ پنجاب میں شیخ حاجی محمد نام کے ایک بزرگ گذرے ہیں جن کے نام پر دولاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی وفات ۱۰۹۲ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار رنمل شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے اخلاف میں دو بیٹے تھے، اول حضرت محمد برخوردار بحرالعشق اور دوم حضرت محمد ہاشم دریادل رح آپ کے دونوں بیٹوں ہی کی اولاد درگاہ عالیہ کی متولی ہے۔

گزشتہ سال عیدالفطر کے دن حضرت نوشہ گنج کے فرزند اصغر حضرت محمد ہاشم دریادل کی اولاد کا ایک متفقہ اجلاس ہوا جس میں دیگر مسائل کے علاوہ اس مسئلہ پر خاص توجہ دی گئی کہ اولاد محمد ہاشم دریادل کی طرف سے انتظامی اور تبلیغی امور کے لئے ایک باضابطہ سجادہ نشین مقرر کیا جانا چاہئے چنانچہ اتفاق رائے سے یہ طے پایا صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی جو آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں اور پہلے بھی دربار عالیہ قادریہ نوشاہیہ ستھنوی شریف ضلع جہلم کے موجودہ سجادہ نشین ہیں اور علمی و اخلاقی اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ان کو حضرت نوشہ گنج بخش کی درگاہ عالیہ کا سجادہ نشین مقرر کیا جائے۔ چنانچہ بروز بدھ مورخہ ۸ راکتوبر ۱۹۷۵ء مطابق ۲ رشوال ۱۳۹۵ھ بوقت ظہر نوشہ گنج بخش کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دستار بندی کی رسم ادا کی گئی اور اپنی طرف سے صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی خلف الرشید صاحبزادہ ہادی حسین نوشاہی کو درگاہ عالیہ کا سجادہ نشین مقرر کر دیا گیا ہے۔

المشتھر:- اولاد محمد ہاشم دریادل
فرزند اصغر حضرت نوشہ گنج بخش
رنمل شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

ضمیمہ نمبر 11

تصویری جھلکیاں



مزار اقدس حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا بیرونی منظر



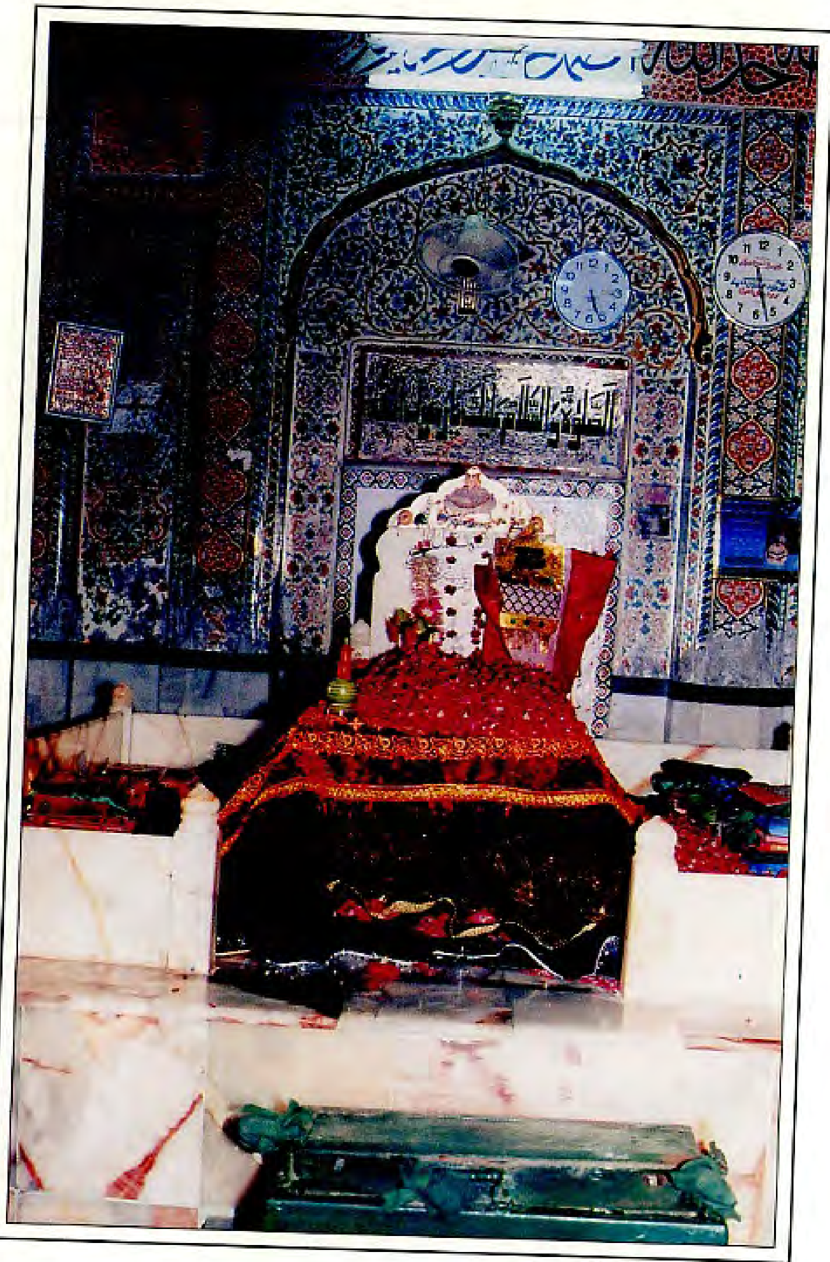
صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی درگاہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے سجادہ نشین مقرر ہو گئے

اعلیٰ حضرت شیخ حاجی محمد نوشہ گنج بخش کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں آپکا شمار پاک و ہند کے جلیل القدر اولیائے کرام میں ہوتا ہے آپ کی تبلیغی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے آرنلڈ اپنی مشہور کتاب پریچنگ آف اسلام میں لکھتا ہے کہ پنجاب میں شیخ حاجی محمد نام کے ایک بزرگ گذرے ہیں جن کے ہاتھ پر دو لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی وفات ۱۰۶۴ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار موضع رنمل شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ کے اخلاف میں دو بیٹے تھے اول حضرت محمد برخوردار بحر العشق اور دوم حضرت محمد ہاشم دریا دل۔ آپ کے دونوں بیٹوں ہی کی اولاد درگاہ عالیہ کی متولی ہے۔

امسال عید الفطر کے دن حضرت نوشہ گنج بخش کے فرزند اصغر حضرت محمد ہاشم دریا دل کی اولاد کا ایک متفقہ اجلاس ہوا جس میں دیگر مسائل کے علاوہ اس مسئلہ پر خاص توجہ دی گئی کہ اولاد محمد ہاشم دریا دل کی طرف سے انتظامی اور تبلیغی امور کے لئے ایک باقاعدہ سجادہ نشین مقرر کیا جانا چاہئے چنانچہ اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی جو آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں اور پہلے بھی دربار عالیہ قادریہ نوشاہیہ سنگھوئی شریف ضلع جہلم کے سجادہ نشین ہیں اور علمی و اخلاقی اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ان کو حضرت نوشہ گنج بخش کی درگاہ عالیہ کا سجادہ نشین مقرر کیا جائے۔ چنانچہ بروز بدھ مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء بمطابق ۲ شوال ۱۳۹۵ھ بوقت ظہر نوشہ گنج بخش کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دستار بندی کی رسم ادا کی گئی اور اپنی طرف سے صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی خلف الرشید صاحبزادہ ہادی حسین نوشاہی کو درگاہ عالیہ کا سجادہ نشین مقرر کر دیا گیا ہے۔

المشتہر

اولاد محمد ہاشم دریا دل فرزند اصغر حضرت نوشہ گنج بخش
رنمل شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات۔ (۲۶۱۹)



مزار اقدس حضرت نوشہ گنج بخشؒ کا اندرونی منظر



حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے مرشد حضرت سخی شاہ سلیمانؒ نوری حضوری

کا مزار پُرانوار (بھلوال)



حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے والد حضرت شیخ علاء الدین غازی کا
مزار اقدس (موضع گھگانوالی تحصیل پھالیہ)



حضرت نوشہ گنج بخشؒ کی والدہ ماجدہ کا مزار اقدس (موضع گھگانوالی)



موضع جاگوتارڑ کی مسجد جہاں حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے قرآن مجید حفظ کیا۔
کچھ عرصہ پہلے اس مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کیا گیا ہے۔



شاماں والا ڈیرہ (موضع پنن وال) حضرت داؤد حقانیؒ اور
حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے آباؤ اجداد کی یادگار

اشاریہ

شخصیات

آدمؑ، حضرت: 141,43

آرنلڈ پروفیسر: 434, 156,112,111

آفتاب بیگ، مرزا:156

ابراہیمؑ: 299,141

ابراہیم بن ادھم: 312,310

ابراہیم روحی، ملا: 109

ابراہیم فرید ثانی: 511

ابراہیم قطب شاہ: 218

ابراہیم، دیوان: 110,94

ابن الجلاء: 299

ابن القیم: 298

ابن خلدون: 303

ابن نشاطی: 219,218

ابوالحسن: 232

ابوالحسن بن محمد شیرازی: 299

ابوالحسن نوری: 200

ابوالعباس حسن، سید:42

ابوالفضل عباس علمدار شہید کربلا، امام: 4 2
47,44,

ابوالمعالی، شاہ: 109

ابوالہاشم: 306

ابوسعید: 232

ابوسعید مخزمی، قاضی:91

ابوسعید، شیخ: 49

ابوصالح، صوفی سید:37

ابوعلی باری: 304

ابوعلی دقاق: 411

ابوعلی فضیل بن عیاض خراسانی: 312

ابوعلی قزوینی: 299

ابومحمد الحریری: 200

ابو یوسف، امام: 180

ابوالحسن نوری: 298

ابوالحسن ہنکاری: 91

ابوالعباس قاسم بن المہدی: 328

ابوالفرج طرطوسی: 91

ابوالفضل: 471,337,334,333

ابوالقاسم حمزہ الاکبر، سید: 42

ابوالمعالی، شاہ: 194,62

ابوبکر بن ابواسحٰق: 313

ابوبکر شبلی: 91

ابوبکر صدیقؓ: 316

ابوبکر، ملا: 109
ابوریحان محمد بن البیرونی: 308
ابوسعید ابوالخیر: 314
ابونصر سراج: 312
اترائی سندھی: 231
احدالدین اکبر فانی: 309,308
احمد بیگ مرزا لاہوری: 83, 82, 70, 69
149, 148, 135, 130, 125,
253,245,165.
احمد جام: 185
احمد خاں جالپ، راجہ: 32
احمد دہلوی، شیخ: 109
احمد سرہندی نقشبندی، شیخ: 153
احمد علی چشتی، مولوی: 156
احمد گیلانی، سید: 90
اختر جعفری: 303
اختر کیرانوی، مرزا: 125,36
اختر گورگانی، مرزا: 157
اسالت خاتون: 27
اسحاقؑ: 299
اسد المحاسبی حارث: 306
اسماعیل: 48
اسماعیل امروہوی: 220
اسماعیل دہلوی، مولانا: 348,347,201
اسماعیل شیخ: 115
اشرف علی تھانوی: 303,201
اصغر علی گیلانی قادری، سید: 154
اعجاز الحق قدوسی: 157,125,81
افلاطون: 174
اقبال مجددی، پروفیسر: 132, 95, 40, 37
283.
اکبر شاہ: 166
اکبر، شہنشاہ: 495,471,189,167
البیرونی: 32
اللہ داد، شیخ: 115
اللہ دتہ: 60
امام اعظم: 179
امام الدین، شیخ: 137
امام باقر: 48,44
امام بخاری: 350
امام بخش جاموری، قاضی: 125
امام بخش چشتی نظامی، قاضی: 157
امام حسینؓ: 576,44
امام شرف الدین شوکانی: 200
امام غزالی: 313
امام قشیری: 313,298
امانت لکھنوی: 572
امانند دھیان پوری: 231
امتیاز الحق نوشاہی، صاحبزادہ: 140,124
امداد اللہ مہاجر مکی: 384,200
امیر خان: 136
امیر خسرو: 530, 529, 511, 510
534,531
انند پال، راجہ: 32
انور مختار صدیقی: 157
انوری: 314

انیس احمد فاروقی نقشبندی: 36
انیس احمد، مولوی: 125
اوتیل: 42
اورنگ خاں: 61
اویل: 42
ایبٹ سن: 54,53
ایلیٹ، کیپٹن: 127
ایوبؑ: 299
بابا فرید: 481
بابا لعل بیراگی: 231
بابا نانک: 511,235,231
بازید بسطامی: 357
باقی باللہ: 379
باقی باللہ، خواجہ: 117
بخت جمال: 231,165
بختیار کاکی: 353,320,108
بدرالدین اسماعیل: 36
بدھ سنگھ، بابا: 162
بدیع الزمان: 127
براؤن پروفیسر: 308
برخوردار شیخ: 121,62
برخوردار صاحب: 145, 141, 105, 66
248,165,149,
برق نوشاہی: 58, 56, 45, 43, 41, 37
95, 79, 74, 71, 68, 65, 59,
166, 142, 134, 131, 124,
211,170,169,168,
برہان الدین پیر، سید: 41
بلھے شاہ: 367, 325, 322, 315, 196
385,
بندہ نواز گیسو دراز: 416,314,192
بہاالدین زکریا: 320,48
بہاءالدین: 61
بہلول دریائی: 355
بھرتہ: 42
بھگت کبیر: 230
بی بی جیونی: 27
بیجو باورا: 495
بیچارہ: 218
پایہ تخت (پہلوان): 251
پنجائن خاں: 60
پنجن خاں: 61,60
پنڈت کاچر: 443
پنن خان: 32
پیٹر: 434
پیر بخش جالپ: 33,32
پیر بھولا: 132
پیر تاج الدین: 508
پیر شہاب الدین: 508
پیر صالح شاہ: 208
پیر کمال لاہوری: 147,137,121
پیر محمد سچیار: 145, 142, 138, 113
170, 168, 166, 152, 146,
231, 208, 197, 174, 172,
262, 261, 260, 253, 232,
265,264,263,

تاتارخاں: 533
تاج محمود، شیخ: 113,93
تاج محمود، شیخ: 101
تان سین: 495
تحسین: 219
ثفیان ثوری: 313
جالب: 42
جالینوس: 174
جعفر، سعید: 42
جلال: 42
جلال الدین: 229,61
جلال الدین اسحاق، سید: 41
جلال الدین حسین شیرازی: 40 , 36,28
155,41,
جلال الدین رومی: 314
جلال الدین سلطان شاہ، سید: 41
جلال الدین گوہر علی، سید: 41
جمال اللہ، شیخ: 149,141,104
جمیل جالبی، ڈاکٹر: 209
جنید بغدادی: 305, 299, 230, 91
411,328, 306,
جنیدی: 219
جہانگیر: 472,471,72
جیون سائیں: 40
چاؤ: 60
چنچو: 60
حاجی بابارتن: 509
حاجی گلگو: 35,28
حاجی محمد: 78,75,28
حافظ برخوردار: 448
حافظ شیرازی: 314
حافظ قائم الدین: 232
حافظ محمود شیرانی: 539
حافظ معموری: 62
حامد اللہ افسر: 220
حبیب عجمی: 232,91
حسام الدین مولانا: 260,110
حسن بصری: 232,91
حسن خان: 61, 60
حسن کبیر حسن: 508
حسنین ہیکل پاشا: 311
حسوتارڑ، میاں: 93
حسین بن منصور: 328
حضرت فاطمہ: 220
حضرت نوشہ گنج بخشؒ (نوشہ قادری، حاجی نوشہ، نوشہ صاحب، نوشہ گنج بخش): 31 , 27
39, 38, 37, 36, 35, 34, 33, 32,
59, 58, 57, 56, 43, 42, 41, 40,
73, 70, 66, 65, 64, 63, 62, 61,
85, 84, 82, 80, 79, 76, 75, 74,
97, 96, 95, 93, 91, 90, 89, 88,
110, 105, 101, 100, 99, 98,
119, 118, 117, 115, 113, 112,
127, 124, 123, 122, 121, 120,
134, 132, 131, 130, 129, 128,
141, 139, 138, 137, 136, 135,

147, 146, 145, 144, 143, 142,
155, 154, 153, 152, 151, 150,
161, 160, 159, 158, 157, 156,
170, 168, 166, 165, 164, 163,
176, 175, 174, 173, 172, 171,
183, 182, 180, 179, 178, 177,
193, 188, 187, 186, 185, 184,
202, 201, 200, 196, 195, 194,
210, 209, 208, 207, 206, 204,
221, 220, 217, 214, 213, 212,
236, 234, 232, 231, 224, 222,
244, 243, 242, 241, 240, 237,
253, 251, 249, 247, 246, 245,
275, 272, 270, 269, 260, 255,
283, 282, 280, 279, 278, 277,
314, 293, 290, 288, 287, 284,
332, 326, 325, 324, 323, 320,
343, 342, 341, 340, 339, 337,
358, 357, 356, 346, 345, 344,
364, 363, 362, 361, 360, 359,
390, 389, 387, 367, 366, 365,
403, 402, 398, 397, 394, 391,
413, 412, 410, 409, 408, 404,
421, 419, 418, 417, 416, 414,
430, 429, 428, 427, 426, 425,
441, 439, 438, 437, 433, 432,
449, 448, 447, 445, 444, 442,
461, 459, 458, 455, 454, 451,
469, 468, 467, 466, 464, 462,
479, 478, 477, 476, 475, 473,
492, 491, 485, 483, 482, 481,
504, 503, 502, 496, 495, 493,
514, 513, 512, 507, 506, 505,
527, 526, 525, 524, 516, 515,
541, 538, 536, 535, 533, 528,
549, 548, 547, 546, 545, 542,
557, 554, 553, 552, 551, 550,
565, 564, 563, 561, 560, 559,
576, 575, 573, 571, 570, 567,
584, 583, 582, 581, 579, 577,
590, 589, 588, 587, 586, 585,
592,591,
حکیم سنائی: 314
حمزہ ثانی، سید: 41
حمید الدین ناگوری: 320
حمید اللہ ہاشمی: 65
حنیف امام: 44
حیدر جنگ: 230
حیدر علی آتش: 449
خاقانی: 314
خان آرزو: 314
خضر حیات: 33,32
خلیق نظامی: 319, 313,300
خورشید احمد خان: 260,229,208,207
خوشی محمد کنجاہی، قاضی: 120, 119, 114
165,

داتا گنج بخش علی ہجویری: 108 , 85 , 48
398,352,
داؤد حقانی: 33
داؤد طائی: 232,91
داؤد قیصری: 76
دنگ خاں: 60
دولو محمد سعید: 150,149
دین محمد مولوی: 208,125,66
دیوان امرناتھ اکبری: 443
دیوان دیناناتھ: 443
دیوان فائز: 220,218
دیوان گنگارام: 443
ڈاکٹر موہن سنگھ: 306
ڈاکٹر مہر عبدالحق: 220
ذوالنون مصری: 411,304,299
رابعہ بصری: 411
راجہ بھگوان داس: 495
راجہ ریاست علی خان: 33
راجہ شفقت محمود: 33
راجہ لہراسپ خان: 33
رام دی: 60
رحم الدین: 60
رحمان: 60
رحمت اللہ: 149,141
رحیم الدین: 241,78,76,61,32,29
رحیم داد، شیخ: 113,101,93
رضی الدین، قاضی: 165,89
رنجیت سنگھ، مہاراجہ: 250,163,162,137,32
روم، مولانا: 352,351,192
زکریا انصاری: 298
زکریا خان بہادر، نواب: 153
زکریاؑ: 299
زمان علی: 54,44,41
زین العابدینؓ: 44
زینب، بی بی: 53
ساندر: 42
سائرہ خاتون: 141
ساہن: 42
سٹنڈل: 435
سجن: 42
سخی شاہ سلیمان نوری: 76, 74, 68, 40, 37
144, 113, 110, 90, 89, 88, 78,
231, 226, 214, 210, 158, 155,
265,253,245,244,237,233,
سدھاون: 60
سر لیپل گرفن: 229
سردار علی خان، رائے: 32
سردار مہاں سنگھ: 30
سر سید احمد خاں: 429
سرفراز حسین قاضی ڈاکٹر: 355
سری سقطی، شیخ: 91
سعد اللہ خاں، نواب: 120, 119, 105
248,149,141,121,
سعدی: 314,174
سعی (محمد سعید دولا): 148,61
سعید الدین سکندر شاہ، سید: 41

سعید خان بہادر ظفر جنگ ہزاری، نواب: 97,96
سعید محمد: 149
سلطان: 60,42
سلطان باہو: 213, 196, 194, 110
362, 358, 357, 332, 314,
481, 407,385,
سلطان خاں: 61
سلطان محمد: 141
سلطان محمود غزنوی: 52, 51, 44, 33, 32
53,
سلیمان: 453
سلیمان چدھڑ: 110,94
سنگین خان: 61,42,34
سہل بن عبداللہ تستری: 304
سید احمد: 232, 37
سید حسن شاہ گیلانی قادری لاہوری: 28
سید شاہ ہاشم: 535
سید عبداللہ: 128
سید عبداللہ ڈاکٹر: 555,443,435
سید علی: 232
سید محمد جونپوری: 551
سید محمد غوث: 28
سید مسعود: 232
سیفو: 60
شادی خاں: 61
شاہ ابوالمعالی: 352
شاہ امانت: 232, 231
شاہ امین: 42
شاہ جہاں: 539
شاہ حسام الدین: 93
شاہ حسین لاہوری: 230, 213, 109, 93
338,355, 325, 321, 314,
481, 407, 401, 385, 357,
495,483,482,
شاہ دولا دریائی: 109,93
شاہ شمس سبزواری: 508
شاہ عالم: 535,534
شاہ عبدالعزیز: 200
شاہ عبدالعزیز محدث: 383
شاہ عبدالغفور جالندھری: 230
شاہ علی: 37
شاہ علی جیو گام دھنی: 535,534
شاہ غفور: 232
شاہ فتاح دیوان: 115,111
شاہ کور: 42
شاہ مبارک: 265,232,231,40
شاہ محمد: 37
شاہ محمد المعروف شہنشاہ، سید: 41
شاہ محمد ذوقی: 424
شاہ محمد شہید رہتاس، سید: 138
شاہ محمد غوث گیلانی، سید: 117,90
شاہ محمد، سید: 111
شاہ محمد، شہید: 114,111
شاہ محمود: 232
شاہ مراد: 477
شاہ معروف خوشابی: 90, 89, 76, 37

231,147,

شاہ میر: 232

شاہ میر گیلانی، سید: 90

شاہ نعمت اللہ نقشبندی: 153

شاہ ولی اللہ: 351,347

شاہجہان: 218, 122, 121, 119

248,

شبلی نعمانی، مولانا: 232,201

شجاع الدین، پروفیسر: 227

شرافت نوشاہی: 43, 41, 40, 37, 36

71, 68, 67, 65, 59, 58, 49, 45,

127, 124, 96, 95, 88, 79, 74,

142, 140, 133, 132, 131, 128,

169, 168, 167, 166, 150, 144,

233, 230, 211, 206, 205, 170,

296,295,294,293,286,

شرف الدین عمر الفارس: 308

شریف: 60

شریف احمد مراد سہروردی، شاہ: 157,99,27

شریف خوارزمی، سید: 110

شمس الدین سنگی، سید: 41

شمس الدین گیلانی، سید: 90

شمس تبریزی: 752

شمشیر خان: 137,61

شمیم چوہدری: 162

شوپنہار: 435, 399

شہاب الدین سہروردی: 351,313

شہاب الدین غوری، سلطان: 48

شہنشاہ اکبر: 517,469,336,335,333

شیخ ابوبکر اکلاباذی: 309

شیخ چاند: 220

شیخ حقو (عبدالحق): 79

شیخ خوب محمد چشتی: 535

شیخ خوشی محمد: 535

شیخ شہاب الدین سہروردی: 298

شیخ عبداللہ مفتی: 27

شیخ عبدالوحد بن زید: 298

شیخ محمد بن قصاب: 301

شیخ محمد تقی: 114

شیخ وجیہ الدین احمد علوی: 535,534

شیر باز خاں: 61

شیر محمد: 141

شیر محمد اعوان، ملک: 55

شیر محمد شرقپوری، میاں: 154

صابر کلیری: 108

صاحب خان: 61,34

صالح پیغمبر: 290

صالح کشمیری، حاجی: 109

صالح محمد: 113,39,37

صداقت کنجاہی، علامہ: 41,39

صداقت نوشاہی: 85

صدرالدین، میاں: 143,142

صدرالدین، شیخ: 113

صدر دیوان، شاہ: 114

صفی الدین سید: 232

صفی اللہ، سید: 37

طالب: 218

طاہر خاں: 61

طاہر کشمیری، حافظ: 115

طاہر، میاں: 110,93

طاہر، حافظ: 111

طبعی: 218

طیار، سید: 41

ظفر خاں صوبیدار: 533

ظہور الدین احمد ڈاکٹر: 357,352

ظہور الدین حاتم: 314

عارف عبدالمتین: 477

عبدالاول، سید: 41

عبدالحق تجن، سید: 41

عبدالحق محدث دہلوی، شیخ: 152,109,72

عبدالحکیم سیالکوٹی، مُلا: 165,116

عبدالرحمان پاک، شاہ: 149,113

عبدالرحمٰن بخاری، شاہ: 110,94

عبدالرحمٰن جامی: 37

عبدالرحیم: 65

عبدالرحیم خان خاناں: 495

عبدالرحیم، شیخ: 126

عبدالرسول: 150,149,141,61

عبدالرشید خواجہ: 157,132

عبدالسلام چشتی: 251

عبدالسلام صوفی، سید: 90

عبدالسلام ندوی: 449

عبدالسلام، شاہ: 110,94

عبدالسلام، شیخ: 151

عبدالصمد، سید: 41

عبدالعزیز المشہور پیر مکی: 108

عبدالعلی: 43

عبدالغفور: 231

عبدالغفور قریشی: 65,36

عبدالغفور ملا: 109

عبدالغنی، شیخ: 109

عبدالقادر بدالونی: 334

عبدالقادر جیلانی: 76, 52, 50, 47, 37

313, 192, 155, 91, 85, 77,

469,351,

عبداللہ انصاری، حکیم: 229

عبداللہ بن مسعود: 395

عبداللہ درویش نوشاہی لاہوری: 137

عبداللہ ذاکر، سید: 41

عبداللہ ربانی، سید: 36

عبداللہ عبدی: 481

عبداللہ قطب شاہ: 218

عبداللہ مجذوب بخاری، سید: 115

عبدالواحد: 232

عبدالواحد تمیمی، شیخ: 91

عبدالوہاب: 232

عبدالوہاب شیخ: 152,85

عبدالوہاب قادری: 85,74

عبدالوہاب گیلانی، سید: 90

عبدالوہاب متقی: 73,72,71

عبدالوہاب، سید: 37

عبیداللہ احراری، خواجہ: 154,153

محبت حسین اعوان، ملک: 46
محبوب حسین نوشاہی، صاحبزادہ: 138,62,32
150,139,
محمد اسحٰق بن لیا: 307
محمد اشرف مجری، مولوی: 92, 75, 39, 30
143,124,
محمد اعظم بیگ، مرزا: 156
محمد افضل: 33
محمد اکبر: 33
محمد اکرام شیخ: 336
محمد باقر ڈاکٹر: 352
محمد بن علی بن الحسین ابن علی بن ابی طالب: 299
محمد بن قاسم: 507
محمد حسن ڈاکٹر: 433
محمد حسین تیجی ایرانی: 158
محمد حیات برخورداری، شیخ: 130, 59,67,39
محمد حیات حافظ: 72
محمد حیات شرقپوری، شیخ: 208,128,124
محمد حیات، شیخ: 85,80,69,41,38
محمد رسول اللہ ﷺ: (رسول اکرمؐ، حضور اکرمؐ، حضرت محمدؐ): 222, 106, 191, 91
298, 291, 264, 228, 227, 226,
333, 317, 316, 311, 306, 305,
410, 406, 373, 349, 346, 335,
478, 470, 469, 461, 425, 415,
553,490,
محمد سلام اللہ شائق حنفی، مولوی: 156
محمد سلیمان: 61
محمد شاہ: 534
محمد شاہ بخت مند، سید: 41
محمد غوث گیلانی اچی، سید: 36
محمد ماہ صداقت کنجاہی: 69, 59, 29, 28
254,246,149,116,
محمد معموری، حافظ: 114
محمود شاہ المعروف پیر جالب، سید: 41
محمود شبستری: 314
محمود شیرانی، حافظ: 284,209,208
محی الدین ابن عربی: 377,310,308,313
382,380,378,
مرتضٰی خاں: 72
مرتعش: 299
مرزا غالب: 429
مرزا غلام احمد بیگ: 68,67
مرزا محمد: 38
مستنصر باللہ: 508
مسعود حسن رضوی: 220
مسعود حسن شہاب دہلوی: 158
مسعود گیلانی، سید: 90
مسعود، سید: 37
مسکین قلندر، شاہ: 110,94
مصر بیلی رام: 443
مصطفےٰ سرہندی، حاجی: 109
مظہر مرزا جان جاناں: 314
معروف بھکری، شیخ: 73
معروف کرخی، شیخ: 230,91
معز الدین، سید: 41

معموری، حافظ: 141
معین الدین چشتی: 320, 316, 108, 48
354,253,352,333,
مقبول محمد: 208
ملا گجر حامد: 109
ملک عزت: 42
مناف: 42
مندو: 42
منشی دیا رام: 443
موج دین: 42
موسیٰؑ: 526,453,299,288
موسیٰ لدھیانوی: 477
مولا بخش کشتہ: 162
مولانا جامی: 309, 306
مولوی دلپذیر: 477
مولوی عبدالحق: 537
مومن: 218
مومن خاں: 569,314
موہن سنگھ پروفیسر: 346,317,315,307
موہن سنگھ جوبل: 306
موہن سنگھ دیوانہ: 529,510,162,159
مہدی کھمہار: 34
مہا چوہدری: 96
میاں محمد بخش: 386 368,315,199,159
میاں مہر: 316
میاں میر، قادری: 152,109,108,85
میاں ننھا: 109
میاں ہدایت اللہ: 62
میر حسن: 528
میر تقی میر: 314,220
میر درد: 314,189
میر قطب حیدر: 44
میر مرتضٰی نواب: 129
میراں حسین زنجانی: 316,108
میراں سید شریف خوازمی: 93
میہاں (معین): 60
مُلا شاہ بدخشی: 194,109
مُلا عبداللہ سلطانپوری: 333
مُلا عبدالنبی: 333
مُلا قطبی: 218
مُلا مبارک ناگوری: 333
ناصر علی خاں، چوہدری: 32
نانک مجذوب، شیخ: 115
نصرت اللہ: 149,141
نظام الدین اولیاء: 510,313,118,108
نعمت اللہ سرہندی، حاجی: 109,37
نعمت اللہ نوشہ گنج بخش: 28
نواب خان بہادر اصراری، خواجہ: 153
نواب علی، پیر: 208,30
نواب گاموں خاں: 477
نوحؑ: 453
نور احمد چشتی، مولوی: 125, 84, 78, 30
155,
نور الدین مولوی: 53,48,47,44
نور اللہ چشتی، مولوی: 131
نور محمد: 37

نور محمد سیالکوٹی، میاں: 114,100,39
نوشہ ثانی: 265,252
نوشیر سندھی: 230
نیاز علی خان امرتسری، مولوی: 125
نیوٹن: 433
نیومن: 435
وارث شاہ: 315,213,212,197,30
443,386,367,
وانکلی، لیفٹیننٹ کرنل: 56
وحید قریشی، ڈاکٹر: 116
وریال: 110
ولی دکنی: 537,314,219
ہاشم دریادل: 144,142,141,112,61
164,150,149,148,147,
167,166,165,
ہاشم شاہ: 325,315,262,198
ہاشم شاہ تھرپالوی: 162,161
ہاشم شاہ علوی: 46
ہانسی: 108
ہڈسن: 435
ہری کشن کول: 52
ہمو: 60
ہندال قوال: 496
ہونڈا: 42
ہیبت شاہ: 149,141
یحییٰ: 299
یعلیٰ قاسم، سید: 41
شاہ دادن: 42
غلام محی الدین، میرپوری: 209, 206
215,211,
شیخو: 60
شاہ معروف: 232
صالح محمد گیلانی، سید: 165

کُتب

آکھیا بابا فرید نے: 320
احکام الصلوٰۃ: 219
احیاء العلوم: 313
اخبار مکہ: 313
اخلاق جلالی: 443
اخلاق محسنی: 443
اذکار نوشاہیہ: 132,124
اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 303
اسرار طریقت: 194
اسرار طریقت: 28
اقبال کے صنائع: 582
الجامع الصغیر: 313
الجامع الکبیر فی الفقہ والاختلاف: 313
انتخاب گنج شریف: 160,124
انساب الاقوام: 55
انسائیکلو پیڈیا فیروز سنز: 158
انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا: 436
انوار نوشاہیہ: 132,124
انیس الواصلین: 125
باب الاعوان: 47,46,45
باراں ماہ: 163

باغ اولیائے ہند: 125
بوستان قلندری: 443
بہار دانش: 443
بہرام وگل اندام: 219
بیاض ہاشم: 163
بیاض نانک: 64
پرکھ پڑچول: 477
پنج گرنتھی: 163
پنجاب میں اُردو: 538
پھول بن: 219
تاریخ الاعوان: 55,46
تاریخ لاہور: 158
تاریخ مشائخ چشت: 300
تحائف قدسیہ: 90,77,64,63,28
147,145,137,119,102,
248,206,150,149,
تحفۃ الاسرار: 125
تحفۃ القادریہ: 194,62
تحقیق الاعوان: 53,51
تحقیقات چشتی: 125
تذکرہ اولیائے ہند: 125,28
تذکرہ نوشاہی: 63, 59, 57, 39, 42, 28
77,75,74,70,69,68,67,64,
90,88,86,85,84,83,81,79,
124,120,119,104,102,98,
131,130,127,126,125,
142,141,134,133,132,
206,150,149,148,143,
248,247,
تذکرہ نوشہ گنج بخشؒ: 132
تذکرۃ الفقراء: 125
ترانہ موسیقار: 503
ترمذی شریف: 193
تعرف: 313
تعلیل میزان: 443
ٹرائبز اینڈ کاسٹس آف دی پنجاب: 53
ثواقب المناقب: 70,69,63,59,39,28
125,119,116,102,90,77,74,
133,132,131,130,129,127,
248,206,149,144,
جواہر اسرار الہیہ: 535
جواہر مکنون یا اسرار و معارف: 295,161
چہار بہار: 167,166,164,163,160
256,193,174,172,171,170,
چہارم مقالہ: 443
حدیقۃ الاسرار: 125
حیرۃ الفقہ: 443
خزائن الاسرار: 167
خزینۃ الاصفیاء: 124,68
خلاصۃ الانساب: 46
خمسہ نظامی: 443
دوہڑے: 163
دیوان حافظ: 443
دیوان ہاشم: 163
ڈیوڑھے: 163
ذخائر الجواہر یا ارشادات نوشاہیہ: 293,161
ذکر نوشہ: 124

راج بنسی: 163
رازق باری: 443
رباعیات ملا شاہ: 194
رسالہ الاعجاز: 134, 125, 69, 67
206,165, 149, 148,
رسالہ حمد ونعت: 194
رسالہ شاہیہ: 194
رسالہ شوقیہ: 194
رسالہ قشیریہ: 313, 298
رسالہ مرشد: 194
رسالہ نسبت: 194
رسالہ ولولہ: 194
رسالہ ہوش: 194
زادالاعوان: 47,46,45
زبدۃ الرسل: 163
زعفران زار: 194
زمزمہ نوشاہی: 208
زُبدہ: 443
سبیل سلسبیل: 208,125
سرِ دلبراں: 424
سفینۃ الاولیا: 299
سوانح شاہ محمد غوث: 125
سی حرفیاں: 163
سیف الملوک: 219
شاہجہاں نامہ: 128,119,97
شاہنامہ: 443
شجرۃ الانوار: 154
شریف التوارخ: 150,132,124,76
شعرائے پنجاب، تذکرہ: 132
صحیح بخاری: 392
صرف بہائی: 443
صرف میر: 443
صوفیائے پنجاب: 125,81
طبقات الصوفیہ: 313
طوطی نامہ: 443, 219
عبرت نامہ: 154
عرس اور میلے: 125
علی نامہ مثنوی: 219
عمدۃ التواریخ: 443
عوارف المعارف: 298
غزلیات: 163
غنیۃ الطالبین: 313
غنچہ راگ: 503
مفتاح العارفین: 194
فتاویٰ برہنہ: 443
فتوح الغیب: 313,305
فصوص الحکم: 377,313,308
فقر نامہ: 163
فقیر غلام محی الدین: 132
فوائد الفوائد: 313
فیض القادریہ: 132
قران السعدین: 443
قربیہ رسالہ: 219
قرآن پاک: 288, 223, 190, 184
438,
قصائد: 163

قصہ رضوان شاہ: 219
قصہ سسی پنوں: 163
قصہ سوہنی مہینوال: 163
قصہ شیریں فرہاد: 163
قصہ کامروپ: 219
قصہ لیلیٰ مجنوں: 163
قصہ محمود شاہ غزنوی: 163
قصہ ہیر رانجھا: 443,163
کافیاں: 163
کتاب الفرائض: 313
کتاب اللمع: 313
کتاب الہند: 32
کشف المحجوب: 300,298
کشکول نوشاہی: 231 , 234 , 208
266,264,255,254,248,
کلمات طیبات یا ملفوظات نوشاہیہ: 294,161
کلیات ملا شاہ: 194
کلیات ہاشم: 163
کلید التوحید: 194
کنز الانواع: 433
کنز الرحمت: 90, 77, 64, 42, 30,28
144, 143, 124, 119, 102, 98,
248,247,206,
گلدستہ باغ ارم: 194
گلزار فقر: 221,215,214,208
گلزار نوشاہی: 208,128,125,124
گلستان: 443
گلشنِ مشاہیر: 125
گنج الاسرار: 204, 160, 132, 124
209, 208, 207, 206, 205,
215, 214, 213, 212, 211,
457,456, 227,217,
گنج تاریخ: 125
گنج شریف: 230, 224, 160, 124
264, 259, 255, 239, 238,
282, 281, 276, 266, 265,
285,284,
گنجینۂ سروری: 125
گیان مالا: 163
لطائف الاشارات: 295,161
لطائف گل شاہی: 207,141,27
لوائح جامی: 314
ماہ پیکر: 219
مثنوی مولانا روم: 443
مثنوی ہاشم شاہ: 163
مثنوی یوسف زلیخا: 163
مجموعہ سلطانیاں: 443
مجموعہ وظائف قادری نوشاہی: 208
محبت الاسرار: 194
مدارج السالکین: 298
مراۃ الغفوریہ: 90,89,77,74
مرزا صاحباں: 448
مسعودیاں: 443
مشکوۃ شریف: 395,392
معارج النبوۃ: 443
معارف تصوف: 296,161

معجزہ انار مثنوی:220
معدن الموسیقی:503
مقصود المراد: 535
ملفوظات نوشہ گنج بخش:164
من لگن: 219
مناجات، مدحیات:163
مناقب نوشاہی:124,102,99
مناقباتِ نوشاہی: 77
منشات: 443
منطق الطیر: 443
مواعظ نوشہ: 507,285,160
مونسِ جان: 194
میزانِ قطبی: 47,46,45
میزانِ ہاشمی: 46,45
نسب نامہ سادات:85,28
نورنہال قادری:125
واحد باری: 443
وجودیہ رسالہ: 219
وفات نامہ حضرت فاطمہؓ:220
ہشت محفل: 194
ہفتاد اولیاء: 125
یوسف زلیخا: 443,219

مقامات

آزاد کشمیر: 211
آ کی: 440
آگرہ: 109
اجمیر: 108
احمد نگر: 217
ادو/ادووال، موضع: 60
اسکھب، موضع: 136
افغانستان: 111
امرتسر: 162
بادشاہ پور، موضع: 122
بریڈفورڈ انگلستان: 138,117
بغداد: 154,139,86,49,44
بوسال: 440
بھاٹی گیٹ: 140
بھچر: 440
بھڑی پاک رحمٰن: 138, 132
بھلوال: 439, 155,144,91,89,74
بیجاپور: 217,82
پانڈووال: 440
پاہڑیانوالی: 440
پکا موسیٰ: 440
پنجاب: 116, 86, 85, 58, 53, 52
156, 155, 134, 133, 123,
439, 208,172,157,
پنجاب یونیورسٹی: 303
پنڈ دادن خان: 275,62,60,34,32,31
پنن وال: 57, 36, 35, 34, 33, 32
241,240,62,60,59,
پوٹھوہار: 111
پھالیہ: 135, 134, 57 , 30, 29
439,267,
تخت ہزارہ: 110, 93

تھرپال، موضع: 162
ٹھٹھہ عثمان، موضع: 188
جاگوتارڑ، موضع: 110,93, 78
جلالپور جٹاں: 132
جہلم: 138, 62, 34, 33, 32, 31
439, 275,
جھنگ: 522, 292, 110
چناب، دریا: 137,131,160,86
چونیاں: 229
چوہڑ ماجرہ: 138
چھموں سہنا: 440
خانقاہ حضرت سچیار: 131
دہلی: 153, 109, 96, 73,72
533, 208,
دھریالہ جالپ: 60
دیوکلاں، موضع: 162
ڈھنگوال، موضع: 60
ڈیرہ سعید خان: 96
ڈیرہ غازی خاں: 522, 292
رام دیانہ، موضع: 61,60,59
رتو ملکے آل: 440
رسول نگر: 141, 137
رنمل شریف، موضع: 97, 62, 59, 57
150,137,135,134,
ساہنپال، موضع: 98, 97, 96, 95, 59
166, 137, 131, 130, 129,
253,
سرگودھا: 522, 292,155,62,60
سرہند: 109
سندھ: 49
سنگھوئی: 140,138,62,32
سیالکوٹ: 439,109
سکھا: 440
شاماں والا دیرہ: 33
شاہپور: 155,62,60
شماری: 440
شورکوٹ: 110
شیخوپورہ: 132
شیرپور: 32
عرب: 49
عیدل: 440
غزنی: 44
فارس: 49,44
فیصل آباد: 138
قادر آباد: 440, 30
قلعہ قندھار: 121
قندھار: 119,111
کابل: 96
کالووال: 61,60
کڑیالہ قبرستان: 35
کشمیر: 137,111, 109
کلانور: 109
کوٹ نور محمد: 141
کوف: 306
کھارا مانکلاں:110,93
کیلیانوالہ: 251,151,110,44

گجرات: 62, 58. 57, 30, 29, 27
131,124,109, 95,93,72,
166,158,135,134,133,
534,533,439,271,267,
گوجرانوالہ: 439,138,136
گولکنڈہ: 219,218,217
گھگانوالی: 35, 34, 32, 31, 30,29
240, 91, 86, 84, 59, 57, 45,
267,
گھوگہ کھوکھر، چک: 110, 94
لاہور: 109, 108, 82, 75, 73, 72, 70
285,229, 206, 158,
لورلورایا: 30
مانگٹ: 440
مانو چک: 440
مدینہ شریف: 162,108
مزار پاک رحمٰن: 132
مسجد فرید بخاری: 152,85,73,72,71
مسیور: 440
مصر: 49
مکہ مکرمہ: 229,72
مگھووال: 109, 93
ملتان: 522, 292
ملکوال: 61,32
منڈی بہاء الدین: 440,267,57
مہڈ، پرگنہ: 61,60
میانوالی: 440
میانہ گوندل: 440
میرپور: 208
نجف اشرف: 229
نندناں،قلعہ: 32
نوشہ پور، موضع: 140
نوشہرہ: 137, 131
نوشہرہ تارڑاں: 96, 95, 94, 93,86, 84
440, 245, 130,101,
ورپال: 94
ہندوستان: 109,108,53,52,50
ہیلاں: 440,114, 27

کتابیات

پنجابی

- اختر امان جعفری، ڈاکٹر: میاں محمد بخش حیاتی تے شاعری مقالہ پی ایچ-ڈی دانشگاہ پنجاب 1980ء
- اشرف مچھری: کنزالرحمت؛ پنجابی ترجمہ حبیب اللہ،فضل دین چنن دین اینڈ سنز لاہور س ن
- اقبال صلاح الدین: لعلاں دی پنڈ؛عزیز بک ڈپو اردو بازار لاہور 1973ء
- بابابدھ سنگھ: پریم کہانی؛ پنجاب پریس لاہور 1923ء
- خواجہ غلام فرید: کلیات خواجہ فرید؛ پنجابی ریسرچ اکیڈمی لاہور 1974ء
- دین محمد مولوی: باغ اولیائے ہند؛محمد معظم محمد اعظم تاجران کتب لاہور 1928ء
- دیوانہ موہن سنگھ، ڈاکٹر: پنجابی زبان دی مختصر تاریخ؛ ماڈرن پبلیکیشنز لاہور س ن
- سرفراز حسین قاضی، ڈاکٹر: تصوف تے پنجابی دے صوفی شاعر؛عزیز بک ڈپو لاہور 1973ء
- سلطان الطاف علی: (مرتب) ابیات باہو؛مجلس سلطان باہو لاہور 1975ء
- شاہ حسین: کافیاں شاہ حسین؛مجلس شاہ حسین لاہور 1979ء
- عارف عبدالمتین: پرکھ پڑچول؛ جدید ناشرین لاہور 1979ء
- عبدالغفور قریشی: پنجابی ادبی دی کہانی؛عزیز بک ڈپو لاہور 1972ء
- علی حیدر: کُلیات علی حیدر؛ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور 1963ء
- علی عباس جلالپوری: وحدۃ الوجود تے پنجابی شاعری؛ پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1977ء
- عمر بخش رسول نگری: آب حیاتی (قلمی نظم) مملوکہ کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات تصنیف 1280ھ
- عمر بخش رسول نگری: مناقبات نوشاہی (قلمی) مملوکہ کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات 1310ھ
- عمر دین طالب خواجہ چشتی نظامی: قرابادین چشتی؛ گڑھ شنکر س ن
- غفران سید: کلاسیکی ادب؛عزیز بک ڈپو لاہور 1975ء
- غلام فرید، خواجہ: کلیات خواجہ فرید؛ مرتبہ افضل خاں کشتہ اینڈ سنز لاہور 1976ء

- کشتہ مولا بخش: پنجابی شاعراں دا تذکرہ؛ ٹمپل روڈ لاہور 1960ء
- لاجونتی رام کرشنا، ڈاکٹر: پنجابی دے صوفی شاعر؛ مجلس شاہ حسین لاہور 1966ء
- محمد آصف خاں: (مرتب) آکھیا بابا فرید نے؛ پنجابی ادبی بورڈ لاہور 1978ء
- محمد اقبال بلوچ: حاجی محمد نوشہ حیاتی تے پیغام مقالہ ایم اے پنجابی دانشگاہ پنجاب 1972ء
- محمد بخش میاں: سیف الملوک؛ سراجدین کشمیری بازار لاہور 1939ء
- محمد بخش میاں: سیف الملوک؛ محکمہ اوقاف آزاد کشمیر میر پور 1976ء
- محمد بخش میاں: سوہنی مہینوال؛ سراجدین کشمیری بازار لاہور س ن
- محمد عالم چوہدری: ڈونگھے ویہناں دا شاعر؛ مولوی غلام رسول لاہور س ن
- کشکول نوشاہی (قلمی) ذخیرۂ شیرانی نمبر 6223 دانشگاہِ پنجاب لاہور س ن
- نذیر احمد، ڈاکٹر: (مرتب) کلام بلھے شاہ؛ پیکجز لاہور 1976ء
- نوشہ گنج بخش: گنج شریف؛ مرتبہ شرافت نوشاہی معارف نوشاہیہ ساہنپال 1980ء
- نوشہ گنج بخش: مواعظ نوشہ؛ مرتبہ شرافت نوشاہی تاج بکڈپو لاہور 1968ء
- وارث شاہ: ہیر؛ مرتبہ عبدالعزیز بارایٹ لاء پنجابی اکیڈمی لاہور 1964ء
- وارث شاہ: ہیر؛ مرتبہ شریف صابر وارث میموریل کمیٹی لاہور 1986ء
- ہاشم شاہ: کلام ہاشم اردو ترجمے نال؛ لوک ورثے کا قومی ادارہ اسلام آباد 1979ء
- ہاشم شاہ: ٹکارے؛ مرتبہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور س ن
- ہاشمی حمید اللہ شاہ: پنجابی زبان دی مختصر تاریخ؛ تاج بکڈپو لاہور س ن

اُردو

- آفتاب بیگ مرزا: تحفۃ الابرار (کلیات جدولیہ) لاہور 1323ھ/ 1905ء
- ابنِ خلدون: مقدمہ جلد دوم اردو ترجمہ مولانا راغب رحمانی نفیس اکیڈمی کراچی 1970ء
- ابن خلدون: مقدمہ جلد سوم ترجمہ مولوی عبدالرحمان رفاہ عام پریس لاہور س ن
- اثر محمد عباس: تذکرہ شاہ صدر دیوان سیالکوٹ س ن
- احمد حسین قریشی قلعداری: پنجابی ادب کی مختصر تاریخ؛ مکتبہ میری لائبریری لاہور 1972ء

- احمد رضا خاں بریلوی: حدائق بخشش؛ نذیر سنز لاہور س ن
- احمد علی چشتی: قصر عارفاں تصنیف 1291ھ/ 1874ء مطبوعہ دراورینٹل کالج میگزین
- اختر راہی: تذکرہ علمائے پنجاب؛ جلد اول، دوم مکتبہ رحمانیہ لاہور 1976ء
- اختر عباد اللہ: علم تصوف؛ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1951ء
- اختر کیرانوی مرزا: تذکرہ اولیائے ہندو پاکستان؛ جلد 3 دہلی 1928ء
- اختر مرزا: تذکرہ اولیائے ہند؛ میسور پریس کتب خانہ دہلی 1928ء
- اختر گورگانی مرزا: حدیقۃ الاسرار؛ لاہور مطبوعہ 1327ھ/ 1909ء
- اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی جلد 6 لاہور 1964ء
- ایضاً جلد 7
- اشرف علی تھانوی: امداد المشتاق؛ مکتبہ اسلامیہ لاہور 1929ء
- اعجاز الحق قدوسی: تذکرہ صوفیائے پنجاب؛ سلمان اکیڈمی کراچی 1962ء
- اعظم بیگ مرزا: تاریخ جہلم؛ [مطبوعہ لاہور] 1871ء
- اعظم بیگ مرزا: تاریخ گجرات؛ [مطبوعہ لاہور] 1870ء
- اقبال صلاح الدین: تاریخ پنجاب؛ عزیز بک ڈپو لاہور 1974ء
- اقبال محمد علامہ: بانگ درا؛ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1924ء
- امام بخش صہبائی مولوی: ترجمہ حدائق البلاغت؛ لکھنو نولکشور 1842ء
- انسائیکلوپیڈیا (اردو) فیروز سنز لاہور 1968ء
- انیس احمد فاروقی: انیس الواصلین اردو ترجمہ تذکرۃ الفقراء کراچی س ن
- ایس ایم اکرام، ڈاکٹر: دربار ملی؛ مجلس ترقیٔ اردو لاہور 1966ء
- ایم خواص خان ہزاروی: تحقیق الاعوان؛ مانسہرہ 1966ء
- براؤن ایڈورڈ: تاریخ ادبیات ایران مترجم وہاج الدین؛ انجمن ترقی پسند مصنفین دہلی 1939ء
- برق نوشاہی: شجرہ شریف نوشاہی؛ ڈوگہ گجرات 1964ء
- برق نوشاہی: نوشہ پیر؛ ڈوگہ گجرات 1976ء
- برق نوشاہی: نوشہ گنج بخش؛ ڈوگہ گجرات 1976ء
- برہان الدین احمد: نظریہ توحید؛ کتاب خانہ پنجاب لاہور 1947ء

- تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد 4، 1976ء
- ایضاً جلد 13
- ایضاً جلد 14
- ٹھاکر نواب علی خاں: معارف النغمات؛ ارادہ فروغ فن لاہور 1977ء
- جمیل احمد جالبی ڈاکٹر: پاکستان کی قدیم اردو شاعری؛ لاہور 1976ء
- جہانگیر: تزک جہانگیری؛ اردو ترجمہ اعجاز الحق، مجلس ترقی اُردو لاہور 1970ء
- حسن علی ملک: تعلیمات مجددیہ؛ شرقپور شریف 1965ء
- حسنین ہیکل پاشا: حیات محمد؛ مکتبہ کاروان لاہور 1964ء
- خدیجہ شجاعت علی: ترجمہ سہل حدائق البلاغت فیروز سنز پرنٹنگ پریس لاہور 1954ء
- خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق دہلوی؛ ندوۃ المصنفین دہلی 1953ء
- خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت؛ ندوۃ المصنفین دہلی 1953ء
- ذوقی سید محمد: سرِّ دلبراں، محفلِ ذوقیہ کراچی 1388ھ
- رام بابو سکسینہ: تاریخ ادب اُردو؛ مترجم مرزا محمد عسکری پنجاب پریس لاہور، 1929ء
- رحمان علی: تذکرہ علمائے ہند؛ ترجمہ ایوب قادری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی 1961ء
- سلطان الطاف علی: شرح ابیات باہُو؛ مجلس باہو لاہور 1975ء
- سلطان باہُو: امیر الکونین (ترجمہ)؛ اللہ والے کے قومی دکان لاہور 1332ھ
- سید عبداللہ ڈاکٹر: ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، مجلس ترقی ادب لاہور 1967ء
- سید عبداللہ ڈاکٹر: اشارات تنقید؛ خیابان ادب لاہور 1966ء
- شبلی نعمانی مولانا: سوانح مولانا روم؛ نولکشور لاہور 1909ء
- شرافت نوشاہی: اذکار نوشاہیہ؛ ساہنپال گجرات 1964ء
- شرافت نوشاہی: انوار نوشاہیہ؛ ساہنپال گجرات 1374ھ
- شرافت نوشاہی: تذکرہ نوشہ گنج بخشؒ؛ معارف نوشاہیہ ساہنپال گجرات 1978ء
- شرافت نوشاہی: شاہ عبدالرحمان پاک؛ معارف نوشاہیہ اعظمیہ مریدکے 1971ء
- شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد اول؛ معارف نوشاہیہ ساہنپال گجرات 1979ء
- ایضاً جلد 2 حصہ اول دوم 1982ء

- ایضاً جلد 3، 1983ء
- شمس بریلوی: کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ، کراچی 1979ء
- شمیم چوہدری: پنجابی ادب و تاریخ؛ کشتہ اینڈ سنز لاہور 1962ء
- شیخ محمد اکرام: آب کوثر؛ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1952ء
- شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر؛ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1958ء
- شیر محمد خاں ملک: تاریخ الاعوان؛ اشاعت منزل لاہور س ن
- صابر علی خاں لودھی: اردو مثنوی کا ارتقاء مقالہ ایم اے اردو پنجاب یونیورسٹی 1956ء
- ظفر احمد عثمانی مولانا: سیرت منصور حلاج؛ کراچی 1397ھ
- ظہور الدین احمد ڈاکٹر: پاکستان میں فارسی ادب، مجلس ترقی ادب لاہور 1964ء
- ظہور الحسن شارب ڈاکٹر: تذکرہ اولیائے پاک و ہند؛ حامد اینڈ کمپنی لاہور 1965ء
- عبدالسلام ندوی: شعر الہند حصہ دوم؛ معارف اعظم گڑھ 1949ء
- عبدالاول جونپوری مولانا: مفید المفتی، لکھنو 1326ھ
- عبدالحق ڈاکٹر: قدیم اردو؛ انجمن ترقی اُردو کراچی 1961ء
- عبدالماجد دریاآبادی: تصوف اسلام؛ اعظم گڑھ 1948ء
- عبداللہ چغتائی ڈاکٹر: تاریخی مساجد، لاہور 1976ء
- علم الدین مولوی: رمز العشق (قلمی)؛ چک بہلول ضلع گوجرانوالہ 1280ھ
  مملوکہ کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات
- علی ہجویری داتا گنج بخشؒ: کشف المحجوب اردو ترجمہ ایف ڈی گوہر؛ لاہور 1982ء
- غلام سرور مفتی: تاریخ مخزن پنجاب، لکھنو نولکشور 1877ء
- غلام سرور مفتی: حدیقۃ الاولیاء (ترجمہ) اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1976ء
- غلام سرور مفتی: خزینۃ الاصفیاء؛ المعارف لاہور 1392ھ
- غلام نبی ماسٹر: تذکرہ ہاشمیہ؛ شاد باغ لاہور س ن
- فتح علی خاں سائیں: مجموعہ وظائف قادری نوشاہی؛ راولپنڈی 1337ھ
- فضل حسین شیخ: رسالہ النیابت؛ گیلانی الیکٹرک پریس لاہور س ن
- کنھیا لال: تاریخ پنجاب؛ لاہور 1881ء

- گارساں دتاسی: خطباتِ گارساں دتاسی؛ انجمن ترقی اردو دہلی 1943ء
- گل حسن شاہ: تذکرہ غوثیہ؛ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1948ء
- گل محمد شیخ: بیان اشغال (قلمی) مملوکہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات 1150ھ
- گوہر نوشاہی ڈاکٹر: رسالہ از آثار فقیر نوشہ ثانی؛مطبوعہ در مجلّہ صحیفہ لاہور جولائی 1982ء
- مرزا محمد دہلوی: تذکرہ اولیائے ہند؛علی گڑھ 1914ء
- محمد بخش: سنگیت و دیانیدی؛تحریر پبلشرز لاہور س ن
- محمد حسن: تحائف اصفیاء؛ موضع رَنمل گجرات س ن
- محمد حسن ڈاکٹر: ادبی تنقید؛ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ 1954ء
- محمد حیات قادری نوشاہی: گلزار نوشاہی؛ لاہور 1915ء
- محمد صالح کمبوہ: شاہ جہاں نامہ؛ اردو ترجمہ جلد اول مرکزی اردو بورڈ لاہور 1967ء
- محمد صالح کمبوہ: شاہ جہاں نامہ؛ اردو ترجمہ جلد دوم مرکزی اردو بورڈ لاہور 1967ء
- محمد صالح کمبوہ: شاہ جہاں نامہ؛ اردو ترجمہ جلد سوم مرکزی اردو بورڈ لاہور 1960ء
- محمود شیرانی حافظ: پنجاب میں اردو؛ کتاب نما لاہور 1928ء
- محمود شیرانی حافظ: مقالات شیرانی جلد 2،مجلس ترقی اردو لاہور 1966ء
- مسعود حسن شہاب: تذکرہ اولیائے بہاولپور؛ اسد اکیڈمی بہاولپور 1980ء
- مقبول محمد نوشاہی: سبیل سلسبیل؛امرتسر 1342ھ
- ملک سراج دین احمد: تاریخ نسب نامہ کھوکھراں؛ جھنگ 1923ء
- منشی محمد اکرام امام خاں: معدن الموسیقی ؛لکھنؤ 1925ء
- محمد مردان علی خاں حاجی: غنچہ راگ ؛لکھنؤ نولکشور 1879ء
- میر ولی الدین: قرآن اور تصوف؛ دہلی 1948ء
- نائب حسین نقوی: اردو کی دو قدیم مثنویاں؛مجلس ترقی اردو لاہور 1970ء
- نامی غلام دستگیر: تاریخ جلیلہ؛گلزار عالم پریس لاہور 1937ء
- نجم الحسن کراروی: ذکر العباس؛ شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور 1956ء
- نذیر احمد: اقبال کے صنائع بدائع؛ آئینہ ادب لاہور 1966ء
- نور احمد چشتی مولوی: تحقیقات چشتی؛ ادبی اکیڈمی لاہور 1964ء

- نور بخش توکلی: تذکرہ مشائخ نقشبندیہ؛ نوری بک ڈپو لاہور 1976ء
- نوشہ گنج بخش حاجی محمدؒ: انتخاب گنج شریف مرتبہ شرافت نوشاہی؛ دار المورخین لاہور 1975ء
- نوشہ گنج بخش حاجی محمدؒ: گنج الاسرار؛ ساہنپال گجرات 1964ء
- ہادی حسین منشی بنارسی: ترانہ موسیقار؛ سلیمانی پریس بنارس 1927ء
- ہاشمی نصیر الدین: دکن میں اردو؛ مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن 1926ء
- یوسف سلیم چشتی پروفیسر: تاریخ تصوف؛ علما اکیڈمی اوقاف لاہور 1976ء

فارسی:

- احمد سرہندی مجدد الف ثانی: مکتوبات ؛لکھنؤ نولکشور 1877ء
- احمد سرہندی مجدد الف ثانی: مکتوبات مجدد الف ثانی؛ ترتیب و مقدمہ ڈاکٹر فضل الرحمان اقبال اکیڈمی کراچی 1968ء
- اسماعیل دہلوی: منصب امامت؛مخزن ادب لاہور 1966ء
- اصغر علی گیلانی سید: شجرۃ الانوار (قلمی) 1193ھ/ 1779ء دانشگاہ پنجاب ذخیرہ شیرانی نمبر 2191
- امام بخش نوشاہی برقندازی: مراۃ الغفوریہ (قلمی) کتب خانہ شیخ فضل حسینؒ بھلوال ضلع سرگودھا س ن
- امداد اللہ حاجی مہاجر مکی: رسالہ در بیان وحدۃ الوجود؛ کتب خانہ اشرفیہ دیوبند س ن
- امداد اللہ حاجی مہاجر مکی: ضیاء القلوب؛ کتب خانہ عزیزیہ دیوبند س ن
- امیر خورد: سیرہ الاولیاء؛ (اردو ترجمہ) انتشارات لاہور 1980ء
- بدخشی مُلا شاہ: کلیات مُلا شاہ (قلمی) شمارہ SPI vi-87 دانشگاہ پنجاب لاہور
- بدخشی مُلا شاہ: رسالہ نسبت (قلمی) شمارہ PI vi-158 دانشگاہ پنجاب لاہور
- بدخشی مُلا شاہ: رباعیات مُلا شاہ (قلمی) شمارہ API vi-59 دانشگاہ پنجاب لاہور
- برج ناتھ قانون گو پرگنہ دان گلی: وجہ تسمیہ دیہات پرگنہ دان گلی (قلمی) تصنیف 1176ھ مملوکہ راجہ محمد اسلم موضع بکوالہ ضلع جہلم
- پیر کمال لاہوری: تحائف قدسیہ (قلمی) تصنیف 1186ھ/ 1772ء مملوکہ کتب خانہ

صاحبزادہ نصرت نوشاہی شرقپور

- جامی عبدالرحمان مولانا: نفحات الانس؛ اسلامیہ پریس لاہور 1927ء
- جلال الدین حسین شیرازی: نسب نامہ سادات (قلمی) مخطوطات شیرانی نمبر 2209 دانشگاہ پنجاب لاہور
- داراشکوہ شہزادہ: سفینۃ الاولیاء (اردو ترجمہ) کراچی 1961ء
- داراشکوہ شہزادہ: سفینۃ الاولیاء؛ آگرہ 1269ھ
- رومی، جلال الدین مولانا: کلیات مثنوی؛ ایران 1349ھ
- سلطان باہو: عقل بیدار؛ (اردو ترجمہ) اللہ والے کی قومی دُکان لاہور 1977ء
- سوہن لال سوری لالہ: عمدۃ التواریخ؛ جلد 2 لاہور 1888ء
- شاہ ابوالمعالی: ہشت محفل (قلمی) ذخیرہ شیرانی نمبر 224 دانشگاہ پنجاب لاہور
- شاہ اسماعیل دہلوی: صراط مستقیم؛ ہدایت اللہ اینڈ سنز کلکتہ 1238ھ
- شاہ شریف احمد مراد مولانا: ہفتاد اولیاء؛ جلد اول حمیدیہ پریس دہلی س ن
- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: قول الجمیل؛ اقبال اکیڈمی لاہور 1946ء
- عبدالعزیز شاہ: فتاویٰ عزیزی جلد 1 کتاب خانہ رحیمیہ دیوبند س ن
- عبدالحق محدث دہلوی شیخ: ایرادالعبادات (اخبار الاخیار) مکتبہ مجتبائی دہلی 1332ھ
- عبدالرشید خواجہ: تذکرہ شعرائے پنجاب؛ اقبال اکیڈمی کراچی 1967ء
- عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ؛ جلد 2 لکھنؤ نولکشور 1284ھ
- عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، مکمل 3 جلد ترجمہ محمود احمد فاروقی شیخ غلام علی لاہور 1962ء
- علی ہجویری داتا گنج بخشؒ: کشف المحجوب؛ اسلامک پبلی کیشنز لاہور 1970ء
- کمال الدین محمد احسان نقشبندی: روضۃ القیومیہ تصنیف 1155ھ/ 1742ء سٹیم پریس لاہور س ن
- گل حسن شاہ مولانا: تعلیم غوثیہ موسوم بہ مراۃ الوحدت؛ جی اینڈ سنز دہلی 1919ء
- گل محمد شیخ: لطائف گل شاہی (قلمی) مملوکہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات 1150ھ
- محمد ابراہیم خلیفہ برقندازی: کلید گنج الاسرار (قلمی) مملوکہ کتب خانہ شیخ فضل حسین بھلوال سرگودھا 1274ھ
- محمد اشرف منچری: کنز الرحمت تصنیف 1220ھ/ 1805ء گوجرانوالہ 1911ء

- محمد اشرف منچری: کنز الرحمت (قلمی) مملوکہ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی سنگھوئی
- محمد حیات شیخ: تذکرہ نوشاہی (قلمی) ذخیرہ شیرانی 2160/5171 دانشگاہ پنجاب لاہور
- محمد حیات شیخ: تذکرہ نوشاہی (قلمی) ذخیرہ شیرانی 6188 دانشگاہ پنجاب لاہور
- محمد حیات شیخ: تذکرہ نوشاہی (قلمی) مملوکہ صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی سنگھوئی جہلم
- محمد حیات شیخ: تذکرہ نوشاہی (قلمی) مملوکہ برق نوشاہی کتب خانہ نوشاہیہ ڈوگہ ضلع گجرات
- محمد حسین تسبیحی: پاکستان و مطالب پاکستان شناسی؛ تہران (ایران) 1353ھ
- محمد صالح کنجاہی: سلسلۃ الاولیاء (قلمی) 1295ھ مملوکہ کتب خانہ قریشی احمد حسین قلعداری گجرات
- محمد ماہ صداقت کنجاہی: ثواقب المناقب (قلمی) 1126ھ/ 1714ء مملوکہ صاحبزادہ نصرت نوشاہی شرقپور
- محمد ماہ صداقت کنجاہی: ثواقب المناقب؛ مرتب ڈاکٹر وحید قریشی اورینٹل کالج میگزین جنوری مئی 1960ء
- محمد معصوم شیرازی (معصوم علی شاہ): باتصحیح محمد جعفر محجوب جلد 3 کتابخانہ سنائی ایران
- محمد ہاشم: زبدۃ المقامات؛ کانپور نولکشور 1307ھ
- معروف بھکری شیخ: ذخیرۃ الخوانین؛ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی 1961ء
- منشی ہنومان پرشاد: مخزن تاریخ؛ لکھنؤ نولکشور، س ن
- نظامی بدایونی: قاموس المشاہیر؛ جلد 1 بدایون 1924ء
- نوشہ ثانی فقیر غلام محی الدین: وحدت نامہ قلمی مثنوی ذخیرہ آذر نمبر 294/7515 دانشگاہ پنجاب لاہور
- نوشہ گنج بخش: جواہر مکنون المعروف اسرار و معارف؛ مرتبہ شرافت نوشاہی (قلمی) کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات
- نوشہ گنج بخش: ذخائر الجواہر المعروف ارشادات نوشاہیہ؛ مرتبہ شرافت نوشاہی (قلمی) کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات 1952ء
- نوشہ گنج بخش: کلمات طیبات المعروف ملفوظات نوشاہیہ؛ مرتبہ شرافت نوشاہی (قلمی) کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات 1957ء
- نوشہ گنج بخش: لطائف الاشارات؛ مرتبہ شرافت نوشاہی (قلمی) کتب خانہ شرافت

نوشاہی ساہنپال گجرات 1954ء

- نوشہ گنج بخش: معارف تصوف؛ مرتبہ شرافت نوشاہی (قلمی) کتب خانہ شرافت نوشاہی ساہنپال گجرات 1953ء (مجلّہ بصائر کراچی اپریل۔اکتوبر 1970ء)
- نوشہ گنج بخش: چہار بہار؛ مرتبہ ہاشم شاہ تھرپالوی باہتمام برق نوشاہی ڈوگہ گجرات 1979ء
- نوشہ گنج بخش: چہار بہار؛ مرتبہ ہاشم شاہ تھرپالوی مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان 1984ء

عربی

- القرآن، تاج کمپنی کراچی
- ابن العربی محی الدین: فتوحات مکیہ؛ جلد 3 مصر (قاہرہ) 1276ھ
- ابوبکر بن ابواسحاق الکلاباذی: التعرف؛ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور 1978ء
- ابوالنصر سراج: کتاب اللمع فی التصوف؛ لیڈن 1914ء
- امام قشیری: رسالہ قشیریہ؛ قاہرہ 1330ھ
- شہاب الدین سہروردی شیخ: عوارف المعارف؛ دارالکتاب العربی بیروت 1966ء
- عبدالقادر جیلانی شیخ: غنیۃ الطالبین؛ اردو ترجمہ مولوی عبدالعزیز نقشبندی، ملک سراج الدین تاجر کتب لاہور 1977ء
- عبدالقادر جیلانیؒ شیخ: فتوح الغیب؛ مصر 1973ء
- عبدالقادر جیلانیؒ شیخ: رسالہ غوث الاعظم؛ (اردو ترجمہ مولوی احمد حسین خاں) لاہور 1978ء

اخبار، رسالے، سرکاری ریکارڈ

- روزنامہ حالات لاہور 24 مارچ 1963ء
- سراج الاخبار جہلم 25 نومبر 1901ء
- ہفت روزہ ''پیام'' گجرات 24 نومبر 1967ء
- ماہنامہ ''محبوب'' مدیر صائم چشتی فیصل آباد ستمبر 1972ء
- ماہنامہ ''ساقی'' دہلی مئی 1941ء
- ماہنامہ ''الہلال'' کراچی دسمبر 1958ء
- ماہنامہ ''گل خنداں'' بزرگانِ دین نمبر لاہور اکتوبر 1962ء

- ماہنامہ ''القادر نوشاہی'' مدیر محمد حامد شاہ حامد گمٹالہ گورداسپور نومبر 1924ء
- ماہنامہ ''القادر نوشاہی'' جنوری، فروری، مارچ، مئی 1925ء
- ماہنامہ ''لہراں'' (پنجابی) لاہور مارچ اپریل 1974ء
- ماہنامہ ''لہراں'' (پنجابی) لاہور مارچ اپریل 1975ء
- ماہنامہ ''پنجابی دربار'' فیصل آباد ایڈیٹر جوشوا فضل الدین جنوری 1930ء
- ماہنامہ ''پنجابی ادب'' شاہ حسین نمبر لاہور
- ماہنامہ ''اسرار تصوف'' لاہور اکتوبر 1924ء
- ماہنامہ ''اسرار طریقت'' لاہور اکتوبر 1924ء
- سہ ماہی ''صحیفہ'' لاہور شمارہ 35 اپریل 1966ء
- سہ ماہی ''صحیفہ'' لاہور جولائی 1982ء
- سہ ماہی ''اردو'' کراچی اپریل 1951ء
- سہ ماہی ''اردو'' کراچی جنوری 1954ء
- اورینٹل کالج میگزین لاہور نومبر 1942ء
- اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی 1960ء
- اورینٹل کالج میگزین لاہور صد سالہ جشن 1982ء
- جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی لاہور 1914ء
- رسالہ نقوش لاہور نمبر 1966ء
- المعارف لاہور مئی 1970ء

سرکاری ریکارڈ

1- مسل حقیت موضع ''گھگانوالی'' سرسری بندوبست 1857ء قانونی بندوبست مئی 1868ء محکمہ مال محافظ خانہ گجرات
2- مسل حقیت موضع ''رمل''، تحصیل پھالیہ ضلع گجرات
3- مسل حقیت موضع ''ساہنپال''، تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

انگریزی

- Arnald Thomas; Preaching of Islam London 1913
- Brown, E.G; A Literary History of Percia Londan 1908
- Distt. Census Report Gujrat by Census Comissioner of Pakistan Ministry of Home and Kashmir Affairs 1961
- Distt. Census Report Jhelum 1961
- Elliot A.c. Captain; Chronicle of Gujrat Lahore 1902
- Encyclopaedia of Britannica. Vol 21
- Griffin, sir LHK Massy, C.F. Chiefs and Families of Note in the Punjab vol-1 Lahore, 1909
- Hudson, William Henry; An Introdution to the Study of Literature London 1944
- Ibbetson Denzil; A Glossary of the Trilbes and Castes of the Punjab N.W.F.P- vol-2 Lahore 1911
- Joseph T. Shipley; Dictionary of world Literary Terms Britain 1970
- Macdonold D.B; The Religious attitude and life of Islam. Beyrouth,1965
- Nicholson; A Literary History of the Arabs London 1907
- Payne; Akbar and the Jesuits 1926
- Wikeley Lt. Col. J.M.; Punjabi Muslimans Lahore 1968